تفسیر حقانی

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مدظلہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ ہفتم

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

"تفسیر حقانی" کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جارہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کرسکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-778-x

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AI-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

الجلد السابع جلد ہفتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②
وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

قریب آ لگی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہنے لگیں کہ یہ جادو ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے اور وہ تو جھٹلا چکے ہیں اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے اور ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا ہوا ہے اور ان کو اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی) عبرت ہے اور پوری دانائی بھی ہے پر ان کو ڈر سنانے والوں سے فائدہ نہیں پہنچا۔

ترکیب : وَانْشَقَّ عطف علی اقترب وان شرطیۃ یعرضوا ویقولوا جوابہ سحر خبر مبتداء محذوف ای ھذا وکل امر مبتداء مستقر خبرہ ویقرء بالجر صفۃ لامر من الانباء بیان لمزدجر ھو اسم مکان او مصدر میمی یقال ازدجرتہ اذا نہیتہ عن السوء ووعظتہ. بغلظ واصلہ فرتجر فتاء الافتعال قلبت والألو قوعہا بعد الزاء وما موصولۃ او موصوفۃ حکمۃ خبر مبتداء محذوف او بدل من ما او من مزدجر فما استفہامیۃ او نافیۃ تغن اصلہ تغنی لم یکتب الیاء بعد النون اتباعا لرسم المصحف والنذر جمع نذیر بمعنی المنذر ای الامور المنذرۃ لھم کاخبار الماضیۃ والامور الھائلۃ۔

تفسیر : یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر بھی یہی فرماتے ہیں۔ آیات کے فواصل راءِ ساکنہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ قاف اور سورۂ قمر عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں اور بڑی مجالس میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعد وعید و بدءِ خلق وحشر و توحید و اثبات النبوت وغیرہا اعظم المقاصد مذکور ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

اس سے پہلے سورۂ النجم کے خاتمہ میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر تھا ازفت الآزفۃ الآیہ کہ قیامت قریب آ لگی اس لیے اس سورہ میں بھی سب سے اول قیامت ہی کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے اور اس کا ذکر منصبِ نبوت کے لیے بڑی ضروری بات ہے کس لیے کہ انسان کو جب تک اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مر کر زندہ ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان کے بھلے برے پھل کھانا پڑے گا تب تک وہ سعادت کے راستے کو جو کہ بڑا دشوار گزار راستہ ہے کبھی اختیار نہیں کرسکتا۔ اس لیے فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی ساعت (بمعنی وقت) قریب آ لگی آنے والی چیز کا جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے خصوصاً جبکہ اس کے آثار و علامات نمودار ہونے لگتے ہیں پھر تو اور بھی اس کا قریب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ معجزۂ شق القمر قیامت کے آثار و علامات میں سے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث[1] ہونا ہے اسی طرح چاند کا پھٹنا بھی اس کی ایک بڑی علامت ہے جس کا اشارہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور چاند پھٹ گیا۔ جمہور مفسرین اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لیے کہ جب آپ مکے میں تھے تو کفار نے آپ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا تب آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس

[1] امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا کہ اس طرح سے یکے بعد دیگر ہیں اور اسی لیے آپ کا ایک نام حاشر بھی ہے۔ ۱۲ منہ

کے دو ٹکڑے لوگوں کو دکھائے۔ ایک ابوقبیس پہاڑ اور دوسرا اس کے قریب قعیقعان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا۔ اس بات کو محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں۔ (طبرانی) اور آیات کا سیاق وسباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لیے کہ اول اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ فرمایا اور بعد نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔

بعض نے یہ کہہ دیا ہے کہ انشق گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹے گا قیامت میں۔ اس قول کو محققین مفسرین نے رد کر دیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تفاسیر ملاحظہ کرو۔ بعض کہتے ہیں اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عرب کی زبان میں کسی بات کے ظاہر ہونے پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے۔ قمر سے روشن چیز کو تشبیہ دیا کرتے ہیں اور انشق کے معنی واضح یعنی یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہوگئی کہ قیامت قریب آلگی ہے عقلمندوں کے نزدیک۔

یہ قول بھی مردود ہے مگر صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے مگر اس پر مخالفینِ اسلام نے بعض شبہات وارد کئے ہیں۔

(۱) یہ کہ چاند اس قدر بڑا جسم ہے جو زمین کے کرہ سے بہت زیادہ ہے باوجود اس کے اجرامِ علویات میں حکماء نے کون وفساد ممتنع ثابت کیا ہے۔

(۲) اگر یہ واقعی ممکن بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا وقوع ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہتا حالانکہ اس وقت مختلف ممالک میں مؤرخ تھے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

جواب (۱): اول شبہ کا یہ جواب ہے کہ خواہ کسی قدر عظیم القدر جسم کیوں نہ ہو سب اس قادرِ مطلق کے احاطہ قدرت میں ہیں اور کون وفساد جن حکماء نے ممتنع ثابت کیا ہے ان کے دلائل کی بنیاد محض توہماتِ باطلہ پر ہے جن کا بطلان علم کلام میں بدرجۂ اتم ہو چکا ہے۔ جواب (۲) دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ چاند اس وقت باعتبار کرویت زمین کے تمام ملکوں پر تو طلوع کیا ہوا تھا ہی نہیں خصوصاً آفاقِ بعیدہ میں تو وہ اس وقت دکھلائی بھی نہیں دیتا تھا پھر ان پر اس کا پھٹنا اور پھر مل جانا کیونکر ظاہر ہوتا؟ پھر اس کو کیونکر لکھتے؟ اب رہے آفاقِ قریبہ کے لوگ سو اول تو یہ رات کا معاملہ تھا جبکہ سینکڑوں بلکہ نصف سے زیادہ لوگ سوتے ہوں گے اور ایک حصہ کثیر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگا، ان کو آسمان کی طرف خیال بھی نہ ہوگا اور اس کے سوا یہ معاملہ پہر دو پہر بھر نہیں رہا تھا صرف چند منٹ میں ہو گیا جو بہت کو بغیر متنبہ کئے خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ آج رات کو فلاں وقت یہ ماجرا گزرے گا۔ ان وجوہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب متوجہ تھے یا آفاقِ بعیدہ کے چند اور اشخاص کہ جن کو اتفاقاً یہ معاملہ دکھائی دیا اس پر بھی عرب میں اس کا ایسا چرچا پھیلا تھا کہ اس وقت کے شعراء نے اس کو نظم کیا اور یہی اشعار ان کی تواریخ کا محفوظ دفتر تھا جس سے صدہا واقعاتِ گزشتہ کا صحیح حال واضح ہوتا ہے۔ اس کے سوا جو کسی نے تاریخ میں بھی لکھا ہو تو کیا تعجب ہے۔ ہاں اس وقت کے مؤرخوں کی تمام تواریخ محفوظ ہمارے پاس موجود ہوں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ واقعہ مندرج نہ ہو تو البتہ تعجب کی بات ہے اور جس حالت میں کہ اس وقت کی کوئی صحیح تاریخ بھی ہمارے پاس نہ ہو اور جو کوئی ہے بھی تو کسی یونانی وغیرہ کی جس میں بجز شاہانِ ملک کے ایسے واقعات درج کرنے کا کم التزام کیا تھا تو پھر ہم کس اعتماد پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی مؤرخ نے اس کو نہیں لکھا؟ ہندوستان کے راجہ بھوج کی ایک متواتر نقل یہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علماء سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ سرزد ہونا بحوالہ اپنے علومِ متوارث کے بیان کیا جس سے وہ

راجہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔

اہلِ مذاہب میں سے ہر شخص تھوڑی دیر کے لیے اپنی مذہبی کتابیں بھی خیال میں رکھے تو کبھی اس واقعہ پر اعتراض نہ کریں۔ ہنود کے وید اور، پوران تو اس سے بھی بڑھ بڑھ کر واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کتاب یشوع کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ اس روز آفتاب ٹھہرا رہا اور عیسائی انجیل کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ مسیح کو صلیب دینے کے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھا گئی اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیے حالانکہ یہود میں اس وقت ایسے واقعات لکھنے کا دستور تھا پھر یہ کس مؤرخ نے لکھا اور کس نے اس کو دیکھا؟ یہود تو معجزے کے طالب تھے ان کو ایسا معجزہ دکھایا جاتا۔ سب نہیں تو بہت سے ایمان لے آتے۔ حضرات عیسائی ان توہمات آمیز روایتوں کا پہلے جواب دے لیں پھر ہم سے شق القمر کے معجزے میں گفتگو کریں۔

مُّسْتَمِرٌّ کے معنی بعض کہتے ہیں قوی کے ہیں۔ ابوالعالیہ وضحاک ونحاس کا یہی قول ہے۔ اخفش کہتا ہے کہ یہ امرار الحبل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے بٹنا۔ فراء وکسائی وابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فنا ہونے والے کے کہ اس جادو کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں ہمیشہ کے یعنی ایسے جادو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی تکذیب اور حال بیان فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کا کہنا کیا۔ اب چاہیے تھا کہ ایسے معجزے کے انکار پر عذابِ الٰہی آتا اور فوراً ہلاک کئے جاتے مگر كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ہر بات کا ایک وقت معین ہے کسی مصلحت کی وجہ سے اس نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر ایک بات کی ایک انتہا ہوتی ہے ان کے کفر کی بھی انتہا ہے اسلام کے دبنے کی بھی انتہا ہے۔ اس انتہا کے بعد ان کا کفر زائل ہوگا، اسلام ظہور پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس معجزے ہی پر کیا موقوف ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ان کے پاس بہت سی خبریں پہلی امتوں کے ہلاک وبرباد ہونے کی آ چکی ہیں جن میں اہلِ بصیرت کے لیے نصیحت وعبرت حاصل ہو سکتی ہے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ کامل دانائی حاصل ہو سکتی ہے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ مگر ان جنم کے اندھوں اور ازلی بدنصیبوں کو پند ونصائح اور خوفناک عبرت انگیز باتوں اور ڈرانے والوں بیدار کرنے والوں واعظوں کی نصیحت نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ یہ ویسے کے ویسے گمراہ اور اندھے ہی رہے۔ پھر جب ان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو اس معجزے سے کیا ہوتا اس کو بھی جادو کہہ دیا۔

فائدہ: جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیا کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ پتھر سے پانی نکلا، قلزم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا، لاٹھی کا اژدھا بنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی، ان کی بددعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے، دعاؤں سے مردے بھی جی اٹھے، دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی، مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت وفوقیت ثابت کی گئی۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ
مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ

وَّازْدُجِرَ ۝۹ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ
بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَی الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝۱۴
وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝۱۶ وَلَقَدْ
یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

پس (اے رسول!) آپ ان سے کنارہ کرلیں جس دن پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز کے لیے پکارے گا (تو اس دن) وہ آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہوں گے (اور) قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے کہ جیسے ٹڈیاں پھیل پڑی ہوں (اور) پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ کافر کہتے ہوں گے یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ (اے رسول!) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا (یہ تو) دیوانہ دھتکارا ہوا ہے۔ پھر نوح نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہوگیا تو میری مدد کر پھر تو ہم نے ان پر پانی کے ریلوں سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کی سوتیں کھول دیں۔ پھر جہاں تک پانی کا چڑھاؤ چڑھنا ٹھیر چکا تھا (اس حد تک کہ ٹھیر گئی تھی) چڑھ آیا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا جو ہماری عنایت سے چلتی تھی۔ یہ اس کا بدلہ تھا کہ جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے کشتی کو نشانی بنا کر رہنے دیا کہ کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے پھر (دیکھا) کیسا تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا اور البتہ ہم نے تو سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کردیا پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟

ترکیب : یوم ناصبہ یخرجون یدع سقطت الواو من یدع اتباعا للفظ حذفت الیاء من الداع مبالغۃ فی التخفیف واکتفاء بالکسرۃ نکر بضم النون والکاف وباسکان الکاف ھوصفۃ بمعنی منکر ویقرء بضم النون وکسر الکاف وفتح الراء علی انہ فعل مالم یسم فاعلہ خشعا جمع خاشع وقرئ خاشعا علی الافراد وھوحال والعامل یدعوا ابصارھم مرفوع مخشعا کانھم حال من الضمیر فی یخرجون مھطعین الاھطاع الاسراع فی المشی ء حال من الضمیر فی یخرجون وازدجر الدال بدل من التاء انی بالفتح ای بانی علی امر حال اوظرف والھاء فی حملناہ لنوح تجری فی موضع جر صفۃ باعیننا حال من الضمیر فی تجری ای محفوظۃ جزاء مفعول لہ کفر ای بہ ونذر قال الفراء الانذار والنذر مصدران۔

تفسیر : منکرین نے جب ایسا بڑا معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کیا اور اس کو جادو بتا دیا تو اب ان سے حق قبول کرنے کی کیا توقع باقی رہ گئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ازلی بدنصیبوں کو جہنم سے بچانے کی از حد حرص تھی اس لیے آپ کو حکم ہوا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی گفتگو نہ کریں کچھ فائدہ نہیں۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ ان سے جنگ نہ کریں اور سزا کے موقع پر سزا نہ دیں پھر اس کو آیت السیف سے منسوخ قرار دینا زائد بات ہے۔ یہاں تک کلام تمام ہوگیا اور اسی لیے یہاں قراء کے نزدیک وقف لازم ہے۔

یوم الداع الخ سے دوسری بات شروع ہوتی ہے یعنی حشر کا ہولناک واقعہ اور قبروں سے نکل کر حساب دینے کے لیے عدالت میں آنے کی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ اس بات کو سن کر منکرینِ حشر کے دلوں میں خوف پیدا ہو پس فرماتا ہے اس دن کو یاد دلا کر جس دن پکارنے والا فرشتہ اسرافیل علیہ السلام یا جبرئیل علیہ السلام یا اور کوئی فرشتہ ایک مکروہ چیز کے لیے بلائے گا اور ناپسند چیز حساب ہے۔ اس کی آواز دیتے ہی ٹڈیوں کی طرح سے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر عدالت کی طرف مجبور دوڑتے چلے آئیں گے اور خوف اور شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوں گی۔ پھیلی ہوئی ٹڈیوں سے تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح وہ بکثرت ہر طرف سے دوڑتی ہوئی جاتی ہیں اسی طرح لوگوں کا بھی ایک بڑا ٹڈی دل

ہوگا کس لیے کہ تمام انسان اگلے پچھلے سب ہی قبروں سے اٹھیں گے اور سب خداوندی حکم کی ہیبت اسے عدالت کی طرف دوڑے چلے آئیں گے کسی کو مجال نہ ہوگی کہ حاضر ہونے میں دیر و تامل کرے اور ان میں سے منکروں پر بڑی سختی ہوگی جس لیے وہ کہیں گے کہ یہ دن سخت ہے۔

قومِ نوح کی ہلاکت : اس کے بعد ان کفار کو دنیاوی مصائب سے بھی ڈراتا ہے۔ اول تو آخرت کی دردناک مصیبت سے ڈرایا مگر آخرت کا ان کو باور نہ تھا وہ تو دنیا ہی پر غش تھے۔ اس لیے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کی تباہی و بربادی کے تذکرے سنا کر دنیاوی مصائب سے ڈراتا ہے اور وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ الخ کی تفصیل کرتا ہے اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال سناتا ہے فقال كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ کہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی نوح کو جھٹلایا تھا پھر اس جھٹلانے کی مفصل کیفیت بیان فرماتا ہے فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ کہ ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ مبتذل ہے ہر کوئی اس کو جھڑکتا ہے، مارتا ہے۔ سینکڑوں برس یہ پاک بندے حقِ عبودیت ادا کرنے کے لیے ان کو سمجھاتے رہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے ناصح مشفق کی قدر و منزلت کرتے مارتے پیٹتے، برا بھلا ہی کہتے رہے (وہ ہمارے زمانے کے واعظ یا ریفارمر نہ تھے جو بغیر منظوریِ خدا تعالیٰ کے یہ عہدۂ جلیلہ آپ لینے کا قصد کرتے ہیں صرف چرب زبانی ہوتی ہے مگر ان کی اندرونی خباثتیں اور نفسانی خواہشیں اور نمود و شہرت کی آرزوئیں ان کی چرب زبانی کو صابن بن کر دھو ڈالتی ہیں جس پر یہ جلد ہزیمت کھا کر اس فرضی عہدے کو خیرباد کہہ بیٹھتے ہیں) آخر غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور نوح علیہ السلام کے عرقِ عبودیت کو جنبش ہوئی تو دعا کی فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کہ الٰہی میں دب گیا میری مدد کر۔ خاصانِ خدا کو کبھی ایسے گستاخوں کے مقابلے میں جوش بھی آجاتا ہے جو انتقامِ الٰہی کا پیغام ہوتا ہے۔

نہ توڑو ہمیں تم کھلونا سمجھ کر کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

پھر کیا تھا فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَی الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ کہ ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیے، پانی کے ریلے گرنے لگے اور زمین سے بھی پھوٹ نکلا۔ پھر جہاں تک کہ خدا نے مقرر کر رکھا تھا پانی چڑھ گیا زمین کے رہنے والے اور درخت اور پہاڑ بھی ڈوب گئے۔ مگر نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی پر سوار کیا جو ہماری مدد سے چلتی تھی۔ یہ غرق اور نوح کی نجات بدلہ ہے اس کا کہ جس کا انکار کیا تھا اور اسی کشتی کو یا اس قسم کی کشتیوں کو ہم نے دنیا میں یادگار کے لیے باقی رکھا پھر کوئی ہے کہ اس بات کو سمجھے۔ پھر دیکھا میرا عذاب اور میرا ڈر کیسا ہوا؟

فائدہ: اجداث جمع جدث کی جس کے معنی ہیں قبر۔ مُهْطِعِیْنَ الاھطاع دوڑنا۔ اَبْوَابَ السَّمَآءِ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ استعارہ ہے بے حد پانی برسنے کے وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے کیونکہ پانی تو بادلوں سے برسا کرتا ہے اور بادلوں کو آسمان بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ مُنْهَمِرٍ ہمر پانی اوپر سے گرنا اور بہت گرنا ذَاتِ اَلْوَاحٍ کشتی۔ الواح جمع لوح تختے۔ دُسُرٍ جمع دسار میخیں اور کیلیں کہ جن سے تختے جوڑے جائیں۔ تَرَكْنٰهَا قتادہ کہتے ہیں کہ اس کشتی کو مدتوں خدا نے باقی رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس امت کے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا۔ چند برس ہوئے کہ ترکی سیاحوں نے اس پہاڑ کی برف پگھلنے سے ایک عظیم الشان کشتی دریافت کی تھی جس کا تذکرہ اخباروں میں بھی رہا۔ اکثر کا گمان تھا یہ وہی کشتی ہے ورنہ پہاڑ پر چڑھنے کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں ہا ضمیر جنس کشتی کی طرف راجع ہے۔ بعض کہتے ہیں فعلۃ کی طرف کہ اس کام کو ہم نے عبرت کردیا۔ تَرَكْنٰهَا بمعنی جعلنا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝۱۸ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع ٢

قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے بھی ان پر سخت منحوس دن میں ایک سخت آندھی چلائی جو لوگوں کو ایسا پھینک رہی تھی کہ گویا وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں۔ پھر (دیکھا) ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی کہ سمجھے۔

ترکیب : اِنَّآ اَرْسَلْنَا جملۃ مستانفہ مبینۃ لما اجملہ قبلہ فِيْ يَوْمِ الظرف متعلق بارسلنا تَنْزِعُ النَّاسَ الجملۃ صفۃ لریح او حال منہا۔ كَاَنَّهُمْ حال من الناس اَعْجَازُ نَخْلٍ یذکر ویؤنث ولذا یوصف بالمذکر کمافی قولہ تعالیٰ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ وبالمونث کمافی قولہ تعالیٰ اَعْجَازُ نَخْلٍ خاویۃ وقیل التذکیر رعایۃ والتانیث للفظ عَذَابِيْ وَنُذُرِ للمعنی اصلہ نذری۔ حذف الیاء رعایۃ للفواصل وبقیت الکسرۃ عوضا عنہا۔

تفسیر.....قوم عاد کی بربادی : یہ دوسرا تذکرہ قومِ عاد کا ہے کہ انہوں نے بھی پیغمبر کا انکار کیا۔ پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ پھر اس کی مجملاً کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا ہم نے اس قوم پر سخت آندھی بھیجی نامبارک دن میں جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینکتی تھی اور لوگ کھجور کے اکھڑے ہوئے پیڑوں کی طرح زمین پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہ کیسی تھی؟ اس کلمہ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ کو اسی قصہ میں دوبارہ ذکر کیا۔ اول بار انکار و کفر ذکر کر کے دوسری بار سزا بیان کر کے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اول بار کے ذکر میں دنیاوی بربادی و ہلاکت کی طرف اشارہ ہوا اور بارِ دگر میں اخروی عذاب کی طرف ایماء ہو۔ ان کے اعمالِ بد کے نتیجۂ بدکو ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے پند و نصائح ذکر کر دیے ہیں صاف صاف طور پر نہ جن میں کوئی ابہام ہے نہ معمہ نہ ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی طرف ذہن نہ جا سکتا ہو (جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور بعض پیشین گوئیاں بائبل میں ہیں) نہ شاعرانہ خیال کی بلند پروازیاں ہیں بلکہ بہت صاف اور آسان۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟ اس پر بھی جو کوئی نہ سمجھے تو جان لو کہ اس کی تقدیر میں سعادتِ ازلی کا حصہ ہی نہیں۔

فائدہ (١): قرآن کے آسان کرنے کے یہ معنی تھے جو ہم نے بیان کئے۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لغاتِ عرب سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور قواعد صرف و نحو و معانی و بلاغت کے رموز سے واقف نہ ہو۔ احکام کے علل و اسرار تک رسائی نہ ہو۔ حقائقِ غامضہ و لطائفِ روحانیہ تک ذہن اڑ کر نہ جاتا ہو۔ اَلہامِ ربانی و اساسِ نوامیس سے آشنا نہ ہو۔ وہ بھی قرآن مجید کو ویسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں حاشا و کلا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لیے ظہر و بطن ہے اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ یہ دریائے بے کنار ہے۔ اس سے ہر شخص بقدرِ فہم خود حصہ پاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسے جاہل کا کہ جس کو بجز ترجمے کے بارگاہِ قرآنیہ تک رسائی نہیں یہ کہہ دینا (کہ جو کچھ آئمہ مجتہدین و علماءِ مستنبطین نے قرآن سے مسائلِ شرعیہ و معارفِ حکمیہ ثابت کیے ہیں ہم کو ان کی کچھ پروا نہیں) محض یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے جو آج کل ظاہر بینوں اور سرسری نظر والوں میں انگریزی الحاد کی بابت از خد بڑھی ہوئی ہے۔

فائدہ (٢): فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ یوم سے مراد مطلق وقت ہے جیسا کہ کلامِ عرب میں دستور ہے۔ پس یہ آیت سورۂ سجدہ کی اس آیت کے منافی نہیں فی ایام نحسات اور نہ الحاقہ کی اس آیت کے مخالف ہے سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا۔ مستمر غالباً نحس کی صفت نہیں بلکہ یوم کی جیسا کہ قرأت اضافہ یوم نحس کی طرف اس کی مؤید ہے یوم کے مستمر ہونے سے کئی روز تک پے در پے آندھی کا چلنا مراد ہے یا مستمر کے معنی قوی کے ہیں۔ بعض مؤرخوں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ آندھی جس روز شروع ہوئی تھی وہ آخری چہار شنبہ تھا اور ہر مہینے کا آخری بدھ منحوس ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ ایام کا فی ذاتہا انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں اسی کے اعمال کا نیک و بد ثمرہ ایام میں

ظہور کرتا ہے جس لیے وہ اس دن کو منحوس یا سعید کہتے ہیں۔ ورنہ وہی ایک دن ہے جو سینکڑوں کے لیے نحس اور سینکڑوں کے لیے سعد ہے اگر دن میں کوئی اثر ہوتا تو سب کے لیے برابر ہوتا۔ ایسے خیالات اور توہمات ہنود اور دیگر بت پرست اور اوہام پرست قوموں میں مدت سے چلے آتے ہیں جن سے ان کے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ
ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ
وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا
صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

قومِ ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ پس کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے میں کے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں گے تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر وحی بھیجی گئی؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا (اور) شیخی خورا ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے۔ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں پھر (اے صالح!) انہیں دیکھتے رہو اور ٹھہرے رہو اور ان سے کہہ دیا کہ پانی ان میں بٹ گیا ہے ہر ایک اپنی باری سے پانی پر آیا کرے۔ پھر قومِ ثمود نے اپنے رفیق کو بلایا تب اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب بھیجا پھر تو وہ ایسے ہو کر رہ گئے کہ جیسا کانٹوں کی باڑ کا چورا[1] اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب : بَشَرًا ھو منصوب بفعل یفسرہ المذکور ای اتبع بَشَرًا مِّنَّا نعت ویقرء بالرفع فھو مبتداء ومِنَّا نعت لہ وَاحِدًا حال من الھاء فی نَّتَّبِعُهٗٓ من بیننا حال من الھاء الْاَشِرُ بکسر الشین وضمہا لغتان مثل فرح وفرح ویقرأ بتشدید الراء ھو فعل من الشر فِتْنَةً مفعول لہ۔

تفسیر.....قوم ثمود کی بربادی : یہ تیسرا قصہ ثمود کا ہے کہ انہوں نے بھی نذر یعنی ڈرسنانے والے رسولوں کو جھٹلایا (اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر جو بات صالح کہتے تھے وہی سب اگلے انبیاء کہتے آئے تھے پس ایک کا جھٹلانا گویا سب کا جھٹلانا[2] ہے۔ یا یوں کہو خدا کی طرف کے انسان کو ڈرسنانے والے انسانی انقلابات اور حوادثِ دہر بھی ہیں ان سے پند پذیر نہ ہونا اور ان کو پسِ پشت ڈال دینا ان کی تکذیب ہے)۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک شخص کے جو ہمارے برابر ہے تابع ہو جائیں؟ اس میں کیا فوقیت ہے جو اسی پر خدا کی طرف سے نصیحت نازل ہوئی ہے۔ اس کے تابع ہونا گمراہی اور مصیبت میں پڑ جانا ہے بلکہ یہ جھوٹا شیخی خورا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا کہ کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے؟ اب ہم ان کی

[1] کہ جیسی چورا ہوئی باڑ۔

[2] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے نبی وہ بات لائے جس پر پہلے انبیا قائم تھے کوئی نئی بات نہ تھی نہ بے سند بات۔ ١٢ منہ

آزمائش کو اونٹنی بھیجتے ہیں اس کو دیکھو اور صبر کرو اور کہہ دو کہ پانی پینے کو ہر ایک اپنی باری سے گھاٹ پر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم نے ایک بدکردار کو آمادہ کیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پر عذاب آیا۔ ایک ہیبتناک آواز رات میں آئی، پھر سخت زلزلہ آیا جس سے سب چوراچور ہو کر رہ گئے اس کا مفصل بیان سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے ایسے عبرت انگیز واقعات ہیں سمجھو قرآن کو آسان کر دیا ہے کوئی ہے کہ سمجھے؟

فائدہ (۳): سعر آگ کا شعلہ' جنون جمع سعیر کی۔ (ابوعبیدہ)۔ فراء کہتے ہیں اس کے معنی ہیں سختی اور مشقت کے (۲) اَشِرٌ بروزن فِعلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں خوشی کرنے والا اور اترانے والا۔ جس کا ٹھیک ترجمہ ہے شیخی مارنے والا۔ (۳) شِرْبٍ بکسرِ شین پانی کا حصہ۔

فائدہ (۴): هَشِيْمِ ایندھن۔ مُحْتَظِرِ جمہور نے بکسرِ ظا پڑھا ہے یعنی اسم فاعل جس کے معنی ہیں کانٹوں کی باڑ بنانے والا جو کھیت یا مواشی کی حفاظت کے لیے بنایا کرتا ہے۔ بعض نے بفتحِ ظاء پڑھا ہے جس کے معنی ہیں حظیرہ کے جس کو احاطہ یا گھیر یا باڑ کہتے ہیں مراد ہے چوراچورا اور شکستہ ہونا۔

فائدہ: (۱) اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ، متبع کے اول بشر کو مقدم کیا جس میں ان کفار کے وجوہِ انکار و اسبابِ عدم اتباعِ رسول علیہ السلام کی طرف چند اشارات ہیں۔ اول یہ کہ بشر یعنی انسان ہونا ان کے نزدیک اتباع کے مناسب نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ انسان سب برابر پھر ہم میں کیا بات نہیں جو اس میں ہے۔ پھر کس لیے ہم اس کے کہنے پر چلیں۔ دوم بشرًا کو نکرہ بیان کیا جس سے اس کی تحقیر مقصود تھی یعنی بشر بھی کوئی نامور و معزز اور معروف شخص نہیں جس کے پاس دنیاوی عزت کا کوئی سامان نہیں۔ نہ مال و اسباب ہے نہ اور کوئی تجمل کی بات ہے۔ ایک فقیر آدمی ہے۔ سوم بشر بھی منا ہم لوگوں میں کا ایک آدمی۔ عقلا کے نزدیک مجانست انسان کا اصلی حال دریافت کر کے اس پر اعتقاد لانے کا عمدہ ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ آپس کے لوگوں سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں رہتی مگر ان حمقاء کے نزدیک یہ بھی ایک عیب کی بات تھی۔ سچ ہے آپس کے لوگ اور ہم زمانہ اور ہم وطن اپنے آدمی کے کمالات پر بہت کم اعتقاد لایا کرتے ہیں۔ اسی لیے حکماء اور عرفاء کا قول ہے کہ آدمی کی اس کے وطن میں قدر نہیں ہوتی۔ باغ میں پھول کی اور کان میں جواہر کی قدر نہیں جب وہ اپنے وطن سے نکل کر جوہریوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی قدر و منزلت پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کاملین کو قضاء و قدر نے بے وطن کیا ہے اور اسی سبب سے جناب رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وطن چھوڑنے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر مجبور کیے گئے۔ چہارم واحدًا یعنی اکیلا ہونا اس کے ساتھ جماعتِ کثیر نہ ہونا۔ یہ بھی اس کی کسرِ شان کا باعث عام دلوں میں سمجھا گیا اور یہی بات عموماً قوموں کی جبلی ہوگئی ہے اسی لیے ہر جگہ کے لوگوں نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم اور دنیاوی تجمل و حشمت نہ رکھنے والے نبی کا انکار ہی کر دیا ہے اور اب تک بنی آدم اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ہم قوم اور ہم وطن اہلِ کمال کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اور اسی طرح جس کے پاس سامان و اسبابِ دنیاوی اور ظاہری حشمت و عزت اور جماعت و اعوان و انصار نہیں ہوتے خواہ وہ کیسا ہی باکمال ہو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آج کل تو کمالاتِ انسانیہ کا دارومدار حشمت و مال و اعوان و انصار پر ٹھہر گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس زمانے میں حسیات میں انسان نے ترقی کی ہے مگر روحانی کمالات میں بہت پستی ہوگئی ہے اور یہی سبب ہے کہ فواحش اور ریاکاری و عیاری و نفس پرستی نے بہت رواج پایا ہے اور پانا بھی چاہیے تھا کس لیے کہ جس قدر ہادیِ برحق سے لوگوں کو زمانہ دور کھینچے جا رہا ہے اسی قدر ان کی روحانی قوت میں سستی اور ضعف آتا جا رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس زمانے میں نفوسِ قدسیہ حضرات اولیاءِ کرام بہت کم نظر آتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس ایک چھوٹے سے فقرے میں انسانی جبلت اور اس کے آثار بتلا کر ایمانداروں کو کس لطیف پیرایہ میں اسبابِ ظاہریہ

پر کمالات کی قدردانی کو منحصر جاننے کو منع فرمایا اور یہ بات بتلا دی کہ ان باتوں کی طرف نظر نہ کیا کرو اصلی بات کو دیکھو۔ ان اسباب کے مفقود ہونے پر کفار اپنے نبی کی اتباع کرنے کو گمراہی اور جنون سمجھتے تھے۔ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ اور ہم جنس اور ہم وطن ہونے کے سبب سے ان کو اس بات کا کمال تعجب تھا کہ ہم میں سے یہ کیونکر خدا کا نبی ہو گیا اَلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا آخر جب فہم نے رسائی نہ کی تو یہی کہہ دیا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ کہ یہ تو جھوٹا شیخی خورا ہے چونکہ وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے اور وہ ان میں غور کر کے نتیجہ نکالتے اسی لیے سزا ہی کے تازیانے کی ان کو خبر دی گئی جیسا کہ بہایم اور بے عقلوں کو سمجھایا جاتا ہے فقال سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

قومِ لوط نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا (پھر تو) ہم نے ان (سرکش قوم) پر پتھر برسائے۔ لوط کے خاندان کے سوا کہ ان کو تو (اپنی عنایت سے) ہم نے صبح ہوتے بچا لیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا پھر وہ خوف کی بات کو ٹھکرانے لگے اور وہ اس کے مہمانوں کو چٹنے لگے پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پٹ کر دیں (اور کہہ دیا لو) اب ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور صبح سویرے سے ان کو اٹل عذاب نے آ لیا۔ کہا گیا کہ لو اب ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور البتہ ہم نے سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب: الحاصب اسم الفاعل من حصب اذا رمی الحصباء هی الحصا ومنه الحصب موضع بالحجاز قال ابوعبیدة الحاصب الحجارة فی الریح وقال فی الصحاح الحاصب الریح الشدیدة التی تثیر الحصباء تذکیر الحاصب مع انه مسند الی الریح وهی مونث سماعی لکونها فی تاویل العذاب الاآل لوط استثناء متصل بسحر الباء بمعنی فی او للملابسة ای حال کونهم متلبسین بسحر نعمة منصوب علی العلة او علی المصدریة تمادوا تفاعلوا من المریة وهی الشک والمجادلة راودوه المراد والطلب مرة بعد مرة۔

تفسیر.....حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ: چوتھا قصہ قومِ لوط کا ہے کہ انہوں نے بھی نبیوں اور ان کی باتوں کو جھٹلایا تھا جس سے ان پر بلائے عظیم نازل ہوئی۔ یہ قصہ کئی ایک جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفرِ مصر میں ساتھ تھے۔ دونوں کے مواشی بکثرت تھے اس لیے دونوں کو جدا ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان میں آ رہے اور حضرت لوط علیہ السلام یردن ندی کی ترائی میں جہاں سدوم اور عمورہ شہر آباد تھے۔ یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور بت پرست تھے۔ مردوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر وہ بدبخت اپنی ناجائز شہوت کے نشے میں اندھے تھے، نہ مانا اور جھٹلا دیا۔ اب

انتقامِ الٰہی کا وقت قریب آیا۔

دو فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر آئے تھے۔ لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کو جو سدوم کے پھاٹک پر بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ان مہمانوں کو گھر لے گئے۔ سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے ان کا گھر گھیر لیا اور انہوں نے پکار کر لوط علیہ السلام کو کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں مہمان آئے ہیں کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا کہ ہم ان سے صحبت کریں۔ تب لوط علیہ السلام دروازے سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا اے بھائیو! برا کام نہ کرو۔ تب انہوں نے کہا ہٹ جا۔ تو گزران کرنے آیا ہے یا حاکمی کرنا چاہتا ہے۔ اب تیرے ساتھ ہم ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے۔ پھر وہ لوط علیہ السلام پر حملہ کر کے آئے اور کواڑ توڑنے لگے تب ان فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لوط علیہ السلام کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر لیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا۔ سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ تب فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لوگوں کو لے کر اس مقام سے نکل جا کیونکہ ہم اس کو غارت کریں گے۔ صبح کو لوط علیہ السلام اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو لے کر نکل گئے اور شہر ضغر میں پہنچے اور جب ضغر میں داخل ہوئے سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ[1] آسمان سے برسائی اور ان شہروں کو غارت کر دیا مگر ان کی بیوی نے باوجود منع کر دینے کے پیچھے پھر کے دیکھا سو وہ نمک کا کھنبا بن گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے فجر کو اٹھ کر اس زمین کے میدان کی طرف نظر کی اور کیا دیکھا کہ زمین پر بھٹی کا سا دھواں اٹھ رہا ہے۔ (تورات سفر التخلیقہ باب ۱۹)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ
عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

اور البتہ فرعون کے خاندان کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے تھے انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو بڑی زبردست پکڑ سے پکڑا۔ کیا (اے اہلِ مکہ!) تمہارے منکران سے کچھ بہتر ہیں کیا تمہارے لیے دفتروں میں معافی (لکھی) ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست جماعت ہیں جلد یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

ترکیب : النذر جمع نذیر و مصدر بمعنی الانذار۔ اخذ منصوب علی المصدریۃ اکفارکم الاستفہام انکاری فی الزبر صفت البراءۃ ای براءۃ مکتوبۃ فی الاوراق او الکتب السماویۃ المنزلۃ علی الانبیاء السابقین۔ الدبر و المراد الادبار لارادۃ الجنس اولان کل واحد یولی دبرہ وقیل لاجل دبرہ وقیل لاجل رؤس الائ وقیل فی الافراد اشارۃ الی انھم فی التولیۃ والھزیمۃ کشخص واحد فلا یقدرون علی المقابلۃ۔

تفسیر.....فرعونیوں کا حال: پانچواں قصہ فرعونیوں کا ہے۔ آلِ فرعون سے صرف اس کا خاندان ہی مراد نہیں بلکہ اس کی ساری قوم۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خوف اور دہشت دلانے والی باتیں پہنچیں مگر وہ بدبخت ازلی جو جاہ و حشم کے نشے میں

[1] قرآن مجید میں آندھی اور پتھر برسانا آیا ہے اور تورات میں گندھک اور آگ گندھک کے دہکتے ہوئے ڈھیلے سخت ہوا میں گرنا قرار دیا جاوے تو کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی جو اعجاز اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اب بھی آسمان سے مختلف چیزیں لوگوں پر برسی ہیں اور جو فلسفہ کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ آسمان سے بسا اوقات ابخرات دادخنہ مختلف صورتیں حاصل کر کے زمین پر گرا کرتے ہیں ہم کہتے ہیں مختلف صورتیں بنا کر حسبِ وقت کسی خاص قوم پر ان کی بربادی کے لیے گرانا طبیعتِ اجسام کا کام نہیں بلکہ فاعلِ مختار اور واحد قہار کا۔ ۱۲ منہ

بدمست ہو رہے تھے کب ڈرنے والے تھے اور اپنی بدکاریوں سے باز آنے والے تھے؟ خدا تعالیٰ کی کسی نشانی کو بھی نہیں مانا۔ خدا تعالیٰ کی نو نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں جو انہوں نے فرعونیوں کو وقتاً فوقتاً دکھائیں۔ یدِ بیضا' عصاء وغیرہ اس کے سوا اور بھی صدہا خداوند تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حالات کا تغیر' عالم کا تبدل اور ارضی و سماوی حوادث اور اس کے عجائبات پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین و آسمان کے بے انتہا قدرت کے کارخانے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر کرنے والے کو ہدایت کے صدہا نمونے ہیں پھر جو کسی میں بھی غور نہیں کرتا تو پھر وہ ان سب کو جھوٹا جان رہا ہے پھر اس پر ہدایت کے دروازے بند نہ ہوں تو اور کیا ہو؟

جب فرعونیوں کی یہ حالت ہوئی تو ان کو ہم نے خوب پکڑ کر قابو کیا۔ ان پر ہر طرح کی بلائیں آئیں۔ فرعون اور اس کا لشکر بحرِ قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصے سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لوگوں سے خطاب کرتا ہے کہ اکفار کم خیر اے عرب! یا اے اہلِ مکہ! کیا تمہارے کافران پہلے کافروں سے جو ہلاک ہوئے اور جن کے تذکرے تم سے آئے بہتر ہیں کہ ان کو وہ ہلاکی و بربادی پیش نہ آئے گی؟ اگر بہتر نہیں تو دوسری صورت بچنے کی یہ ہے کہ تمہارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی برأت لکھ دی گئی ہو؟ کیا تم کو کوئی پروانہ مل گیا ہے کہ تم پر عذاب نہ آئے گا؟ تیسری بات دنیا میں عذاب سے مامون ہونے کی اپنی ذاتی قوت ہے اپنی جماعت کے زور و شوکت سے خدا تعالیٰ کے قہر و جبروت کو مقابلہ کر کے ٹلا سکتے ہو سو یہ بھی نہیں۔ کیونکہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یہ پسپا ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بخاری و نسائی نے روایت کی ہے کہ جنگِ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر مقابلے میں نکلے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ کون سی جماعت غالب ہوگی کون سی مغلوب؟ پھر جب بدر کے روز آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے تو اس کا مطلب معلوم ہوا۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ
وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا
كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ
اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ
صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ
عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

وقف لازم

بلکہ وہ گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہے بے شک گنہگار گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا لو) آگ لگنے کا مزا چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات ہوتی ہے جیسا کہ پلک کا جھپکنا اور البتہ ہم تمہارے جیسوں کو غارت کر چکے ہیں پھر کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟ اور وہ جو کچھ کر چکے ہیں وہ تو اعمال ناموں میں (لکھا جا چکا ہے) اور ہر بات چھوٹی اور بڑی سب لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں (اور) مقامِ صدق میں بادشاہِ قادر کے پاس ہوں گے۔

ترکیب : ادھیٰ اسم تفضیل من الداھیۃ وھی الامر المنکر انقطع الشدید وامر اشد مرارۃ من عذاب الدنیا کل شیءٍ والجمہور علی نصب کل

بالاشتغال ای عاملہ فعل یفسرہ مابعدہ وقریٔ بالرفع علی الابتداء کلمح اللمح النظر علی السرعۃ وفی الصحاح لمحہ والمحہ اذا بصرہ بنظر خفیف والاسم اللمحۃ۔ کل شیء مبتداء فی الزبر خبرہ مَقْعَدِ صِدْقٍ من اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ای فی مجلس حق ومکان مرضی وھوالجنۃ اوموضع لہ فرنیۃ علی سائرالاماکن فی مَقْعَدِ صِدْقٍ بدل من قولہ فی جنت وقولہ عِنْدَ مَلِيْكٍ بدل منہ و یحتمل ان یکون صفۃ مقعد صدق۔

تفسیر : کفار کے حق میں پہلے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ ان کی جماعت ہزیمت کھا کر بھاگے گی۔ (ایسا ہی ہوا بھی)۔ اب یہاں یہ بتلاتا ہے کہ اس بھاگنے پر ہی ان کی سزاء وسرزنش موقوف نہیں۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ ان کے عذاب کامل کا وقت ساعت یعنی قیامت ہے وہ سخت مصیبت کی گھڑی اور بڑی تلخ ہے وہاں کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے بہت ہی سخت ہے یعنی ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کے بعد وہاں کے عذاب کا قانون بتاتا ہے کہ وہ کس کو ہوگا اور کیونکر ہوگا؟ فَقَالَ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ کہ مجرمین یعنی گنہگار اللہ اور رسول کے نافرمان کفار اور مشرکین (تعیم ہے ضعیف روایتوں سے قدریہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص کرنا تکلف ہے) دنیا میں گمراہی میں ہیں نجات کا رستہ بھولے ہوئے ہیں ان کی یہ گمراہی اور جرم آتشِ جہنم ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جنت کا رستہ بھولے ہوئے ہیں اور جہنم میں ہوں گے۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ اس دن وہ اپنے تکبر کے بدلے میں منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

قیامت کے قائم ہونے اور وہاں مجرموں کے عذاب پانے کا ذکر کیا تھا لیکن یہ بات دوامر کے ثبوت پر موقوف تھی۔ اول یہ کہ ہر چیز کا خدا خالق ہے اور ہر چیز اس نے اندازے سے پیدا کی ہے۔ فقال اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ کہ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ منجملہ ہر شے کے عالم دنیا بھی ہے اس کی بھی ایک حد معین ہے آخر ایک روز یہ تمام ہوگا اور یہی قیامت کا دن ہے۔

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات پر ہر طرح سے حکمران ہے اس کے حکم کے نافذ ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی۔ پس جب وہ قیامت قائم کرنا چاہے گا اور وہاں مجرموں کو سزا دینا چاہے گا تو فوراً کر دے گا۔ اس بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وماامرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر کہ ہمارا حکم ایک ہی کلمہ ہے وہ کن اور جب ہم ہونے کا حکم کرتے ہیں تو وہ بہت جلد ہو جاتا ہے جس طرح آنکھ جھپکنے میں دیر نہیں لگتی اسی طرح قیامت برپا ہونے میں اس کے حکم کے بعد دیر نہ ہوگی۔ اور نیز عالمِ خلق کو اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ میں ذکر کیا تھا پس مناسب تھا کہ عالم امر کو بھی ذکر کرتے اس لیے وماامرنا الا واحدۃ ذکر کیا۔

فائدہ: خلقناہ بقدر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے نافع ہو خواہ ضار ہو اور اس نے ہر چیز کا اندازہ اور پورا پیمانہ اور حد بھی پیدا کرنے میں ملحوظ رکھی ہے۔ اذہانِ بنی آدم میں مختلف مضامین جانشین ہوتے آئے ہیں۔ مشرکین تمام حوادث کو ستاروں کی تاثیرات اور ان کے اتصالات سے پیدا ہونا خیال کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سوا اور میں بھی قدرت ثابت کرتے تھے اس لیے ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اپنے افعال میں اپنے آپ کو مستقل قادر سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں بندہ ہی خالق ومختار اپنے نیک وبد اعمال کا ہے۔ علمِ ازلی سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ عقیدہ آج کل کے مشنریوں اور بعض ہنود کا ہے اور مسلمانوں میں بھی ایک فریق تھا جس کو قدریہ کہتے تھے بہ ایں لحاظ کہ قضاء وقدر کے منکر ہیں انہیں کی مذمت میں احادیثِ صحیحہ وارد ہیں۔ اور فرقہ معتزلہ بھی انہیں کے قریب قریب ہے بلکہ شیعہ بھی ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فریق تھا جس کو جبریہ کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ محض بے بس ہے جو کچھ ہم سے سرزد ہوتا ہے اس طرح سے ہوتا ہے کہ جیسا مرتعش کا ہاتھ ہلنے میں بیخود اور مجبور ہو کر حرکت کرتا ہے۔ پہلا فریق اس جبریہ فریق کو قدری کہتا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے زنا پر ہم کو قادر کیا تو ہم نے زنا کیا۔ بایں معنٰی کہ یہ اثباتِ قدر کرتے ہیں مگر سنت والجماعت کا فریق نہ قدر کا قائل ہے نہ جبر کا۔ وہ کہتے ہیں

جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا یہاں تک کہ ہمارے افعال وحرکات ان کا بھی خدا تعالیٰ کو ازل میں علم تھا بندے کو اختیار ہے مگر اس اختیار میں مستقل نہیں اس کے جمیع افعال کا بھی اللہ ہی خالق ہے بندہ کاسب ہے اس کسب پر اس کو ثواب وعذاب ملتا ہے اور مدح وذم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

پھر جب اپنا خالق اور عالم امر کا مالک ہونا ثابت کیا گیا تو اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ (جزاء وسزا دینے کے پیرائے میں) ثابت کرتا ہے فقال وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کہ ہم نے اپنی قدرت وجبروت سے اے کفارِ قریش! تم جیسے بہت لوگ غارت کر دیے پھر کوئی سمجھنے والا ہے۔ یعنی پھر تم کو کیا امن ہے اور کون سی بات حاصل ہے جو ہلاکی سے مانع آئے گی؟

اس کے بعد اپنا بے انتہا علم ثابت کرتا ہے جو عدالت وجزاء وسزاء اعمال کے لیے اور وہ بھی دوسرے عالم میں پر ضرور ہے۔ فقال وکل شیء فعلوہ فی الزبر کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفترِ اعمال میں موجود ہے اور ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ اس لکھنے اور دفترِ اعمال کی کیفیت ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں کہ وہ لکھنا اس دوات قلم سے نہیں نہ وہ دفتر دنیا کے کاغذوں پر ہے۔

پہلے مجرموں کی کیفیتِ سزا بیان کی تھی اب فرماں برداروں کا انجامِ نیک بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین فی جنات و نھر کہ پرہیز گار جو زیورِ ایمان واعمالِ صالحہ سے مزین ہیں مرنے کے بعد باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ یہ جنت جسمانی ہے فی مقعد صدق عندملیك مقتدر عمدہ موقع میں خدا تعالیٰ کے پاس رہیں گے۔ یہ جنت روحانی ہے جو متقین میں سے خاص ابرار واحرار کا حصہ ہے۔ مرنے کے بعد ان کی روح حظیرۃ القدس کی طرف عالمِ بالا میں محبوبِ اصلی کے پاس جا کر آرام پاتی ہے۔ تختِ رب العالمین کے دہنی طرف بیٹھنے سے یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس بارگاہِ قدس میں کاش اپنے ابرار کی صف فعال ہی میں جگہ دے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۬ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾

رحمان ہی نے قرآن سکھایا (اور) اس نے انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا (قوتِ ناطقہ عطا کیا) سورج اور چاند حساب پر لگے ہوئے ہیں۔ بوٹیاں اور درخت (اسی کے حکم سے) سربسجود ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم اندازے سے نہ بڑھو۔

ترکیب : الرحمٰن ذھب قوم الی انھا ایۃ فالمبتداء محذوف تقدیرہ اللہ الرحمن۔ وعلیٰ قول الاخرین الرحمن مبتداء ومابعدہ الخبر۔ خلق الانسان مستانف وکذا علمہ ویمکن ان یکون حالا من الانسان وقد محذوف۔ بحسبان قال الاخفش الحسبان جماعۃ الحساب مثل شھب وشھبان۔ وقیل مصدر مفرد بمعنی الحساب کالغفران والکفران۔ والجار یتعلق بجریان محذوف۔ والسماء منصوب بفعل محذوف یفسرہ المذکور الاتطغوا الا تطغوا افلا نافیۃ وتطغوا منصوب بان وقبلھا الام العلۃ مقدرۃ وقیل ان مفسرۃ لان فی الوضع معنی القول۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسن وعروہ وعکرمہ وجابر وابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور ابن مسعود ومقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اول قول اصح ہے کیونکہ امام احمد وابن مردویہ نے اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکن[1] کی طرف منہ کئے ہوئے اس سورہ کو پڑھتے سنا اور مشرکین بھی فبای اٰلاء ربکما

[1] رکن خانہ کعبہ کے ایک گوشہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

تُكَذِّبٰنِ سن رہے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا ماجرا ہے کہ حضرت ﷺ کو صاف صاف سنا دینے کا حکم ہوا تھا انتہٰی۔

اس سورہ میں بھی انہیں تینوں اہم مسائل کا بڑے لطف وخوبی کے ساتھ اثبات ہے اور کن کن معانی خیز اور دل پر اثر کرنے والے پیارے پیارے الفاظ اور عرب کی میٹھی بول چال میں خاص انہیں کے مذاق کے موافق مکرر جملے لاکر ان کو دل نشین فرمایا ہے۔

شعرائے عرب بلکہ عجم چند اشعار مختلف المضامین کے بعد ایک بند بطور مسدس یا مخمس کے ایک اشتراکِ خاص ملحوظ رکھ کر مکرر لایا کرتے ہیں جس سے اس مضمون کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے اور طبیعتِ سامع جو کسی قدر غافل ہو جاتی ہے اس پر ایک کوڑا سا تنبیہ کرنے کے لیے پڑ جایا کرتا ہے۔ اس سورت میں وہ بند فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ہے جو ہر ایک جاں بخش مضمون کے بعد مکرر آ کر مطالب میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس بات کا لطف انہیں کو زیادہ آتا ہے جو کچھ مذاقِ سخن بھی رکھتے ہیں۔ عبارت کا دلکش ہونا بھی اثرِ کلام میں بڑی تاکید کرتا ہے۔

پہلا مسئلہ جو منجملہ اصول کے ایک بڑی اصل ہے اثباتِ نبوت وقرآن کا منجانب اللہ ہونا اس لیے اس سورہ میں سب سے اول کو اس لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

فقال اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کہ رحمان نے قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نہ اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے نہ کسی جن وخبیث کا شیطانی کلام ہے۔ الرحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم ونزول اس کی رحمتِ خاصہ کا مقتضی ہے کیونکہ اس وقت مشرق ومغرب تک دنیا تاریک وخراب ہو رہی تھی دنیا گمراہیوں کے دریائے بے کنار میں غوطے کھا رہی تھی اس کی رحمت کب اس ورطۂ ہلاکت میں چھوڑتی اس لیے آپ نے قرآن تعلیم کیا جو ان ڈوبتوں کے لیے نجات کی کشتی اور ان اندھیروں کی قعر میں مبتلاؤں کے واسطے آفتابِ ہدایت ہے۔

اور الرحمن کے مقدم کرنے نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا۔ یہ بات بھی ثابت کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر اُمی تھے یعنی کسی کے شاگرد نہ تھے وہ خاص تلمیذِ رحمان تھے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ اس میں اپنی رحمتِ خاص کا اظہار کرتا ہے کہ انسان کو اس نے اپنی رحمت سے پیدا کیا اور پیدا کر کے دیگر حیوانات کی طرح گونگا نہ چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اس کو بولنا سکھایا۔ پھر جس نے انسان کو بولنا سکھایا وہ رحمان بندوں کے درست کرنے کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کیوں نہ سکھاتا؟

اور تعلیم بیان ہی پر اس کی رحمت کا ظہور منحصر نہیں بلکہ اس نے انسان کے فائدے کے لیے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ چاند اور سورج کو حساب میں لگا رکھا ہے یعنی وہ اس معین اور اندازے کی چال سے چلتے ہیں کہ جن سے سال اور مہینوں کا حساب درست ہوتا ہے۔ یوں ہی بے تک حرکت نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس کے حکمِ جبروت کے مسخر ہیں اور یہ گردش ان کی اس معبودِ حقیقی کا طواف اور قربان ہونا بھی ہے۔ دیکھو یہ انسان کے حق میں بھی اس کی کیسی رحمت ہے اور عالم میں اس کا کیسا حکومت وانتظام جلوہ گر ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ زمین کی بیلیں اور درخت بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ نجم اس پیڑ کو کہتے ہیں کہ جو اپنی ساق پر کھڑا نہ ہو بلکہ زمین یا کسی چیز پر پھیلا ہوا ہو اور شجر اس کے برخلاف جو اپنی ساق پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انقیادِ فطری ہے۔ حسن ومجاہد کہتے ہیں نجم سے مراد آیت میں آسمان کے ستارے ہیں ان کا سجود بھی وہی انقیادِ فطری اور طلوع وغروب ہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا اور آسمان کو

۱؎ یہ جملہ اس سورہ میں اکتیس جگہ آیا ہے آٹھ بار اس کی نعمتیں اور عالمِ علوی وسفلی کے عجائباتِ قدرت ذکر کرنے کے بعد اور سات بار بعد ادابوابِ جہنم دوزخ کے شدائد ذکر کرنے کے بعد کیونکہ مومنین سے ان بلاؤں کا دفع کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور آٹھ بار دو جنت اور ان کے نعماء اور ان کے رہنے والوں کے حسن وجمال ذکر کرنے کے بعد بعد ابوابِ جنت کہ وہ بھی آٹھ ہیں اور آٹھ بار ان کے سوا اور دو جنتوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد جس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا، نیک کام کرے گا وہ دوزخ کے ساتوں دروازوں سے امن میں رہے گا اور دونوں جنتوں کے نعماء حاصل کرے گا اور اس جملہ کے بعد سن کر یہ کہنا چاہیے لابشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد۔ ۱۲ منہ

بلند کیا۔ یہ بھی منجملہ انتظامِ عالم کے ایک بات ہے۔ ان سب باتوں میں علویات سے لے کر عالمِ سفلی تک اس کی رحمت کا ظہور وجبروت کا اعلان تھا اور یہ بات چاہتی ہے کہ ایسا قادر رحیم وکریم اپنے اشرف المخلوقات انسان کو ایسی بری حالت میں کیونکر چھوڑتا اور اس کے پاس نبی وکتاب نہ بھیجتا چنانچہ ان سب بیانوں کے بعد آپ ہی اس نتیجہ کو اگلے جملے میں ظاہر فرماتا ہے۔ وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ اور اس رحمان نے دنیا میں ترازو یعنی عدل قائم کیا۔ مجاہد وقتادہ وسدی کہتے ہیں میزان سے مراد عدل وانصاف زمین پر قائم کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے قائم ہوا یعنی قانونِ انصاف قائم کیا جو بواسطہ وحی والہام انبیاء علیہم السلام خدا نے دنیا میں قائم کیا اور یہی وجہ نبوت قائم کرنے کی ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ تاکہ تم اس انصاف کرنے میں حد سے نہ بڑھو ہر شخص اپنے اپنے حقوق پر قائم رہے۔ دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔ باہمی معاملات سے لے کر عبادات وتوحید تک۔

وہ قانونِ الٰہی قرآن مجید ہے جس میں سب معاملات وعبادات وطہارت ونجاست، بیع وشراء کے قوانین، ماں باپ کے حقوق، تربیتِ اولاد کے احکام، زن وشو کا دستور العمل، حسنِ معاشرت کے طریقے، عبادت وتزکیۂ نفس کے رستے، دارِ آخرت کی بقا، دنیا کی فنا، انسانی جذبات کے جزر ومد۔ اس کے عمرِ گراں مایہ کا نتیجہ۔ حاکم ومحکوم بادشاہ ورعیت کے ضوابط بخوبی مندرج ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بیان میں روحانی برکت اور تحریک دلانے والا بے انتہا اثر بھی ہے۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝۹ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰
فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ۝۱۲
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۶ رَبُّ
الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ۝۱۷ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۸

اور انصاف سے تولو اور تول نہ گھٹاؤ اور اسی نے زمین کو لوگوں کے (فائدہ کے) لیے بچھایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل گابھوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور (اس میں) بالوں میں لپٹے اناج اور خوشبو اور پھول (بھی ہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے انسان کو ایسی کھرکھری مٹی سے بنایا جیسا کہ ٹھیکرا اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا پھر تم (اے جن وانس!) اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دو مشرق اور دو مغرب کا مالک ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : ولاتخسروا بضم التاء ای ولا تنقصوا الموزون وقیل التقدیر فی المیزان۔ ویقرء بفتح التاء والخاء والاول اصح۔ للانام یتعلق بوضعها والحب بالرفع عطفاً علی النخل والریحان کذلک ویقرء بالنصب ای خلق الحب۔ کالفخار لغت لصلصال من نار لغت لمارج۔ رب المشرقین ای هو وقیل هذا ابتداء وخبره مرج الاکمام جمع کم بالکسر وهو دعاء الثمر اصله یطلق علی ما ستر شیئا ومنه کم القمیص بالضم۔

تفسیر : پہلے بطور علت وسبب کے عدل قائم کرنا بیان فرمایا تھا۔ اب بصراحت حکم دیتا ہے وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ کہ دنیا میں انصاف کی ترازو سے تولو۔ یہ حکم بڑا وسیع المعنی ہے جس میں اشیاء کا انصاف سے تولنا بھی داخل ہے اور عموماً ہر بات میں حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا اور عبادت ومعاملات میں حقوق العباد سے لے کر حقوق اللہ تک بلکہ اپنے نفس کے حقوقِ دنیاوی اور دینی سب میں انصاف کی ترازو ہاتھ میں

رکھنے اور تولنے کا حکم ہے۔ بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سونے جاگنے میں۔ کیا جامع کلمہ ہے جس میں صدہا حکمت کے خزانے دبے ہوئے ہیں۔ پھر اس کی تائید کی جاتی ہے وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ کہ اس ترازو میں گھٹاؤ نہیں یعنی بے انصافی نہ کرو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت میں تمہارے اعمال کی ترازو میں کمی ہوگی۔ پس تم اپنی اس میزان میں کمی کرنے کا سبب نہ بنو۔

سماویات کے بعد عالم سفلی کی ایجاد میں جو کچھ انتظام اور مصلحتیں اور رحمتیں ملحوظ رکھی ہیں ان کو بیان کر کے اپنا قادر ورحیم ہونا ثابت کرتا ہے۔ فقال وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ کہ زمین کو انسان کے لیے کس طرح بچھایا اور ان کے آرام کرنے کے قابل بنایا کہ جس پر بلا کلفت و تکلف بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ نہ وہ ڈگمگاتی ہے، نہ ایسی گول ہے کہ جس پر یہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ صرف یہی بات ہے بلکہ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ۔ اس میں انواع واقسام کے میوے ہیں اور کھجور بھی ہے جس کے پھلوں پر غلاف ہوتے ہیں یعنی میوے ہی پر موقوف نہیں ایسے بھی درخت زمین پر پیدا کیے ہیں جن کے پھل کھا کر انسان بغیر اناج کے بھی بسر کرسکتا ہے جیسا کہ کھجور اور وہ پھل کس حفاظت سے رہتے ہیں کہ گابھ میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس قسم کے درختوں کے سواء۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ چارے والے اناج اور غلے بھی پیدا کیے جن کے تخم تو انسان کی خوراک ہیں اور ان کے پٹھے اور پتے جانوروں کی جیسا کہ گیہوں چاول جو وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ الریحان خوشبو کی چیزیں اور عمدہ پھول بھی پیدا کیے۔ گلاب، موتیا، چنبیلی وغیرہ بلکہ خود ریحان بھی اسی قسم میں داخل ہے جس کے پتوں میں سے خوشبو آتی ہے۔ ان کے پتے اور پھول خوشبودار اور آنکھوں میں اپنی مختلف رنگتوں سے نور اور سرور بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پھول ہے کہ سرخ، کوئی گلابی، کوئی زرد، کوئی کاسنی، کوئی اُودا، کوئی سفید۔ پھر ایک پیڑ میں مختلف الوان کے پھول بلکہ ایک پھول میں مختلف رنگتیں پھر یہ گلکاری اس صانع مطلق نے تمہارے لیے کی ہے تم شکریہ ادا کرو۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آلاء جمع ہے الی وءالی کی جس کے معنی ہیں نعمت واحسان کے۔ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ میں تثنیہ کا صیغہ جن وانس کی طرف خطاب کے لیے آیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ میں نے اس سورہ کو جنوں کے سامنے پڑھا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں خطاب انسان کی طرف ہے اور عرب خطاب میں صیغۂ مفرد کو تثنیہ کر کے بول دیا کرتے ہیں۔

یہاں تک جس طرح مسئلۂ نبوت کا اثبات تھا اسی طرح دوسرے مسئلۂ توحید کا بھی کامل اثبات کر دیا گیا اس طور پر کہ جس نے دنیا میں آفتاب ومہتاب کو ایک خاص اندازے پر چلایا، ستاروں اور درختوں کو جھکایا، زمین کو بسنے کے قابل بنایا پھر اس میں طرح طرح کے درخت اناج اور پھل پھول اگائے وہی تنہا خداوند خدا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔

اس کے بعد انسان اور جن کی پیدائش کا ذکر کر کے دونوں مسئلوں کو قوت دیتا ہے۔ فقال خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ صلصال خشک مٹی کھنکھناتی۔ صلصلہ کے معنی ہیں آواز دینا، کھن کھن کی سوکھی مٹی میں سے آواز آتی ہے اس لیے اس کو صلصال کہتے ہیں۔ نار ٹھیکری صلصال بالفتح گل باپریک آمیختہ یعنی غریژن فاذا طبخ بالنار یقال الفخار (مراح) آدمی کی پیدائش متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ل عمران میں من تراب اور حجر میں من حمإٍ مسنون اور صافات میں طین لازب آیا ہے اور ایک جگہ ماء مھین آیا ہے اور اس جگہ ملصال کالفخار آیا ہے۔ ان میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ اختلاف نہیں کیونکہ روایاتِ اہلِ اسلام کے مطابق حضرت دم علیہ السلام کا قالب خشک مٹی سے بنایا گیا جو کھنکھناتی اور ٹھیکرے کے مثال تھی پھر اس کو مہین کر کے پانی سے گوندھا وہ طین لازب گارا ہوگئی پھر جب خمیر اٹھ گیا تو حمإٍ مسنون ہوگئی اور اس کے بعد اس کی اولاد کا سلسلہ ماء مھین منی سے جاری ہوا۔

وخلق الجان من مارج من نار اور جان یعنی جنوں کے جدِّ اعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارج آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش۔ جس لیے وہ

لطافت کی وجہ سے حسِ بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور سریع الحرکات وخفیف ہوتا ہے۔ پھر ان کے بہت سے اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کر کے وجودِ جن کے منکر کہاں ہیں جو بتقلیدِ فلاسفۂ حال جن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوں کی ایک جنگلی قوم بلحاظِ لفظ جن قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرما دیا۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ اے انسان وجن تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ دو مشرق اور دو مغرب کا رب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جاڑے میں آفتاب اور جگہ سے اور گرمی میں اور جگہ سے طلوع کرتا ہے۔ اس ظاہر فرق کے لحاظ سے مشرقین یعنی دو مشرق کہتے ہیں۔ اسی طرح دونوں موسموں میں غروب بھی دو جگہ سے معلوم ہوتا ہے اسی لیے مغربین دو مغرب کہے جاتے ہیں ورنہ ہر روز آفتاب کا طلوع وغروب دوسری جگہ سے ہوتا ہے جس لیے رب المشارق والمغارب کہا جاتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع

اس نے دو دریا ملے جلے چلائے۔ ان میں پردہ (رکھ دیا) ہے جس سے بڑھتے نہیں پاتے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور دریا میں پہاڑوں جیسے کھڑے ہوئے جہاز اسی کے ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : المرج الارسال یقال مرجت الدابۃ اذا ارسلتھا یلتقیان حال و بینھما برزخ حال من الضمیر فی یلتقیان ولایبغیان حال ایضاً یخرج قالوا التقدیر من احدھما الجواری جمع جاریۃ وھی السفن وحذفت الیاء المنشئات من انشأ اذا رفعہ المرفوعات وقرئ بکسر الشین وفی البحر یتعلق بہ کالا علام جمع علم وھو الجبل الطویل۔ حال من الضمیر فی المنشئات۔

تفسیر : ان آیات میں دوسرے مسئلۂ توحید کو ثابت کر رہا ہے مگر جہاں کہیں قرآن مجید میں اپنے دلائلِ قدرت وجبروت ذکر کر کے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے دلائل میں وہی چیزیں بیان فرمائی ہیں کہ جو بندوں کے لیے انعام اور کارآمد چیزیں ہیں یہ اس لیے کہ انسانی جبلت انعام کی وجہ سے منعم کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے۔ ان آیات میں بھی وہی قاعدہ ملحوظ ہے۔ فقال مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ کہ اس قادرِ مطلق نے دو دریا رواں کیے جو ملے ہوئے چلتے ہیں اور باہم مختلط نہیں ہونے پاتے ان میں ایک قدرتی برزخ یعنی پردہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں باوجود اتصال کے خلط ملط نہیں ہونے پاتے۔ یہ دو دریا کس کے بس میں ہیں اور کس کی حکومت ان پر نافذ ہے؟ اسی قادرِ مطلق کی۔

ان دو دریا سے کون سا دریا مراد ہے؟ ابن جریج کہتے ہیں بحرِ شور یعنی سمندر اور زمین کی میٹھی ندیاں مراد ہیں جیسا کہ نیل جیحون، دجلہ، فرات گنگ وغیرہ جب یہ سمندر میں گرتے ہیں کوسوں تک دونوں پانی جدا جدا ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ دو دھاریں الگ معلوم ہوتی ہیں، رنگت میں بھی اور پانی کے میٹھے کھاری پنے میں بھی۔ بعض کہتے ہیں خود سمندر ہی کے مختلف ٹکڑے مراد ہیں بحرِ فارس وروم وغیرہ۔

بعض محققین کہتے ہیں لفظ میں تعمیم سے یہ بھی مراد ہیں اور ان کے ساتھ اور بھی دریا مراد ہیں جیسا کہ دریائے ملکیت وبہیمیت جو ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ انسان کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں اور مختلط ہونے نہیں پاتے اور ان سے بعد تہذیب وشائستگی حاصل کرنے کے عمدہ

نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کو موتی اور مونگا کہنا چاہیے اور اسی طرح انسان کی ہر متضاد قوتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کے دریا اس کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں۔

موتی سیپ میں پیدا ہوتا ہے اور مونگا ایک قسم کا پتھر ہے جو درخت کی طرح شاخیں نمودار کرتا ہے وہ بھی سمندر سے برآمد ہوتا ہے۔ موتی سفید یہ سرخ کیا قدرت ہے؟ یہ تو تھا ہی اور قدرت کا تماشا دیکھو وله الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام۔ کہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز اور آگبوٹ پہاڑ جیسے سمندر میں کھڑے ہیں، پانی کی طبیعت تھی کہ ڈوب جائیں مگر وہ قادرِ مطلق نہیں ڈوبنے دیتا اس کے سامان پیدا کر کے ان کو سمندر میں ایسا دوڑاتا پھرتا ہے کہ جس طرح زمین پر گھوڑے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک اپنی قدرت و جبروت عناصر پر ثابت کی کہ جن کو اوہام پرستوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے ہنود آگ اور پانی کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی مایہ بتاتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلَّ
يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ
تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا
بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ
نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور (صرف ایک) آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور بزرگی والا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اسی سے مانگتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے۔ ہر دن اس کی (ایک) نئی شان ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جن وانس! ہم ابھی تمہارے کام سے فارغ ہوئے جاتے ہیں پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ (کچھ ایسا ہی) زور ہو تو نکل سکتے ہو (لیکن وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم دفع نہ کر سکو گے[1]۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فانٍ خبر لکل من ذوالجلال بالرفع علیٰ انه لغت للوجه و بالجر لغتا للمجرور۔ یسئله مستانف او حال من وجه والعامل فیه یبقیٰ۔ کل ظرف لما ول علیه هو فی شان لاتنفذون لا نافیة شواظ بالضم والکسر لغتان هو اللهب الذی لا دخان معه۔ من نار صفة او متعلق بالفعل۔ نحاس بالرفع عطفا علی شواظ بالجر عطفا علے نار والاول اقوی۔

تفسیر : دلائل توحید میں عالم اور اس کی عمدہ اور نافع چیزیں پیدا کرنے کا ذکر تھا تا کہ معلوم ہو کہ یہ عالم قدیم نہیں بلکہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اس کے بعد عالم فنا کرنے کی قدرت بیان کرتا ہے اور ان کے فنا کرنے میں اپنی قدرت و جبروت ظاہر فرما کر تیسرے مسئلہ حشر کو بھی اسی کلام

[1] پس تم تاب نہ لا سکو گے۔

کے دوسرے پہلو میں ثابت فرماتا ہے کہ وہی پیدا کرنے والا وہی مٹانے والا ہے۔ فقال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کہ جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔ اس تقدیر پر آیت میں جنت و دوزخ کی تخصیص کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ وہ زمین ہی پر نہیں ان کا فنا کرنا یہاں مذکور نہیں۔

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ اور اے مخاطب! تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ عزت و جلال والا ہے۔ وجہ سے مراد اس کی ذات اور اس کا وجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ربك میں واحد حاضر کی طرف خطاب اس رمز کے لیے ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اصلی مخاطب ہو تم ہی اس بات کو سمجھتے ہو تمہارا رب جیسا کچھ ہے تم ہی اس کو خوب جانتے ہو کہ وہ حی و قیوم ازلی ابدی ہے اور اس کے سوا ممکنات فی ذاتہا فانی ہیں ان کی حیات ان کا وجودِ مستعار ہے۔ دنیا کی فنا بھی انسان کے لیے اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے فنا ہونے کے بعد عالمِ باقی میں جانا میسر آئے گا جو بڑی نعمت ہے۔ عرفاء نے سچ کہا ہے موت پل ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچا دیتی ہے اس کے علاوہ انسان کا رنج اور متکبروں کا جاہ و حشم فانی پر غرور اور ان کی کامرانی کی انتہا اور ایک محدود زمانہ دیکھ کر مومن کے دل میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک اس کی بڑی نعمت ہے جس لیے فرماتا ہے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

ایجاد اور فنا کے بعد یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ ہم نے ایک بار عالم کو پیدا کر دیا پھر سب کچھ آپ ہی ہو رہا ہے اور ایک روز ہم فنا کر دیں گے بس ہمارے کام کے یہی دو روز ہیں اور بیچ میں ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ بعض اقوام کا خیال ہے بلکہ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے خواہ بزبانِ حال خواہ بزبانِ مقال اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر روز نئی شان میں ہے اس کی شانیں بے انتہا ہیں جن کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتا ہے۔ عبداللہ بن منیب رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ہم نے پوچھا حضرت شان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ وہ گناہ بخشتا ہے اور غم دور کرتا ہے اور کسی قوم کو بلند اور کسی کو پست کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو حسن ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مندہ و ابن مردویہ و ابونعیم و ابن عساکر نے اور ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث اپنی تاریخ میں بخاری نے و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ حق سبحانہ کی شیون اور اس کی نئی نئی تجلیات کا عالم میں ظہور ہوتا ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور آئندہ ہوگا اور قیامت میں ہوگا سب اس کی ایک ایک شان کا جلوہ ہے۔ وہ بیکار اور نکما نہیں کہ دنیا کو پیدا کر کے آپ بیکار بن بیٹھا جیسا کہ بعض حکماء اور ہنود اور دیگر اہلِ مذاہب کا خیال ہے خصوصاً حکماءِ فرنگ کا۔

اس کے بعد پھر دارِ آخرت کے مسئلہ میں اپنی شان بیان فرماتا ہے سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ۔ زجاج و کسائی و ابن الاعرابی و ابوعلی فارسی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں فراغ سے مراد وہ فراغ نہیں جو کام کے بعد ہوتا ہے کس لیے کہ اس کا کوئی ایسا شغل نہیں کہ جس سے فارغ ہونا کہا جائے اور نہ اس کی کوئی شان دوسری شان کو روکتی ہے بلکہ مراد ہے قصد کرنا۔ ثقلان ثقل کا تثنیہ ہے جس سے مراد جن وانس ہیں۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ انسان و جن احکامِ الٰہی کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ثقلان کہتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بہ نسبت اور حیوانات کے بھاری بھرکم یعنی ذی عزت عاقل ہیں یا اس لیے کہ یہ گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ یہ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ لکم میں جمع کا صیغہ لا کر پھر خطاب میں ایہا الثقلان تثنیہ کا صیغہ لایا اس لیے کہ وہ دو فریق ہیں اور ہر فریق جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں ثقلان سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ یا عالم ناسوت و ملکوت کے لوگ۔ یہ خلاف جمہور ہے۔ یعنی اے جن وانس! کیوں حساب و قیامت کے بارے میں جلدی کرتے ہو ہم ابھی تمہارا کام کیے دیتے ہیں۔ یہ دیر ہمارے نزدیک کچھ بھی دیر نہیں اس میں تہدید ہے منکرانِ قیامت کے لیے۔ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے کہ اس سے بدڈر کر بدی سے باز آئے اور نیک نیکی میں سرگرمی کرے۔ اس لیے فرماتا ہے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ اس کے بعد یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک ہماری قدرت کے احاطہ میں ہے کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا فقال يٰمَعْشَرَ

الجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا کہ اے جن وانسان کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ نکل نہ سکو گے مگر قوت کے ساتھ اور وہ قوت تم میں کہاں ہے بلکہ کسی میں بھی نہیں۔ تم سب اس کی قدرت کے احاطہ میں بند ہو وہ جو احکام چاہتا ہے دنیا میں نافذ کرتا ہے کوئی ان پیش آنے والے حوادث کو ٹال نہیں سکتا اور آخرت میں تم پر اپنے احکامِ جبروتی نافذ کرے گا۔ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ۔ شواظ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں شواظ آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں نحاس۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا جو قیامت میں دوزخیوں پر ڈالا جائے گا۔ سعید بن جبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نحاس دھواں جو جہنمیوں پر چھوڑا جائے گا۔ یعنی قیامت میں۔ اے جن وانس کے مجرمو! تم پر شعلۂ آتش اور دھواں چھوڑا جائے گا جس کو تم دفع نہ کر سکو گے۔ اس بیان میں بھی بوجہ تہدید ہونے کے جس سے انسان بدی سے بچ کر نیکی کا رستہ اختیار کرنے میں سرگرم ہو جائے بڑی نعمت و احسان ہے۔ جس لیے ان شدائد قیامت کے ذکر کرنے کے بعد بھی فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا لانا ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ ع

پھر جب کہ آسمان پھٹ جائے اور پھٹ کر گلابی تیل کی طرح سرخ ہو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ پھر اس دن نہ کسی آدمی کے گناہ کی پرسش ہوگی اور نہ جن کی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگاران کے چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر تو پٹے اور ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹے جائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنم کہ جس کو گنہگار جھٹلایا کرتے تھے۔ گنہگار جہنم میں اور کھولتے ہوئے پانی میں تڑپتے پھریں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فاذا شرط فکانت جواب الشرط و قیل جوابہ فیومئذ الخ فکانت علیٰ ھذا عطف۔ و قیل جوابہ محذوف ای رأیت امرھولا۔ کالدھان جمع دھن کقرط و قیراط ورمح ورماح۔ و قیل اسم مفرد کالخزام والادام۔ خبرتان علی کان الناقصۃ وحال علیٰ تقدیر کونھا تامۃ عن ذنبہ والضمیر للانس باعتبار اللفظ وان تاخر لفظا تقدم رتبۃ۔ والاخذ یستعمل بالباء تارۃ بغیرھا تارۃ یقال اخذت الخطام واخذت بالخطام قالہ الکرخی یطوفون حال من المجرمون ویجوزان یکون مستانفا ان اسم فاعل منقوص کقاص۔ قال الزجاج انی یانی فھو آن اذا انتھی فی النضج والحرارۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا یرسل علیکما شواظ من نار کہ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا۔ اب یہاں اس کا وقت بیان فرماتا ہے کہ یہ کب ہوگا؟ یعنی قیامت میں اس لیے قیامت کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کب ہوگی اور کیوں کر؟ اور تیسرے مسئلہ معاد کا بھی ذکر کرنا مقصود تھا مگر

اسی سلسلہ میں فقال اذا انشقت السماء کہ جس دن آسمان پھٹ جائیں گے پھر وہ گلابی ہو جائیں گے جیسا کہ سرخ چمڑا۔ فکانت وردۃ کالدھان کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وردۃ سرخی مائل گھوڑے کی طرح ان کا رنگ ہو جائے گا۔ صراح میں ہے ورد بالفتح گل وردۃ یکے وقیل للا سد ورد للونہ وللفرس ایضا وھو بین الکمیت والاشقر و للانثیٰ وردۃ والجمع ورد مثل جون وجون و وراد ایضا وردۃ گلگوں شدن۔ دھن بالضم روغن وباران ضعیف۔ دھان جمع۔ دھان بالکسر ایضا ادیم سرخ۔ صراح

یہ اختلاف دھان کے لفظی معنی پر مبنی ہے۔ فراء ابوعبیدہ کہتے ہیں اس وقت شدتِ حرارت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا اور حسن کہتے ہیں کہ جس طرح تیل کو پانی میں ڈال دیتے ہیں اور اس میں سرخی مائل مختلف ٹکڑے نظر آیا کرتے ہیں قیامت کے دن آسمانوں کا یہی حال ہو جائے گا۔ پہلے قول کی علت گاز رونی وعمادی وغیرہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصلی رنگت آسمان کی قدماء کے نزدیک سرخ ہے لیکن بعد مسافت اور کثرتِ حوائل وحواجز اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ہوا آجانے کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ عروق میں خون باوجود سرخ ہونے کے نیلگوں دکھائی دیا کرتا ہے۔

ایسا ہو مگر فلسفۂ جدید یا قدیم کے مطابق کرنے میں ہم کو اس قدر موشگافی کرنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ خواہ آسمانوں کی اصلی رنگت سرخ ہو یا نیلگوں یا کوئی بھی رنگت نہ ہو بوجہ شفاف ہونے کے اور یہ نیلی چھتری صرف کرۂ ہوا کے سبب ہم کو نظر آیا کرتی ہے اور چونکہ آسمانوں کے تلے یہ چھت گیری ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اسی لیے ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں یا جو کچھ ہو قرآن مجید کا صاف مطلب اسی قدر سے متعلق ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے یعنی خراب ہو جائیں گے اور اس صدمۂ عظیم کے وقت سرخی نمودار ہوگی۔ یہ آسمان سرخ ہو جائے گا اس کے قہر و جبروت کے آثار اس پر ظاہر ہوں گے اور وہ خونی لباس سے ملبوس ہوگا۔

یہ بھی اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ آسمان فنا نہ ہوں تو عالم قدس آباد نہ ہو اس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر اس روز مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا۔ فقال فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان کہ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ یہ بڑی تہدید ہے جس سے عاقل گناہ سے بچنے میں بڑی کوشش کر سکتا ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اس کے بعد اس پوچھے جانے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ کہ گنہگاران کے چہروں سے خود پہچانے جائیں گے۔ گناہوں کا داغ اور اس کی سیاہی ان کے منہ پر خود بخود کہہ دے گی کہ یہ گنہگار ہے، پھر پوچھنے کی کیا حاجت؟ پھر ان کے سر کے بال اور ٹانگیں پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا النواصی جمع ناصیہ ماتھے کے بال۔

فائدہ: اس قسم کی آیات کے کہ جہاں نہ پوچھے جانے کا ذکر ہے وہ آیات مخالف نہیں کہ جہاں سوال کرنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ یہ آیت فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ کہ تیرے رب کی یعنی اپنی قسم کہ ہم ہر ایک سے ضرور ہی پرسش کریں گے) کس لیے کہ یہ سوال کرنا ایک مقامِ خاص پر مراد ہے اور نہ سوال کرنا دوسری جگہ ہوگا۔ یا یہ کہ وہ سوال کرنا بطور دریافت کرنے کے نہ ہوگا بلکہ سرزنش اور تہدید کے طور پر اور یہاں بھی سوال نہ کئے جانے سے یہی مراد ہے کہ بطور دریافت کے سوال نہ ہوگا کس لیے کہ ان کے چہروں سے معلوم ہو جائے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ کلام بھی بڑی تہدید کا ہے جو انسان کو سعادت کے رستہ پر کھینچ کر لانے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک نعمت ہے فقال فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر ان دوزخیوں سے کہا جائے گا هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ کہ یہ وہی تو جہنم ہے کہ جس کو یہ گنہگار دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گنہگار اس دوزخ میں اور اس کے اندر جو گرم اور کھولتا ہوا پانی ہے اس میں پھر رہے ہیں جس کا انکار تھا وہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔

احادیثِ صحیحہ میں جہنم کے عذابوں کا مفصل طور پر بیان آیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ اس کی جوتیاں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح پکے گا وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں حالانکہ اس کو سب سے کم ہے۔ (متفق علیہ)

اس مصیبت دردناک سے خدا نے اس کی تدبیر بتلا کر بچنے کا سامان کیا۔ یہ اس کی کیسی نعمت ہے؟ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ انسان جوان باتوں پر کان نہیں دھرتا تو اس نعمت کا انکار کرنا اور جھٹلانا ہے۔ یہاں تک مجرموں کی سزا کا بیان تھا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ
اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا
الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ
یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ
الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ
الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا تھا اس کے لیے دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ دونوں باغ بڑے پھلے پھولے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (اور) ان میں ہر ایک قسم کے میوے ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کا استر مخملی ہوگا۔ اور ان باغوں کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں عورتیں ہوں گی کہ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (رنگت میں) یاقوت اور مونگا ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : جنتان مبتداء لمن خاف خبرہ مقام ربہ المقام اما اسم مکان ای خاف الموقف الذی یقف فیہ العباد للحساب کما فی قولہ تعالیٰ یوم یقوم الناس لرب العالمین واما مصدر ففیہ احتمالان اما بمعنی قیامہ تعالیٰ علی احوال العباد من قام علیہ اذا رقبہ کما فی قولہ تعالیٰ فمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت واما بمعنی قیام العباد بین یدیہ۔ فعلی الاول اضافتہ الی الرب تفخیما وتھویلا۔ وقیل لفظ المقام مقحم ای ولمن خاف ربہ والمعنی لکل خائفین منکما اولکل واحد جنتان۔ ذواتا تثنیہ ذوات علی الاصل ولامھا تاء (الجلال المحلی) قال ابن الصائغ الالف قبل التاء بدل من یاء وقیل من واو قال الخطیب فی تثنیہ ذات لغتان الاولیٰ الردالی الاصل فان اصلھا ذویہ فالعین واو واللام یاء لانھا مؤنثۃ ذوی والثانیۃ

التنبیۃ علی اللفظ فیقال ذاتان۔ وھو صفۃ الجنتان او خبر مبتداء محذوف۔ افنان جمع فنن وھی الغصنۃ[1] التی تشعب من فرع الشجر۔ وقال الزجاج جمع فن[2] کدن وھو الضرب والنوع من کل شیء والمراد بھا الالوان وبہ قال عطاء وسعید بن جبیر وجمع عطاء بین القولین فقال فی کل غصن فنون من الفاکھۃ۔ وقیل ذواتا انواع واشکال من الثمار وقیل الافنان ظل الاغصان علی الحیطان متکئین انتصابہ علی المدح للخائفین او حال منھم لان من خاف فی معنی الجمع وجنا الجنتین مبتداء ودان خبرہ اصلہ دانو مثل غاز فاعل اعلالہ وجنی فعل بمعنی مفعول الجنی ما یجتنی[3] من الثمار۔ قاصرات الطرف من اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ تخفیفا۔ لم یطمثھن الضمیر راجع الی الازواج المدلول علیھن بقاصرات الطرف۔ الطمث الجماع وقال ابو عمرو الطمث المس۔

تفسیر : یہاں سے اہلِ سعادت کے منازل بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کہ جو دنیا میں اس بات سے ڈرا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے (اور یہی اصولِ حسنات میں سب سے بڑھ کر ہے یہی نظری اور عملی حسنات پر آمادہ کرتی ہے اور برائیوں سے باز رکھتی ہے) اس کے لیے آخرت میں دو بہشت ہوں گے۔ ایک روحانی دوسری جسمانی اور دو اس لیے کہ ہمیشہ ایک مقام میں رہنے سے طبیعت بھر جاتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سیر و تفریح کے لیے ایک گھر دوسرے سیر کا باغ۔ ایک جنت معصیت ترک کرنے کے بدلے میں، دوسری اطاعت کے بدلے میں۔ یا کہو ایک عقیدۂ پاک کے سبب دوسری اعمال کے سبب یا ایک محض فضلِ الٰہی کے سبب۔

آگے ان دونوں باغوں کا وصف بیان فرماتا ہے۔ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ شاخوں والے یعنی پھلے پھولے ہرے بھرے جن پر خزاں و بادِ صرصر و گرمی و سردی کا کبھی اثر نہ ہو۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ[4] تَجْرِیٰنِ۔ یہ دوسری صفت ہے کہ ان دونوں میں دو نہر جاری ہوں گی نہایت صاف اور فرحت خیز پانی بلوریں چھپر اور ان میں منبت کے کام کئے ہوئے اور پھر کہیں فواروں میں سے پانی کا گرنا کہیں چادریں چھٹنا عجب فرحت بخشتا ہے۔ فبای آلاء الخ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ۔ یہ تیسری صفت ہے صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے میوے بھی ان میں ہوں گے جو نہ موسم کے تمام ہونے سے تمام ہوں اور نہ فصلوں کے خراب ہونے سے خراب ہوں۔ زوجان الصنفان والنوعان والمعنی فی الجنۃ من کل نوع من ثمار الدنیا نوعان۔ یعنی دنیا میں جس قسم کے میوے ہیں ان کی وہاں دو قسمیں ہوں گی رنگت اور ذائقہ اور خوشبو اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں فبای آلاء الخ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ۔ تکیہ لگا کر ایسے عمدہ فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کے استر مخمل کے ہوں گے۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ پتوں اور گھانس اور پتھروں پر بیٹھنا نہ پڑے گا بلکہ ایسے عمدہ مقامات بنگلے اور بارہ دریاں اور کوٹھیاں ان باغوں میں ان نہروں کے اوپر نہایت صنعت کے ساتھ جواہرات سے بنی ہوں گی کہ جن میں ایسے فرش ہوں گے کہ جن کے استر عمدہ ریشمی مخمل کے ہوں گے پھر ان کے اوپر کے رخ کے تو کیا کہنے ہیں۔ دستِ قدرت نے کیا کیا اس میں گلکاری کی ہوگی اور کیسا عمدہ کپڑا لگایا ہوگا۔ بطائن جمع بطانۃ وہ رخ جو زمین سے ملا ہو۔ استبرق۔ موٹی دیبا یعنی ریشمی مخمل۔ اور یہ بھی نہیں کہ باوجود اس خوبی کے جنت کے میوے ایسے بلند اور مشکل چڑھائی کے درختوں پر اور شاخوں میں ہوں کہ جن کے لیے محنت اٹھانی پڑے۔

پانچویں صفت ہے۔ عمدہ باغ اور نفیس مکانات اور آراستہ فروش اور عمدہ کھانوں کے بعد انسان کی طبع حسین عورتوں کی طرف مائل ہوتی بلکہ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ۔ ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے، ہاتھ بڑھاؤ اور توڑ لو۔ کیسی ہی بلند شاخ ہے جھکی چلی آتی ہے۔ یہ ہے

---

[1] شاخ۔۱۲ [2] قسم۔۱۲

[3] چنے ہوئے میوے۔۱۲

[4] ابوبکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں عینان تجریان میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جو آنکھیں اللہ کی محبت یا خوف میں روتی تھیں وہی جنت میں ہوں گی ان کے آنسو وہاں دو جاری نہر کی صورت میں متشکل ہوں گے۔ ابراہیم خواص فرماتے ہیں اسلام کی جزا دار السلام ہے۔ دار السلام جنت کا ایک نام ہے۔

اور یہ جلسہ ان سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایسے عمدہ مقامات پر یہ نہ ہوں تو حظ نہیں اس لیے فرماتا ہے فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۔ یہ چھٹی صفت ہے کہ وہاں ایسی نیک سیرت عورتیں ہوں گی کہ جن کی نیچی نگاہیں ہوں گی۔ شوخ چشم غیروں کی گھورنے والیاں نہ ہوں گی اور یہ وصف ان میں پیدائشی ہوگا یہ نہیں کہ پہلے بدکار تھیں پھر توبہ کر کے نیک ہوگئی ہوں۔ ایسی عورتوں سے بھی غیرت مند طبائع نفرت کیا کرتی ہیں بلکہ لم یطمثھن ان کو کسی نے ان سے پہلے ہاتھ ہی نہیں لگایا ہوگا نہ جن نے نہ انسان نے۔ یہ ان کی سیرت کی خوبی بیان ہوئی کس لیے کہ سیرت صورت پر مقدم ہے بدسیرت ہے تو سب حسنِ صورت ہیچ۔ اس کے بعد حسنِ صورت بیان فرماتا ہے كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔ یہ ان کے صفائے رنگ میں تشبیہ ہے جو کمالِ حسن کو متضمن ہے۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ انسان کا جہاں تک خیال جا سکتا ہے اور جن چیزوں پر اس کی رغبت ہے وہ یہی چیزیں ہیں جن کا بہ ترتیب بیان ہوا مگر وہاں اس کے خیال سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ دنیا میں جو کوئی نیکی کرتا ہے پھر اس کا وہاں نیک ہی بدلہ ہے گویا یہاں تک نیک بدلہ کی تشریح تھی۔ یہ آیت منجملہ ان چار آیتوں کے ہے کہ جن کے سو سو معنی سے زائد ہیں۔ ان کے کلماتِ جامع بے شمار معانی کو حاوی ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع ۳

اور ان دونوں باغوں کے سوا اور دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں بہت ہی سبز ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں بڑی نیک سیرت عورتیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہوں گی جو خیموں میں بند بیٹھی ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا نہ جن نے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز اور رنگ برنگ کے عمدہ قالینوں پر پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے جو (بڑے) جلال و عزت والا ہے۔

ترکیب : جنتان مبتداء ومن دونھما خبر مدھا متان صفۃ لجلالۃ او خبر مبتداء محذوف عینان موصوف نضاختان صفۃ الموصوف

والصفۃ مبتداء فیھما خبرہ وقس علیہ مابعدہ۔ حور بدل من خیرات وقیل الخبر محذوف ای فیھن حور۔ حال وذوالحال محذوف دل علیہ الضمیر فی قبلھم۔ رفرف فی معنی الجمع وقیل رفرفۃ خضر صفۃ والاکرام بالجر عطفا علی الجلال وقرأ ابن عامر بالرفع صفۃ للاسم۔

تفسیر : یہ اہلِ سعادت کے مقامات کی اور زیادہ تشریح ہے کہ ان خداترسوں کے لیے دو اور باغ ملیں گے جن کے اوصاف بعد میں بیان فرماتا ہے۔ کیا یہ چاروں جنت ایک کے لیے ہوں گی؟ جمہور کے نزدیک وہ دو جنت ایک گروہِ اہل سعادت کے لیے ہوں گی اور یہ دونوں دوسرے گروہِ اہلِ سعادت کے لیے۔ یہ پہلی بہتر ہیں یا یہ دونوں پچھلی؟ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں لکھتے ہیں۔ یہ دونوں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ان دونوں سے جن کا پہلے ذکر ہوا بڑھ کر ہیں۔ دونھما کے معنی ہیں اقرب ھما واما ھما کے کہ یہ عرش کے ان سے زیادہ قریب تر ہیں یعنی ان سے بالاتر کے مقامات ہیں مگر اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں ان دونوں سے کمتر درجہ کی جنت ہیں۔ لفظ دون جس کے معنی کمی کے ہیں اس پر شہادت دے رہا ہے اور احادیثِ صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ وہ پہلی دو جنت سابقین مقربین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے۔

بعض کہتے ہیں اُن دونوں کا نام جنتِ عدن و جنتِ نعیم ہے اور اِن کا جنت الفردوس و جنت الماویٰ۔

مراہلِ سعادت میں سے سابقین مقربین کا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ہیں اور اصحاب الیمین ان سے درجہ میں کم ہیں کیونکہ اصحاب الیمین صلحاءِ مومنین ہیں اس لیے ان کے لیے جو دو باغ ملیں گے بڑھ کر ہوں گے اصحاب الیمین کے دو باغ سے۔

اس لیے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں پہلی دو جنتوں کے جو اوصاف ہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ان کا ان اوصاف سے جو ان دو جنتوں کے ہیں بڑھ کر ہونا ثابت کر کے دکھایا ہے۔ ایسی باتوں کو علمِ الٰہی کے حوالے کرنا میں پسند کرتا ہوں اس علم کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔ مدھامتان مشتق ہے دھمۃ سے جس کے معنی لغت میں سیاہی کے ہیں۔ کہتے ہیں فرس ادھم وبعیر ادھم جب کہ ان پر سیاہی غالب آ جائے ادھام ادھیماماً۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سبز کے۔ محمد بن کعب۔ کہتے ہیں تیز سبزی، سبزی جب تیز ہو جاتی ہے تو سیاہی مارنے لگتی ہے اسی سبزی کو دھمۃ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی پانی کی کثرت اور شادابی کے زیادہ ہو جانے سے ان دونوں باغوں کے درخت نہایت سبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

نضاختان نضح کے معنی ہیں چشمے سے پانی کا ابلنا' فوارے کی طرح جوش مار کر نکلنا۔ اور نضح حاء مہملہ سے جو ہے تو اس کے معنی میں کمی ملحوظ ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں ترشح اور چھڑکنے کے۔ یعنی ان دونوں باغوں میں ایسے دو چشمے ہوں گے کہ جن کا پانی فوارے کی طرح سے گرتا ہوگا۔ اس قسم سے پانی کا نکلنا بھی عجب فرحت خیز ہے۔

فیھما فاکھۃ و نخل و رمان ان میں میوے اور کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ یہ چیزیں باغوں کو خصوصاً عرب کے قلوب میں نہایت زینت دیتی ہیں کس لیے کہ کھجور تو ان کی عام خوراک ہے اور انار بمنزلہ شراب کے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کھجور اور انار پر عرفِ عرب میں فاکہۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ ان کا فاکہہ پر عطف ہے اور معطوف علیہ معطوف کے غیر ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہوا کرتی۔

فیھن خیرات حسان۔ فیھن کی ضمیر انہیں دونوں باغوں کی طرف پھرتی ہے تغلیباً۔ بعض کہتے ہیں ان دو کی خصوصیت نہیں اس میں پہلے دو باغ بھی شامل ہیں۔ مکانات کی خوبی اور ان کی تروتازگی کے بعد وہاں کی دلکش چیزوں کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ان میں خیرات حسان ہیں خیرات کو جمہور نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے تب یہ خَيْرَةٌ بوزن فعلۃ کی جمع ہے کہتے ہیں امرۃ خیرۃ یعنی اچھی عورت جیسا کہ

اس کے مقابل میں کہتے ہیں امرة شرة بری عورت اور بعض نے خیرات بالتشدید پڑھا ہے تب یہ خَیِّرَۃٌ کی جمع ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں خوبصورتی کے دوسری میں عادت واخلاق کی اچھائی کے اور بعض نے عام رکھا ہے مگر قوی یہی ہے کہ خیرات سے اخلاق وعادات کی خوبی مراد لی جائے اور حسان سے صورت کی۔ اور ممکن ہے کہ ایک لفظ دوسرے کی تائید کے لیے آیا ہو۔ حسان خوبصورت، یعنی ان دونوں باغوں میں خوبصورت اور حسین عورتیں ہوں گی۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ، ان باغوں میں خیمے ہوں گے جن میں حوریں پردۂ ستر میں ہوں گی۔ حسن کہتے ہیں وہ حورالعین جو قرآن میں مذکور ہیں وہ یہی دنیا کی نیک عورتیں ہوں گی جن کو حسن وخوبی دے کر وہاں حور بنا دیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک وہ ایک نئی قسم کی عورتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہیں وہ دنیا کی عورتیں نہیں۔ اس پر جمہور کے پاس بہت سے شواہد نقلیہ موجود ہیں۔ پھر ان دونوں میں کس کا حسن زیادہ ہوگا؟ بعض کہتے ہیں حوریں بڑھ کر ہوں گی بعض کہتے ہیں دنیا کی نیک بیویاں ستر درجے بڑھ کر حسن میں حور سے زیادہ ہوں گی اور حوریں ان کے آگے لونڈیوں کی طرح رہیں گی۔ واللہ اعلم ان باتوں میں بھی کسی کے پاس کوئی حجتِ قاطعہ نہیں۔ مکانات میں ان حسین عورتوں کا رہنا اور خیموں میں سیر وتفریح کے لیے جانا انہیں کا جا کر رہنا وہاں حوروں کا موجود ہونا طبائعِ انسانیہ کے لیے نہایت مرغوب ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ۔ رفرف سبز اور خوبصورت عبقری پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ رفرف رف برف اذا ارتفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں اور اسی لیے جو طائر ہوا میں پر کھول کر اڑتا ہے اس کو رفرفہ کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے کیا مراد ہے؟ ابوعبیدہ کہتے ہیں اس سے مراد بچھونے۔ اور یہی قول ہے حسن ومقاتل وضحاک وغیرہم کا بعض کہتے ہیں تکیے بعض کہتے ہیں جنت کے چمن۔ مگر صحیح اول قول ہے کہ وہ عمدہ ریشمی قالین سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری عبقر کی طرف منسوب (عبقر زمین پریاں وعرب ہر چیز ے از مردم دستور وجامہ وفرش وخبر آں را کہ درغایت قوت وحسن ولطافت باشد بوے منسوب کنند یقال ثوب عبقری وھو واحد وجمع والانثیٰ عبقریہ) صراح۔ اس سے مراد بھی وہی گدے اور تکیے اور نہالچے ہیں جو نہایت عمدہ ہوں گے اس کے بعد کلام کو اپنی ذات کی خوبی وبرکت پر تمام کرتا ہے تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کہ جس نے انسان کے لیے یہ نعمتیں پیدا کیں[1]۔ ثوبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تین بار استغفار کرتے اور پھر یہ کہتے تھے۔ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذ والجلال والاکرام۔ (رواہ مسلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾
اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾
وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۭ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۭ﴿۸﴾

[1] اصل تبارک کی تبرک ہے جس کے معنی دوام وثبات کے ہیں اور اسی سے ہے برک البعیر وبرکۃ الماء کہ جہاں پانی ٹھہرتا ہے۔ یہ معنی ہوئے کہ اس کا نام سدا رہے گا اور سب خیر وخوبی اسی کو ہے کس لیے کہ برکت کا استعمال خیر میں ہوتا ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شان بلند اور وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ از اں جملہ کذب ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ جو اس کے وعدے ہیں سب سچ ہیں بعد مرنے کے ہر کوئی دیکھ لے گا ترغیب کے لیے جھوٹی باتیں نہیں بنائی گئی ہیں جیسا کہ ملحد کہتے ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۭ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾
اُولٰۗىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾

جبکہ واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے (قیامت) جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں (وہ) کسی کو پست کر دے گی اور کسی کو بلند جبکہ زمین بڑے زور سے لرزے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چورا ہو جائیں گے سو وہ غبار ہو کر اڑتے پھریں گے اور (اس وقت) تمہاری تین جماعت ہو جائیں گی ایک تو دائیں طرف والے دائیں طرف والوں کا کیا ہی کہنا ہے اور (دوسرے) بائیں طرف والے، بائیں طرف والوں کا کیا ہی برا حال ہے اور (تیسرے) آگے والے تو آگے والے ہی ہیں (اور) وہی مقرب بھی ہیں وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔

ترکیب : اذا والعامل فیھا اذکر اومادل علیہ لیس لوقعتھا کاذبہ ای اذا وقعت لم تکذب۔ اوھی ظرف لحافظۃ الواقعۃ اذ الثانیۃ تکریر للاولیٰ اوبدل منھا کاذبہ مصدر کالعافیۃ والعاقبۃ ھی اسم لیس۔ خافضۃ رافعۃ قرأ الجمہور بالرفع علی انھما مبتداء محذوف وقریٔ بالنصب علی الحال من الضمیر فی کاذبۃ اوفی وقعت۔ فاصحاب المیمنہ مبتداء مااصحاب المیمنۃ الجملۃ خبر ولما کان الثانی عین الاول لم یحتج الی ضمیر الی المبتداء والسابقون مبتداء السابقون خبرہ قیل الثانی لغت للاول اوتکریر وتوکید اولئک الخ الجملۃ خبر۔ فی جنات النعیم خبر ثان اوحال من الضمیر فی المقربون اوظرف قرأ الجمہور جنات بالجمع وقریٔ بالافراد واضافۃ الجنات الی النعیم من اضافۃ المکان الی مافیہ کدار الضیافۃ۔

تفسیر : یہ سورہ مکے میں نازل ہوئی ہے ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم وحسن وعکرمہ وجابر وعطا کا یہی قول ہے۔ قتادہ کہتے ہیں صرف یہ آیۃ وتجعلون رزقکم الآیہ مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں اس میں سے چار آیات اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الخ سفر مکہ میں نازل ہوئیں، باقی مدینے میں۔ پہلا قول قوی ہے۔

بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں اور حارث بن اسامہ اور ابویعلی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر ہر شب سورۃ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آئے گی۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورۂ واقعہ غنی کی سورۃ ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔

یہ اور اس قسم کی احادیث جو بیشتر فضائل میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک صحت وقوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں مگر ان کے مطالب میں ذرا بھی شک نہیں۔ کس لیے کہ ہر کلام وہر کام کا دنیا میں بھی ایک اثرِ خاص ہے۔ کلام کے اس اثر کے سوا جو اصل مقصود ہے یعنی سامع یا مخاطب کے دل پر بیٹھ جانا ایک اور بھی اثر خصوصاً کلام اللہ کا بارہا تجربے میں آیا ہے۔ آج کل کے لوگ جو سائنس (علوم) کی ترقی کا دم بھرتے ہیں ان باتوں کے منکر ہیں مگر ابھی ان کے سائنس نے کامل ترقی نہیں کی جب کرے گا بہت سی باتوں کو جن کا وہ اب انکار کرتے ہیں اقرار کریں گے اور کرتے جا رہے ہیں۔

سورۂ الرحمٰن کے اخیر میں فرمایا تھا تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام۔ اب اس سورہ میں اس کے کامل جلال واکرام کے ظاہر ہونے کا وقت بیان کرتا ہے کہ وہ کس دن ظاہر ہوگا؟ فرماتا ہے اذا واقعت الواقعۃ الخ کہ جب ہونے والی گھڑی جو کسی طرح ٹلنے ہی کی نہیں آئے گی یا یوں کہو جنت کی نعمتیں اور وہاں کے اسبابِ عیش وآرام کا ذکر ہونے سے نفوسِ سامعین مشتاق ہو کر پوچھتے تھے کہ یہ کب ہوگا؟ فرما دیا کہ جب قیامت آئے گی یعنی دوسرے جہان میں۔ اس جہان میں نہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان عیش وکامرانی کی جگہ نہیں۔ یہ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ
وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے پچھلوں میں سے بھی' جڑاؤ پلنگوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (وہ) لڑکے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لاتے لے جاتے ہوں گے کہ جس سے نہ ان کو دردِ سر ہوگا نہ بے ہوشی اور (نیز) جو میوے پسند کریں گے اور جس پرند کا گوشت چاہیں گے (وہ بھی لائیں گے) اور ایسی حوریں ہوں گی جیسا کہ صدف کا پوشیدہ موتی ان کے ان کاموں کے بدلے میں کہ جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے نہ خلافِ تہذیب مگر باہم سلام سلام کی آواز۔

ترکیب : ثلة مبتداء۔ وھی القطعة والفرقة من ثللت الشیء اذا قطعته وقیل معطوف علی المبتداء علی سرر الخ خبر وقیل ھم ثلة سرر بضم السین والراء الاولیٰ وقریٔ بفتح الراء وھی لغة جمع سریر موضونة منسوجة والضن النسج المضاعف یقال وضن الشیء یضنہ فھو موضون ووضین متکئین ومتقابلین حالان من الضمیر فی الخبر وقیل متقابلین حال من الضمیر فی متکئین یطوف مستانفة ویجوز ان یکون حالا باکواب متعلق بیطوف اکواب جمع کوب (کوزۂ بے دستہ) صراح۔ واباریق جمع ابریق کوزۂ بادستہ معطوف علی اکواب وحور بالرفع علیٰ انہ معطوف علیٰ ولدان اولھم حور ویقرء بالنصب علی تقدیر یعطون وبالجر عطفاً علی اکواب والحور جمع حوراء والعین جمع عیناء خبرا ومفعول لہ اومفعول مطلق ای یخبرون جزاءً الا قیلا استثناء منقطع سلاما بدل منہ اوصفة اومفعولہ بمعنی الا ان یقولو سلاماً اومصدر ای یسلمون سلاما والتکریر للتکثیر ای یفشون السلام بینھم۔

تفسیر : اور سابقین انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہیں۔ ان تینوں فرقوں میں اعلیٰ درجہ کے سابقون ہیں لیکن سب کے اخیر ان کا ذکر اس لیے آیا کہ انہیں کے فضائل ودرجات کا سب سے اول بیان کرنا مقصود تھا اس صورت میں اتصال ہوگیا۔

فرقۂ سابقین کا ذکر : سب سے اوّل سابقون کے درجات بیان فرماتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ سابقون پہلے لوگوں میں سے کتنے ہیں اور پچھلوں میں سے کتنے؟ اس لیے فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کہ یہ سابقین پہلے زمانے والوں میں سے ایک گروہ ہے اور پچھلے زمانے والوں میں سے تھوڑے سے۔ پہلا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ بے شک ان میں سابقین زیادہ ہیں کس لیے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخلصین شامل ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے اور پچھلا زمانہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک۔ ان میں سابقین بہ نسبت پہلے زمانے والوں کے کم ہیں گو فی نفسہٖ بہت ہیں

[1] تخت' چارپائی' پلنگ' چھپر کھٹ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

جہان کوشش' عمل اور تکالیف کی جگہ ہے جو بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے۔ اس سورہ میں زیادہ تر تیسرے مسئلہ قیامت کا ذکر ہے۔

واقعة قیامت کا نام ہے اس لیے کہ یہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اسی طرح اس کا نام ازفة وغیرہا ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ یہ کلمہ واقعۃ کی تاکید ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو کوئی رد نہیں کرسکتا اور یہی حسن و قتادہ کا قول ہے اور یہ بھی کہ اس دن اس کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا۔ پھر اس کی تصریح اور اس کے خواص بیان فرماتا ہے۔ **خافضة** کہ وہ گھڑی پست کرنے والی ہے بہت سے دنیا کے سربلندوں کو جو خدا تعالیٰ سے غافل اور اس کے منکر اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، نیچا دکھائے گی۔ **رافعة** بلند کرنے والی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو نیک ہیں اس روز سربلندی نصیب ہوگی گو وہ دنیا میں پست اور ذلیل تھے یہ کب ہوگا؟ **اذا رجت الارض رجا** کہ جس دن زمین ہلے گی۔ رجۃ اضطراب وحرکت۔ **وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا** اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، بس ٹکڑے ٹکڑے ہونا، ٹوٹنا۔ **فكانت هباءً منبثًّا** پھر وہ غبار اُڑتا ہوا ہو جائیں گے۔ ہباء کے معنی غبار اور منبثا کے معنی منتشر' اڑنے والا۔

حال کی فلاسفی کے بموجب بھی ایسا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں۔ حال کے منجموں نے دُم دار ستاروں کی بابت تحقیق کر کے ان کے اجسام کا اندازہ ہزار ہا حصے زمین سے بڑا ثابت کر کے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حرکت ایسی تیز ہے کہ ایک دو منٹ میں ہزاروں کوس کا رستہ[1] طے کرتے ہیں اور ایک بار قریب تھا کہ یہ ستارہ زمین سے ٹکرا جائے مگر خیر گزری ورنہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ پس اس روز اگر ایسا صدمہ آنے سے یہ ہو جائے تو کیا بعید ہے اس لیے خدائے قہار سے ہر وقت ڈرنا چاہیے کہ ایسے اجرامِ عظیمہ ٹکرا کر ہر ایک کو چورا چورا کر دیں۔ ہر گھڑی یہ احتمال اور یہ دغدغہ لگا ہوا ہے۔

مگر یہ باتیں ظاہر بینوں کی ہیں جو عالمِ اجسام اور ان کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اس قادرِ مطلق کی بے انتہا قدرت اور طاقت کے آگے سب کچھ ممکن ہے۔ **وكنتم ازواجا ثلثة**۔ اس روز دنیا فنا ہونے کے بعد جب دوسرا عالم پیدا ہوگا اور لوگ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو اے بنی آدم! تمہاری تین قسم یعنی تین گروہ ہو جائیں گے۔ پھر آگے تین گروہوں اور ان کے حالات و درجات کا بیان کرتا ہے۔ **فقال فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة** ایک وہ جو تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے یا یہ معنی کہ ان کو نامۂ اعمال دائیں طرف سے دیے جائیں گے یعنی دائیں والے یا یمن و برکت والے۔ یمن سے مشتق ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبے والے۔ عرب میں جو دائیں طرف سے چیز آتی تھی اس کو بہتر سمجھتے تھے اور بائیں طرف سے جو چیز آتی تھی اس کو نحوست پر محمول کرتے تھے اس لیے عمدہ اور بہتر یمین والی اور بری چیز شمال والی بطور استعارہ کے مراد ہونے لگی یعنی یمین والے کیا ہی عمدہ ہیں۔ **وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** اور بائیں[2] والے یا برے مرتبے والے شوم منحوس کیا ہی برے ہیں۔ یہ دوسرا فریق تھا۔ **والسابقون الخ** یہ تیسرا فریق ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و نیکی اختیار کرنے والے یا سعادت و حسنات میں سبقت کرنے والے یا اگلے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام یا تختِ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے والے وہی درجات میں سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہیں جو جنات النعیم میں رہیں گے۔ اب کلام اس میں ہے کہ ان تینوں گروہ میں کون کون داخل ہیں؟ صحیح تر یہ ہے کہ اصحاب الیمین مومنین وصالحین ہیں خواہ امتِ محمدیہ کے ہوں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا پہلی امتوں کے اور اصحاب الشمال کافر و منافق و گنہگار۔

[1] ایسی تیز حرکت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اتنے بڑے جسم کا جو زمین سے بہت ہی بڑا ہو زمین کے کرہ سے ٹکرانا اگر قیامت برپا ہونا نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بائیں طرف کھڑے ہونے والے یا بائیں طرف سے نامۂ اعمال پانے والے۔ ۱۲ منہ

ان میں ہمارے حضرت ﷺ ہیں اور آل واصحاب رضی اللہ عنہم واولیائے کرام جو سعادت کے درجۂ قصویٰ تک پہنچ گئے تھے۔

یہ مجاہد وحسن بصری رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی وہ حدیث کہ جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات شاق گزری کہ سابقین پہلے لوگوں میں سے بہت ہوں اور ہم میں سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام اہلِ جنت کے چوتھائی یا تہائی بلکہ نصف ہو گے یعنی گو تم میں سے سابقین کم ہیں مگر جنت میں داخل ہونا سابقین میں سے ہونے پر موقوف نہیں۔ اصحاب الیمین بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحاب الیمین تم میں سے ایک بڑا فریق ہے جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے۔ ثلة من الاولین وثلة من الآخرین۔ ابن سیرین وغیرہ کا قول ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ میں اسی امت خیر الامم کے اولین وآخرین مراد ہیں کہ اس کے اولین یعنی خیر القرون کے لوگوں میں سابقین بہت ہیں اور پچھلوں میں جو خیر القرون کے بعد کا زمانہ ہے ان میں سے کم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سابقین کے لیے جو وہاں عیش وآرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے۔ ان کے درجات اجمالاً ایک جملے میں پہلے بیان فرمائے تھے کہ اولئك المقربون کہ وہ مقربِ الٰہی ہیں۔ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اس کی تجلیِ جمال ومشاہدۂ انوار میں شاداں وفرحاں رہیں گے۔ فی جنات النعیم یہ مشاہدہ بری جگہ میں نہ ہوگا بلکہ نعمت کے بھرے ہوئے باغوں میں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ فقال عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کہ طلائی تاروں سے بنے ہوئے تختوں اور چھپر کھٹوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے اور ان کے پاس ولدان مخلدون لڑکے کہ جن کا لڑکپن ہمیشہ رہے گا (فراء کہتے ہیں عرب اس شخص کو کہ جو بڑی عمر کا ہو اور اس کی صورت میں فرق نہ آئے مخلد کہتے ہیں یعنی وہ لڑکے ہمیشہ اسی حسن وجمال کے ساتھ رہیں گے یہ اس لیے کہ لڑکپن کا زمانہ اور حسن کی بہار بہت ہی تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مخلدون کے معنی ہیں کہ خلدہ یعنی بالا پہنے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کانوں میں بالے پڑے ہوں گے۔ وہ لڑکے کفار ومشرکین کی وہ صغیر اولاد ہوگی جو نابالغی میں مر گئے اور ممکن ہے کہ حوروں کی طرح وہ بھی ایک نئی مخلوق ہو، دنیا کے لڑکے نہ ہوں۔ لڑکوں کا خدمت کے لیے چیزیں لانا لے جانا صرف ان کے حسن کی وجہ سے بلکہ ان کی پھرتی اور بالے پنے کے ساتھ ہنسنے بولنے میں عجب لطف دیتا ہے)۔ ان کے پاس پیالے اور آبخورے اور رکابیاں اور طشتریاں (اکواب) اور لوٹے اور آفتابے یعنی چمکتے ہوئے دستہ دار برتن (اباریق) اور جام جن میں طلائی کام کئے ہوں گے (کاس) لائیں لے جائیں گے۔ پھر ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ سب سے پہلے جام کی چیز بتلاتا ہے جس کے پینے سے سرور ہو وہ کیا ہے معین صاف شفاف پانی یا کوئی جنتی عرق یا کوئی خاص وہاں کی ساخت کی شراب جو کسی برتن میں سے نہ انڈیلی جائے گی بلکہ اس کا وہاں چشمہ جاری ہوگا جس سے نہ سر میں درد اور خمار ہوگا نہ بیہوشی ہوگی۔ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اور جب ہوش ہی بجا نہ رہے تو کوئی لطف باقی نہ رہا۔ ایک شخص مردے کی طرح پڑا ہے خواہ منہ میں مکھیاں گھسیں یا کتے موتیں اور اس کی محبوب چیزوں کو کوئی کام میں لائے وہاں ایسا نہ ہوگا اور اسی لیے دنیا کی شراب حرام کی گئی۔ اور ان برتنوں میں کیا ہوگا؟

وفاكهة مما يتخيرون وہ عمدہ میوے کہ جن کو وہ پسند کریں گے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان پرندوں کا گوشت کہ جن کو چاہیں گے۔ پرند کا گوشت ہی مزے دار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ یہ تو کھانے پینے کا سامان تھا مگر اس کی زینت اور جان حسین عورتوں سے ہوتی ہے اس لیے فرمایا وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ حوریں یعنی گوری رنگت والیاں۔ عین بڑی بڑی آنکھوں والیاں جیسے سیپ کے اندر کے موتی۔ نہ کوئی عیب ہوگا نہ کسی کی صرف میں آئی ہوئی ہوں گی جیسا موتی سیپ کا کسی کے استعمال میں آیا ہوا نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی بیرونی عیب ونقصان پہنچا ہوتا ہے۔ وہ چھیدا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں میں اور نیز خوبصورتی میں سیپ کے

موتی کے ساتھ تشبیہ کیا عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کے دنیاوی نیک کاموں کا۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ کوئی ضرر وتکلیف نہ ہونا بھی بڑی خوبی ہے اس لیے فرماتا ہے لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا الخ کہ وہاں کوئی بیہودہ اور تائیم یعنی قابلِ الزام رنج دہ بات سننے میں بھی نہ آئے گی۔ صرف باہم سلام کہنا اور اس کے متعلق جو دل خوش کرنے والی بات ہو۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝۲۷ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝۲۸ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝۲۹ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝۳۰ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝۳۱ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝۳۲ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝۳۳ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝۳۴ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝۳۵ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝۳۶ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝۳۷ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝۳۸ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۹ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۴۰ ع ۲

اور دائیں طرف والے کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا وہ ان باغوں میں ہوں گے (کہ جہاں) بے خار بیریاں اور تہ برتہ کیلے اور دراز سائے ہیں اور پانی کے جھرنے اور بہت سے میوے ہیں کہ نہ جن کی فصل تمام ہوگی نہ ان کی ممانعت ہوگی اور بلند فرشوں میں آرام کر رہے ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو ایک اٹھان پر اٹھایا پھر ان کو کنواریاں اور دل لبھانے والیاں ہم عمر بنا دیا ہے۔ (یہ سب) دائیں طرف والوں کے لیے (اس جماعت میں) اگلے لوگوں کا بھی ایک انبوہ ہے اور پچھلے لوگوں کا بھی انبوہ ہوگا۔

ترکیب: فی سدر الظرفیۃ للمبالغۃ فی التنعم والانتفاع بہ مخضود لاشوک لہ من خضد الشوک اذا قطعہ اوثنی اغصانہ من کثرۃ حملہ لامقطوعۃ لغۃ لفاکھۃ وقیل معطوف علیھا انث نھن الضمیر للفرش لان المراد بھا انساء عرب جمع عروب قال المبرد ھی العاشقۃ لزوجھا وقال زید بن اسلم ھی الحسنۃ الکلام وقیل المحبوبۃ والا تراب جمع ترب وھو المساوی لک فی السن لانہ یمس جلدھا التراب فی وقت واحد قیل یطلق علی النساء والرجال اقران۔ لاصحاب الیمین اللام متعلقۃ بانشانھن اوبجعلنا۔

تفسیر.....اصحاب الیمین کا ذکر: یہ دوسرے گروہ اصحاب الیمین کا ذکر ہے کہ وہ بہت ہی خوب لوگ ہیں اور ان کے لیے جنت میں یہ نعمتیں ہیں۔ فی سدر مخضود۔ باغات ہوں گے جن میں سے یہ چند درخت ہیں۔ سدر بیری مخضود بے خار یا جھکی ہوئی شاخیں جو پھلوں کے بوجھ سے جھک پڑیں۔ حاکم وبیہقی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا کہ یا حضرت میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے آپ نے پوچھا وہ کیا۔ عرض کیا سدر اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے مخضود نہیں فرمایا ان کے کانٹے توڑیں جائیں گے ان کی جگہ پھل ہوں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیری مراد نہیں بلکہ ایک اور عمدہ درخت جو بیری سے مشابہ ہے طلح اکثر مفسر کہتے ہیں اس سے مراد کیلا ہے۔ مَنْضُوْدٍ تہ بہ تہ اوپر تلے۔ اور ان کے سوا بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ اور جا بجا سے پانی اوپر سے نیچے گرتا ہوگا اور فاکھۃ کثیرۃ بہت سے میوے جو لامقطوعۃ قطع نہ ہوں گے یعنی کسی وقت تمام نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے میووں کے کہ ان کی فصل تمام ہو جاتی ہے اور شائقین کا دل ترستا رہ جاتا ہے۔ ولاممنوعۃ اور نہ ان کی ممانعت جس کا جہاں سے دل چاہے کھائے۔ وفرش مرفوعۃ اور بلند فرش ہوں گے یعنی بلند تختوں پر بچھے ہوں گے یا یہ معنی کہ خوبی میں بلند ہوں گے

بعض مفسرین کہتے ہیں فرشوں سے مراد عورتیں ہیں یہ مرد کے تلے بچھتی ہیں اس لیے بطور استعارہ کے ان کو فرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بلند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند تختوں پر ہوں گی یا یہ کہ حسن وخوبی میں بلند قدر ہوں گی جیسا کہ سورۂ یٰس میں آیا ہے هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ اس لیے ان کی مدح میں فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ الخ کہ ان کو ہم نے پیدا کیا اور عجب اٹھان اٹھایا ہے کہ ان کو ابکار اکنواریاں بنادیا ان سے پہلے کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور اس کنوارپن کی وجہ سے ایسی نہ ہوں گی کہ ان کو مرد سے نفرت یا سرکشی ہو بلکہ عرب یعنی دل لبھانے والیاں' محبت کرنے والیاں' ناز وکرشمے سے دل کو کھینچنے والیاں ہوں گی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ اتراب یعنی ہم سن ہوں گی کس لیے کہ بڑی عمر کی عورت سے یا نہایت چھوٹی سے دل بستگی نہیں ہوتی ہم سنی کا بھی ایک عجیب لطف ہوتا ہے یہ کن کے لیے؟ اصحاب الیمین کے لیے جو پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے ایک ایک گروہ اور انبوہِ کثیر ہوگا۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝۴۱ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝۴۲
وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝۴۳ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝۴۴ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝۴۵ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝۴۶ وَكَانُوْا
يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۴۷ اَوَاٰبَآؤُنَا
الْاَوَّلُوْنَ ۝۴۸ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝۴۹ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۵۰ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝۵۱ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ
شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝۵۲ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۵۳ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ
مِنَ الْحَمِيْمِ ۝۵۴ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝۵۵ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ
الدِّيْنِ ۝۵۶

اور بائیں طرف والے کیا ہی بری گت ہے بائیں طرف والوں کی وہ لوؤں اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں جہاں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت۔ کس لیے کہ یہ لوگ اس سے پہلے ناز ونعمت میں رہے تھے اور بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرچکیں گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے۔ تو کیا ہم تب بھی زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔ کہہ دیجئے ایک روز معلوم (وقت پر) سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کیے جائیں گے۔ پھر بے شک تم کو اے گمراہ' جھٹلانے والو! ضرور تھوہر کا پیڑ کھانا ہوگا پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا۔ پھر تم اس کو پیاسے اونٹوں کی طرح پیو گے قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

ترکیب : السموم حرالنار وقیل الریح الحارۃ جدا والحمیم الماء الحار الشدید الحرارۃ یحموم یفعول من الاحم او الحمیم وھوالاسود یقال اسود یحموم صفۃ لظل اوحال وکذا الابارد ولا کریم آ الاستفہام للانکار اذا والعامل فیہ مایدل علیہ مبعوثون لان مابعد الاستفہام لایعمل فیما قبلہ وآباؤنا معطوف علی الضمیر فی لمبعوثون لوقوع الفصل بینھما بالھمزۃ والمیقات ماوقت بہ الشیء ای حدومنہ مواقیت الاحرام والاضافۃ

بمعنی من والمعنی انھم یحشرون الی ماوقتت بہ الدنیا من یوم الحساب۔ من شجر من زائدۃ وقیل لابتداء الغایۃ من زقوم من بیانیۃ منھا الضمیر تعود الی شجر الزقوم لکون الشجر اسم جنس واسم الجنس یذکر ویؤنث شرب الھیم شرب قراء الجمہور بضم الشین وفتحھا وکسرھا قال المبرد بالفتح مصدر وبالکسر والضم اسم لہ۔ والیھم جمع اھیم والانثی ھیماء وقیل جمع ھیمان للذکر وھیمالانثی کعطشی اوعطشان وھی ابل عطاش لاترد الماء وقیل الرمال علی انہ جمع ھیام بالفتح وھوالرمل الذی لاتماسک جمع اولاعلی وزن ھیم کسحب ثم خفف ای بدل ضمۃ الھاء کسر البقاء الیاء کمافی بیض جمع ابیض۔ والنقد یر شربا مثل شرب الھیم وکل من المعطوف علیہ اخص من الاخر من وجہ فلا اتحاد۔

تفسیر.....اصحاب الشمال کا حال: اب تیسرے گروہ اصحاب الشمال کا ذکر کرتا ہے کہ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ کہ بائیں والے کیا ہی برے ہیں۔ پھر آگے ان کی بری حالت جو ان کے اعمالِ بد کا مظہر ہے بیان فرماتا ہے فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ کہ گرم ہوا یا آگ کی لپٹ اور گرم کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور یہ سایہ گرم دھوئیں کا سایہ ایسا ہوگا کہ نہ جس میں کچھ خنکی ہو گی جیسا کہ اور چیزوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے اور نہ کچھ آرام وعافیت ہوگا اور نہ کوئی عزت ہوگی۔

ابن حریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرب اس لفظ کریم کو اور الفاظ کے پیچھے محض تبعاً ذکر کردیا کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ھذا الطعام لیس بسمین ولا کریم۔ معاذ اللہ سایہ بھی ملا تو کیسا اور جگہ بھی ملی تو کیسی؟

اس کے بعد ان کے اس ہیبت ناک جگہ اور مصیبت کدہ میں داخل ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ کہ وہ پہلے یعنی دنیا میں بڑے عیش وآرام اور ترفہ میں تھے۔ فراغ دستی اور ترفہ اگر خدا پرستی اور نیکوکاری سے مانع نہ آئے تو کوئی بری چیز نہیں اس کی نعمت ہے مگر اس میں خرابی ہے تو یہی کہ یہ نفس پروری اور غفلت اور شہوانی اور غضبانی کاموں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے ظلم اور غرور دین اور بزرگانِ دین سے مقابل کردیتی ہے اور دنیا میں رہنے اور یہاں کے اسباب تجمل پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ اور بڑے گناہ پر اڑی کیا کرتے تھے اسی دنیا کے مال وجاہ کے نشے میں۔ غریب آدمی کو جب کسی برے کام پر ملامت کی جاتی ہے تو بیشتر وہ نادم ہوجاتا ہے اور اڑتا نہیں مگر پیٹ بھرے دولت مند کب مانتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ بڑے گناہ سے کیا مراد ہے؟ واحدی کہتے ہیں شرک اور یہی ضحاک وحسن وابن زید کا قول ہے مگر قوی یہی ہے کہ عموماً ہر ایک بڑا گناہ مراد ہے خواہ شرک ہو خواہ انکارِ آخرت ونبوت خواہ زنا وقتل وغیرہ اور اس پر اصرار کرنے کے معنی ہیں کہ اس سے نادم نہ ہو توبہ نہ کرے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اور منجملہ ان کے گناہِ عظیم کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ مرکر بارِدگر حشر میں زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور تعجب کرکے کہتے تھے کہ بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہوگئے تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اگلے زمانے کے جن کی قبروں اور ہڈیوں کا نشان بھی باقی نہیں رہا بارِدگر زندہ ہوکر اٹھیں گے۔

یہ بات ان کے نزدیک بڑی تعجب انگیز اور ان کے عقولِ ناقصہ کے احاطہ سے باہر تھی اور اصل سبب اس تعجب وانکار کا وہی کم بخت حبِّ دنیا اور اس کا ترفہ تھا جس نے ان کے انوارِ فطریہ اور عقولِ صافیہ کو سیاہ کرکے ایسی باتوں کے سمجھنے سے قاصر کردیا تھا اور ان کی محبتِ دنیا اس خطرے کو بھی ان کے دل میں جگہ نہ دیتی تھی کہ آخر ایک روز مرنا ہے اور مرکر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے جانا ہے۔

ان کے جہنم میں جانے کی یہی تین باتیں سبب ہوئیں جو تمام گناہوں اور ہر قسم کی اصل الاصول ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔ اس انکار کے جواب میں فرماتا ہے، قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان منکروں سے کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب لوگ زندہ کرکے ایک روز جمع کیے جائیں گے۔

پھر اس روز اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ۔ اے گمراہو جھٹلانے والو! ان

نعمتوں کی جگہ تم تھوہر کا درخت کھاؤ گے اور یہ نہیں کہ ذرا چکھ لو بلکہ اس سے پیٹ بھرو گے۔ ہر چند وہ جہنم کا پیڑ جو دنیا کے تھوہر سے مشابہ ہے نہایت بدمزہ اور تلخ اور گلا گھونٹنے والا انتڑیوں کا زخمی کرنے والا ہے مگر بھوک کی تکلیف اس سے بھی زیادہ تم کو معلوم ہوگی اس سبب سے اس سے پیٹ بھرنا غنیمت جانو گے۔ پھر اس کے کھانے کے بعد پیٹ میں ایک سخت گرمی اور بے انتہا پیاس معلوم ہوگی۔ سرد پانی کی تلاش کرو گے۔ سرد پانی وہاں کہاں ناچار جہنم میں جو کھولتا ہوا پانی ہے فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ اسی کو پیو گے اور کس طرح فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ اس طرح سے اس پر گرو گے کہ جس طرح کئی دن کے پیاسے اونٹ خشک بیابانوں میں جو پانی دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف بے خود ہو کر دوڑتے ہیں اور اس پانی پر گرتے ہیں اس طرح یہ لوگ اس پر بھی گریں گے۔ اس پانی کے پینے سے انتڑیاں کٹ کٹ کر دستوں میں نکلیں گی ہر روز یہی معاملہ رہے گا۔ ہائے یہ کیسی بیماری اور کیسی مصیبت ہوگی (اللہ محفوظ رکھے) یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن جس کی وہ نعمتیں کھا کھا کر منکر ہو رہے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ
لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ
الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ الفئة ع ۳

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں سچ نہیں جانتے (کہ وہ پھر بھی کر سکتا ہے) بھلا دیکھو تو وہ منی جس کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی (دوسری) حالت میں کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں تم کو بنا کھڑا کر دیں[1] اور تم اول بار

[1] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند قادرِ مطلق کے حقائقِ غیوب بے انتہا ہیں اور بے شمار و بے حد قدرت کے سانچے ہیں جس میں چاہے ڈھالے۔ سعادت کے سانچے میں یا شقاوت کے اور پھر ہر وقت ایک جدا سفر نئی منزل اور نیا میدان اس کے سامنے ہے۔ اس سے سمجھ لینا کہ انسان تناسخ کا لباس ←

کا پیدا کرنا جان بھی چکے ہو پھر کس لیے یہ نہیں سمجھتے (کہ قیامت کے دن بھی بنا سکتا ہے) بھلا دیکھو تو تم جو کچھ بویا کرتے ہو پھر کیا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگایا کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں پھر تو تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم زیر بار ہو گئے بلکہ بے نصیب ہو گئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ پانی کہ جس کو تم پیا کرتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا یا ہم اتارتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ آگ کہ جس کو تم سلگایا کرتے ہو کیا تم نے اس کا درخت اگایا یا ہم اگاتے ہیں ہم نے اس کو یادگار (قدرت) اور مسافروں کے کارآمد بنا دیا ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کرو جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب : نحن مبتداء خلقنا کم خبرہ افرایتم الھمزۃ للاستفہام والفاء للتفریع اوالعطف ما موصولۃ تمنون قراء الجمہور بضم الفوقیۃ من امنی۔ یمنی وقریٔ بفتحہا من منی۔ یمنی وھما بمعنی واحد قیل بینھما فرق امنی اذا انزل عن الجماع ومنی اذا انزل من احتلام والمعنی ماتصبونہ فی ارحام النساء والجملۃ صلۃ۔ والموصول مع صلۃ مفعول ارء یتم بمسبو قین ای لایسبقنا احد فیھرب من الموت اوالعذاب اولا یغلبنا احد من سبقتہ علی کذا اذا غلبتہ علیہ علی الاول حال من فاعل قدرنا الموت کائنین علی ان نبدل امثالکم اوعلۃ تقدرنا وعلی بمعنی اللام ومانحن بمسبوقین اعتراض وعلی الثانی صلۃ ظللتم بفتح الظاء مع لام واحدۃ قریٔ بکسرھا معھا وقریٔ ظللتم بلامین اولاھما مکسورۃ علی الاصل تفکھون تندمون علی ما اصبتم بذلک من المعاصی فتحدثون فیہ والتفکہ التنقل بصنوف الفاکھۃ وقد استعیر للتنقل بالحدیث المزن جمع مزنۃ وھی السحابۃ البیضاء والمطر۔ اجاجا الاجاج الماء الشدید الملوحۃ الذی لایمکن شربہ وقیل الماء المر من الاجیج وھو تلھب النار فانہ یحرق الفم ولو لیست خالصۃ للشرط بخلاف ان وانما جاء فیھا معنی الشرط اتفاقا من حیث انہا تدخل علی الجملتین امتنع الثانیۃ لامتناع الاولی فلا بد فی جوابھا من اللام لتکون علما علی ذالک وفی ھذہ الایۃ حذفت حیث قال جعلنا ولم یقل لجعلنا لعلم السامع بھا حیث ذکرت اولا۔ المقوین الذین ینزلون القواء ای البوادی والصحراء ای المسافرین یقال ارض قواء بالمد والقصر ای مغفرۃ وقال قطرب القوی من الاضداد بمعنی الفقر والغنی۔

تفسیر : تینوں گروہوں کا حال بیان کر کے دلائلِ حشر بیان کرتا ہے جو خاص انسان کی پیدائش اور اس کے حالات اور کارآمد چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

اول دلیل: انسان کا پیدا کرنا ہے اس بات کو پہلے تو اجمالی طور پر بیان فرماتا ہے فقال نحن خلقناکم کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے فلولا تصدقون پھر تم کس لیے اس بات کو سچ نہیں جانتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے پھر اس پیدا کرنے کی کیفیت مشاہدہ کراتا ہے افرء یتم ماتمنون کہ کیا تم نے منی کو رحم میں ڈالتے نہیں دیکھا۔ کیوں نہیں بلکہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے پھر وہ منی ایک قطرہ پانی کا ہے جو غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون پھر اس منی کو تم انسان بناتے ہو یا ہم؟ نہیں اللہ ہی اس قطرۂ منی سے انسان بناتا ہے ورنہ انسان کو تو منی ڈالنے کے بعد کچھ بھی خبر نہیں رہتی کہ رحم میں قرار پانے کے بعد متحد الحقیقت چیز سے مختلف الطبائع چیزیں کس نے پیدا کیں کسی جز کو قلب کسی کو دماغ کسی کو جگر پھر کسی کو ہڈی کسی کو کچھ۔ یہ کاریگری کسی فاعلِ مختار کا کام ہے جس کے قبضے میں طبیعت کل کی طرح کام کرتی ہے اور منی کی بھی ضمیر پھر سکتی ہے کہ منی کو بھی تم نہیں بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ابتداء ہماری طرف سے ہے انتہا بھی ہمارے حکم سے ہے۔ فقال نحن قدرنا بینکم الموت کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں لوگ مرتے ہیں پھر جس کی ابتداء وانتہا ہمارے بس میں ہے کیا بار دگر پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں؟ ہم قادر ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ پیدا کر دیں یا تمہاری حالت بدل دیں کہ مار کر ریزہ ریزہ کر دیں اور پھر جلا دیں۔ اول صورت میں امثال مثل بالکسر کی

← پہنتا ہے غلط سمجھ ہے کیونکہ یہ اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ ایسا کر سکتے ہیں اور نیز یہ تغیرات یا اسی عالم کے ہیں جو اس کے حالات کے تغیر و تبدل ہیں یا اس عالم سے دوسرے عالم کے۔ ۱۲ منہ

جمع ہے اور دوسری میں مثل بالفتح کی جس کے معنی ہیں صفت وحالت وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ اور تم کو اس ہیئت وحالت میں پیدا کر سکتے ہیں کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں یعنی انسان بنا کر تمہیں اور دوسری چیز بھی بنا سکتے ہیں۔ ابتداء وانتہا ودرمیانی حالت بھی سب ہماری قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس لیے دلیل کو اجمالی طور پر اعادہ کرتا ہے فقال وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ کہ تم اول بار کا پیدا ہونا جان چکے ہو پھر کس لیے اس کو یاد نہیں کرتے اور کس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ الخ بھلا رحم کے اندر پیدا کرنے کی کیفیت تو تھی ہی اب تم اپنی کھیتی کرنے کو دیکھو کہ تم زمین میں تخم ڈالتے ہو جو ہمارا پیدا کیا ہوا ہے پھر دیکھو زمین کے اندر تمہارا کوئی فعل موثر نہیں ہمیں اس کو اگاتے اور پیڑ بنا کر باہر لاتے ہیں اور اس پر بھی ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔ چاہیں تو سکھا کر گھانس اور چورا کر دیں جس پر تم افسوس وحسرت کرنے لگو معلوم ہوا کہ نہ اس کے پیدا کرنے میں تمہارا اختیار تھا نہ باقی رکھنے میں پھر جو زمین میں ایک دانے سے ویسا ہی پیڑ پیدا کرتا ہے کہ جس کا وہ دانہ تھا کیا انسان کے کسی جزوِ جسم سے پھر اس کو اسی طرح زمین سے نہیں اگا سکتا؟ ضرور اگا سکتا ہے اور اگائے گا یہ بات اے بنی آدم! تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو۔

تیسری دلیل: اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ الخ بارش کے پانی کو دیکھو کہ جس کو تم پیتے ہو بھلا اس کو بادل سے کس نے برسایا ہے ہم نے یا تم نے۔ ہمیں نے بادل اٹھائے اور ہمیں ان میں سے شیریں پانی برساتے ہیں اور چاہیں تو اس پانی کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لائے کہ وہ قادرِ مطلق انسان کو بار دگر بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ الخ تم اس آگ کو دیکھو کہ جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں جنگلوں میں سلگایا کرتے ہو پھر وہ درخت کس نے پیدا کیا تم نے یا ہم نے؟ ہم نے اس آگ کو اپنی قدرت یاد دلانے والا یا جنگل میں بھولوں کو رستہ یاد دلانے والا کر دیا کہ آگ کی روشنی دیکھ کر رات میں بیابانوں کے مسافر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مسافروں کے برتنے کی چیز بنا دیا۔ اب سبز درخت دیکھو اور اس میں سے آگ کا نکلنا دیکھو خالق کی کیسی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔[1]

عرب میں ایک قسم کا درخت ہے جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا ہے یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکل آتی ہے۔ عرب جنگلوں میں جہاں آگ نہیں ملتی اس آگ سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ میں بانسوں میں بھی باہم رگڑ کھانے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

دلائل کو تمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے پاک نام کی تسبیح وتقدیس کرنے کا حکم دیتا ہے فقال فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔

---

[1] اول دلیل کو منی ڈال کر انسان کے پیدا ہونے سے ذکر کیا کہ وہ بھی ایک طرح کی کھیتی ہے پانی کے قطرہ کو تخم بنا کر عورت کے رحم میں اگاتا ہے جو اس کا کھیت ہے۔ دوسری دلیل کو ایک اور زیادہ محسوس کھیتی سے شروع کیا اور دونوں میں نہایت مناسبت ہے مگر اول سے انسان اور دوسری سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اول کو مقدم کیا۔ شرفِ انسانی کی وجہ سے مگر پانی ڈالنے سے دونوں کی پیدائش تھی اس مناسبت سے تیسری دلیل میں پانی کا ذکر کیا جو اوپر سے زمین میں قضاء وقدر ڈالتی ہے جس میں انسانی صفت کو کچھ بھی دخل نہیں لیکن دونوں کھیتوں میں گو پانی سے پیدائش ہوتی ہے مگر ان پودوں کا نشو ونما بغیر حرارت کے نہیں ہوتا اس لیے چوتھی دلیل میں ایک ایسی حرارت اور آگ کا ذکر کیا جو انہیں نباتی چیزوں میں سے برآمد ہوتی ہے جس کو قضاء وقدر نے ودیعت رکھا تھا اس کو بھی ظاہر کر کے دکھا دیا اور اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا یادگار اور انسان کے لیے کارآمد بنا دیا۔ سفر وغربت کی حالت میں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حرارت جس سے یہ کاروبار چلتے ہیں خشک پیڑوں میں سے ظاہر نہیں ہوتی یعنی زندہ دل انسانوں میں بھی یہ حرارت رکھی ہوتی ہے مسافرینِ راہ عرفان وترقیِ تمدن کے لیے چراغِ ہدایت وکارآمد ہے۔ اسی حرارت نے جو عرب کے سرسبز پودوں میں ودیعت تھی ان کو دینی ودنیاوی مقاصد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچایا اور ان کے کاروانوں کے لیے جو ترقی کی راہ طے کرنے کے لیے سفر کرتے تھے رہبر ہو گئی۔ سبحان اللہ دلائل میں کیا ہی ارتباط ہے اور پھر الفاظ میں کیا ہی رموز واسرار ہیں ان دلائل میں غور کرنے کے بعد زندہ دل انسان فوراً یقین کر سکتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق بار دگر بھی انسان کو دوسرے طور سے پیدا کر کے حشر کے روز عدالت میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ
لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ ٱلْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾
وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾
فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٨٧﴾

پھر میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ عزت والا قرآن ہے مخفی دفتر میں لکھا ہوا جس کو بغیر پاکوں کے اور کوئی نہیں چھوتا۔ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر کیا تم اس بات میں شک کرتے ہو اور تم نے اپنی یہی روزی بنا لی ہے کہ تم جھٹلایا کرو پھر کس لیے جان کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آ جاتی ہے تم اس وقت تکا کرتے ہو اور تم سے زیادہ ہم[1] اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں تو کیوں اس کو لوٹا نہیں لیا کرتے اگر تم سچے ہو۔

ترکیب: فلا لامزیدۃ للتاکید کمافی قولہ۔ وقیل انھا للنفی لا اقسم اذلا حاجۃ الی القسم فان الامر واضح وقیل معناہ لیس الامر کما زعم الکفار ثم اکدہ بالقسم فقال اقسم بمواقع النجوم وانہ خبرہ عظیم لو تعلمون جملۃ معترضۃ بین القسم والمقسم علیہ انہ لقرآن کریم صفۃ فی کتاب صفۃ ثانیۃ لایمسہ ثالثۃ تنزیل رابعۃ لقرآن مع صفاتھا خبران والجملۃ جواب القسم وتجعلون معطوف علی مدھنون رزقکم مفعول اول لتجعلون انکم تکذبون الجملۃ مفعول ثان بمعنی ہلا اذا ظرفیۃ والعامل ترجعونھا انتم الخ الجملۃ حال ونحن الخ حال من فاعل تنظرون فلولا تکریر وتاکید للولا الاولی ترجعونھا الحضض علیہ ولولا ان کنتم شرط جوابہ محذوف یدل علیہ ترجعونھا والمعنی ہلا ترجعون الروح ان کنتم غیر مملوکین مجزین۔

تفسیر: ان دلائل میں اعجازِ قرآنی بھی اپنا جلوہ دکھا گیا تھا اور چوتھی دلیل میں ایک حرارتِ قدرتی کا ذکر تھا کہ وہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہو جاتی ہے اب ترقی کرتا ہے کہ ارضی چیزوں پر کیا موقوف ہے ستاروں میں بھی اس رہنمائی کا وصف رکھا گیا ہے اس لیے مواقع النجوم کی قسم کھا کر اور یہ جتلا کر کہ یہ قسم بڑی قسم ہے قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا اور اس کے چند اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے جو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور وہ اوصاف بھی چار ہیں جن کو چار دلیل سمجھنا چاہیے۔ اس خوبی اور لطف کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو تمام کر کے مسئلۂ نبوت کو ذکر کرتا ہے اس لیے کہ دلائل کے بعد کامل تسلی اس مسئلہ میں نقلی دلائل سے ہوتی ہے اور نقلی دلائل مخبرِ صادق کی تصدیق اور اس پر ایمان لائے بغیر فائدہ بخش نہیں ہو سکتیں۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک مسئلۂ نبوت کا ذکر ہے پھر اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الخ سے مخالفین کے بے جا انکار وشبہات کا رد اور ان کا لچر وپوچ ہونا بیان کرتا ہے اور پھر انسان کی انتہائی حالت بیان کر کے (جو دنیا سے کوچ کرنے کے وقت نہایت عجز وبے بسی کے پیرایہ میں

---

[1] ہم تم سے بھی زیادہ مرنے والے کے قریب اور پاس ہوتے ہیں قربِ علمی مراد ہے ہم سے مراد اس کے جان قبض کرنے والے ملائکہ مجاز ہیں ان کے کام اور ان کے حاضر وموجود ہونے کو اپنا کام اور اپنا موجود ہونا کہا جایا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

ظاہر ہوتی ہے اور اس سفر سے اس کا عزیز و قریب اس کو نہیں روک سکتا اور سب پڑے دیکھا ہی کرتے ہیں اور اس کی جان ہے کہ گلے تک پہنچ گئی ہوتی ہے اور وہ ہچکیاں لے لے کر دم توڑتا ہے اور اقارب و احباب پاس بیٹھے ہوئے محض بے بسی کی حالت میں آنکھوں سے آنسو بہایا کرتے ہیں اور اپنے آہ و نالے کی صدائیں بلند کرتے ہیں) اپنی قدرت و جبروت کا اظہار کرتا ہے کہ انسان یوں ہمارے بس میں ہے اور یوں اس کو ہم کشاں کشاں دوسرے عالم میں لیے جاتے ہیں اور تم بیٹھے دیکھا کرتے ہو۔

یہاں سے پھر مسئلۂ معاد کی طرف (دلائل و تصدیقِ نبوت سے مستحکم کر کے) کلام کو متوجہ کیا جاتا ہے اور الفاظ میں سینکڑوں رموز و حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے۔ فلا اقسم بمواقع النجوم موقع کی جمع جس کے معنی ہیں ستاروں کے واقع ہونے کے یعنی ٹوٹنے یا غروب ہونے کی جگہ مبرد کہتے ہیں مواقع اس جگہ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب یا ٹوٹنے کی قسم کھانا ہے۔ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ پچھلی رات جب جلوہ دکھا کر ستارے غروب ہونے کو ہوتے ہیں وہ بھی ایک عجیب وقت ہوتا ہے گویا عارف کی نظر میں (جو تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اور ان انوار و برکات سے حصہ پا کر بیٹھتا ہے جو اس وقت مناجات و عبادات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں) ستاروں کا غروب ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ اس آفتاب بنانے والے پر نثار ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جمال کا جو ایک ادنیٰ مظہر آفتاب برآمد ہونے والا ہے اس کے سامنے رونمائی کی ان کو تاب نہیں اور یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے انسانوں کا غروب یاد دلاتے ہیں (قتادہ وغیرہ) حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں مواقع النجوم سے مراد قیامت کے دن ان کا ٹوٹنا۔ (اور بے نور ہونا جو بڑا حیرت انگیز وقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد قرآن مجید کی آیات اور ان کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا۔ مواقع یعنی ٹوٹنا)۔

یہ استعارہ ہے۔ نزولِ آیات کی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اگلے کلام کو موکد کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں انبیاء و اولیاءِ کرام کے دل مراد ہیں جہاں اس کے انوار و محبت کے ستارے ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد نیک باخدا لوگ ہیں جو دنیا کی اندھیری رات میں ستارے ہیں اور ان کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانا اور اس کو خالی کرتے جانا ہے جو حسرت و افسوس و عبرت کا مقام ہے۔ اس بات کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ کلام الٰہی میں ان سب احتمالات کی گنجائش ہے کیا بلیغ کلام ہے۔ یہ چیزیں کہ جن کی قسم کھانا مذکور ہوا بڑی چیزیں ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ یہ بڑی قسم ہے مگر کب؟ جب کہ تم جانو اور جب جہالت اور نادانی ہے جانتے ہی نہیں تو تمہارے نزدیک کچھ بات نہیں۔ قرآن کریم اول مدح ہے۔ فی کتاب مکنون یہ قرآن کی دوسری مدح ہے کہ وہ مخفی دفتر میں ثبت ہے کوئی اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکتا۔ کتاب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ جو لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہے اور ممکن ہے کہ حفاظ کے دل مراد ہوں کہ اس مخفی دفتر میں قرآن کو قضاء و قدر نے لکھ دیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب مکنون سے مراد توریت و انجیل ہو کیونکہ یہ کتابیں مکنون یعنی مخفی ہیں اصلی کتابیں تو چھپ گئیں ان کے نام کی دو کتاب موجود ہیں ان میں قرآن کا ذکر تھا۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ مصحف بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں قرآن مجید لکھا ہوا ہوتا ہے یعنی اوراق۔

قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم: لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ اس کو پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں، یہ تیسری مدح ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم اگر اس کو جملہ خبر یہ مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم۔ واحدی کہتے ہیں اس تقدیر پر اکثر مفسرین کے نزدیک ضمیر کتابِ مکنون کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتابِ مکنون یعنی لوحِ محفوظ کو بجز پاک لوگوں کے یعنی ملائکہ مقربین کے جو جمیع نجاستوں ظاہری و باطنی سے پاک ہیں اور کوئی نہیں چھوتا کیونکہ وہی اس کو وہاں سے یاد کر کے دنیا میں لاتے ہیں اور اس کو معناً نہی قرار دیا جائے جو تاکید[1] کے لیے بصورت نفی صادر ہوئی ہے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پاکوں کو ہی اسے چھونا

[1] کس لیے کہ نفی کی صورت میں مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ خلاف کرنے میں امر کی تکذیب لازم آئے گی اس کو وہ گوارا نہیں رکھتا (مثال نہی) تم نہ کرو اور نفی یہ کہ تم نہ کرو گے دوسری بات میں تاکید ہے۔ ۱۲ منہ

چاہیے۔ اس تقدیر پر لا یمسہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے۔ یہ جمہور فقہا اور اکثر محدثین کا قول ہے یعنی بے وضو، بے غسل جنابت اور حیض و نفاس میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ حضرت علی و ابن مسعود و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید رضی اللہ عنہم و عطاء و زہری و نخعی و حکم و حماد وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں چنانچہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ کتبِ حنفیہ میں ہے کہ محدث و حائض و نفاس والے کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر جداگانہ غلاف میں ہو تو مضائقہ نہیں کہ غلاف کو ہاتھ لگایا جائے۔ ہاں بے وضو کو پڑھنا درست ہے اگر حافظ ہو اور اگر دیکھ کر پڑھتا ہے تو قلم یا اور کسی چیز سے ورق الٹے۔

مدھنون۔ ادہان۔ مداہنت جھٹلانا اس کے اصلی معنی ہیں چکنا کرنا چونکہ جھٹلانے والا چپڑی چکنی باتیں بنایا کرتا ہے اس لیے اس کے اس فعل کو مداہنت و ادہان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غیر مدینین غیر مطیعین۔ او غیر مجرمین او غیر حاسبین۔ واللہ اعلم۔

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾
وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع

پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (ان کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے (تو اس کو سنایا جائے گا) کہ اے شخص تو جو دائیں طرف والوں میں سے ہے تجھ پر سلام اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لیے) کھولتے پانی اور آگ میں جلنے کی ضیافت ہے بے شک یہ (جو بیان کیا گیا ہے) کامل یقینی ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کیا کرو جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب: فروح جواب فاما جواب ان مستغنی عنہ بجواب اما و التقدیر فلہ روح قراء الجمہور بفتح الراء و قرئ بالضم فالفتح مصدر و الضم اسم لہ و قیل بالفتح معناہ الراحۃ بالضم معناہ الرحمۃ مجازاً لعلاقۃ السببیۃ لانھا کالسبب لحیوۃ المرحوم ریحان اصلہ ریوحان علیٰ فیعلان قلبت الواو یاء و ادغم ثم خفف مثل سیّد و سیِّد و قیل ھو فعلان قلبت الواو یاء دان سکنت و انفتح ما قبلھا۔ (ابن الصائغ) تصلیۃ بالرفع عطفا علی نزل و بالجر عطفا علی حمیم حق الیقین ای حق خبر الیقین فالموصوف محذوف الصفۃ قائمۃ مقامہ۔

تفسیر: تینوں گروہوں کا بعد موت کے جو حال ہوتا ہے اس کو بیان فرماتا ہے یعنی جب کہ روح جسم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہے نیست و نابود نہیں ہو جاتی نہ وہ دنیا کے تنگ میدانوں میں تناسخ کے ذریعے سے اجسامِ مختلفہ کے لباس پہن کر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ فاما ان کان من المقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لیے رُوْحٌ وَّرَيْحَانٌ[1] وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ۔ عیش و عمدہ روزی اور نعمتوں کے بھرے پرے باغ ہیں۔ باغ و بہار اور خوشبوئیں اور بہشت میں ہر قسم کی شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اور اگر اصحاب الیمین میں سے ہے تو فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ تو تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اے مخاطب! ان کی طرف سے سلام یعنی سلامتی ہے رنج و غم سے ان کا ایسا عمدہ حال ہوگا کہ جس کو دیکھ کر تجھے رنج و غم نہ ہوگا وہ عذاب سے سالم و محفوظ ہوں گے یا یہ معنی کہ وہ ایسے

[1] الریحان الرزق میں الجنۃ قالہ مجاہد مقاتل و قیل رزق بلغۃ الحمیر و قال الحسن ھو الریحان المعروف الذی یشم۔ ۱۲ منہ

خوش حال میں ہوگے کہ وہاں خوش ہوکر تجھ پر سلام بھیجیں گے یا یہ کہ اے صاحب الیمین تجھے تیرا دوسرا بھائی سلام کرے گا یعنی آپس میں خوش وخرمی میں ایک دوسرے سے سلام علیکم کہے گا جیسا کہ عید وغیرہ خوشی کے دنوں میں باہم ملتے اور سلام کیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتہ اللہ کی طرف سے اس کو سلام کرے گا اور خبر دے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے[1]۔ (اہل سعادت)

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ اور اگر وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے یعنی اصحاب الشمال (مگر اصحاب الشمال کو ان الفاظ سے اس لیے ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہی بدخصلت ان کو اس عذاب میں لائی ہے فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ تو اس کی مہمانی اور ضیافت کھولتا ہوا پانی وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور آگ میں ڈالا جانا ہے یعنی وہ زقوم کھانے کے بعد کھولتا پانی پئے گا اور آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی ضیافت اور مہمانی یہ ہے اور یہ اس کے لیے سامانِ مہمانی تیار ہیں جانے ہی کی دیر ہے۔ ہائے بہت لوگ دنیا میں بدکاری و کفر میں گرفتار ہیں اور ان کو ہر قسم کی کامرانی اور عیش اور دنیاوی عزت وجاہ بھی ہے اور اپنے لیے بڑے بڑے سامان دوام کے لیے کر رہے ہیں کہ یکا یک موت آئے گی۔ صبح دنیا کی ان شادمانیوں میں تھا شام سے پہلے اس عالم میں ان بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور ایسے بھی ہیں کہ نیک و باخدا ہیں گر دنیاوی تکالیف تنگدستی، بیماری، خواری، بیکسی، غربت میں گرفتار۔ موت آ گئی دوسرے عالم میں سلطان و کامران ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دولت منداور ایک معزز نامی محتاج و بیمار کا انجام کار بیان فرمایا کہ دولت مند دوزخ میں گیا اور وہ محتاج جو اس کی ڈیوڑھی پر اس کے بچے ہوئے ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا اور کتے اس کے زخم چاٹا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھا ہوا اس کو نظر آیا اور التجا کی کہ کاش عزیز اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے منہ میں ٹپکا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ نہ ہوگا تو دنیا میں مزے اڑا چکا وہ تکلیف پا چکا تیرے اس کے درمیان جہنم کا گڑھا ہے یہ تیرے پاس بھی نہیں آ سکتا (انجیل۔ لوقا۔ اباب) یہ باتیں بظاہر اہلِ دنیا کے خیال میں نہیں آتیں اس لیے فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ کہ یہ مذکور یقینی ہے۔ پھر دارِ آخرت کے توشہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کو اس کے بزرگ و برتر نام کی تقدیس و تسبیح کیا کر۔ یہی آخرت کا بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پاک ہے جو کچھ فرمایا حق ہے۔ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے کہ جس کا لطف بیان سے باہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ

[1] بعض پاک لوگوں کو خواب یا مکاشفہ میں دارِ آخرت کے یہ حال جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں دکھائے بھی جاتے ہیں جس سے وہ دنیا ان کی آنکھوں میں گرد و سرد ہو جاتی ہے اور وہ اس جگہ کے مشتاق رہتے ہیں یہاں ان کا کسی حال میں دل نہیں لگتا اور خواب میں بھی آ کر بعض نے یہ کیفیت بیان کر دی ہے۔

فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور ظاہر اور پوشیدہ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ کہ زمین میں گھستا ہے اور جو کچھ اس سے برآمد ہوتا ہے اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا اور جو کچھ کہ اوپر کو چڑھ کر جاتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا وہی بادشاہ ہے۔ اور سب چیزیں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ وہی داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں اور داخل کر دیتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کے راز کو (خوب) جانتا ہے۔

ترکیب : یحیی ویمیت فی محل الرفع لکونہ جزا المبتداء المحذوف ای ھو۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ کو اپنے نام پاک کی تسبیح کرنے پر تمام کیا تھا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ اب اس سورۃ کی ابتداء میں اس تسبیح کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ تمہیں پر کچھ موقوف نہیں آسمانوں کے رہنے والے فرشتے (اور روحانیات حضرات انبیاء و اولیاء کرام) اور زمین کے رہنے والے ملائکہ و جمادات و نباتات اور کل موجودات اپنی زبانِ حال سے اس کی یکتائی و صنعت و ربوبیت و کمال کی گواہی دے رہے ہیں اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ جو لوگ زبان سے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں مومنین و ملائکہ کرام خواہ وہ ارضی ہوں خواہ سماوی وہ زبان سے باقی کا دلالتِ حال تسبیح کر رہا ہے۔

یہ لفظ تسبیح قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ اس سورہ اور سورۂ حشر اور صف وغیرہ میں بصیغۂ ماضی اور سورۂ جمعہ و تغابن وغیرہ میں بلفظ مضارع یسبح اور بعض میں بصیغہ امر سبح جیسا کہ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ بنی اسرائیل کے اول میں بصیغۂ مصدر سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بعبدہ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی تسبیح و تقدیس کسی وقت کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہیے گویا یوں فرمایا، اس کی تسبیح و تقدیس ہوتی آئی ہے اور ہوگی اور ہونی چاہیے اور ہوتی رہتی ہے اور اے لوگو! تم بھی کرو۔ اور مافی السمٰوات الخ میں یہ اشارہ ہے اے بنی آدم! کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح و تقدیس موقوف نہیں اس کی تسبیح و تقدیس کرنے والے بہت ہیں آسمانوں کے فرشتے اور دیگر چیزیں اور زمین کے رہنے والے اور دریا کے جانور اور بیابانوں کے وحوش و طیور سوراخوں کے چیونٹے اور درند و پرند، نباتات و جمادات۔ اگر سننے والے کے کان ہوں تو عرش سے لے کر فرش تک اس کی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ اور شور ہے۔ خاصانِ خدا نے کبھی جمادات کی تسبیح بھی سنی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی جس وقت کہ وہ کھایا جاتا تھا تسبیح سنا کرتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غرض اس کہنے سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورہ میں یہ ہے کہ اے مشرکو، اے جاہلو، تم نے جو اپنے اوہامِ باطلہ اور قیاساتِ فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں، کسی نے اس کے لیے بیٹیاں کسی نے بیٹا، کسی نے اس کے کارخانہ قضاء و قدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں، کسی نے انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا ہے، کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس کے لیے تکان ثابت کیا ہے کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا ہے، کسی نے اس کو بغیر وسائل کے ہندوؤں کی دعائیں سننے سے بہرا قرار دے کر وسائل تجویز کر کے ان کی پرستش اختیار کی ہے، کسی نے اس کو عالم پیدا کرنے کے بعد معطل ٹھہرا رکھا ہے،

وہ ان سب باتوں سے پاک ہے، اس کی پاکی زمین وآسمان کی ہر ایک چیز بیان کر رہی ہے۔

اس کے بعد وہ ان امور کے ابطال اور اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں جو تسبیح وتقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرماتا ہے مگر اسی سادے اور دل پسند طریق سے۔ دلیل اول وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تسبیح تنزیہ یعنی برائیوں سے مبرا کرنا۔ یہ دو باتیں چاہتا ہے اول یہ کہ جس کو عیوب سے مبرا کہا جاتا ہے وہ بے انتہا قدرتِ کاملہ رکھتا ہو کہ جس کے سبب کوئی عیب ونقص عجز کی وجہ سے اس کے گرد نہیں آنے پاتا۔ اس میں بے شمار باتیں آگئیں جو روبچوں سے پاک ہونا جسم ومقتضیاتِ جسم اور ہر قسم کی شہوانی ونفسانی خواہشیں بھوک، پیاس، نیند، اونگھ، موت وبیماری کسی کام کے کرنے پر بغیر کسی آلات واسبابِ معین ومددگار کے قادر نہ ہونا سب سے پاک ہے۔ دوسری بات قدرت کے ساتھ حکمت بھی ہو کہ حقائق الاشیاء اور ہر چیز کی مناسب تدبیر آغاز وانجام حاجات وعبادات ان کے دلی معاملات' عالم کے انقلابات سب سے بخوبی واقفیت بھی ہو زور ہو اور حکمت وتدبیر نہ ہو وہ بھی بہت سے عیبوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس واقفیت کو حکمت کہتے ہیں۔ پہلی بات کے لیے العزیز دوسری کے لیے الحکیم فرما کر دعوے کو مدلل کر دیا۔ اب رہی یہ بات کہ دراصل اس میں یہ دونوں وصف ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں عالم کے تصرفات کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ فقال لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت اور اسی کی سلطنت ہے۔ یہ بات ہر روز مشاہدے میں آرہی ہے کیونکہ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ گو عالمِ اسباب میں انسان اور حیوان اور جملہ موجودات کا وجود وعدم جس کو حیات وموت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب عقلِ دوربین سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس کے لیے آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر جس کے قبضۂ قدرت میں عالم کا ایجاد وانعدام ہے پھر اس کی کامل بادشاہی میں کیا کلام ہے؟ کس بادشاہ کو رعیت پر یہ اختیارات حاصل ہیں؟ اور لطفِ بلاغت یہ دیکھو کہ اس کو مضارع کے صیغوں سے بیان کیا تا کہ معلوم ہو کہ بالفعل یہی مارتا جلاتا ہے ہر روز یہ فعل جاری ہے اور رہے گا یہ نہیں کہ کر چکا جس میں کوئی کلام کر سکے۔ اس لیے اس بات کی آپ ہی تصریح بھی کرتا ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر اس قدرتِ کاملہ کا اظہار اپنی چار صفتوں میں ثابت کرتا ہے فقال هُوَ الْاَوَّلُ کہ وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ ہر شے کا موجد ہے اور علت کا وجود جملہ معلولات سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء جب ہوتی کہ کوئی اس سے پہلے ہوتا پس وہ ازلی اور قدیم ہے۔ ذات وصفات میں اور جو کچھ ہے وہ حادث ہے ذات وصفات میں ان کی نیستی ان کی ہستی سے مقدم ہے اور اسی طرح وہ الآخر بھی ہے سب کے بعد وہی رہے گا۔ یعنی ابدی بھی ہے سب مٹ جائیں گے پر وہ رہے گا اور الظاھر اور وہ سب پر غالب اور بلند بھی ہے سب سے برتر ہے۔ یا یہ معنی کہ تجلیات اور موجودات کے پردوں میں سے ایسا ظاہر ہے کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں۔ مصنوع جب اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے اس سے پہلے اس کے صانع کی خوبی اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے انہیں معنوں میں بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں سب سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھتا ہوں ؎

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست ہر چہ بینی بداں کہ مظہر اوست

باوجود اس کے الباطن صانع بھی ایسا ہے کہ کسی کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کی حقیقت ذات ادراکِ ابصار وعقول سے محجب ہے۔ یا یوں کہو کہ جس طرح سب سے بلند اور اونچا ہے اسی طرح سب سے نیچا بھی وہی ہے۔ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ''اگر تم کنوئیں میں ڈول ڈالو گے تو وہ اللہ ہی پر جا کر پڑے گا۔'' اس کے یہی معنی ہیں۔ وہ ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں، سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترمذی ومسلم وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ایک دعا کا تلقین فرمانا مذکور ہے۔

وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح احمد ومسلم وغیرہ نے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بھی حدیث نقل کی ہے جس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

یہاں تک پہلی بات کا ثبوت یعنی العزیز کی توضیح وتفسیر تھی مگر انہیں میں سے دوسرے وصف کا بھی جلوہ نمایاں تھا اس لیے اس کی بھی تصریح کر دی وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یہ الحکیم کی تفسیر ہے اس کے بعد ایک گزشتہ اور ماضی فعل کو ذکر کرتا ہے جس سے اس کی کمالِ قدرت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ کہ اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ اس کی تفسیر کئی جگہ ہو چکی ہے۔ ثم استویٰ علی العرش۔ اس کے بعد تختِ حکومت پر تصرفات کرنے کو بیٹھا۔ اس کی بھی تفسیر وتحقیق ہو چکی۔ اس کے بعد پھر اپنی حکمت وعلم کا اظہار کرتا ہے یعلم ما یلج فی الارض کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں گھستا ہے۔ پانی اور نباتات کے تخم اور خزانے اور مردوں کی لاشیں وغیرہ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اس کو بھی جانتا ہے نباتات معادن وغیرہ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے۔ ملائکہ، رحمت، عذاب، بارش، احکامِ حوادث وغیرہ سب کو جانتا ہے۔ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا اور جو کچھ نیچے سے اوپر چڑھ کر جاتا ہے بندوں کے نیک اعمال اور نیک روحیں اور بعض انبیاء زندہ اور بندوں کی دعائیں اور زمین کے ابخرات سب کو جانتا ہے اور انہیں پر کیا موقوف ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔

پھر اسی جملہ کا اگلے مضمون کی تمہید بنا کر اعادہ کرتا ہے۔ فقال مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کے بعد پھر اپنی قوت وحکمت کا اظہار کرتا ہے۔ فقال وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ عالمِ سفلی سے لے کر علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں۔ سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضۂ قدرت میں ہیں اور تمام کائنات کا وہی مرکزِ اصلی ہے سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ع ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سوروئے تو بود۔ مگر بہیمیت کے ظلمات اور رسم ورواج کی تقلید کے بغیر اس کے رستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ سب چیزوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کے ہاتھ میں ہونا بیان فرماتا تھا اس کے بعد چند بڑی بڑی باتوں کا اس کی طرف رجوع کرنا فرماتا ہے فقال يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ الخ۔ رات دن کو دیکھو کہ وہ قادرِ مطلق ان کو کس طرح سے الٹی پلٹی دیا کرتا ہے۔ تمام جہان منور ہوتا ہے دن کی بادشاہت زور پر ہوتی ہے کہ اس کو نیست کر کے رات کو اس میں داخل کر دیتا ہے پھر رات دخیل ہو کر تمام جہان پر اپنا قبضہ کر لیتی ہے۔ اس کے بعد پھر دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ کیسا انقلابِ عظیم ہے پھر کس کے قبضہ میں ہے؟ اسی کے۔ آفتاب بھی اس کے حکم سے چلتا ہے، اس کی لگام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے اور علم کی یہ کیفیت ہے کہ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ ان چیزوں کو بھی تو جانتا ہے جو سینہ میں ہوتی ہیں یعنی دل میں مخفی ہوتی ہیں۔ دل کی بات کو سینے کی بات بھی محاورۂ عرب میں کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ دل سینہ میں ہوتا ہے انسان کے تمام مخفی ارادے اور خطرات بھی اس کے سامنے حاضر ہیں۔ جب یہ ہے تو انسان کو اپنے دل میں سب سے عمدہ خیال اور سب سے اعلیٰ اعتقاد رکھنا چاہیے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ
وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ
مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ع ۱۲
وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے جس میں تم کو قائم مقام کیا دیا کرو (اللہ کی راہ میں) پھر وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خرچ بھی کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے اور تم کو کیا ہوا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول ہے کہ تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے (برابر) بلا رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ اگر تم کو یقین آئے وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کر رہا ہے تا کہ لوگوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے اور اللہ تو تم پر بڑا عنایت فرما مہربان ہے اور تم کو کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا درجہ ہے ان لوگوں سے کہ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور (یوں تو) اللہ نے ہر ایک سے نیک وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ کوئی ہے جو اللہ کو خوش دلی سے قرض دے کہ وہ اس کو دو چند کر کے دے اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے۔

تفسیر: اس لیے اس کے بعد فرمایا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کے بعد کچھ عمدہ کام بھی کرنے چاہییں اور اعمال میں خلقِ خدا کے ساتھ سلوک کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس لیے اسی کو ذکر کیا۔ وَاَنْفِقُوْا الخ کہ خیرات بھی کرو۔ ابتداءِ اسلام میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی سخت کشاکش میں تھے، ایمان لانا اور خیرات کرنا ہی سکھایا جاتا تھا اور باتوں کے ماننے کی ابھی ان میں صلاحیت نہ تھی جب صلاحیت بڑھتی گئی اور احکام بھی تکمیلِ سعادت کے لیے فرض ہوتے گئے۔ اس لیے اس آیت میں ان کفارِ قریش کو انہیں دو باتوں کی طرف بلایا جاتا ہے مگر مال خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لیے مختلف طور سے اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ (۱)

۱ والرسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا انسان کی حالت اور دہر کا انقلاب اور توارِ نعماء سب اللہ کے پیغامبر ہیں جو انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لیے بلا رہے ہیں اور دلائلِ آفاق وانفس خدا کا عہد نامہ ہے جو بندے نے زبانِ حال سے قائم کیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر بھی ایمان نہ لانا اس کی طرف نہ جھکنا اندھا پن ہے ایسے اندھے کا عالمِ محسوس کی بھی کسی چیز اور کسی حالت پر ایمان نہیں ان کنتم مؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اگر کسی کا ان باتوں پر ایمان ویقین ہوگا تو ضرور اللہ ہی پر ہوگا۔ ۱۲ منہ

۲ قبل الفتح کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ انکشافِ حجابِ ظلمانی سے پہلے مال وجان سے اس کی تلاش میں جہاد وکوشش کرنا اعلیٰ درجہ ہے کس لیے کہ بعد فتح یعنی انکشاف تو مال جان صرف کرنا کوئی بڑی بات نہیں اس تقدیر پر فتح سے فتح مکہ بالخصوص مراد نہیں بلکہ عام ہے فتح بمعنی انکشافِ حجابات وفتح بمعنی دفعِ مصائب وفتح بمعنی حصولِ مرادات ونعماء جن میں سے اعداءِ دین پر فتح اور ان کے مسکن پر غلبہ بھی ہے جو فتح مکہ کو بھی شامل ہے اور نفسِ امارہ پر فتح یابی کو بھی شامل ہے مگر اصل معنیٰ وہی ہے جو متنِ تفسیر میں مذکور ہوئے جو متبادر الی الفہم ہیں۔ ۱۲ منہ

مَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اس مال میں سے دو جس کا خدا نے تم کو خلیفہ یا وارث بنایا، باپ دادا کی میراث یا کسی کے عطیہ یا کسی سبب[1] سے حاصل ہونا۔ کل وہ غیر کے پاس تھا آج اس کے پاس یہ اس کا خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سدا کسی کے پاس نہیں رہا ہے نہ تمہارے پاس رہے گا آنی جانی چیز ہے اس میں جو کچھ ہو سکے اپنے عہد میں نیکی کر لو مرنے سے یا دیگر اسباب سے یہ دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے۔ (۲) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ جو ایمان لائیں گے اور اللہ کے رستے میں دیں گے ان کے لیے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا یہ ضائع نہ جائے گا۔ کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ اکثر تو اس جہان میں ملتا ہے جہاں یہ مر کر جاتا ہے اور دوسری زندگی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال واسباب دکھائی نہیں دیتا کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا بھائی یہ میرا گھر نہیں مسافر خانہ ہے چند روزہ مہمان ہوں، مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصلی گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حبِّ مال پر رونے لگا۔ یہاں سے ایمان کی بھی تاکید شروع ہو گئی کیونکہ یہ نہیں تو خیرات کا بھی نفع نہیں اور یہی اعتقاد تو اس کو خیرات پر حرکت دیتا ہے اس لیے ایمان کی تاکید کرتا ہے۔ فَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ الخ کہ تم کس لیے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کا رسول تم کو ایمان لانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے لیا ہے یا تو وہی عہدِ ازلی جو روحوں سے لیا گیا تھا یا دنیا میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا حاصل کرنا اور روزمرہ صدہا دلائل دیکھنا عقلِ سلیم کا عہد ہے کہ اپنے اللہ پر ایمان لائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم کو ایمان لانا منظور ہے تو کس لیے نہیں لاتے۔ بعض کہتے ہیں ان الخ جملہ شرطیہ ہے جزا محذوف ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم کو اجرِ عظیم ملے گا۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الخ کہ اللہ جس پر ایمان[2] لانا چاہیے وہ ہے کہ جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیتیں نازل کر رہا ہے خاص تمہارے بھلے کو کہ تم کو گمراہی کی اندھیریوں میں سے نکال کر ہدایت وسعادت کی روشنی میں لائے اور اللہ تم پر بڑا مہربان ہے جو اس نے ایمان لانے کے لیے رسول بھیجا ورنہ اس کو کیا پروا تھی۔ یہ بیچ میں تاکیدیں ایمان کے لیے تھیں جو مقصدِ اصلی ہے۔ (۳) تاکیدہ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا الخ خیرات کے لیے کہ تم کس لیے خرچ نہیں کرتے آخر چھوڑ جاؤ گے سب اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ یا یہ کہ سب مال اللہ کا ہے اس کے بدلے میں تمہیں اور دے گا۔

(۴) پھر خیرات کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لَا يَسْتَوِيْ کہ خیرات اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ابتداءِ اسلام میں مکہ فتح ہونے سے پہلے فقراءِ اسلام پر بڑی تنگدستی تھی اس وقت کا دیا بعد کے دیے کے برابر نہیں جس نے اس وقت اللہ کی راہ میں دیا اور جہاد کیا، جان اور مال دونوں کام میں لایا اس کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے مگر جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لیے بھی کیا مگر مدار نیت اور خلوص پر ہے اس لیے فرما دیا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ اس سے مت ڈرو کہ ہمارے دین کا اس کو علم نہ ہوگا پھر بدلہ کیونکر ملے گا جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے کارگزاروں کو فکر ہوتی ہے جس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ آقا کو یہ کارگزاری معلوم ہو جائے۔ (۵) مَنْ ذَا الَّذِيْ الخ۔ یہ اور زیادہ اللہ کی راہ میں دینے کی تحریک ہے یعنی جو کچھ تم دیتے ہو اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے دینے والا ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو قرض دے جو دگنا واپس دے اور اپنی طرف سے عمدہ اجر بھی دے؟ ہر چند خدا تعالیٰ کو کسی کی کچھ حاجت نہیں نہ وہ محتاج ہے، نہ اس کو قرض لینے کی حاجت ہے مگر یہ اس کی رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کسی حاجت مند کو دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ اپنی ضمانت دیتا ہے کہ یہ اس نے ہم کو قرض دیا ہم دگنا کر کے دیں گے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں

[1] تجارت ہو یا حرفہ۔ ۱۲ منہ

[2] گمراہی کے بہت اقسام تھے ہر ایک کی جداگانہ ظلمت تھی جس میں اس عہد کے لوگ مبتلا تھے اس لیے ظلمات جمع کا صیغہ ہے اور ایمان وہدایت کی روشنی ایک ہی نور ہے اس لیے مفرد لایا۔ ۱۲ منہ

خدا تعالیٰ فرمائے گا بندے میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ فرمائے گا تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور ہر دردمند پر اس لیے یہ مصائب خاص لوگوں پر نازل ہوتی ہیں یہود بد بخت نے اس بات کو سمجھا نہیں یہ جملہ سن کر کہہ دیا کہ اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔

سبحان اللہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں دینے کی کس قدر بلیغ تاکید کی گئی اور کن کن پیرایوں میں اول یہ کہ مسکین کو دینا ہم کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ ہم دگنا کر کے دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس کے سوا اور بھی عمدہ اجر دیتے ہیں۔ چہارم مَنْ ذَا الَّذِیْ استفہام کیا کہ کون ہے جو ہمیں قرض دے گویا ہم مانگ رہے ہیں پھر اس پر بھی جو کوئی نہ دے تو بڑا ہی بد بختِ ازلی ہے۔ اے میرے اللہ آپ پر جان اور مال فدا[1] ہے جو تو نے ہی دیا ہے۔

یہ تمام صفات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ فتح مکہ سے پہلے وہ ایمان لائے، جہاد بھی کیا، اللہ کی راہ میں مال بھی دیا۔ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر امامت کے مسئلے سے (جس کا مدار انتخاب پر تھا جو حسنِ خدمات و لیاقت و کارگزاری اور فضلِ علم و صحبت پر تھا جس لیے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا) کس لیے ان کو کافر و مرتد اور غاصب بنایا جائے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں خلیفہ بنانے سے ان پر جھوٹے الزام لگائے جائیں سخت بے جا بات ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ
قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

(اے رسول!) جن دن کہ آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور ان کی دائیں طرف ان کی روشنی (ایمان) دوڑتی چلی جا رہی ہوگی (اور اس

[1] ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تم پہ کہ ایک زندگی مستعار رکھتے ہیں

وقت) ان سے کہا جائے گا آج کے روز تم کو مژدہ ہے ایسے باغوں کا کہ جس کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جس میں تم سدا رہا کرو گے یہ ہے ان کی بڑی کامیابی۔ جس دن کہ منافق مرد اور عورتیں ایمانداروں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی ڈھونڈ کر لاؤ۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا جس کے اندر کے رخ تو رحمت اور باہر کے رخ (جدھر کفار ہوں گے) عذاب ہوگا۔ (اور اس دن) وہ منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بے شک لیکن تم نے اپنے آپ کو خود خرابی میں ڈال دیا تھا اور (ہم پر مصیبت کے آنے کا) انتظار کرتے تھے اور شک میں پڑ گئے تھے (ان بیجا) آرزوؤں ہی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ حکمِ الٰہی آن پہنچا اور تم کو فریب دینے والے نے اللہ سے غافل کر دیا تھا۔ پھر آج کے روز نہ تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان سے ہی کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (لواب) تمہارا ٹھکانا آگ ہے یہی تمہاری جگہ ہے اور بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : یوم الظرف یضاعف وقیل العامل یسعٰی وقیل التقدیر یوجرون یَوْمَ تَرَی یسعی نورھم حال بین ایدیھم ظرف یسعٰی او حال من النور بشراکم مبتداء جنات الخ۔ خبرہ ای دخول جنات والجملۃ حال ای یقال لھم ذلک یوم یقول بدل من یوم الاول وقیل التقدیر اذکر باطنہ الجملۃ صفۃ لباب اولسور وینا دونھم حال من الضمیر فی بینھم۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں جہاد کرنے والوں، ایمانداروں، اللہ کو قرض دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہوا تھا اس لیے اس ایفاءِ وعدہ کا وقت بیان فرماتا ہے۔ فقال یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ۔ کہ یہ اس دن ہوگا کہ جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے ان کا نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جائے گا اور جس دن منافق اس نور کی حسرت کریں گے یعنی قیامت کے روز کہ جہاں سخت حاجت ہوگی اور وہ ایک دوسرے جہان کی جاودانی زندگی ہوگی، اس روز ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ دنیا چند روزہ ہے اس دُرِّ بے بہا کی یہاں چنداں ضرورت نہیں کہ دے کر ضائع کر دیا جائے۔ ہاں کسی قدر اجر یہاں بھی کبھی دے دیتے ہیں۔ اجر ملنے کا وقت بھی بیان فرما دیا اور اس کے ضمن میں قیامت کا حال بھی ذکر کر دیا جس کا خوف انسان کو نیکی کی طرف حرکت دیتا ہے۔

اب کلام اس میں ہے کہ مومنین و مومنات کے آگے نور دوڑنے سے کیا مراد ہے اور کس موقع پر ہوگا؟ جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پل صراط کا قصہ ہے جو جہنم کے اوپر ایک باریک تار کھنچی ہوگی جس پر سے چلنے کا حکم ہوگا اور اس کے سامنے جنت کی دیواریں دکھائی دیں گی کہ لو جنت میں جاؤ مگر اس پل پر سخت اندھیری ہوگی وہاں صرف ایمان اور عملِ صالح کا نور یا قندیل آگے آگے دوڑتی چلے گی۔ ایماندار برقِ خاطف کی طرح عبور کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ منافق ایمانداروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں کس لیے کہ ان کے پاس روشنی نہ ہوگی۔ ایماندار کہیں گے پیچھے جاؤ یہاں روشنی نہیں ہم بھی وہیں سے لائے ہیں یعنی دنیا سے۔ پھر ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا۔ الغرض منافق و کافر اس اندھیری میں اور اس باریک رستے میں جو ایسے قعرِ جہنم کے منہ پر ہوگی چل نہ سکیں گے، کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہ بھی بندوں کے الزام دفع کرنے کا طریقہ ہوگا کہ ہم نے تمہاری روشنی نہیں بجھائی تھی دنیا میں اس کو ضائع کر کے آئے ہو۔ یہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کا خلاصہ ہے جن کو اہل سنت مانتے ہیں۔ بِسُوْرٍ سور دیوار اس سے مراد حجاب ہے جس کے اس طرف عذاب اوپر کی طرف جنت و رحمت ہوگی اس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں سے گزر کر ایماندار جنت میں جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں یہی وہ دیوار اعراف ہے۔

حجاب ہونے کے بعد منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے تمہارے جیسے اعمال نماز، روزہ عمل میں نہ لاتے تھے پھر آج کس لیے تم نے ہم کو چھوڑ دیا؟ مسلمان جواب دیں گے، ہاں تھے مگر تم کو اعتقاد نہ تھا۔ جو کچھ کرتے تھے دکھانے کے لیے اور تم دنیا کی محبت میں فریفتہ تھے جس لیے اپنے آپ کو کفر و معاصی میں ڈال رکھا تھا جو فتنہ تھا اور اسلام کے در پردہ دشمن تھے۔ تکا کرتے تھے کہ کب اسلام کو شکست ہو کہ ہم آزادانہ بدکاری و خراباتی کے مزے اڑائیں، احکام کی تکلیف سے چھوٹ جائیں اور دارِ آخرت اور نئی

زندگانی میں تم کو شک تھا اور تمہاری تمناؤں نے تم کو بھول میں ڈال دیا تھا کہ ایسا مال ہو ایسی اولاد ہو، ایسی جائیداد ہو، رات دن اسی کی فکر میں تھے اور شیطان نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ وہ غفور رحیم ہے، ہم جو کچھ کرتے ہیں معاف کر دے گا یا یہ کہ خدا تعالیٰ کو اس روز کے برپا کرنے پر قادر ہی نہیں جانتے تھے یا یہ کہ اس کے منکر تھے اور دہر اور طبیعت ہی کو متصرف جان رہے تھے۔ آخر موت آ گئی غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ کوئی جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ مایفتدیٰ بہ۔ نہ آج کے روز تمہاری توبہ قبول ہے نہ روپیہ پیسہ لیا جاتا ہے۔ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ تمہارا ٹھکانا آتشِ جہنم ہے۔ هِيَ مَوْلٰىكُمْ یہی تمہارے پاس کی جگہ ہے یا یہی تمہارے لائق ہے، یا یہی تمہاری چارہ ساز ہے اور کوئی نہیں۔

الغرور بالفتح شیطان، دھوکا دینے والا و بالضم مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھوکا کہ دنیا میں تم پر کوئی سزا نہیں آتی تھی اس دھوکے نے تم کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈال دیا تھا۔ عرفاء کے نزدیک وہ نور جو اس کے آگے چلتا ہے معرفت و محبتِ الٰہی ہے۔ یہی جذبۂ عشق اس کو طبیعت و خواہش کی اندھیریوں اور عدم و امکان کے سخت ظلمات متراکمہ سے نکال کر نورِ محض حق جل عظمتہ کے جوارِ عاطفت تک لے جاتا ہے اور یہ جوار جنت و گلزار و حیاتِ جاودانی کی جگہ ہے اور جن کو یہ نور نصیب نہیں وہ انہیں ظلمات میں ٹکراویں گے اس صحنِ نور تک نہ پہنچ سکیں گے اور یہ ابدی ظلمات جہنم و نار کی شکل میں جلوہ گر ہوں گی پھر وہاں اس نور کی تمنا کریں گے جو محض بے سود ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

کیا ایمانداروں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس (کلام) برحق سے جو اس نے نازل کیا ہے دلگداز نہ ہو جائیں اور وہ اپنے اہلِ کتاب جیسے نہ ہو جائیں جس پر مدت دراز گزر گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہی ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا کرتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو بے شک خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو خوشدلی سے قرض دیا ہے ان کو دو چند دیا جائے گا اور ان کو عمدہ بدلہ ملے گا۔

ترکیب : العیان من انی الامر یانی اذا جاء اناہ ای وقتہ۔ وقریٔ الم یئن من آن یئین بمعنی اتی یاتی۔ ان تخشع الجملۃ فاعل یان واللام للتبیین وما بمعنی الذی وھو عطف علی الذکر عطف احد الوصفین علی الاخر وفی نزل ضمیر یعود الیہ۔ ولایکون الخ عطف علی تخشع والمراد النھی عن مماثلۃ اھل الکتاب فیما حکی عنھم بقولہ فطال الخ واقرضوا اللہ فیہ وجھان احدھما ھو معترض بین اسم ان وخبرھا وھو یضاعف والثانی انہ معطوف علیہ لان الالف واللام بمعنی الذی ای ان الذین تصدقوا۔

تفسیر : منافقوں اور کافروں کی دردناک مصیبت آنے والے دن کی بیان فرما کر ایمان والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی حالت پر قائم رہیں اور آئندہ سعادت کے میدان میں ترقی کرتے رہیں اس لیے اصولِ سعادت ذکر فرماتا ہے۔ فقال الم یان الخ اعمش کہتے ہیں صحابہ مدینے میں آ کر کھیتی باڑی کے شغل میں اس سرگرمی سے سست ہو گئے تھے۔ اس آیت میں ان پر عتاب ہے تا کہ پھر پہلی حالت کی طرف رجوع کریں۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے بعد تخشع یعنی نرم دل ہونا اور اللہ سے ڈرتے رہنا بھی ترقیِ درجات کے لیے عمدہ سیڑھی ہے۔ اس کو مرتبۂ احسان کہتے ہیں جس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں خوب فرما دی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

فرماتا ہے کہ کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل لرز اٹھیں۔ اللہ کا ذکر اور اس کی نازل کی ہوئی برحق بات (قرآن) سن کر اور وہ اگلے اہلِ کتاب جیسے نہ بن جائیں کہ جن پر زمانہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے بدکار ہو گئے۔ یعنی ذکر اللہ اور قرآن سنا کریں اور ڈرا کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرح سخت دل نہ بن جائیں۔ زمانہ جو امد کا ترجمہ ہے اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ان میں اور ان کے انبیاء میں مدت گزر گئی تھی اس لیے ان کے دل سخت[1] ہو گئے تھے۔ زبان پر سب کچھ تھا مگر دل مر چکے تھے۔ (۲) یہ کہ اس غفلت میں ان کو مدت گزر گئی تھی یہاں تک کہ یہ غفلت اور حبِ دنیا اور دین سے بے خبری ایک پشت سے دوسری پشت تک متوارث ہو کر طبیعت ہو گئی تھی۔ (۳) یہ کہ ان کی اس بیہوشی اور سخت دلی پر مدتوں کوئی عذاب و مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے اور بھی ڈھیٹ اور نڈر ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کے ڈر اور نرم دلی کی یہ نوبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پہنچی تھی کہ قرآن مجید سن کر زار زار رویا کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں امام قرآن پڑھ رہا تھا اس میں آیات تھیں کہ جن میں تہدید و تنبیہ ہے سن کر ایک مقتدی پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے اسی حالت میں مر گیا۔ (ترمذی)

اس پر خیال گزر سکتا تھا کہ جب دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں پھر وہ کسی صحبت یا وعظ و قرآن سننے سے کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں گویا مایوسی ہے۔ فرماتا ہے اعلموا ان اللہ الخ۔ کہ مایوس نہ ہونا چاہیے کوشش کرنا چاہیے کس لیے کہ اللہ مردہ زمین کو (خشک کو) ابرِ رحمت سے پھر زندہ (سبز) کر دیا کرتا ہے اس بات کو جان لو۔ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان فرما دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ اس میں حشر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں مرنے کے بعد انسانوں کو ہم زندہ کر دیں گے۔ یہ بھی خوف دلانے والی بات تھی کس لیے کہ حشر کا یقین کامل ہونے کے بعد ڈرنا لازمی بات ہے۔

دلِ مردہ کے زندہ کرنے والے اسباب بھی ضمناً بیان فرما دیے گئے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی نازل کردہ کتاب سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھی نسخہ تھا اس کو دوسرے پیرائے میں ذکر فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ کہ صدقہ دینے سے بھی دل زندہ ہو جاتا ہے۔

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف علم کافی نہیں نہ کتابیں پڑھنا بلکہ ایسے کاملین کی صحبت جو نورِ مجسم ہوتے ہیں اور ان کی زبان سے سننا اور ہی اثر پیدا کرتا ہے وہی بات ہے کہ جس کو ایک خوش بیان عمدہ تقریروں میں ادا کر رہا ہے جس کا اثر قلوب تک نہیں پہنچتا اور پہنچتا ہے تو قائم نہیں رہتا اسی بات کو وہ نورِ مجسم سیدھے لفظوں میں بیان کر کے اپنی روحانی تاثیر سے دلوں میں نقشِ حجر کر دیتا ہے جس سے دیرپا جوش اور سچی سرگرمیوں کا ایک دریا رواں ہو کر قوموں اور ملکوں کو احاطہ کر لیتا ہے۔ قرآن ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے پھر تیرہ برس میں کیسا انقلابِ عظیم عرب میں نمودار ہوا۔ یہی ہے کہ جس کو اور لوگ پڑھتے اور سناتے ہیں آج کل لیکچرار اور سپیکر حشرات الارض کی طرح نکل پڑے مگر اثر ندارد خود انہیں کے دلوں میں اثر نہیں ہوتا پھر اوروں کے دلوں پر ان کی حکومت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دل بمنزلہ زمین کے ہے اور ذکرِ الٰہی اور قرآن بمنزلہ آبِ رحمت کے جس طرح آبِ رحمت سے خشک زمین جس کو مردے سے مشابہت ہے نرم ہو جاتی ہے جس کو زندگی سے مشابہت ہے اسی طرح ذکر و قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ و دیگر خیرات سب کو شامل ہے کس لیے کہ کسی کا دل خوش کر دینا اور حاجت براری کرنا اس کی خوشنودگی کا باعث ہے اس کے بدلے میں وہ دوچند دیتا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم جنت عطا کرتا ہے۔ (وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ الخ اسی صدقہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کو قرض دیا بطور جملہ معترضہ کے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ ع ۱۸
وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ
غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ
حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر نور ملے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی کھیل اور کود اور آرائش اور مال اور اولاد ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور زیادتی ڈھونڈنا ہے جیسا کہ بارش جس کا سبزہ کھیتی کرنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے پھر وہ زور پر آتا ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر چورا ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو دنیا پر فریفتہ ہونے والوں کے لیے سخت عذاب ہے (اور خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی ہے کیا؟ یہی ایک دھوکے کا اسباب۔

ترکیب : والذین مبتداء باللہ متعلق بآمنوا ورسلہ معطوف علیہ اولئک مبتداء ھم الصدیقون الخ خبرہ والجملۃ والذین عند ربھم ظرف للشہداء کمثل الکاف فی موضع نصب من معنٰی ماتقدم ای یثبت لہاہذہ الصفات مشبہۃ بغیث ویمکن ان تکون فی موضع رفع ای مثلہا کمثل غیث۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جہاں ایمانداروں کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوا ان کی رہبری کرے گا اور منافق نور نہ ہونے کی وجہ سے حسرت کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ ایماندار ڈریں اور غافل نہ ہو جائیں اور صدقہ و خیرات و ذکر و تلاوت عمل میں لائیں اور صدقہ و خیرات دینے والوں کے لیے دوچند ملنے اور اجرِ عظیم پانے کی بشارت بھی تھی جس سے ظاہر بینوں، دنیا پرستوں کا خیال جا سکتا تھا کہ جو کچھ ہے روپیہ پیسہ ہے اسی کی خیرات کے بدلے میں اجرِ عظیم ملتا ہے۔ خالی عبادت و ایمان و محبتِ الٰہی کو کون پوچھتا ہے؟ اس لیے ان آیات میں ایمان کی فضیلت اور ایمانداروں کے درجات اور کفر و تکذیب کی خرابی کو کافر و مکذب دنیا بھر کی خیرات کرے بیان فرماتا ہے اور اس کے بعد خود دنیا کی بے ثباتی اور اس کی بے قدری ظاہر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصولِ سعادت ایمان ہے یہی اس کو صدیق و شہید عند اللہ بنا دیتا ہے۔ یہی اجرِ عظیم کا مستحق اور اس نور کا مالک کر دیتا ہے۔ وہ نور ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بھی اس کا رہنما ہے اور آخرت کی اندھیریوں میں بھی رہنمائی کرے گا۔

صدیق برزون فعیل تصدیق کرنے والا۔ دل سے سچا جاننے والا۔ عرفِ شرع میں یہ ایک خاص مرتبہ ہے نبوت سے کم اور رتبوں سے بڑھ کر۔ صدیق نبی کا قوتِ نظریہ میں پرتو اور ظلِ کامل اور سچا نمونہ یا روحانی فرزند اکبر اور جانشین ہوتا ہے۔ ہر امت میں صدیق گزرے ہیں جن کے برکات و فیوضِ نبوت کا لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اس امت میں ابوبکر و علی و عثمان و زید و طلحہ و زبیر و سعد و حمزہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید یہ نبی علیہ السلام کی قوتِ عملیہ کا ظلِ کامل ہے صدیق کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔ مگر بڑا بلند مرتبہ ہے۔ اس شخص سے خوارق و کرامات اس کثرت سے خود بخود ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے حیات میں بھی اور بعد الممات بھی ان کے اجساد پاک سے ان کا روحانی تعلق ایک نئی قسم کا باقی رہتا ہے۔ اس امت میں حضرت عمر فاروق و حمزہ و علی و حسنین وغیرہم گزرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑ کر جہاد میں مر جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں اور اسی طرح مبطون وغیرہ کو بھی اس ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے مگر شہیدِ اکبر وہی لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ روحانی اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ عام ہے کہ یہ جہاد میں یا کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہوں یا نہ وہ اپنے بستروں پر بھی مر جائیں تو بھی شہید ہیں اولیاءِ کرام رحمہم اللہ اسی مرتبہ میں ہیں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی کو لہو و لعب کہا جو لڑکپن اور شہوانی لوگوں کی زندگی ہے۔ اور زینتِ جوانی کے ایام میں آرائش و تجمل مرغوب ہوتا ہے اور تفاخر و تکاثر بڑھاپے میں۔ پھر ان کو ساون کی گھانس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جب اگتا ہے خوشنما معلوم ہوتا ہے پھر چند روز میں زرد ہو کر سوکھ کر چورا ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا حال ہے۔ گھانس تو دارِ آخرت کے عذاب و ثواب سے فارغ ہے مگر اس پر وہاں کا عذاب و ثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے دھوکے کا سرمایہ ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ
وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ
مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي
مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا چوڑان آسمان و زمین جیسا ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے نصیب کرے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اس کو پیدا کریں

لے ان کا جہاد نفس کے ساتھ تھا جو اعداء عدو اللہ ہے۔ ۱۲ منہ

کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تم کو دیوے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا کہ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی سکھاتے ہیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پرواٗ خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : عرضها متبداء کعرض السماء الخ خبره والجملة صفة جنة۔ اعدت صفة اخری۔ فی الارض الجار یتعلق بمصیبة لانها مصدره یجوز ان تکون صفة لها علی اللفظ او الحل۔ ومثله ولا فی انفسکم الافی کتاب حال ای مکتوبة۔ من قبل لغت او متعلق به لکیلا کے ناصبة للفصل بمعنی ان (آسی) اندوہ واندوہگیں شدن بر یسمع یسمع یقال آسی علی مصیبة ای حزن وآسیت لفلان ای حزنت له صراح۔

تفسیر : دنیا کی بے ثباتی اور بے قدری بیان فرما کر دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے انسان اس فانی گھر میں چند روزہ مہمان بنایا گیا ہے فقال سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ کہ ان کاموں کی طرف دوڑو اور جلد حاصل کرو کہ جو اللہ کی "مغفرت اور حصولِ جنت کا باعث ہیں پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ اس کا چوڑان آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنت کی چوڑان کو تشبیہ دی ہے۔ آسمان اور زمین کی چوڑان سے اور بتلایا گیا ہے کہ طول تو کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس قدر وسیع جنت کا آسمان پر قائم ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (اس کے معنی سورۂ آل عمران کی تفسیر میں جہاں کہ یہ جملہ آیا تھا ہم بیان کر آئے ہیں جس کا خلاصہ) یہ ہے کہ جنت دوسرے عالم کا نام ہے اس کے آگے یہ عالمِ ناسوت جس میں آسمان وزمین ہیں ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ پھر آسمانوں پر جو جنت کا ہونا بیان ہوا ہے اس سے مقصود صرف بجہتِ علو عالمِ قدس بیان کرنا ہے مقدس چیزوں کو سموات کی طرف اور ادناس کو زمین کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس لیے آسمانوں پر کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عالمِ ناسوت اس کا کسی طرح ظرف ومکان ہو نہیں سکتا۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ عرض سے مراد چوڑان نہیں بلکہ صرف فراغی مقصود ہے جیسا کہ آیا ہے فَذُودعاء عریض۔ ای کثیر۔ بعض کہتے ہیں عرض سے مراد قیمت وقدر ہے۔ (۲) اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ یہ نہیں کہ تیار کی جائے گی یہ بھی رغبت کا باعث ہے۔ یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جنت بالفعل موجود ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ کہ جن میں شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کی سیر کرنا آیا ہے اس کے لیے مؤید ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں قیامت کے روز تیار ہوگی۔ یہ قول غلط ہے۔ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہونا فرمایا تا کہ پرہیزگاری کی طرف توجہ ہو کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں یا امیروں کا خاص حصہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض اقوام نے خیال کر رکھا ہے۔ ہنود میں برہمن اور یہود تو اس کو اپنے باوا کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے عیسائی بھی اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ پرہیزگاری بقول پولوس بیکار اور لعنتی کام ہے۔ اسی طرح اشرافِ عرب بھی اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے بیٹھے تھے۔

دارِ آخرت کے بعد انسان کی عاجزی اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی رنج وراحت جو کچھ سامنے آتا ہے سب نوشتۂ ازلی کے موافق ہونا ہے فقال ما اصاب الخ کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط، وبدامنی یا خود تمہاری ذات پر پڑتی ہے جیسا کہ مرض وتنگ دستی اولاد واحباب کا مرنا، بے عزتی وذلت ونا کامی نصیب ہونا۔ تم پر اور زمین پر آنے سے پہلے کتاب یعنی دفترِ قضاء وقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ تم کو اس لیے سنا دیا کہ تم کسی نعمت پر اتراؤ نہیں کہ اپنی محنت وتدبیر کا ثمرہ سمجھ بیٹھو اور بخل کرنے لگو کس لیے کہ اللہ کو اترانے والے متکبر پسند نہیں جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل پر ترغیب دیتے ہیں اور جو نہ مانے تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں۔ اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ چاہیے کہ مصیبت پر صبر اور نعمت کو عطیۂ الٰہی سمجھ کر شکر کرے اور اس کے بندوں پر اس کے شکریہ میں احسان کرے۔

[1] یقال عارض الکتاب بالکتاب اے قابلة وعرض الجاریة علی البیع واعرض بوزن الفلس المتاع مختار الصحاح۔ ۱۲ منہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى
اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ
وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا
مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ
فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو ئے (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ خدا معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے البتہ اللہ قوی و زبردست ہے اور البتہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ پھر کچھ تو ان میں سے راہ پر ہیں اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو بعد میں بھیجا اور اس کو ہم نے انجیل دی اور اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کی اور ترکِ دنیا بھی قائم کیا تھا جو ہم نے تو ان پر فرض نہ کیا تھا خود انہوں ہی نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا تھا پھر جیسا چاہیے تھا اس کو ویسا نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو ان کا اجر دیا اور بہت سے تو ان میں بھی بدکار ہی ہیں۔

ترکیب : فیه باس الخ الجملة حال من حدید ومنافع معطوف علی باس ولیعلم معطوف علی محذوف وهو یستعملوه وقیل عطف علی قوله لیقوم الناس بالغیب حال من فاعل ینصر او مفعوله ای غائبا عنهم او غائبین عنه رهبانیة منصوب بفعل مضمر یفسره مابعده وهو ابتدعوها وقیل بالعطف علی ماقبله ای جعلنا فی قلوبهم رهبانیة مبتدعة من عندهم وابتداعوها علی هذا التقدیر صفة لها۔ الرهبانیة الفعلة المنسوبة الی الراهب وقری بضم الراء کانها نسبة الی الرهبان جمع راهب۔

تفسیر : پہلے بخل کی برائی بیان فرمائی تھی اب یہ ذکر دیا کہ بخل پر کیا منحصر ہے جمیع نیک وبد امور بتلانے کے لیے ہم نے رسول بھیجے۔ معجزات ونشانیاں دے کر تا کہ بنی آدم کی اصلاح کریں مگر بنی آدم کے معاملات دو قسم پر تھے ایک ان کی ذات کے متعلق عقائد سے لے کر اعمالِ حسنہ، عبادت وریاضت تک دوم امورِ تمدن جن میں حقوقِ عباد میں پہلی باتوں کے لیے اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب نازل کی۔ دوسری قسم کے معاملات کے لیے وَالْمِيْزَانَ ترازو یعنی عدل وانصاف نازل کیا۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ الخ تا کہ بنی آدم ان باتوں میں انصاف پر قائم رہیں زیادتی کمی، جور وظلم نہ کریں۔ مگر سرکش اور کج طبع لوگوں کے لیے جو قانونِ انصاف پر نہیں چلتے ہیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ لوہا نازل کیا۔

لوہے سے مراد حکومت وشوکت ہے جو حاکم کے آہنی ہتھیاروں سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ حکام جو تلوار کے زور سے ان کو انصاف پر چلاتے ہیں اور لوہے کے نازل کرنے سے مراد اس کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ ازواج اس کے احکام وقضایا عالمِ بالا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لیے ایسی کارآمد چیز کے پیدا کرنے کو انزلنا تعبیر کیا۔

پھر لوہے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ (۱) فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ باس سختی وسخت حرب شدن (صراح) کہ اس میں جنگ کے وقت بڑی سختی و شدت ہے کس لیے کہ تلوار، بندوق، نیزہ، گرز، توپ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔

(۲) وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور بہت نفع ہیں کس لیے کہ انسان کی حاجت کے متعلق جس قدر پیشے میں زراعت ومعماری وغیرہ سب میں لوہے کے آلات مستعمل ہوتے ہیں۔ (افسوس آج کل مسلمانوں کے ہاتھ میں لوہا نہیں رہا جس سے یہ نوبت پہنچی)۔ (۳) وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الخ تیسرا فائدہ اس میں اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگاروں، حامیوں کا پورا امتحان بھی ہے کہ دیکھیں کون ہے جو جان کو ہاتھ پر رکھ کر ہتھیار باندھ کر خدا کے قانون جاری ہونے میں مدد کرتا ہے اور دنیا میں ظلمت وفساد پھیلانے والوں' خدا پرستوں پر ظلم کرنے والوں کی خبر لیتا ہے؟ (اس میں جہاد کی ترغیب ہے)۔

اس کے بعد اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ بھی فرمادیا کہ اللہ کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ صرف تمہارا امتحان مقصود ہے کہ آیا تم بھی اس کے دین کے باقی رہنے اور شائع ہونے میں مدد کرتے ہو؟ ورنہ وہ تو خود قوی' زبردست ہے، آپ قائم کر کے رہے گا۔ رسولوں کے اجمالی ذکر کے بعد چند اولوالعزم رسولوں کا ذکر کرتا ہے تا کہ عرب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اچنبھا نہ معلوم ہو۔ فقال وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی نسل میں کتاب ونبوت کو قائم رکھا۔ ان کے بعد بھی ان کی نسل میں سے صاحبِ کتاب نبی اٹھے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام وداؤد علیہ السلام کے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے پھر کچھ لوگ ان سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ بدکار ہی رہے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اس کو کتاب دی جس کا نام انجیل ہے۔ یا انجیل یعنی خوشخبری دی کہ وہ ایمان والوں کو نجات کی خوشخبری دیتے تھے (یہ معنی جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہیں) انجیل عبرانی لفظ انگیول کا معرب ہے جس کے لغوی معنی خوشخبری کے ہیں مراد اس سے کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی جو قیاصرہ گردی میں تلف ہوگئی۔ یہ بات پولوس کے بعض خطوط سے بھی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ان کے حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں نے جو کتابیں ان کے حالات میں لکھیں جن کا مبدء سمعی اور مروی باتیں ہیں اور ان کا نام بھی انجیل ہے۔ وہ دراصل وہ انجیل نہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں اس کی بھی بعض باتیں شامل کی گئی ہوں۔ یوں تو اور بھی بہت سی انجیلیں عیسائیوں کے بزرگوں نے بنائی ہیں جن کو یہ لوگ الہامی نہیں مانتے۔

پھر فرماتا ہے جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ الخ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دل میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کر دی تھی وہ لوگ نرم دل اور متواضع اور فروتن تھے اور رہبانیت بھی ان کو ملی تھی جس کو انہوں نے از خود پیدا کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی لیکن ان سے وہ جیسا چاہیے تھی نبھ نہ سکی۔ پھر جو ان میں سے پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اجر کے مستحق ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو لوگوں میں سے جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے کسی گوشے میں عبادت کرتے نہ وہ بیاہ شادی کرتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، نہ عمدہ کھانا کھاتے تھے ان کا نام راہب ہوتا تھا جس کی جمع رہبان آتی ہے جس کے معنی درویش اور رہبانیت درویشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے راہبوں میں بہت سی باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جن کا ذکر مؤرخین نے بہت کچھ کیا ہے۔ قرآن نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا، فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا میں اشارۃً ذکر کر دیا۔

ابحاث : (۱) وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کے متعلق کچھ اور بھی اسرار ہیں۔ از انجملہ یہ ہے۔ انسان کے کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو کرنا چاہیے دوسرے وہ جن کو کرنا نہ چاہیے۔ پھر جن کو کرنا ہے وہ دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو نفس سے متعلق ہیں، دوسرے وہ جو بدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ افعالِ انسانیہ یعنی معارف ان کا سرچشمہ کتاب ہے کس لیے کہ کتاب اللہ ہی حق وباطل میں تمیز کر دیتی ہے اور بدنی اعمال جو ہاتھ پاؤں اعضا سے متعلق ہیں ان میں بڑا حصہ وہ ہے جن کا لگاؤ خلقِ خدا کے ساتھ ہے۔ ان کے لیے میزان ہے، اسی عدل کی ترازو میں تل کر عدل وظلم میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اب رہے وہ افعال کہ جن کو کرنا نہ چاہیے ان سے روکنے والا دنیا میں لوہا ہے۔ واعظ برسوں سمجھائیں کوئی نہ مانے، لوہے کے خوف سے دم بھر میں ترک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ کتاب قوتِ نظریہ کے لیے اور میزان قوتِ عملیہ کے لیے اور حدید نالائق کاموں سے روکنے کے لیے نازل ہوا ہے۔

از انجملہ یہ کہ اگر معاملہ خدا سے ہے تو اس کے لیے کتاب ہے اور جو بندوں سے ہے تو میزان اور دشمنوں سرکشوں سے ہے تو اس کے لیے لوہا ہے۔

از انجملہ بنی آدم تین قسم کے ہیں۔ ایک سابقون جو انصاف کرتے ہیں مگر انصاف کے طالب نہیں ان کا معاملہ کتاب سے ہے۔ دوسرے وہ جو انصاف کرتے ہیں اور انصاف ہی چاہتے ہیں یعنی درمیانی لوگ ان کو میزان درکار ہے۔ تیسرے بدکار ظالم ہیں ان کے لیے حدید درکار ہے۔ وہ اس کی دھمکی سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ شہوات کے تمام نشے تلوار دیکھ کر ہرن ہو جاتے ہیں۔ دم بھر میں بھلے مانس اور نیک ہو جاتے ہیں اور یہی حکمت تھی کہ آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کے عہد میں گمراہی وشہوت پرستی کا دریا طغیانی پر تھا، کتاب وحکمت کے ساتھ حدید یعنی زور وشوکت بھی عطا ہوا۔ فقیری ومسکنت کے لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ شان وشوکتِ شاہانہ کے پیرائے میں جلوہ گر ہوئی اور اسی کو سلطنتِ آسمانی کہتے ہیں جس کی خبر پہلے انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں کہ جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے مکارمِ اخلاق تعلیم کر کے سب کے بعد فرمادیا، وذروۃ سنامہ الجہاد کہ ان سب باتوں کا سر جہاد ہے۔ اور اسی لیے قیامت تک جہاد واحتساب قائم کر کے اور اپنے جانشینوں اور پیروؤں کے لیے ایک عمدہ دستور العمل چھوڑ گئے جس کو آج کل مسلمانوں نے ترک کر رکھا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں حقیر ہو گئے۔ اہلِ اسلام خدا تعالیٰ کا لشکر خاص ہے جن کی تنخواہ دارِ آخرت وحیاتِ جاودانی ہے۔

از انجملہ یہ ہے انسان یا عارفِ کامل ہے جو مقامِ حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس کے لیے بجز محبوب کی کتاب کے اور کوئی بات تسلی بخش نہیں۔ یا وہ طالب ہے یعنی مقامِ طریقت میں ہے اور یہ مقام نفسِ لوامہ کا ہے اور مقام اصحاب الیمین جیسا کہ اول مقام نفسِ مطمئنہ اور سابقون کا تھا تو اس کے لیے معرفتِ اخلاق کے لیے میزان درکار ہے یہاں تک کہ افراط تفریط سے بچے اور کسی کجی کی جانب اس رستے میں نہ جھکے اور یا وہ مقام شریعت میں ہے جو نفسِ امارہ کا مقام ہے اس وقت اس کے لیے مجاہدہ وریاضات کے ہتھیار اور نفسِ بد کے لیے آہنی گرز درکار ہے۔ کبیر

(۲) **لارھبانیۃ فی الاسلام**۔ یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ مذہب اسلام میں رہبانیت نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا ترک کر بیٹھنا' نکاح نہ کرنا فقیری کا لباس اور قلندرانہ وضع اختیار نہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان باتوں میں خدا نہیں ملتا اور نیز منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد نکاح کیے اور نکاح کرنے کی ترغیب دلائی۔ عمدہ لباس بھی پہنا، عمدہ کھانا بھی جب مل گیا تناول فرمایا۔ دنیا کے سب کاروبار کرو، نوکری، تجارت، زراعت، بال بچوں کی پرورش، اقارب وہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ خدا دے تو اچھا کھاؤ پیو پہنو مگر ہر کار میں اللہ کو نہ بھولو، اس کے احکام کو ملحوظ رکھو۔

مگر نہ ایسا بھی کہ لذائذ وشہوات کے بندے بن جاؤ، رات دن اسی دھندے میں پڑے رہو اور آرائش وتجملات کے حاصل کرنے میں عمرِ گراں مایہ برباد کرو، دنیا کو خیر باد کہہ بیٹھو، نفس کو موٹا کرو کس لیے کہ گو اسلام میں رہبانیت نہیں مگر زہد ضرور محمود ہے اور بزرگانِ دین نے زہد وتقویٰ اختیار کیا ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے نہ بالالتزام مباحات ولذائذ وطیبات کو حرام کر لینا۔ ہاں زاہد کو ان چیزوں کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتا نہ وہ ان کے طالب وجویاں ہوتے ہیں۔ اگر اتفاقاً میسر آ گئیں تو کچھ انکار بھی نہیں برخلاف راہب کے زاہد و راہب میں یہ فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع ۴

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تا کہ تم کو اپنی عنایت سے دگنا اجر دے اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس سے تم رستہ چلو اور تم کو اللہ بخش دے اور اللہ غفور رحیم ہے تا کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ہم اللہ کے فضل پر کچھ بھی قادر نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد عیسائیوں کی طرف خطاب کرتا ہے فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرو، نفسانیت وتعصب کو چھوڑو۔ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی بشارت دی ہے۔ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تا کہ تم کو اپنے فضل سے دوہرا حصہ ثواب دے۔ دونوں پیغمبروں پر ایمان لانے کے سبب جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تھا، فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ کہ جو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا یعنی دیں گے۔ نقل حصہ، دوہرا حصہ پانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اس کو دوہرا حصہ ملنے کے سبب سب سے زیادہ اجر ملے گا کس لیے کہ دوہرے ہونے سے زیادہ ملنا ثابت نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک چیز کے دس حصے کئے اور ایک شخص کو ان دس حصوں میں سے دوہرا حصہ ملا اور پھر اسی چیز کے تین حصے کر کے ایک شخص کو ایک حصہ دیا تو یہ ایک حصہ پانے والا اس دوہرے پانے والے سے کم نہیں رہا۔[1] وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ اور اس ایمان نبی آخر الزمان ﷺ سے تمہارے لیے ایک نور قائم کر دے گا جس کے سبب تم دنیا میں سیدھا رستہ چلو گے یا پل صراط پر چلو گے۔ یہ نور بغیر اس کے حاصل ہی نہیں ہوتا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور تم کو بخش دے گا وہ غفور الرحیم ہے۔ پچھلے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے۔

[1] بلکہ اس نے زائد پایا اور یہ اہلِ اسلام ہیں اس بات کی طرف بخاری کی وہ حدیث اشارہ کر رہی ہے جس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے امتِ محمدیہ! تمہاری اور تم سے اگلوں کی ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کسی کو نصف روز پر خاص اجرت پر معین کیا اور کسی کو نصف النہار سے لے کر عصر تک اسی اجرت پر مامور کیا اور کسی کو عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دو چند اجرت پر معین کیا۔ پہلوں نے کہا ہمارا وقت زیادہ اور ان کا وقت بھی کم اور اجرت دو چند اس نے کہا میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کچھ کم نہیں کر لیا۔ صبح سے نصف النہار تک والے اور اس سے لے کر عصر کے وقت تک والے یہود ونصاریٰ ہیں۔ اور عصر سے آخر دن تک والے جن کو باوجود بہت کم وقت ومحنت کے دو چند اجرت ملی مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

اہل کتاب کو یہ گمان تھا کہ نبوت خاص ہمارے خاندان اسرائیلی کا حصہ ہے اخیر نبی کہ جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے وہ بھی ہمارے خاندان سے ہوگا۔ یہ عنایت خاندانِ بنی اسرائیل پر منحصر ہے۔ اس لیے اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید اور ایمان کے ثمرات اور برکات بیان کر کے یہ فرماتا ہے لئلا یعلم اہل الکتاب ان لایقدرون علی شیء من فضل اللہ الخ کہ یہ بیان ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ان کو فضل الٰہی پر کوئی قبضہ وقدرت نہیں کہ وہ اس کو اپنے ہی گھر میں منحصر کریں بلکہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس پر چاہے کرے، بنی اسرائیل کی کیا خصوصیت؟ اس نے بنی اسماعیل پر کر دیا اس تقدیر پر لئلا میں لا زائد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ ع ۱

(اے نبی!) البتہ اللہ نے اس عورت کی بات بھی سن لی جو تم سے اپنے خاوند کی بابت گفتگو کرتی اور اللہ کے آگے شکوہ کرتی تھی اور اللہ تمہارے جواب وسوال سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کر لیتے ہیں وہ درحقیقت ان کی مائیں تو ہو نہیں گئیں۔ مائیں تو ان کی وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور ہاں انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر اس کہی بات سے پھرنا چاہیں تو ایک بردہ ایک دوسرے کے ہاتھ لگانے سے پہلے آزاد کریں یہ اس لیے کہ اس سے تم کو

[1] محاذۃ مخالفت کردن وباز داشتن حق تحاد کذلک قولہ تعالیٰ ان الذین یحادون کبت باز گردانیدن وخوار کردن بر روئے در افگندن یہ کبت اللہ اور العدو ای صرفہ واذلہ وصرعہ بوجہ صح ف اک ۲ م صراح۔ ۱۲ منہ

نصیحت ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پھر جس کو بردہ نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگاتار آپس میں ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یہ اس لیے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی (پوری پوری) تصدیق کرو اور یہ تو اللہ کی حدیں باندھی ہوئی ہیں اور منکروں کو سخت عذاب ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ خوار ہوئے اور ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کو ذلت کا عذاب ہے۔ جس دن کہ ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا پھر ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے تھے جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔

ترکیب : وتشتکی معطوف علی تجادلک وقیل حال من فاعلہ ای تجادل وھی متضرعۃ الی اللہ تعالیٰ الذین موصول یظاہرون الخ صلۃ والکل مبتداء ماھن امھتھم الجملۃ خبرہ امھاتھم بکسر التاء علی انہ خبر او بضمھا علی اللغۃ والذین یظاھرون من نسائھم مبتداء فتحریر رقبۃ الجملۃ وھی فعلیھم تحریر رقبۃ خبرہ۔ ذلکم مبتداء توعظون بہ خبرہ واللام فی لما قالوا تتعلق بیعودون وما مصدریۃ ویمکن ان تجعل بمعنی الذین ونکرۃ موصوفۃ وقیل اللام بمعنی فی وقیل بمعنی الیٰ فی الکلام تقدیم وتاخیرہ تقدیرہ ثم یعودون فعلیھم تحریر رقبۃ لما قالوا فصیام شھرین ای فعلیہ صیام شھرین ذالک ومحلہ النصب بفعل معلل بقولہ لتومنوا او الرفع علی الابتداء یوم منصوب بما تعلق بہ اللام من الاستقرار او مبین او باضمار اذکر۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قدر مکے میں بھی نازل ہوئی ہے مگر یہ قول معتبر نہیں۔ سورۂ حدید کے اخیر میں واللہ ذو الفضل العظیم آیا تھا جو یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کا رد تھا کہ وہ نبوت اپنے خاندان میں ختم سمجھتے تھے۔ اس سورہ میں منجملہ افضالِ الٰہی کے جن میں سے نبوت نبی آخر الزمان ﷺ بڑی چیز ہے اس نبوت کے برکات اور اپنے بعض افضال کا (سہل احکام اور آسان شریعت نازل کرنے کے پیرائے میں) اظہار فرماتا ہے کہ یہ بھی اس کے فضل کی ایک بڑی بات ہے کہ اس نے ظہار میں جو جاہلیت میں اشد طلاق سمجھی جاتی تھی یہ سہولت کی کہ کفارے سے عورت کو اس کے مرد کے لیے حلال کر دیا۔ اب اس کی تشریح بضمن ایک واقعے کے کرتا ہے۔ فقال قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ الخ۔ اس کے شانِ نزول میں جمہور مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند نے ناراض ہو کر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (انت علی کظھر امی) کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح سے حرام ہے۔ یہ کلمہ جاہلیت میں سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد ملاپ نہیں ہوتا تھا اس کو بڑا رنج ہوا۔ خاوند سے بڑی محبت تھی اور بچہ دار بھی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس وقت حضرت ﷺ کا سر دھلا رہی تھی اس عورت نے آ کر سب قصہ بیان کیا اور اپنی مصیبت ناک حالت بھی عرض کی کہ میں پہلے جوان مالدار تھی اب عمر رسیدہ بھی ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کہ اگر آپ رکھتی ہوں تو بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں اور اس کو دیتی ہوں تو برباد ہوتے ہیں اور مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ اب میں کیا کروں گی؟ اب میں اس سے پھر بھی مل سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا مجھے تو طلاق ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر اور بھی رنج ہوا۔ بار بار دردناک الفاظ میں اپنی مصیبت و تنہائی بیان کر کے پھر جائز ہونے کی سبیل پوچھتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وہی بات فرماتے تھے۔ آخر وہ مایوسانہ حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر یہ کہنے لگی کہ الٰہی میں اپنی مصیبت کا اظہار تجھ سے کرتی ہوں میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل کر دیجئے۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ یہی کہے جاتی تھی کہ یا نبی اللہ آپ کے قربان جاؤں میرے معاملے میں کچھ تدبیر و فکر کیجئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آثارِ وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو اور اپنی تکرار کو بند کر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کو نہیں دیکھتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہو چکی تو اس عورت کو بلا کر یہ آیات سنائیں اور کفارے کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے مباح کر دیا۔ اس کے خاوند نے کفارہ ادا کیا۔ یہ اس کا کیسا فضل ہے؟ اور بھی سہل احکام اس سورہ میں ہیں اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ الخ ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو یوں کہے انت علی کظھر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ ظہار[1] شرع میں اپنی بیوی کو یا اس کے کسی جزء شائع کو یا ایسے جزء کو جس سے کل تعبیر کیا جا سکتا ہو اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے جز سے تشبیہ دینا کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اور اسی طرح اور محرماتِ ابدیہ عورتوں سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے یہ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے۔ اور پشت ذکر کی اور مراد اس سے پیٹ ہے یا مقامِ مخصوص مجازاً۔ اور شرم کی وجہ سے ایسی چیزوں کو دوسرے ناموں سے تعبیر کر دینا زبانِ عرب کا دستور ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں ظہر کہ جس سے ظہار لیا گیا ہے اس کے معنی پشت کے نہیں کس لیے کہ اور اعضاء میں سے صرف پشت ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ ظہر بمعنی علو سے مشتق ہے جس سے مراد چڑھنا یعنی مرد جو اپنی بیوی پر چڑھتا ہے اس کو اپنی ماں پر چڑھنے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ یہ ایامِ جاہلیت میں سخت طلاق تھی اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر شرع نے بھی اس کو طلاق ہی قرار دے رکھا تھا جس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق ہو گئی جس پر وہ عورت حیرت زدہ ہو کر اور حکم چاہتی تھی۔ بالاتفاق جمہور علماء اس کلمہ سے عورت مرد پر ایک وقت تک حرام ہو جاتی ہے یعنی جب تک کفارہ نہ دے اور اس لفظ سے طلاق نہیں واقع ہوتی بلکہ ظہار ایک جداگانہ چیز ہے۔

ان الفاظ کے کہنے سے تو بالاتفاق ظہار ہو جائے گا اور ان میں سے دوسری صورت بدل کر کہنے میں اختلاف ہے اور صورتیں چار پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ ظہر وام یا ان کے ہم معنی الفاظ دونوں مذکور ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس میں بالاتفاق ظہار واقع ہو گا۔ (۲) یہ کہ ظہر تو مذکور ہو اور ام مذکور نہ ہو پس اگر ماں کے بدلے کوئی غیر محرم عورت ذکر ہے یعنی محرم عورت سے تشبیہ نہیں اس صورت میں بھی بالاتفاق ظہار نہ ہو گا کس لیے کہ اپنی عورت کے جماع کو اجنبی عورت سے تشبیہ دینے سے کوئی خرابی نہیں آتی اور اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو اس پر ہمیشہ حرام ہیں خواہ قرابت سے جیسا کہ بہن بیٹی خالہ پھوپھی نانی دادی نواسی بھتیجی بھانجی خواہ دودھ کی شرکت سے جیسا کہ دودھ بہن یا دودھ ماں یا رشتے کے سبب سے جیسا کہ بیوی کی ماں۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہو گا کس لیے کہ جو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے غرض تھی وہی ان کے ساتھ تشبیہ دینے میں حاصل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ظہار نہ ہو گا آخر قول یہ ہے کہ ظہار ہو گا مگر بعض شافعیہ قولِ اول کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ماں کی پیٹھ سے تشبیہ نہ ہو بلکہ اس کے کسی اور عضو کے ساتھ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کے کسی اور عضو سے تشبیہ ہو کہ جس کا دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ ہاتھ پاؤں ان صورتوں میں بھی ظہار نہیں مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے منہ آنکھ۔ اس میں دو قول ہیں، پہلا یہ کہ ظہار نہیں آخر یہ کہ ظہار ہے۔ دوم یہ کہ ان اعضاء سے تشبیہ ہو کہ جن کا دیکھنا حرام ہے پیٹ، ران، چوتڑ وغیرہ۔ ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں مگر بعض نے قوت اس کو دی کہ ظہار نہیں۔ (۴) یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو نہ پشت کا بلکہ یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری بہن یا بیٹی کا پیٹ یا ران۔ یا یوں کہے کہ تو میری بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ ان صورتوں میں اختلاف ہے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہے۔ بحث دوم ظہار کون کر سکتا ہے اور کس سے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مسلمان طلاق دینے کا مجاز ہے وہ ظہار کا بھی ہے۔ کافر ذمی کا ایسا فعل ظہار نہ ہو گا کس لیے کہ آیت میں منکم کا لفظ ہے جو اہلِ اسلام کی طرف خطاب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مسلمان ہو یا نہ ہو جو کوئی طلاق دے سکتا ہے ظہار بھی کر سکتا ہے۔ ذمیوں کے ایسے افعال کا وہی حکم ہو گا جو مسلمانوں کا ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت ظہار نہیں کر سکتی۔ اس کے

[1] فتح القدیر میں ظہار کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ظہار حلال عورت کو اس کے جزءِ مستورہ یا جزءِ شائع کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے کبھی نکاح درست نہیں یا اس کی کسی چیز سے جس کا دیکھنا درست نہیں یا اس جزء سے کہ جس سے وہ تعبیر کی جاتی ہو جیسا کہ سر و گردن نصف وغیرہ مگر اس میں اختلافی صورتیں بھی داخل ہیں۔ ۱۲ منہ

اس کہنے سے کہ تو میرے پر ایسا ہے جیسی میری ماں کی پشت کچھ نہیں ہوتا۔ اوزاعی فرماتے ہیں یہ یمین ہے عورت کو کفارہ دینا پڑے گا۔ مسئلہ اگر مرد نے ظہار میں دن کی قید لگادی کہ آج کے روز تو مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہے تو ظہار نہ ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا۔ آیت میں من نسائھم کا لفظ ہے اس سے ثابت ہوا کہ ظہار خاص بیوی سے ہوسکتا ہے نہ لونڈی سے۔ اگر لونڈی کو ایسی بات کہے گا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ واوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا کس لیے کہ من نسائھم میں لونڈی داخل ہے وہ بھی مرد کی عورت ہے۔

فائدہ: آیت میں لفظ منکم عرب پر ایک طرح کی چوٹ ہے کس لیے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی جس سے خدا تعالیٰ نفرت فرماتا ہے اس لیے بعد میں صراحت کرتا ہے مَاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ کہ اس کہنے سے وہ ان کی مائیں نہیں ہوگئیں۔ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ مائیں تو ان کی حقیقۃً وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور حکم حرمت میں ان کے ساتھ وہ مائیں بھی شریک ہیں کہ جن کو شرع نے ماں کے قائم مقام کیا ہے جیسا کہ دودھ کی ماں جس کی نسبت ماں کا لفظ آیا ہے۔ وامھاتکم من الرضاعۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جن کی نسبت بھی ماں کا لفظ آیا ہے وازواجہ امھاتھم مگر یہ عورتیں نہ تو حقیقی مائیں ہیں نہ حکمی۔ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا یہ تو ایک بری اور جھوٹی بات منہ سے نکال دی ہے جس کی سزا کفارہ ہے اس لیے اس کے بعد کفارے کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں (ان کو ماں کی ظہر یعنی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) پھر وہ لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے یہ تمہاری نصیحت کے لیے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور جس کو بردہ یعنی غلام میسر نہ ہو تو بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں یعنی فقیروں کو کھانا کھلادے۔ یہ کفارہ ہے۔ اس کے بعد پھر بدستور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

ابحاث: (۱) ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔ محاورۂ عرب میں اس کلام کے دو معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کام کے برخلاف ہونا اور اسی کو بارِدگر کرنا کہتے ہیں۔ عادکما[1] فعل جب کہ اس کے کام کو بگاڑنا چاہے اور جب بارِدگر کرنا چاہے تب بھی یہی جملے بولتے ہیں اور ہر ایک کی نظائر موجود ہیں۔ یہ اس لیے کہ الی اور لام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کلام کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ پہلے معنی کی طرف (یعنی برخلاف مراد لینے کی طرف) جمہور مجتہدین گئے ہیں ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے اس سے پھرنا چاہیں اور برخلاف ہونا چاہیں تو کفارہ دیں۔ پھر ان پہلے معنوں کی تعیین میں کئی قول ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے وطی وغیرہ فوائد حاصل کرنا چاہیں تو کفارہ دیں کس لیے کہ ظہار سے بجز اس خاص فائدے کے اور کوئی فائدہ ممنوع نہیں ہوا۔ خانہ داری کے سب کام بعد ظہار بھی کرنے درست ہیں پھر عود کس چیز کی طرف ہے؟ اسی چیز کی طرف ہوگا جو فوت ہوگئی اور وہ وطی اور اس کے دواعی ہیں۔ (۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھہرا رکھنا یعنی جو شخص ظہار کر کے عود کرے کہ بیوی کو اس قدر زمانے تک اپنے پاس ٹھہرا رکھے کہ اس قدر زمانے میں طلاق دے سکے پس جب اس نے ظہار کر کے عورت کو رہنے دیا طلاق نہ دی تو بیوی پنے کا حق جو ظہار کرنے سے تلف کیا تھا پھر حاصل کیا۔ (۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ عود کہ جو کفارے کا باعث ہے ظہار کے بعد وہ صرف وطی کا قصد کرنا ہے۔ ظہار کے بعد جب یہ قصد کرلیا تو عود کیا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہا کے نزدیک کفارہ محض ظہار سے واجب نہیں بلکہ عود سے ان وجوہِ ثلاثہ میں سے کسی وجہ پر عود ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عود کی تفسیر یہ کی کہ نادم ہو اور الفت چاہیے۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ اور جو علماء عود کے دوسرے معنی لیتے ہیں یعنی بارِدگر

[1] ومنہ المثل عاد وغیث علی ما افسدای تدارکہ بالاصلاح کشاف۔ ۱۲ منہ

اس فعلِ ظہار کا کرنا تو ان کے نزدیک وجوبِ کفارہ کا باعث ظہار ہے نہ اور کوئی چیز پھر اس کے بھی کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ مکرر الفاظ منہ سے کہنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے نہ ایک بار کے کہنے سے جیسا کہ ابی عالیہ وداؤد ظاہری اور جمیع اہل ظواہر کا قول ہے ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے ثم یعودون لما قالوا پھر انہیں کلمات کو بارِدگر منہ سے نکالیں اور اعادہ کریں تو ان پر کفارہ ہے اور جو ایک بار کہا تو کچھ نہیں مگر یہ قول محض ضعیف ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنی ناراضی ان کلمات پر ظاہر فرمارہا ہے جو زمانۂ جاہلیت کی بات تھی۔ اس میں ایک بار کہنے سے بھی وہی جاہلیت کی ناشائستہ حرکت پائی گئی۔ دوم اس صحابی کا (کہ جس کی عورت کا آیات میں اشارۃً ذکر ہے) کسی روایت سے دوبارہ کہنا ثابت نہیں بلکہ اس نے ایک ہی بار یہ کلمات منہ سے نکالے تھے جس پر اس کی بیوی حیران و پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ (۲) یہ کہ صرف ظہار کے کلمات باعثِ ایجابِ کفارہ ہیں۔ یہ مجاہد و سفیان کا قول ہے، ان کے نزدیک ثم یعودون لما قالوا کے یہ معنی ہوئے کہ جو ایامِ جاہلیت میں کہا کرتے تھے اگر اب پھر کہیں تو کفارہ دیں۔ ان کے نزدیک والذین یظاھرون من نسائھم کا بیان ثم یعودون لما قالوا ہے کہ وہ جو ظہار کرتے ہیں اہلِ اسلام میں بارِدگر پھر اسی جاہلیت کی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔

کفارۂ ظہار: فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا۔ تحریر حر بنانا یعنی آزاد کرنا۔ رقبہ گردن۔ اس سے مراد گردن والا جز سے کل تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں ہر سر پیچھے یہ ہو۔ یعنی ہر شخص کے لیے۔ رقبہ سے مراد غلام لونڈی، تماس، ہاتھ لگانا۔ مراد عام ہے۔ ہاتھ لگانا بوسہ دینا' جماع کرنا سب کو شامل ہے۔ عموم الفاظ کی وجہ سے۔ صحبت کرنے اور اس کے اسبابِ عمل میں لانے سے پہلے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رقبہ مطلقہ ہے مومن ہونے کی کوئی قید نہیں، غلام ہو، کافر ہو یا مومن کالا ہو یا گورا آزاد کردینا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دوسری آیت میں رقبہ کو مومنہ سے مقید کردیا ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہوگا یعنی مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ مگر دوسری آیت میں جو قید تھی وہاں یہ قید قتل کے کفارے میں ہے جو سخت جرم ہے۔ اس کو یہاں لانا اور قیاس کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ من قبل ان یتماسا کے متعلق ایک اور بحث ہے۔ وہ یہ کہ آیت کا حکم یہی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت کو ہاتھ نہ لگائے مگر جو کسی نے لگایا اور صحبت کرلی تو پھر کیا حکم؟ اکثر علماء امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد حنبل وسفیان ثوری واسحٰق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ پہلے ہاتھ لگانا دوسرا گناہ[1] ہے اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں' استغفار کرے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں دو کفارے دینے ہوں گے۔ ذالك لتوعظون به یہ کفارہ یا غلام آزاد کرنے کا حکم تمہاری نصیحت کے لیے ہے تاکہ پھر ایسی بات نہ کہو۔ واللہ بما تعملون خبیر اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔ اگر کوئی یہ کلمات کہے کہ کفارے کے ڈر کے مارے نہ کرے گا تو کیا؟ اللہ تو جانتا ہے (یہ کفارے میں ایک بات تھی) فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا پھر جس کو غلام میسر نہ آئے تو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ ان روزوں میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے رکھے۔ اگر دس بیس روزے رکھ کر بیچ میں بیوی سے صحبت کرلی تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ رات میں نہ دن میں کفارے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا نہ چاہیے۔ عمداً تو عمداً اگر سہواً بھی کر بیٹھے گا تو ہٹ کر نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر رات میں بیوی سے صحبت کی تو اس سے تتابع میں فرق نہ آئے گا۔ امام مالک وامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تتابع نہ رہا۔ پھر نئے سرے سے رکھے

[1] اصحاب سنن اربعہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے صحبت کرلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نے کس لیے کیا اس نے عرض کیا چاندنی رات میں اس کی پازیب اور گوری پنڈلی دیکھ کر رہا نہ گیا فرمایا کفارہ دینے تک اس کے پاس نہ جانا۔ ۱۲ منہ

اور جو کسی عذر سے اس نے دو مہینے کے روزوں میں سے کوئی روزہ نہ رکھا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نئے سرے سے رکھے، بعض کہتے ہیں نہیں۔ پھر اگر بیماری یا بڑھاپے یا کسی معتبر عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا۔ صبح وشام دو وقت پیٹ بھر دے معمولی کھانا ہو اور معمولی کھانے والے ہوں۔ اور جو ان کو کھانا پختہ یا غیر پختہ دے کہ اپنے گھر جا کر کھالیں تو کس قدر فی کس دے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو گیہوں کا نصف صاع اور جو، چھوارے کا پورا صاع دے یا ان کی قیمت دے دے اور دلیل ان کی حدیث اوس ابن الصامت وسہل بن صخر کی ہے۔ جس میں نصف صاع گیہوں اور ایک صاع جو چھوارے دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اور نیز صدقۃ الفطر میں یہی مقدار آئی ہے۔ اور صدقاتِ واجبہ برابر ہیں۔ یہ حدیثیں ابوداؤد احمد طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر ایک مسکین کو ایک مد دے جو مد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وزن ہو اور وہ ایک رطل اور ثلث مقدار کی ہے۔

مسئلہ اگر ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو دے گا تو کافی ہوگا اور اگر ساٹھ روز کا ایک فقیر کو ایک ہی روز دے دے گا تو یہ صرف ایک روز کا دینا سمجھا جائے گا۔ (ہدایہ) آیت میں جہاں کھانا دینے کا ذکر ہے اس جگہ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں جیسا کہ غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تھی۔ اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہر چند کھانا پہلے کھلانا واجب ہے اور جو کسی نے کھانا کھلانے سے پہلے صحبت کر لی تو یہ کفارہ کافی ہو جائے گا یعنی ہنوز مساکین دوسرے وقت کا کھانا نہ کھانے پائے تھے اس نے صحبت کر لی برا کیا استغفار کرے مگر کفارہ ادا ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گو اس جگہ قید من قبل ان یتماسا مذکور نہ ہو مگر اس سے پہلے دو چیزوں کے ادا کرنے میں مذکور ہو چکی ہے یہاں بھی وہی مراد ہے یہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔

جمیع آیت سے متعلق بحث : اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ الخ ارشاد فرمایا جس سے کئی باتیں پیدا ہوئیں۔ (۱) ثم یعودون لما قالوا یہ تحریر رقبہ الخ کا سبب ثابت ہوتا ہے جس لیے تحریر پر ف سببیہ آئی۔ پھر اگر کوئی ظہار کر کے رجوع کرنا نہ چاہے تو کفارہ لازم نہ ہوگا کیا عورت کو عمر بھر یوں ہی لٹکائے رکھ سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں عورت کفارہ ادا کئے بغیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دے اور مرد کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے۔ کس لیے کہ ادا نہ کرنے میں عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں حاکم سے رجوع کر کے کفارہ ادا کرائے۔ (کبیر)۔

(۲) من نسائهم کے لفظ میں وسعت ہے کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں اور چاروں کو ایک بار خطاب کر کے یہ کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہو یعنی حرام۔ یہ چار ظہار گنے جائیں گے اور چار کفارے دینے پڑیں گے جس سے صحبت کرنے کا قصد کرے گا پہلے کفارہ دے گا جیسا کہ ایک ساتھ سب کو طلاق ہو سکتی ہے ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ وشافعی وحسن بصری وزہری وثوری وغیرہم رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام مالک وامام احمد حنبل کہتے ہیں ایک کفارہ دینا ہوگا اور عمر وعلی رضی اللہ عنہما وطاؤس وعطاء رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ لوگ یمین باللہ پر قیاس کرتے ہیں ایلاء میں۔ فتح القدیر

(۳) اگر کوئی ایک بار ظہار کر کے اور کفارہ دے کر پھر ظہار کرے تو فائدہ: سببیہ یہ کہہ رہی ہے کہ کفارہ دینا ہوگا تکرارِ علت سے معلول مکرر ہوگا (ہدایہ) کفارے کے بعد پابندیِ احکام کی بابت تاکید فرماتا ہے۔ فقال ذالك یہ تعلیمِ احکام اس لیے ہے کہ اللہ اور رسول پر بجا آوریِ احکام میں ایمان لاؤ اور اس کے حدود پر قائم رہو اور کافروں کو عذابِ الیم ہے اور خدا کو ناخوش کرنے والے عزت نہیں پاتے۔ ایک روز وہ ذلیل ہوں گے جیسا کہ پہلے لوگ ہوئے۔ ہم نے آیاتِ بینات نازل کر دیں ان کو جو نہ مانے اس پر خدا کی مار اور ذلت کا عذاب ہے۔ اس روز ان سب کو اللہ اٹھا کر ان کے اعمال بتائے گا اللہ نے ان کو لکھ رکھا ہے یہ بھول گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک سب چیز حاضر ہے۔

اس میں مسئلۂ معاد بھی کس لطف سے ثابت کر دیا اور آخرت کا ذکر بھی جو انسان کو نیکی پر تحریک دلاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ
اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ
مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۭ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ
یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر ان کو قیامت کے روز بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے کیونکہ اللہ ہر شے سے واقف ہے کیا آپ نے (اے رسول!) ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا تھا پھر بھی وہ اس سے باز نہیں آتے اور گناہ اور سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لیے مخفی مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے ان کلمات سے صاحب سلامت کرتے ہیں کہ جن سے اللہ نے نہیں کی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں) کس لیے اللہ اس پر ہم کو عذاب نہیں دیتا ان کے لیے جہنم بس ہے جس میں وہ گریں گے پھر وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : مایکون جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من سعۃ علمہ۔ یکون من کان التامۃ وقرئ تکون من التاء اعتبار التانیث النجوٰی وان کان غیر حقیقی۔ نجوای مصدر کالتناجی وقال الزجاج النجٰی مشتق من النجوۃ وھی ماارتفع من الارض فان السرا مرمرتفع عن استماع الغیر کالارض المرتفعۃ لارتفاعھا انفصلت عن اتصال الغیر۔ ثلاثۃ مجرور باضافۃ نجٰی الیہ اوعلی انھا موصوفۃ بھا بتقدیر مضاف الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال۔ ولاخمسۃ ای ولانجٰی ولا اکثر معطوف علی[1] العدد ویقرء بالرفع علی الابتداء۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ کہ اللہ کے نزدیک ہر چیز حاضر وموجود ہے۔ اب اس جگہ اس وسعتِ علمی کی تشریح فرماتا ہے تاکہ ہر مکلف کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت، کوئی دلی خطرہ بھی خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ جزا دے گا۔ اس بات پر یقین آنا انسان کا بڑا ہادی اور منہیات سے منع کرنے والا ناصح مشفق ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ کہ کیا اے انسان تو نہیں دیکھتا (کس لیے کہ اس بات کے دلائل تیرے آگے ظاہر ہیں پھر جاننا بمنزلہ دیکھنے کے ہے اور یہ بات محسوس ومشاہدہ ہوگئی ہے) کہ اللہ کو آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں معلوم ہیں۔ انسان کی مخفی اور مشورۂ نہانی کی باتیں بھی اس کو معلوم ہیں جہاں تین شخص مل کر مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ چوتھا ان کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور جو چار ہوتے ہیں تو وہ پانچواں ہوتا ہے اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ (غالباً مخفی مشورہ میں کم ہی آدمی ہوا کرتے ہیں جن کی اکثر یہ تعداد یہ ہوتی ہے) خواہ کم ہوں خواہ زیادہ ہر حال میں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز بتا دے گا کہ کیا کرتے

[1] منصوب علی ان لانفی الجنس۔ ۱۲ منہ

تھے، وہ ہر بات جانتا ہے۔ مخفی مشورے کے ذکر کے بعد خاص مشورہ ہی کی بابت ایک مناسب حکم دینے کا موقع آ گیا اس لیے بری باتوں کے لیے مخفی مشورت اور کانا پھونسی کی ممانعت کس عمدہ پیرائے میں بیان فرماتا ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى کہ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ جو مخفی مشورہ سے منع کیے گئے تھے وہ باز نہیں آتے، پھر کرتے ہیں اور کس بات کی کانا پھونسی کرتے ہیں؟ گناہ اور بغاوت کی، رسول کی نافرمانی کی اور اسی پر بس نہیں جب وہ اے رسول! تیرے پاس آتے ہیں تو سلام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نہیں کیا خدا نے سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی فرمایا ہے اور السلام علیکم سنت قرار پائی ہے مگر یہ کمبخت ان لفظوں سے سلام نہیں کرتے یا تو السام[1] علیک زبان دبا کر کرتے ہیں یا انعم صباحاً وغیرہ الفاظ۔ اور جب مجلس سے باہر جاتے تھے تو دلیری سے کہتے تھے خدا ہماری باتوں پر ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ ان کو جہنم کی سزا ہے مگر دنیا میں جلدی نہیں کرتا وہ بہت بری جگہ ہے۔

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینے کے منافق اور بنی قریظہ و بنی نضیر کے یہود جو آس پاس رہتے تھے مسلمانوں کو حیران و پریشان کرنے کے واسطے لوگوں کو دکھا کر دو چار الگ بیٹھ کر سرگوشی کرتے اور آنکھوں بھوؤں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس وقت بدامنی تھی، کفار کا غلبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تھا مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ جو شعائرِ اسلامیہ ہے کہیں السام علیک کہیں انعم صباحاً[2] کہتے تھے مقصود خلاف کرنا ہوتا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس

[1] سام موت مدینے کے یہود ایسا کرتے تھے۔ بدبخت لوگوں میں ایسی کمینگی اور چالاکی اور گستاخی کی عادت اخلاقِ کریمانہ کی جگہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اسلام کا آسمانی قانون جس طرح روحانی اور اخلاق امور کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح بعض رسمی اور علامتی باتوں کو بھی بڑے زور سے قائم کرتا ہے خصوصاً ان اوضاع واطوار کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے جو اسلامیوں کے نشان اور علامات قرار دیے گئے ہیں (جیسا کہ ڈاڑھی رکھنا مونچھیں کترنا ناخن لینا زیر ناف کے بال لینا ختنہ کرنا آپس میں بوقتِ ملاقات السلام علیکم کہنا) اس کا غلبہ اور قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں پیروی کریں اوروں کو جھکاتا ہے مبتذل اور فاحشہ کی طرح ایک نئی طرف آپ اپنے کپڑے اور وضع بدل کر جھکنا نہیں چاہتا دیکھو آج کل شوکتِ انگریزی لوگوں کو اپنی زبان واوضاع کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ ملکی مصلحت یہ تھی کہ خود انگریز رعایا کی زبان واطوار کا تتبع کرتے۔ ۱۲ منہ

کے پاس تم کو پھر جانا ہے (یہ) سرگوشی تو صرف شیطانی بات ہے تا کہ ایمانداروں کو رنج ہو حالانکہ بغیر حکم اللہ کے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو! جب تم کو کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو خدا تم کو فراغی دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔ تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے کہ جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : لیحزن خبر آخر لانما النجوٰی والاول من الشیطان والذین اوتوالعلم فی محل النصب لکونہ معطوفا علی الذین آمنوا درجات منصوبۃ بالتمیز۔

تفسیر : پہلے مخفی مشاورت کی برائی بیان ہوئی تھی اب یہاں مسلمانوں کو مشورے کی بابت حکم دیتا ہے۔ فقال یاایھاالذین آمنوا الخ کہ مخفی مشورہ بالکل ممنوع نہیں ہاں اگر ہو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی بابت نہ ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے لیے ہونا چاہیے اور اگر مصالحِ دنیاویہ کی بابت ہو بشرطیکہ گناہ اور بغاوت اور نافرمانیِ رسول نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اسی کے پاس جمع ہونا ہے قیامت میں یا مرنے کے بعد عالمِ ارواح میں۔ اب اس پہلے مخفی مشورے کی حالت بیان فرماتا ہے۔ انما النجوٰی الخ کہ وہ مشورہ شیطانی اور مسلمانوں کو رنج دینے کے لیے ہے اور خدا کی مرضی بغیر اس سے ضرر تو کیا دے سکتے ہیں؟ اور ایمانداروں کا اللہ ہی پر بھروسا ہوتا ہے۔ وہ مخفی مشورہ اور اشاروں کی کچھ پروا نہیں کرتے یعنی نہ کرنا چاہیے۔

آدابِ مجلس: مخفی مشورہ جس طرح مجلس میں حضارِ جلسہ کی پریشانی و رنج کا باعث ہے بلاضرورت کرنا وہ ممنوع کیا گیا اسی طرح مجلس میں پہنچ کر بیٹھنا اور آنے والے کو جگہ نہ دینا یا خواہ مخواہ جگہ تنگ کرنے کے لیے اڑ جانا بھی اہلِ مجلس اور قومی جماعت اور سردار کو رنج دینے والی بات تھی اس لیے اس کی بھی اصلاح کرنی ضرور تھی فقال یاایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا الخ یہ نشست و برخاست کی بابت دو حکم ہیں جو سراپا تہذیب ہیں۔ (۱) یہ کہ جب مجالس میں (عام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو یا کسی دینی بزرگ کی یا وعظ و پند کی یا مصالحِ دینی و دنیوی میں مشورہ کرنے کی یا کوئی تدبیر ملکی و مصلحتِ قومی کی) تنگ ہو کر نہ بیٹھو اور جب تم کو سردار کشادہ ہونے کا حکم دے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہارے لیے کشائش عطا کرے گا دنیا میں اور دنیاوی امور میں، قبر میں، آخرت میں، فہم و عقل میں، دائرۂ محبت و اخوتِ اسلامی و قومی میں۔ مجلس میں کھل کر بیٹھنے سے دائرۂ محبت و تہذیب کھل جائے گا۔ (۲) واذا قیل انشزوا الخ کہ جب تم کو سردار جانے کے لیے کہے تو چلے جاؤ حکم سن لیا جو کام تھا کر لیا چل دیے، اژدہام کرنے کو اڑ کر نہ بیٹھو کہ سردار پر اور دیگر آنے والوں پر شاق گزرے۔ دعوت و عیادت میں بھی زیادہ جم کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ تم سردار کے کہنے سے مجلس سے اٹھ کھڑے ہو گے تو خدا تمہارے میں سے ایمانداروں بالخصوص علم والوں کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یعنی تم اٹھنے میں جو بلند ہوتے ہو تو درجے میں بھی بلندی حاصل کرتے ہو۔ عجب پرمعنی لفظ ہے یہ بھی اور اس سے پہلا یفسح اللہ بھی۔ اس آیت میں اہلِ مجلس کے مراتب بھی اشارۃً بیان کر دیے کہ اسلامی مجلس میں ترجیح ایمان و علم سے ہے نہ کثرتِ مال و اسبابِ وزن و فرزند سے۔ علم کے فضائل احادیثِ صحیحہ میں اس قدر بیان ہیں کہ جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیے۔

مباحث : (۱) مشورہ اور ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا شاورھم فی الامر فرمایا۔ نجوٰی اور چیز ہے۔ نجوٰی بھی مشورہ ہے مگر مخفی اور تھوڑے آدمیوں میں ہوتا ہے اور مشورے میں یہ قید نہیں بلکہ کبھی وہ علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے ہوتا ہے راؤں میں سقم و صحت دریافت کرنے کے لیے جو کسی خاص بات میں دی جاتی ہیں۔ یہ عمدہ چیز کس لیے کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف ذہنوں اور دماغوں کا (جو مختلف تجربے اور کامیابی و ناکامی کی ورزش کیے ہوئے ہوں) کسی بات پر توجہ کرنا مجموعی قوت کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت جو آسمانی سلطنت کے نام سے بائبل میں نامزد کی گئی ہے اسی مشورے پر مبنی تھی اور جمہوری تھی مگر رفتہ رفتہ بعدِ زمانۂ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یا قومی نحوست و بدبختی سے جس طرح اور باتوں میں فرق آتا گیا اس میں بھی آیا سلطنت شخصی رہ گئی جس میں ایک ہی شخص پر تمام بار پڑتا ہے۔ اگر وہ لائق اور مدبر اور اولوالعزم ہو تو اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کیے اور اس کے مرتے ہی وہ چراغ گل ہو گیا اور اگر جمہوری ہوتی تو کیوں چراغ گل ہوتا اور نیز شخصی سلطنت میں بادشاہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وہ لہو ولعب، جور و ظلم خلافِ قانونِ مذہب و ملت خلافِ دستور جو چاہے کر سکتا ہے۔ خزانہ شاہی خاص اس کی ملک ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ اس کے شہوانی اور آسائشی کاموں میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کو انتظام ملک و تدابیرِ سلطنت و بقائے قوتِ اعوانیہ و تحفظِ جماعت و نظر، قوانین سلطنت و ملک و ملت و انتخابِ کارکنانِ سلطنت کے لیے کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ اس غافل کے کارکن وقت کو غنیمت جان کر خوب دست برد کرتے ہیں اس لیے ملک برباد سلطنت تمام ہو جاتی ہے اور نیز بدخواہانِ سلطنت یہ سمجھ کر اس ایک شخص کے مارنے سے ملک ہاتھ لگتا ہے مارنے میں کوشش کرتے ہیں جس لیے بادشاہ اپنی جان کو سپاہیوں کی حفاظت میں رکھتا ہے اور کھانے پینے، پھرنے چلنے میں اس کی آزادی جاتی رہتی ہے وہ ایک قیدی یا ایک بیمار ہوتا ہے جو ہر کہیں نہیں جا سکتا، نہ ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا کھا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی بیوی اور اولاد اور خاندان سے بھی اطمینان نہیں رہتا۔ یہ کیسی مصیبت ہے؟ اگر جمہوری ہو تو اس کا بوجھ بھی بٹ جائے اور نہ کوئی اس کے مارنے کا قصد کرے نہ اس کے مرنے سے اپنی کامیابی تصور کرے کیونکہ جانتا ہے قوم کو اختیار ہے جو بعد میں بھی باقی ہے۔

ہمارے بادشاہوں نے باغ لگائے، سڑکیں بنائیں، قلعے مستحکم چنائے مگر ایسے پودے نہ لگائے کہ ان کی چھاؤں میں ملک و سلطنت کو بیٹھنا نصیب ہوتا یعنی جمہوری کرنے کے لیے قوم و ملک میں ایسے حوصلے اور علوم کارآمد شائع نہ کیے کہ جس سے عمدہ افراد پیدا ہوتے اور ہر شخص ملک و سطنت کو اپنی جان کر سچی ہمدردی اور کامل سرگرمی کرتا۔

نجوٰی یعنی کانا پھونسی اور وہ بھی ایک مجلس میں خصوص بڑے شخص کے سامنے دینی و دنیاوی شہنشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بدمعاشوں اور چوٹوں کا کمینہ فعل ہے اس لیے اس کو من الشیطان اور مومنین کو رنج رساں کہا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اذا تناجیتم الخ اس پیرایہ سے ذکر کیا کہ جس سے نجوٰی کی کوئی خوبی اور بہتری نہیں نکلتی کیونکہ یوں فرمایا کہ اگر سرگوشی کرو یا جب کبھی سرگوشی کرو تو بری باتوں کے لیے نہ کرو اچھی باتوں کے لیے کرو وتناجوا بالبر الخ اس تقدیر پر پہلے کلام کا تتمہ ہے مستقل حکم نہیں۔

(۲) اثم گناہ۔ عدوان، سرکشی، بغاوت، معصیت الرسول رسول کی نافرمانی، یہ تین باتیں ہوئیں بظاہر تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں، گناہ سب کو شامل ہے مگر گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک بندوں کی حق تلفی ان پر ظلم و زیادتی، دوسرے خدا تعالیٰ کے گناہ نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا وغیرہ گناہ کی تفسیر بالتفصیل عدوان کے ساتھ اور دوسروں کی معصیت الرسول کے ساتھ کی۔ کس لیے کہ ان امور کا ثبوت کہ جن کے ترک و فعل سے گناہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہے بوحیِ متلو یا غیر متلو اور اس میں باریک فرق ہے جس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

(۳) بر نیکی نیک سلوک کرنا تقویٰ پرہیزگاری برعدوان کے مقابلے میں اور تقویٰ معصیت الرسول کے مقابلے میں ذکر کی اور جس طرح اثم نہی میں دونوں کو شامل تھا اسی طرح یہاں امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہے اور اللہ کی صفت میں الذی الیہ تحشرون کا ذکر منہی عنہ سے بچنے اور مامور کے بجالانے کا باعث ہے کیونکہ جب انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جمع ہونا اور بندوں کے حقوق کا مطالبہ ہونا اور اپنے گناہوں سے بھی پوچھا جانا ہے تو بری باتوں سے بچے گا اور نیک باتوں کو کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ ع ٢

اے ایماندارو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور ستھری بات ہے پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈرتے ہو۔ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : اذا ناجیتم الخ شرط فقدموا جوابہ والجملۃ نداء بین یدی بمعنی قبل ای قبل نجوٰکم۔ ھو ظرف لقدموا وصدقۃ مفعولہ۔ ذٰلک مبتداء خیر لکم خبرہ واطھر خبر بعد خبر وشفقتہ مہربانی شفق کذلک۔ اشفاق ترسیدن از کسے یا چیزے از مہربانی بروے صلہ بعلٰی وبمعنی ترسیدن از کسے وصلتہ بمن۔

تفسیر : پہلے صرف سرگوشی کی برائی بیان فرمائی تھی کہ یہ شیطانی کام اور رنج دہندہ بات ہے۔ خیر یہ تو ان کی باہمی مشورت کے لیے حکم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو وحشت دلاتے تھے۔ مگر منافق تو عجب حیلہ گر تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنی اختیار کی۔ بات کچھ نہیں یوں ہی مشیخت جتانے کے لیے اور اس لیے کہ اس عرصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و پند تلقین کرنے کا موقع نہ ملے نہ مسلمانوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ آپ سے کچھ مخفی عرض کرنا ہے۔ کان جھکا کر اِدھر اُدھر کے قافیے ملانے لگتے۔ آپ سراسر اخلاقِ مجسم تھے۔ جانتے تھے کہ بیہودہ کام کی بات میں مشورہ نہیں مگر پھر بھی اخلاقِ کریمانہ سے کسی کی دل آزاری بھری مجلس میں پسند نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر شاق گزرتا تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ ایک خاص حکم اس بارے میں نازل فرما دیا۔ فقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ الخ کہ اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

ایسی سرگوشیاں منافق کیا کرتے تھے مگر رسول پاک ﷺ کے تو اخلاق کریمانہ تھے ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری و دلجوئی کو دیکھو یہ نہ فرمایا کہ اے منافقو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ اس میں کئی باتیں بری پیدا ہو جاتیں۔ ایک تو ان منافقوں کا پردہ کھل جاتا۔ دوسرے منافق کہنے میں ان کو بڑی ندامت و شرمندگی اور رنج ہوتا۔ تیسرے اخلاص اور ایمان کی امید ان سے منقطع ہو جاتی کس لیے کہ جب اللہ نے ان کو منافق کہہ دیا تو پھر مؤمن کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے بہت لوگ اخیر میں مخلص اور سچے ایماندار ہو گئے گویا آمنوا کے لفظ سے یاد کرنا ان کے حق میں نیک فالی اور ایک طرح کی پیشین گوئی اور ایک مژدہ تھا۔ چوتھے ان میں منافقوں ہی کی تخصیص ہو جاتی، ایمانداروں کے لیے یہ حکم نہ ہوتا حالانکہ ان کے لیے بھی تھا کس لیے کہ رسولِ خدا ﷺ سے ہر کس و ناکس کا ہر بات میں مخفی طور سے سرگوشی کرنا منصبِ رسالت کے کاموں میں حرج کرنا ہے اور رسول کو اس کے اعلیٰ مقاصد سے روکنا ہے۔ فی الجملہ یہ بھی ایک قسم کی خطا ہے جس کا کفارہ اس کے وقوعہ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا یعنی یہاں ادھار نہیں نقد انقد ہے۔ پہلے صدقہ دے لو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرو۔ پانچویں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب ہم نے مسلمانوں کو ان کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں صدقے کا حکم دیا تو منافقوں کو کیوں نہ ہو کہ وہ نہ دیا کریں۔ کیا پر حکمت بول چال ہے۔ انہیں باتوں کی رعایت رکھنا تو اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اس صدقہ دینے کے حکم میں چند مصلحتیں ہیں۔(۱) ایک تو یہی کہ اس حرج کا کفارہ ہے۔(۲) یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔(۳) مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہے۔(۴) سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد ہے۔ پہلے تو مفت مفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کہہ دینا آسان بات تھی مگر اب تو صدقہ دینا پڑا اس لیے یہ سرگوشی بہت کم ہوگئی اور کس لطف کے ساتھ کم کی گئی؟ دنیا کے عقلاء جب کسی بات کی قلت اور اس کا انسداد چاہتے ہیں تو دفعۃً اس کے بند اور معدوم کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس پر کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا فیس قائم کر دیتے ہیں جس کی صدہا نظایر آج کل موجود ہیں۔ قرآن روحانی اخلاق تو سکھاتا ہی ہے دنیاوی تدابیر بھی تعلیم کرتا ہے۔ نیک لوگوں نے اس مسئلہ کو اپنے اخلاقِ ذمیمہ کم کرنے پر بہت برتا ہے اور خوب عمدہ نتائج پیدا کئے ہیں۔ کسی بزرگ نے التزام رکھا تھا کہ اگر کسی کی غیبت یا کوئی جھوٹی بات یا کوئی ایذا دہندہ کلمہ منہ سے نکلے گا تو سات روزے رکھوں گا دو ایک بار روزے رکھے پھر نفس کو خبر ہوگئی زبان بھی کھل گئی اسی طرح اور باتوں پر بھی ایسے احکام لگا رکھے تھے ایسے باخدا اپنی اصلاح میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور یہی جہادِ اکبر ہے جس نے نفس پر اس کی شہوانی خواہشوں کے روکنے میں فتح پائی اس نے اقلیمِ جاودانی کو حاصل کرلیا۔

فائدہ: آیت میں اس صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہ ہوئی کہ کس قدر؟ اور نہ تعیین کہ کیا چیز دے اور کس کو دے۔ ان سب باتوں کو سہولت کے لیے عرف پر چھوڑ دیا اور صدقہ نکرہ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ مسئلہ: یہ صدقہ کیا واجب تھا یا مندوب؟ بعض علماء کہتے ہیں واجب تھا بعض کہتے ہیں مندوب تھا، آیت کے اخیر الفاظ بتا رہے ہیں جیسا کہ فان لم تجدوا۔ واشفقتم الخ خیر جو کچھ ہو مگر کیا یہ حکم اخیر تک باقی رہا تھا یا منسوخ ہوگیا تھا؟ اکثر علماء کہتے ہیں پھر منسوخ ہوگیا تھا اور یہ اخیر جملے جو بعد میں نازل ہوئے تھے ناسخ ہیں اور وہ یہ ہیں فان لم تجدوا الخ اور اشفقتم الخ اور یہ سرگوشی کی عادت بھی جاتی رہی تھی جو مسلم کہتے ہیں جن جملوں کو ناسخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کے مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح پھر کیونکر ناسخ، کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا اس کی وجہ سے یہ فعل بھی جاتا رہا اور بہت سے منافق رفتہ رفتہ مخلصین ہوگئے۔

صدقے کی نسبت فرمایا تھا ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ بہتر میں۔ چار اخیر مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے اور اطہر میں پہلی مصلحت کی طرف۔ پھر فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ فقال اَاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات کہ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنی نہ ڈرو صدقہ دو صدقے میں بہتری اور پاکیزگی ہے فاذ لم تفعلوا۔ پھر اگر نہ کرو جیسا کہ فان لم تجدوا میں ذکر تھا۔ یعنی بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تاب اللہ علیکم اللہ نے تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اقیموا الصلوٰۃ الخ نیک کام کیا کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

فائدہ: پہلے تو صدقہ مفرد لفظ فرمایا تھا کس لیے کہ حکم کے وقت مامور بہ کو تھوڑا دکھانے میں مکلف کی ہمت بڑھتی ہے کہ یہ تھوڑی سی بات ہے اسے کرلوں گا مگر اخیر میں بلحاظ افراد مخاطبین یا افراد صدقہ جمع کا لفظ صدقات ارشاد فرمایا۔ فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں خصوصاً جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں کہ فاذ لم تفعلوا میں بیمقدوری سے صدقہ نہ دینا مراد نہیں کس لیے کہ اگر یہ ہوتا اقیموا الصلوٰۃ کے بعد آتوا الزکوٰۃ نہ فرمایا کس لیے کہ مفلس کیا زکوٰۃ دے گا جو تھوڑا سا صدقہ نہ دے سکا؟ بلکہ حکم کو منسوخ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس تقدیر پر یہ پہلی آیت کی تصریح و تاکید نہیں بلکہ جدید حکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ
سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر رکھی ہے کہ جن پر اللہ کا غضب ہے یہ منافق نہ تمہارے ہیں نہ ان کے اور جان بوجھ کر جھوٹ پر قسمیں کھایا کرتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ اپنی قسموں کو آڑ بنالیا ہے سو (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولادیں کچھ کام آئیں گی۔ یہ دوزخی لوگ ہیں سدا اس میں رہا کریں گے۔ جس دن کہ اللہ ان سب کو قبروں سے اٹھادے گا تو اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی کہ تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم رستے پر ہیں۔ دیکھو یہ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے قابو پالیا ہے جس لیے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی یہی شیطان کا گروہ ہے۔ دیکھو شیطان کا گروہ ہی تو خسارے میں ہے۔

ترکیب: مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ جملۃ مستانفۃ او حال من فاعل تولوا ویحلفون عطف علی تولوا داخل فی حکم التعجب وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی تکرار الحلف وتجددہ۔ وھم یعلمون حال من فاعل یحلفون لتفید شناعۃ قولھم لان الحلف علی ما یعلم انہ کذب فی غایۃ القبح۔ یوم یبعثھم قیل ظرف لقولہ تعالیٰ لھم عذاب مھین۔

۱ وھم یعلمون کی قید سے جاحظ کا قول غلط ہوگیا جو کہتا ہے کہ خلافِ واقع بات کہنے سے جب جھوٹ ہوگا کہ جب جانتا بھی ہو کہ یہ خلافِ واقع ہے کس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ھم یعلمون مکرر الفاظ ہوجاتے بلکہ ثابت ہوگیا کہ جھوٹ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ بے خبری میں خلافِ واقع بات کہے یہ دوسرے سے پہلے سخت ہے۔ ۱۲ منہ

۲ انسان کا ملکات روحانیہ پر قائم نہ رہنا کبھی اوناسِ بہیمہ کی طرف مائل ہونا کبھی ملکوتیہ کی طرف یہ بھی اہلِ طریقت کے نزدیک نفاق ہے اہل شریعت کے نزدیک دل میں کچھ ہو زبان سے اور کچھ کہے نفاق کا شعبہ ہے اور روایت میں منافقوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو زبان سے کلمۂ توحید پڑھتے تھے باطن میں کافر تھے۔ ۱۲ منہ

۳ استحوذ لم یبدل الواؤ بالالف مع وجود الفائدۃ۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں منافقوں کے اعمالِ بد کا ذکر تھا جو اہلِ ایمان کی ایذاء اور پریشانیِ خاطر کے باعث ہوتے تھے یعنی کانا پھونسی کرنا۔ اب اس جگہ ان کی دوسری بدعات ایذا دینے والی ذکر کرتا ہے تاکہ اس سے باز آئیں اور دیگر مسلمان بھی دور رہیں فقال الم تر الخ اور وہ بدبات یہ تھی کہ منافق اس قوم سے (کہ جس پر غضبِ الٰہی ہے یعنی یہود) مخفی یارانہ رکھتے تھے اور اس یارانے میں بھی سچے اور قائم نہ تھے نہ یہود کے ساتھ نہ اہلِ اسلام کے ساتھ۔ مذبذبین بین ذٰلك اور مسلمانوں کے روبرو آکر جھوٹی[1] قسمیں کھایا کرتے۔ یہ مجموعہ ناپسند اور ایذا وہ کام تھا۔ اگر یارانہ یہود سے کیا تھا تو صاف کہہ دیتے مسلمان پھر ان سے بھی خبردار رہتے۔ اس سازش کو چھپانا اور بھی ظلم تھا۔ اس نکوہیدہ بات کو تعجب کے صیغوں میں بیان فرمایا کہ اے نبی! تم نے وہ لوگ بھی دیکھے جو ایسا کرتے ہیں؟ اس سے مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا دریافت کرنا نہیں بلکہ یہ محاورہ تعجب اور افسوس کے لیے ہے۔ یہود کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہہ دیا کہ ان سے ملتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یہ اس لیے کہ یہود سے بالذات ملنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مقہور قوم ہے۔ مقہور اور مدبر لوگوں کے ساتھی ہونے میں انسان خود بھی قہرِ الٰہی میں آجاتا ہے۔ ڈوبتی کشتی کا بچانے والا آپ بھی ڈوبتا ہے۔ یہ ایک بڑی کارآمد بات ہے۔ کبھی بداقبال اور مقہور لوگوں سے میل جول نہ کرے۔ یہود ایک متبرک اور خاندانی قوم تھی، دینی اور دنیاوی دونوں جہت سے مگر جس طرح ہر حادث کی عمرِ طبعی ہے قوی اقبالوں کی بھی ہے ان کے اقبال کی عمر ہو چکی تھی۔ مدت سے ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ سخت اندھیریوں کے عمیق گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اپنے بزرگوں پر تفاخر اور خاندان پر ناز ان کا مایۂ بساط تھا اور اس لیے من گھڑت منصوبے بھی باندھ رکھے تھے کہ ہم انبیاء زادے ہیں، دوزخ ہمارے لیے نہیں کس لیے کہ ہم نبی کا جزوِ بدن ہیں اور نبی کا جزوِ بدن جہنم میں نہیں جائے گا۔ ہم جو چاہیں کریں، بھلا دوسرے خاندان کے کسی شخص کو ہم مانیں؟ (افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں کی اس کے قریب قریب نوبت آگئی ہے خصوصاً مصنوعی سید اور نالائق بزرگ زادے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں اور بادشاہوں اور امیروں کی بداقبال اور کمبخت اولاد لاف زنیوں کو فوزِ مرام کا وسیلہ جانتی ہے خود کچھ بھی نہیں ہوتے) اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ مدینے کے پاس ان کے دو قبیلے رہتے تھے۔ یہ مدینے کے منافق ان سے ملا کرتے تھے اور برائیاں کیا کرتے تھے۔ ان قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال یا آڑ بنا رکھا تھا۔ فرماتا ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے اولاد و مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے خدا کے دشمنوں سے یارانہ کرتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں، ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو بارِ دگر زندہ کرے گا یعنی قیامت میں وہاں بھی اپنی عادت کے موافق اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے لیے کھاتے ہیں؟ اور جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں، مگر جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غالب آگئے ہیں اس لیے اللہ کو بھول گئے، یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ خسارے میں ہے۔ تقدیر پھوٹے کمبخت لوگ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ
أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ

[1] چنانچہ سدی و مقاتل کہتے ہیں کہ عبداللہ بن نبتل منافق آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا پھر یہود میں جا کر باتیں بنایا کرتا اور عیب جوئی کرتا اور برا بھلا کہتا ایک بار آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا تو کس لیے اور کس بات پر برا بھلا کہتا ہے قسمیں کھانے لگا اس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے جس کو بعض مفسروں نے یوں تعبیر کیا کہ اس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ۱۲ منہ

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ
حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ع ۲

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں وہی ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہوں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے مدد بھی کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش۔ یہی ہے اللہ کا گروہ دیکھو اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہو کر رہے گا۔

ترکیب : اولئك الجملة خبر ان الذين لاتجد اما متعدالی اثنين فقوله تعالیٰ يوادون مفعوله الثانی واما متعدالی واحد فقوله يوادون حال من مفعوله لتخصصه بالصفة وقيل صفة لقوم ولو كان متصلة بقوله لاتجد الخ اولئك مبتداء كتب خبره وايدهم ويدخلهم معطوف عليه۔

تفسیر : یہ کفار کی اسی دوستی کے متعلق بیان ہے کہ جس کا پہلے بیان ہوا تھا کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے اور جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں۔ منافق یہود سے یارانہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اس سے ہم کو عزت ہوگی اور ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ انہیں دونوں باتوں سے ان کا محروم رہنا بیان فرما دیا۔ پہلی بات کا أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ میں ان کا ذلیل ہونا ظاہر ہے کس لیے کہ عزت والا خدا تعالیٰ ہے ایسے عزت دار کے مخالف کو ذلت کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری کا كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي میں اللہ کے دفتر میں لکھا گیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بعض رسول منکروں کے مقابلے میں گو سرِ دست مغلوب ہو گئے تھے مگر انجام کار وہ منکر ہلاک و برباد ہوئے اس رسول کے گروہ کے لوگ غالب آئے۔

اس کے بعد کفار و مشرکین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ فقال لاتجد قوماً الخ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر ایک اہلِ بصیرت! تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے لوگوں کو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوں خواہ ان کا باپ ہو یا بیٹا ہو بھائی ہو یا برادری ہو۔ وہ سچے ایماندار کبھی ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں۔ اس میں ان کا بھائی ہو یا باپ یا بیٹا کوئی کیوں نہ ہو وہ کسی کی اللہ کے مقابلے میں پروا نہیں کرتے۔ پھر ان سچے ایمانداروں کے (جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بیٹے باپ برادری کی پروا نہیں کرتے) چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) كتب الله الخ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان قائم کر دیا۔ ان کے الواحِ قلوب پر ازلی قلم سے ایمان لکھا گیا وہ صرف زبانی ایمان والوں میں نہیں۔ (۲) ايدهم بروح منه کہ ان کی اپنے ہاں کی روح سے مدد کی روحِ مؤید کے علما نے کئی ایک معنی بیان فرمائے ہیں۔ نورِ قلب، قرآن مجید دشمنوں پر فتحیابی ان سب کو روح کہا گیا اور ایسے ایمانداروں کی تائید ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر ایمان کی طرف پھرتی ہے یعنی ان کی روح[1] ایمان سے مدد کی۔ کاتب الحروف کہتا ہے یہ بھی سہی مگر روح منہ روح القدس ہے جس سے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ايدناه بروح القدس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا۔ اللهم ايده بروح القدس پھر روح

[1] روح حیات کا باعث ہے اور نورِ قلب وغیرہ ان کے استقلال کی حیا کا باعث ہے اس مشابہت سے ان پر لفظ روح کا اطلاق ہوا۔ ۱۲ منہ

القدس کیا ہے اور اس سے کیونکر تائید ہوتی ہے؟ اس کا بیان ایدناہ بروح القدس کی تفسیر میں دیکھو۔ (۳) یدخلھم الخ ان کو ایسے باغوں میں رکھے گا کہ جن میں نہریں جاری ہیں، وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جسمانی بہشت کی طرف اشارہ تھا۔ (۴) رضی اللہ عنھم الخ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے۔ یہ روحانی بہشت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب انعام حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیب ہوئے کس لیے کہ انہوں نے خصوصاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم نے جنگِ بدر، احد وغیرہ مواقع پر اپنے اقارب سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور بعد میں دین پر ثابت قدم رہے اس لیے یہ خوبیاں ان کو نصیب ہوئیں۔ اس لیے صحابہ کے نام پر رضی اللہ عنہ کہنے کا اہلِ سنت میں قدیم سے دستور ہو گیا ہے۔ (۵) اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ[1] کہ یہ اللہ کا گروہ ہے جو فلاح پائے گا۔ اسلام میں اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بات عطا کر دی کہ اہلِ حق کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم چند روز میں دنیا کی بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر غالب[2] آ گئے اور قیامت تک اہلِ حق غالب رہیں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مغلوب ہو کر عمر بھر تقیہ کے ناگوار بوجھ میں دبے رہے جیسا کہ حضرات شیعہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہ تو کیا ان کے امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی خائف و مغلوب رہے اور اب تک چھپے بیٹھے ہیں کیا ان کے لیے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ فائدہ: کفار سے جو مودت و محبت ممنوع ہے وہ دینی امور اور اسلام کے مقابل دنیوی امور میں ہی رہی حسنِ معاشرت و خوش اخلاقی، نیکی و احسان جس کے بنی آدم مستحق ہیں یہ ممنوع نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ
اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ
اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ
يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي
الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اس نے تو اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے لشکر جمع کرنے سے پہلے نکال باہر کر دیا۔ حالانکہ تم کو ان کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آیا کہ جہاں کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے آپ ڈھانے لگے پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔

ترکیب : مانعتھم بالرفع علی انہ خبر۔ مقدم وحصونھم مبتداء موخر والجملۃ خبر ان من اللہ متعلق بالخبر۔ ویمکن ان یکون مانعتھم خبر ان وحصونھم

[1] حزب اللہ ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہاں تک ہے کہ اہل بدر کے اسماء گرامی سحر و جادو و دفعِ غلبۂ اعدا و شیاطین کے لیے عجب خاصیت رکھتے ہیں بارہا تجربہ یہ ہوا ہے ان کی روحانیت و اسمائے شریفہ میں یہ تاثیر خدا نے دی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دوسری جگہ غالبون بھی آیا ہے کہ اللہ کا گروہ غالب رہے گا۔ ۱۲ منہ

مرتفع علی الفاعلیۃ یخربون الجملۃ حال او تفسیر للرعب فلا محل لھا۔ وقرئ یخربون بالتشدید التکثیر وقیل الاحزاب التعطیل والتخریب الھدم۔

تفسیر : پچھلے سورۃ میں منافقوں کے افعالِ ناشائستہ کا ذکر تھا اس سورہ میں ان کے معین و مددگار یہود کی نالائق حرکت اور اس کا یہ نتیجہ ذکر فرماتا ہے کہ عبرت ہو فقال سبح اللہ۔ ان آیات میں اور نیز ان کے بعد آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب پچھلے زمانوں میں یہود پر مصائب پڑے کچھ لوگ ان میں کے عرب میں بھی آ رہے تھے۔ بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس[1] آ بسے تھے۔ اس خیال سے کہ وہ نبی جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے یہیں آ کر رہے گا اور یہی شہر اس آفتاب کا تجلی گاہ بنے گا۔ منجملہ ان کے مدینہ کے آس پاس ایک ایک فرسنگ کے فاصلے سے دو فرقے یہود کے تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر کہلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف[2] ہو گئے تھے مگر احد کی جنگ میں جو مسلمانوں کو کفارِ قریش سے ہزیمت پہنچی تب سے بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کا مادہ بھر گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد ابوسفیان سردارِ قریش کو بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے ہاں مہمان رکھا تھا جو آنحضرت ﷺ پر شب خون مارنے آیا تھا۔ آخر اس کو مدد دی اور ابوسفیان نے اس کی مدد سے مدینے کے بعض مسلمانوں پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف تھے رات کو حملہ کیا، مسلمانوں نے خبر پا کر تعاقب کیا۔ یہ تو تھا ہی اب ایک اور نئی بات پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کی گڑھی میں مع چند صحابہ رضی اللہ عنہم اسی عہدنامے اور معاہدے کی رو سے ایک مسلمان کو خون بہا دینا تھا اس روپے کے چندے میں انہیں بھی شریک کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت ﷺ سے کہا آپ تشریف رکھئے ہم چندہ دیتے ہیں اور بہت کچھ مدد دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گڑھی کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ یہود اندر گئے، جا کر تجویز کی کہ اس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال دو مر کر رہ جائے۔ جھگڑا ہی تمام ہو اس کی خاطر سے بھلا ہم قریش سے اور تمام عرب سے بگاڑ کر کہاں رہیں گے؟ (جب بدبختی سوار ہوتی ہے تو ایسی ہی کمینگی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں) وہ ہنوز اپنا ارادہ پورا کرنے نہ پائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر کی، آپ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آپ کے حق میں فرما ہی چکے تھے کہ جو آپ پر گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اور جس پر آپ گریں گے اس کو بھی چورا کر دیں گے۔ بموجب اس بشارت کے ان متواتر بدذاتیوں پر قہرمانِ الٰہی کب صبر کر کے پایۂ تختِ اسلام میں ان پشتینی بدذاتوں اور ازلی منحوسوں کو فتنہ انگیزی کی مہلت دے سکتا تھا؟

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ

[1] خیبر بھی مدینے سے پاس ہے وہاں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل کے یہودی رہتے تھے بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر تو بہت ہی قریب تھے۔ ۱۲ منہ

[2] عرب میں قدیم دستور تھا کہ جب دو شخص، دو قوم باہم ایک عہدنامہ حلفیہ قائم کر لیتے تھے کہ ہماری جان و مال تمہاری جان و مال ہماری تو ان کو حلیف کہتے تھے ان میں حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ اتحاد و حمایت ہوتی تھی اس طوائف الملوک کے زمانے میں خانہ بدوش قوموں سے بچنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مستحکم قلعہ متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے بنی نضیر و بنی قریظہ نے حلف کر کے عہد باندھا تھا جو بعد میں خلاف کیا اور بہت ہی برے طور پر نالائقیاں اور بدذاتیاں کیں جس کی سزا قانون الٰہی میں ضروری تھی بنی نضیر نکالے گئے بنی قریظہ غزوۂ احزاب کے بعد جو اس واقعہ کے بعد ہوا ہے (شاید دو برس بعد) موذی سانپ اور زہریلے جانور کی طرح قتل کیے گئے اور ان کے ناپاک اور زہریلے وجود سے دنیا کو پاک کرنا حکمتِ آسمانی کا مقتضی ہی تھا جو واقع ہوا اس کو پیغمبر علیہ السلام کی رحم دلی روک نہیں سکتی تھی اس زمانے میں جب مہذب گورنمنٹ کورٹ مارشل لاء (قانونی مجلس) کے بعد رحم دلی پر گولیاں مارنا مصلحت و حکمت جانتی ہیں تو اس حکم پر کیا اعتراض ہے۔ ۱۲ منہ

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ نے ان کے لیے دیس نکالا نہ لکھ دیا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب ہی ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی تھی اور جو کوئی اللہ سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ مسلمانو تم نے جو کھجور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا اور تا کہ بدکاروں کو رسوا کرے۔

تفسیر : اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی اعلان کر دیا کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پھر جنگ ہے۔ ان مغروروں نے قریش اور مدینے کے منافقوں کی مدد کے بھروسے پر کہہ دیا اچھا جنگ ہے آیئے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی گڑھی کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ یہ گڑھی بھی مستحکم اور بلند تھی۔ لشکرِ اسلام نے محاصرہ کیا۔ گیارہ روز تک سخت محاصرہ رہا۔ یہود کی باہر سے کوئی مدد نہ آئی ادھر مسلمانوں نے ان کے باغوں کو جن میں بہت عمدہ کھجوریں تھیں کاٹنا اور کھیتوں کو جلانا شروع کیا (ان کی گڑھی سے لے کر مدینے تک باغات تھے) آخر مجبور ہو کر پیغام بھیجا کہ امن دیجئے۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور یہ حکم دیا کہ اپنا اس قدر مال و اسباب کہ تم سے چل سکے یا ایک اونٹ پر لد سکے لے جاؤ۔ یہود نے منظور کیا اور دس روز کی مہلت مانگی۔ اس عرصے میں اپنا اسباب لادنا شروع کیا اور اس جلن کے مارے کہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا کڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں، مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ آپ بھی ڈھاتے تھے اور مدینے کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے۔ پھر اکثر تو اریحا و اذراعات کی طرف چلے گئے (یہ شام کے مقامات ہیں) اور ابی الحقیق اور حیی بن اخطب کا خاندان کچھ تو خیبر میں رہا اور کچھ حیرہ چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی شانِ کبریائی جتلا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ان سرکش یہود کو حشر سے پہلے ہی ان کے گھروں سے نکلوا دیا۔ محاصرہ سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک بھی اپنے گھر بار نہ چھوڑیں گے۔ لو اس نے حشر سے پہلے ہی گھر بار چھڑوا دیے۔ ان کی بلند اور مستحکم گڑھی کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نہیں نکل سکتے۔ ادھر خود ان کو بھی یہ غرور تھا کہ ہماری گڑھی اور مستحکم قلعہ ہم کو ہر قسم کی آفت سے بچا لے گا ہم کو اس میں کون مار سکتا ہے؟ مگر ان کو اس بدروز کا خیال بھی نہ تھا کہ محاصرہ ہوتے ہی ان کے دلوں میں رُعب بھر گیا، نامردی چھا گئی، امان مانگ کر جلاوطنی پر راضی ہوئے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مکانوں کو کس نامرادی کے ساتھ آپ ڈھانے لگے۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے آنکھ والوں کے لیے کہ آسمانی حکم کا مقابلہ ایسے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ سے دغا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی سے دوستی کا عہد مستحکم باندھ کر مکاری و عیاری کرنا ضرور برا دن دکھاتی ہے۔ دنیا اور اس کے سامان دل لگانے کے قابل نہیں۔ کل کس شادمانی اور کن کن میٹھی امیدوں سے یہ مکانات بنا رہے تھے اور کیا کیا خیالات پکا رہے تھے۔ آج کس حسرت و یاس کے ہاتھوں سے ڈھا رہے ہیں۔ عبرت، عبرت! پچھلی آیتوں کا یہ مطلب صاف صاف تھا۔ اب ہم مفسرین کی موشگافیاں بھی نقل کرتے ہیں اور آیات میں جو اسرار ہیں ان کو بھی دکھاتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ۔ تسبیح تنزیہ و تقدیس۔ یعنی اللہ کی تقدیس تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کرتے ہیں۔ شریعت و نبی بھیجنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ان کی عبادت کا حاجتمند ہے بلکہ انہیں کے فائدے کے لیے۔ آسمانوں کے ستارے اور ان کے اندر کی کائنات اور اسی طرح زمین

عظمتِ شان کا آئینہ اور مکمل دفتر ہے اور یہی اس کی تسبیح و تقدیسِ بے اختیاری ہے اور ملائکہ اور ارواحِ طیبہ آسمانوں میں نیک لوگ زمین پر اس کی تسبیح و تقدیس بالارادہ کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی جملہ کائنات کا اس طرز و رویہ فطری پر لگا رہنا کہ جن پر ان کو ان کے خالق و مالک نے لگا دیا ہے، ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ تمام کائنات پر اس کے احکامِ جبروتی نافذ ہیں۔ طوعاً و کرہاً سب ان کو تسلیم کر رہے ہیں یہ بھی تسبیح و تقدیس ہے۔

اس جملہ میں اس کی کمال عظمت و شوکت و توانائی بیان ہوئی ہے اس کے بعد اس کی جبروتیت و قہاریت کی ایک خاص بات ذکر کرتا ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کہ وہی جبار و توانا ہے کہ جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو حشر سے پہلے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ کفروا میں اشارہ ہے کہ یہ کفر و بے دینی اس سزا کی باعث ہوئی اور اخرج کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ایک تو ان کے باپ دادا تھے کہ جو توریت میں لکھا دیکھ کر نبیِ عربی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بامیدِ اعانت و اطاعت یہاں آئے تھے ایک یہ ان کی نااہل اولاد ہے کہ اس سے مخالفت کرنے کے جرم میں نکالے گئے۔ لاول الحشر کے صاف معنی ہی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اور بھی بیان کئے ہیں۔ حشر جمع کرنا یعنی اس دن سے پہلے کہ ان پر مسلمانوں کے لشکر جمع ہوں جیسا کہ ہرقلِ روم و کسریٰ فارس پر ہوئے اس سے پہلے ہی آسانی سے نکالے گئے یا یہ معنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار جمع ہوں اس سے پہلے یہ کمبخت نکالے گئے۔ ان میں شریک ہونا جس لیے یہاں آئے تھے نصیب نہ ہوا یا یہ کہ معین و مددگار جمع کرنے سے پہلے نکالے گئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آیا۔ اپنے قلعہ پر بڑا گھمنڈ تھا ناگہانی بلا کی خبر بھی نہ تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ کہ اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور اس عذاب سے آخرت کے عذاب میں کمی نہ ہوتی بلکہ وہاں بھی عذاب ہوتا یعنی دونوں ہوتے اس جلاوطنی سے دونوں نہ ہوئے بلکہ صرف آخرت کا ہوگا۔ دنیا میں عذاب دیتا یا تو بنی قریظہ کی طرح قتل کراتا یا لونڈی غلام بنواتا یا تنگدستی و بیماری میں مبتلا کرتا یا زلزلہ یا برق یا کسی اور آسمانی بلا سے ہلاک کرتا اس کے دنیاوی عذاب صدہا قسم کے ہیں اس کی امان فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ الخ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے گردن کشی کی اور جو ایسا کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

اور جو کچھ اللہ نے ان سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو اس پر تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے لے کر دیا ہے سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ اور جو کچھ تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی سخت سزا ہے۔

تفسیر: بعض مسلمانوں کو اپنی بہادری کا خیال پیدا ہوگا کہ بنی نضیر کو جو بڑے بہادر لوگ تھے ہم نے یوں نکال دیے۔ اس لیے فرماتا ہے مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا الخ کہ تم نے جو کوئی لینہ (عمدہ کھجور) کاٹی یا ویسی ہی قائم چھوڑی سو یہ سب خدا کے حکم کے مقتضی تھا تا کہ بدکاروں کو سزا دے وہ دیکھیں اور حسرت کریں تم اپنی بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہ سمجھنا۔

اور ممکن ہے کہ کفار نے درختوں کے کاٹنے پر طعن کیا ہو کہ یہ فساد فی الارض ہے جس کو تم خود منع کرتے ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس کا کوئی اثر پیدا ہوا ہو، اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ جو کچھ تم نے کیا حکمِ الٰہی سے کیا۔ اللہ کو بدکاروں کا رسوا کرنا منظور تھا۔ (بخاری کی کتاب التفسیر سے یہی متبادر ہوتا ہے)۔

فائدہ: پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے موقعوں پر منع کر دیا ہے کہ میوہ اور سبز درخت نہ کاٹو نہ کھیتی اجاڑو کارآمد جانوروں کو نہ مارو۔ مگر ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا جائز ہے۔ ممانعت تو اس لیے ہے کہ ان کارآمد چیزوں کو برباد کرنا فساد فی الارض اور اپنی قسمت میں آنے والی چیز کو مفت برباد کرنا ہے اور اجازت کسی خاص موقع پر اس لیے ہے کہ مخالفین کو صدمہ پہنچے یا وہ اسبابِ معیشت کے منقطع ہونے سے صلح پر یا اطاعت پر آمادہ ہوں جیسا کہ بنی نضیر کے نخلستان میں ہوا۔

فے اور غنیمت کے معنی:

اس کے بعد بنی نضیر کے مال واسباب کی بابت فرماتا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جس کو وہ نہ لے جا سکے۔ فقال وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ الخ۔ مبرد کہتے ہیں فاء فیٔ کے معنی ہیں رجوع کے اور افاء اللہ جب کہتے ہیں کہ جب اللہ بھیجے۔ ازہری کہتے ہیں فیٔ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ مخالفوں سے حاصل ہو خواہ اس طور سے کہ کفار چھوڑ کر چلے جائیں یا جزیے کے طور ادا کریں یا رعب میں آ کر جان بچانے کے لیے کچھ رقم یا چیزیں دیں' یہ سب فیٔ ہے۔ اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے فیٔ اس لیے کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ نے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کہ جنگ وجدل' محنت ومشقت سے جو مال کفار سے ہاتھ لگے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ انفال کہ جس کا شروع سورۂ انفال میں ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں۔ کبھی تو وہ غنیمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ نفل کے معنی لغت میں زیادت کے ہیں اور فرض کے علاوہ نماز کو اس لیے نفل کہتے ہیں کہ وہ زائد علی الفرض ہے اور غنیمت بھی جہاد کے اصل مقصود اعلاءِ کلمۃ اللہ سے ایک زائد بات ہے اس لیے اس کو انفال کہتے ہیں۔ اور کبھی سردارِ لشکر کے اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو وہ کسی خاص مردانہ کام کے مقابلے میں معین کرتا ہے۔

انفال کی تقسیم کا حکم اللہ اور رسول کے سپرد ہونا بیان کر کے پھر اس کی تقسیم بھی ذکر کر دی گئی۔ دیکھو سورۂ انفال۔ فیٔ اور غنیمت میں فرق ہے اس لیے سب سے اول اس فرق کو قائم کرتا ہے فقال فَمَآ اَوْجَفْتُمْ الخ کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹنی یعنی تمہاری محنت ومشقت اس میں کچھ نہیں اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح یہ تقسیم نہ ہوگی جیسا کہ غنیمت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شاید تقسیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ اس کافیٔ میں بقول مؤرخین بنی نضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو پینتالیس اونٹ اور دیگر اسباب حاصل ہوا جس کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جس کو جس قدر مناسب جانا عطا کیا۔ پچھلی آیت میں فیٔ کے صرف کا مسئلہ بھی آتا ہے۔

وجف، بھجف، جفاوجیفا، جلد چلنا، دوڑانا اونٹ اور گھوڑے کا۔ خیل گھوڑے۔ رکاب اونٹ ان لفظوں میں سے مفرد صیغہ نہیں۔ ہاں دوسرے لفظ سے ہے راحلہ۔ گھوڑے کے سوار کو فارس اونٹ کے سوار کو راکب کہتے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بنی نضیر کے مال کو فیٔ کہنا اور یہ فرمانا کہ اس پر تمہارے گھوڑے اونٹ نہیں دوڑے صحیح نہیں کس لیے کہ بنی نضیر کا کئی روز تک محاصرہ رہا لوگ مرے کھپے بھی اخیر جلاوطنی پر وہ راضی ہو گئے تھے اس کو غنیمت کہنا چاہیے۔

جواب: یہ بنی نضیر مدینے سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھے ان کے لیے کچھ زیادہ سامانِ سفر اور تیاری کی ضرورت نہ ہوئی۔ پاپیادہ جا کر محاصرہ کر لیا گیا۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ یعنی جس طرح جنگوں میں محنتیں اور تکلیفیں اٹھا کر فتح ہوتی ہے اس میں اس قدر تکالیف اٹھانی نہ پڑیں گویا کہ مفت ہاتھ آ گیا اس لیے اس کو فیٔ کہا گیا۔ بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں فدک کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ جائیداد بے محنت حاصل ہوئی تھی جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب اور مہمانوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے اور سامانِ جنگ گھوڑے ہتھیار وغیرہ میں بھی صرف کرتے تھے۔

فے کے مصارف: اس کے بعد فیٔ کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ فقال مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کہ جو کچھ گاؤں والوں سے پہنچایا۔ گاؤں والے یعنی کفار سے جو گاؤں اور بستیوں کے لوگ تھے ان سے بشوکتِ اسلامی وصول ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں گاؤں والوں سے مراد قریظہ ونضیر وفدک وخیبر ہیں (معالم) فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لیے ہے یعنی مال اللہ کا ہے یعنی اس میں لشکر کا کوئی حق نہیں وہ رسول کے پاس رہے۔ رسول اس کو اپنے ذاتی مصارف میں بھی بقدرِ ضرورت صرف کرے اور اپنے قرابت داروں کو بھی دے بوجہ قرابت صلہ رحمی کرے اور جو قرابت دار محتاج ہوں بدرجۂ اولیٰ صلہ رحمی کے مستحق ہوں اور یتیموں کو بھی دے۔ عام ہے کہ رسول کے خاندان کے یتیم ہوں یا اور فقراء کو بھی دے کوئی ہو اور حاجت مند مسافروں کو بھی دے۔ اور محتاج نہ ہوں یوں مہمان آئے ہوں رسول کے پاس جیسا کہ قوموں کے وکیل اور جماعتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ شاہی مہمان ہیں ان کا خرچ بھی اسی شاہی خزانے پر ہے۔

آیت میں چھ شخص ذکر ہوئے اول اللہ جل جلالہ۔ یوں تو سب کچھ اسی کا ہے مگر یہاں اللہ کا مال کہنے سے یہ غرض ہے کہ یہ اللہ نے مخصوص حاجتوں کے لیے اپنا خزانہ بنا کر رکھا ہے اس تقدیر پر یہ کہنا کہ لفظ اللہ تبرکاً مذکور ہے بے فائدہ بات ہے۔ دوم رسول، سوم قرابت دار، چہارم یتیم، پنجم مساکین، ششم مسافر۔ آیت میں یہ قید نہیں کہ قرابت دار کس کے؟ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو بھی اپنے اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا انسانی خاصہ ہے جس کا بار بقدرِ ضرورت شاہی خزانے پر ہونا عین انصاف ہے اور یتیم ومسکین وابن السبیل قومی ذوحاجت لوگ ہیں۔ خصوصاً شاہی مہمان جو سلطنت سے علاقہ رکھتے ہوں یا ان کی مہمانداری شانِ سلطنت اور اس کے فوائدِ آئندہ پیدا کرنے میں مؤثر ہو یہ بھی اسی شاہی خزانے سے ہونی چاہیے۔

آیت میں یہ بھی ذکر نہیں کہ ان چھٹوں کے حصے مساوی ہیں یا کم زیادہ کیونکہ ان چھٹوں کی طرف تقسیم نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت ان اشخاص کو دینا مراد ہے جس کی قبل از وقت کوئی تعداد معین ہو نہیں سکتی اور آیت میں یہ چند ذوحاجت اس لیے مذکور ہیں کہ ان کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول ہوتی ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اور کسی حاجتمند کو یا اور کسی کام میں جو قومی اور سلطنت کے مفید ہو صرف نہ کیا جائے۔ الحاصل فیٔ شاہی خزانے میں داخل ہو کر اشخاصِ مذکورہ بالا کے لیے ہے۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ مبرد کہتے ہیں دُولۃ بالضم وہ چیز جو لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جائے کبھی اِس پاس کبھی اُس پاس اور دولۃ بالفتح خوش حالی ہوا ایک قسو قوم سے منتقل ہو کر دوسرے پر آئے پس بالضم اسم ہے اس کا جس کا تداول کریں، روپیہ پیسہ کپڑا زیور وغیرہ اور بالفتح اس کا مصدر (کبیر) کہ یہ اس لیے مقرر کیا تا کہ وہ

فی تمہارے، اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ پڑے بلکہ اس کے مستحقین ہی کے پاس رہے۔ اے اغنیاء! تم اس کی حرص نہ کرو بلکہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ جو تم کو غنیمت یا اور کسی چیز میں سے رسول دے یا حکم کرے اس کو لو۔ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور جس سے منع کرے جیسا کہ اس فی سے یا اور بری باتوں سے تو اس سے باز آؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الخ اللہ سے ڈرو، نافرمانی نہ کرو اس کی سزا سخت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا کَیْ لَا یَكُوْنَ سے لے کر یہاں تک۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُو مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

(وہ مال) مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں یہی راستباز بھی ہیں اور (وہ مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے جو کوئی ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اوروں کو دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم سمجھتے ہیں ان کو احتیاج بھی کیوں نہ ہو اور جس نے اپنی جان کو لالچ سے بچایا وہی کامیاب ہوا۔ اور اُن کے لیے بھی جو مہاجرین اولین کے بعد آئے (اور) دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ (دشمنی) قائم نہ ہونے پائے تو غصہ کا دھیما اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد مہاجرین وانصار کے فقرا اور حاجتمندوں کو ان کے محامد اور اسلامی سرگرمیاں اور سچی جانفشانیاں ذکر فرما کر مستحق ٹھہراتا ہے اور تعمیم کے بعد تخصیص کرتا ہے کہ اور فقیروں سے یہ زیادہ تر مستحق ہیں۔ فقال لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الخ کہ یہ ان فقراء مہاجرین کو ملنی چاہیے کہ جو اللہ کے لیے اپنا گھر بار، مال واسباب چھوڑ کر ہجرت کر کے نبی علیہ السلام کے پاس آئے ہیں۔ جب عرب میں اسلام کا چرچا ہوا اس آفتاب کی کرنیں اسی سرزمین پر پڑیں تو مکہ اور دیگر جگہوں کے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے مگر جہاں کوئی مسلمان ہوا اس پر اس کی قوم کی طرف سے مصیبتیں آئیں، مار دھاڑ شروع ہوئی اس لیے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے۔ اب ان کے پاس بجز صبر وفاقے کے اور تھا کیا؟ ان کو مہاجرین کہتے تھے، اس لیے ان پر ترحم دلاتا ہے کہ ان کو بھی دو۔ ان کی فکر بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ صرف یہی بات نہیں کہ ہجرت کر کے چلے آئے ہیں بلکہ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کا لشکر جرار جس نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سیدھا کر دیا انہیں لوگوں کا تھا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ سچے لوگ ہیں۔ یہاں تک مہاجرین کے محامد تھے۔ (۱) یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کیے گئے اور نکالے گئے ہیں۔ (۲) وہ اللہ اور رسول کے مددگار ہیں۔ (۳) وہ صادقین ہیں۔ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم بھی مہاجر تھے اور جو جو دین کی حمایت میں انہوں نے کوششیں کی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ فقراء بھی ہو گئے تھے۔ پھر وہ کون سی روایت اور کون مؤرخ ہے جو جھوٹے افسانے گھڑ کر ان کو بدنام کرے اور یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے وہ برے کام کیے جو پیغمبر علیہ السلام کا سخت دشمن بھی نہ کر سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے لات ماری اور اہلِ بیت پر ظلم کیے۔ معاذ اللہ صادقین سے یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اولئك کا لفظ کہہ رہا ہے کہ یہی سچے تھے اور ان پر جو الزام لگائے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد فقراءِ انصار کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

مناقبِ انصار: فقال وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ ان فقیروں کو بھی دو کہ جنہوں نے دار یعنی دار الہجرت مدینہ کو اور ایمان کو گھر بنایا پہلے سے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہنوز مکے میں تشریف رکھتے تھے کہ عرب میں آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ ایامِ حج میں چند اہلِ مدینہ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور جا کر مدینے میں لوگوں کو ترغیب دی وہ بھی ایمان لے آئے۔ جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینے تشریف لے گئے جو اہلِ مدینہ کی دلی تمنا تھی اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی جانے شروع ہوئے۔ ان اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مہاجرین کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جیسا کہ بعد کی آیت میں ذکر آتا ہے۔ من قبلهم یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینے کو جگہ بنایا اور ایمان کو دل میں جگہ دی یا ان کے گھر بنانے سے پہلے گھر بنایا۔ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آیا اس کو دوست رکھتے ہیں۔ محبت کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مہاجر کا ہر ایک انصار سے بھائی چارہ کرا دیا تھا یہاں تک کہ آیتِ میراث نازل ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا اور کو مرنے کے بعد ورثہ نہیں ملتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان و مال پر اپنا مال اور جان فدا کرتا تھا جس کی مفصل کیفیت کتب سیر میں موجود ہے۔ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا حسن بصریؒ کہتے ہیں حاجۃ کہ معنی یہاں حرارت وحسد وغیظ کے ہیں کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ نبی نضیر کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم کام میں شریک رہو تم کو پھل دیں گے۔ انصار نے کہا ہم راضی ہیں بسر وچشم منظور۔ اس سے بڑھ کر ان میں یہ صفت ہے وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کہ وہ باوجود حاجت فقر وفاقے کے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی حاجت کے کام میں نہیں لاتے، مہاجرین کو دیتے ہیں۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے ہر ایک کو نصیب نہیں۔ آپ بھوکا رہے اپنے بھائی کو کھلائے۔ خصاصة حاجتِ فقراء۔ اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا، دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو مہمان بنایا گھر میں کسی کو بھیجا کہ کسی کے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ بیویوں نے عرض کیا بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو اس کو مہمان بنائے؟ ایک

انصاری نے (غالباً ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے) کہا میں یارسول اللہ۔ پھر اس کو وہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو۔ اس نے کہا لڑکوں کو کھانے کے سوا ہمارے ہاں اور کوئی چیز نہیں۔ اس نے کہا کھانا تیار کر، چراغ جلا لڑکوں کو سلا دے جب کہ وہ کھانا مانگیں۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا چراغ جلایا، لڑکوں کو سلا دیا۔ پھر بتی اکسانے کے بہانے سے اٹھی اور چراغ گل کر دیا تا کہ اندھیرے میں مہمان کو یہی معلوم ہو کہ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں مگر آپ نے نہ کھایا، مہمان نے کھایا۔ آپ بھوکے سو رہے۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا۔ تب یہ آیت نازل فرمائی۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اسی طرح اور مواقع پر انصاری نے ایسی ہمدردی اختیار کی ہے جس کا نظیر اور قوموں یا کسی اور نبی کے پیروؤں میں پایا نہیں جاتا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی انصار کو لالچ نہ تھا اس سے خدا نے ان کو بچا لیا تھا اور جن کو خدا لالچ سے دور رکھے وہ کامیاب ہے۔ شح بالضم والکسر۔ شح اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بخل صرف منع کرنا نہ دینا اور شح وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ شح صفاتِ ذمیمہ میں سے ہے جس کا ترجمہ لالچ ہے اس لیے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دنیا و دین کی صدہا محرومیاں اسی شح سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے۔ ہمدردی اور سعادت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو لئیم کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولوالعزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی۔ تمام عمر خونِ جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا نہ کارِ خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے، بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے اس کے نام لینے کو بھی لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد برائی سے یاد کرتے ہیں۔ پھر جس کو خدا نے اس ناپاک خصلت سے بچا لیا اس کے کامیاب ہونے میں کیا شک ہے۔

انصار و مہاجرین جو اسلامیوں کی دو اعلیٰ اور بزرگ ترین جماعت ہیں ان کے محامد بیان فرما کر تیسرے گروہ کی مدح کرتا ہے جس میں تابعین اور ان کے بعد کے آنے والے نیک اور بزرگ لوگ ہیں۔ فقال وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یہ بھی مہاجرین پر عطف ہے۔ یعنی جو ان کے بعد ہجرت کر کے آئے یا اسلام میں ان کے بعد آئے، قیامت تک جو کوئی ہو ان کے اندر یہ خوبی ہے يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو بخش دے اور اس کے بعد اپنے متقدمین بھائیوں کے لیے بھی بخشش مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایماندار گزرے ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں رنج اور عداوت نہ پیدا کر۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اے ہمارے رب! تو نرمی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے جس میں یہ خاصیت نہیں وہ اس تیسرے گروہ میں داخل نہیں۔ ابن ابی لیلی فرماتے ہیں لوگوں کے تین درجے ہیں، مہاجرین، انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے اور ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، دعائے خیر میں شریک کرتے ہیں، ان کے رستے پر چلتے ہیں۔ پس تو کوشش کر کہ ان تینوں سے خارج نہ ہونے پائے۔ مہاجرین و انصار تو گزر گئے ان میں داخل ہونا تو ممکن نہیں خیر یہ نہیں تو تیسرے فریق میں تو شامل رہے کہ ان کو بھلا سمجھے، دل سے ان کی محبت رکھے، ان کی مساعیِ جمیلہ کی قدردانی کرے نہ یہ کہ ان پر جھوٹے سچے الزامات قائم کر کے تبرا کرنے کو ایمان و سعادت جانے۔ یہود سے اگر پوچھا جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو اچھا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو اچھا جانتے ہیں۔ مگر افسوس شیعہ حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین و انصار کو باستثنائے چند اشخاص سب کو برا کہتے ہیں بلکہ برا کہنے کو حسنات و برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ دنیا

ا بخل کی برائی۔

میں اس خصلت کا یہ اثر ہے کہ کبھی ان کا جھنڈا کھڑا ہونے نہیں پاتا نہ مقابلے میں پاؤں جمتا ہے۔ اہلِ حق کے مقابلے میں مقہور ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

اور وہ بات کیا ہے؟ جس سے وہ ان بزرگوں سے پھر گئے۔ اس آیت کے ذیل میں اس کا بیان محققانہ طور پر مناسب ہے۔ بنی نضیر اور فدک اور خیبر کی کچھ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معین ہوئی تھی جس میں سے آپ نے کسی کو مہمانوں اور سامانِ حرب کے لیے اور کسی کو خرچ ازواجِ مطہرات کے لیے، کسی کو اقارب و یتامیٰ و مساکین کے لیے معین کر رکھا تھا، چنانچہ فدک کی آمدنی سے آپ قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب جانشین کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مہاجرین و انصار نے جن کی مدح آیاتِ مذکور ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا۔ اس وجہ ترجیح کو وہی لوگ خوب جانتے تھے جو ایک مجموعی اوصاف سے ان کے دلوں میں جاگزین تھی جس لیے ان بزرگوں کے نزدیک یہی حضرت اس مسند پر بیٹھنے کے مستحق ٹھہرے۔ ہاں کوئی رعایت یا ابوبکرؓ کا ذاتی دباؤ تو قطعاً نہ تھا کس لیے کہ نہ ان کی قوم زیادہ تھی نہ ان کے پاس کوئی لشکر و خزانہ تھا اور ایسے مہاجرین و انصار ایسے بیجا دباؤ کو ماننے والے بھی کب تھے، فوراً مخالفت ظاہر کرتے اور سیوف کے قبضوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ شیعہ کہتے ہیں یہی بات بری کی کس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جانشینی کا استحقاق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا اور امامت لوگوں کے انتخاب پر موقوف نہ تھی بلکہ آسمانی عہدہ ہے، نبوت کے عہدے کے برابر یا کسی قدر کم مگر مشابہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آسمانی سند موجود تھی۔ مگر افسوس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آسمانی سند کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ مہاجرین و انصار کو معلوم ہوئی کس لیے کہ اگر معلوم ہوتی تو ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ وہ باوجود اس آسمانی سند کے اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد اور مہاجرین میں ذی مرتبہ شخص تھے ان سے عداوت اور بغض رکھتے جو رحماء بینہم اور مہاجرین و انصار کی اسلامی سیرت کے برخلاف تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قائمقام کر دیتے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر جاتے حالانکہ کوئی ڈرانے کا سامان ان کو میسر نہ تھا۔ اس پر وہ سب مہاجرین و انصار کو جو اس جانشینی میں شریک تھے برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ پہلا خلاف تھا مگر تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی جانشینی تسلیم کی اور ان کے ساتھ بخوشی و خرمی کاروبار میں شریک رہے۔ شیعہ کہتے ہیں دل میں ناراض تھے، ظاہرداری کرتے تھے، اس کو تقیہ کہتے ہیں۔ مگر ایسے بزرگ کی نسبت یہ ظاہرداری ظاہر کچھ اور باطن کچھ منسوب کرنا ان کی شانِ حیدری کو گھٹانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے مقابلے میں تقیہ نہ کیا۔ توبہ توبہ برگزیدۂ ہاشم کبھی کسی سے دبنے والے تھے جو زبان سے جھوٹی باتیں بناتے اور دل میں کچھ اور رکھتے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مدعیہ تھیں اور خلاف مدعیٰ علیہ۔ دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد میں سے بموجب فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیے۔ دعویٰ بہت درست تھا مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس جائیداد کو وقف کر چکے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائیداد یا روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں۔ اس پر شہادت گزر گئی، دعویٰ نہ چلا مگر جس قدر جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کے مصارف میں لگا دی تھی خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظِ قرابت پیغمبر علیہ السلام بدستور جاری رکھے۔ یعنی منافع بدستور رہے تملیک عین نہ تھی بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا۔ اس پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر رنجیدگی ہوئی ہو تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے۔ یہ دوسرا خلاف ہے۔ اس پر شیعہ کے مؤرخین نے جس قدر مبالغہ آمیز روایات تیار کی ہیں تو تعجب نہیں کس لیے کہ منشاء موجود تھا اور ایسے مواقع پر مبالغہ کرنے والوں کو برا موقع ہاتھ آتا ہے۔ میں ان ناپاک روایات کا ذکر بھی اہلِ بیت کی اہانت سمجھتا ہوں مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کس باپ کی بیٹی ہیں اور کس رتبے کی ہیں وہ ایسے قلیل دنیاوی معاملات پر اس قدر رنج و بغض اپنے باپ کے جانشین سے رکھیں، حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ حاشا و کلا ثم

حاشا وکلا۔ مگر حضرت علی ؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں بھی اس جائیداد کو خلافت کا مال سمجھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثا میں تقسیم نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی انتخاب سے خلیفہ کیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی شیعہ کے نزدیک رنجش کا باعث ہوا۔ یہ تیسرا خلاف تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا۔ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد مگر معاویہ ؓ حضرت عثمان ؓ کے عہد سے شام کے حاکم یا گورنر تھے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ اور ان کے احباب سلطنت کی باریکیاں خوب سمجھتے تھے اور دنیاداری کی تدابیر پر پورے قابو یافتہ تھے۔ لوگوں نے حضرت علی ؓ سے کہا، اول معاویہ سے بیعت لے لیجئے، پھر چاہے ان کو معزول کیجئے اور عثمان ؓ کے قاتلوں سے بھی اول دار وگیر کیجئے مگر شیر خدا ؓ نے جانے کس مصلحت سے مہاجرین وانصار کے اس مشورے سے پرعمل نہ کیا؟ معاویہ ؓ نے بغاوت اختیار کی اور کہہ دیا میں تم کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتا، تم سے اب تک قاتلانِ عثمان ؓ کا بھی پتا نہ چل سکا۔ اس بنا پر طرفین میں رنجش آمیز خط وکتابت بھی جاری رہی۔ ادھر لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور طلحہ وزبیر وغیرہ ؓ کو تحریک دلائی کہ قاتلانِ عثمان علی ؓ کے لشکر میں پناہ گزین ہیں اور اس وقت حضرت علی ؓ اطرافِ کوفہ میں ہیں۔ ام المومنین ؓ حضرت علی ؓ کے پاس چلیں اور صدہا لوگ شریک ہوتے گئے۔ ایک لشکر مہیا ہوگیا۔ جب یہ لشکر حضرت علی ؓ کے لشکر کے قریب پہنچا اور باہم قاتلانِ عثمان کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ ایک رات چند بدمعاشوں نے حضرت ام المومنین ؓ کے لشکر پر تیر مارنے شروع کر دیے۔ پھر تو ادھر سے بھی تیاری ہو کر دونوں لشکروں میں خاطر خواہ جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ ؓ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ آور اس اونٹ تک پہنچ گئے تھے کہ جس کے اوپر ہودے پر ام المومنین ؓ سوار تھیں۔ اس لیے اس مصیبت ناک واقعہ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا اور طرفین سے بڑے بڑے اسلام کے نام آور اور بہادر شہید ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ کی معاویہ ؓ کے لشکر سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ صفین کا میدان مسلمانوں کے گراں بہا خونوں سے لالہ زار ہوگیا۔ ایسے مواقع پر برادرانہ رنجش ایک معمولی بات ہے اور طرفین کے غالیوں کے لیے افراط وتفریط اور بے شمار روایات بنانے کا عمدہ محل ہے۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ شہید ہوئے۔ ابن ملجم ملعون نے (جو گھات میں تھا) مسجد کوفہ میں زخمی کیا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ پھر باہمی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت معاویہ ؓ کے سپرد کر کے کنارہ[1] کشی کی اور باہمی معاہدہ ہو کر جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد معاویہ ؓ کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ ان کا نالائق فرزند یزید پلید نہ انتخاب سے بلکہ ان کے باپ کی شوکت کے زور سے خلیفہ کیا گیا تھا مسند پر بیٹھا۔ اس ناخلف نے حضرت حسن ؓ کو زہر دلوا کر شہید کیا اور پھر امام حسین ؓ کو کربلا کے میدان میں شہید کیا اور مسلمانوں پر جور وظلم کیے۔ اس کے بعد یہ مرگیا اور چند روز کے لیے اس کا بیٹا جانشین ہوا مگر اب انتخاب نہ رہا، حکومت وسلطنت کی تخت نشینی رہ گئی۔ اس کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروانی خاندان میں کچھ کم سو برس حکومت رہی۔ پھر اس خاندان کا استیصال بنی العباس نے کیا۔ عباسیوں کی خلافت وحکومت کا پایۂ تخت بغداد تھا۔ ان باہمی لڑائیوں میں حضرت علی ؓ کی اولاد پر ظلم وستم بھی ہوتے رہے۔ معاویہ ؓ کی لڑائی سے لے کر اخیر تک اہلِ سنت کے نزدیک بھی جو حضرت علی اور حسنین ؓ کے مقابلے میں ہوئیں ان میں فریق مخالف سراسر خطا پر تھا اور حق اس طرف تھا۔

شیعہ حضرت علی ؓ کی اولاد فرضی طور پر اسی سندِ آسمانی سے اس مسند نشینی کو بہ لقب امامت بارہویں امام مہدی، حسن عسکری کے بیٹے تک مانتے ہیں اور کسی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے۔ پھر ان میں بھی کئی فرقے پیدا ہوگئے۔ کسی نے حضرت علی ؓ کی اولاد کو کسی نے اور کسی کو

[1] رسول کریم ﷺ نے ان مصیبت ناک واقعات کی پہلے ہی سے نہایت دردانگیز الفاظ میں پیشین گوئی کی تھی۔ ۱۲ منہ

امام مانا۔ اسی طرح ایک فریق جو ابتداء میں حضرت علی ؓ کا طرفدار تھا وہ دونوں فریق سے برگشتہ ہو کر دونوں کو برا کہنے لگا۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔

معاویہ ؓ اور ان کے بعد والے اگرچہ خطا کار تھے مگر ان باہمی ملکی لڑائیوں سے جن کا بیشتر منشا برادری کی عصبیت وحمیت ہے، ہم ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کفر واسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصِ خاص کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے کفر واسلام وہی ہے جس کو خدا اور رسول ﷺ نے کفر واسلام بتایا۔ ہاں باہمی فساد ومعصیت ضرور ہے جس کی سخت الفاظ سے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اصلی بات تو یہ ہے اس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا چڑھا کر کاہ کا کوہ بنا دیا اور افراط وتفریط کو کام میں لا کر ایسے مباحث سے کتابیں بھر دیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی نامبارک لڑائیاں تھیں اسلام کی تلوار جس نے تھوڑے عرصے میں قطعۂ ارض پر بے نظیر قبضہ کیا تھا اسلامیوں ہی پر الٹ پڑی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ ہر فریق کے تیز طبع اور چالاک لوگوں نے ان واقعات سے کیا کیا باتیں اختراع کی ہیں بعض سنیوں نے تو بمقابلہ شیعہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت کے لیے آسمانی سند بنانے میں کوشش کی اور روایات واحادیث بنائیں اسی طرح شیعہ نے تو سینہ بسینہ علوم واسرارِ شریعت جدی گھڑنے میں کوشش کی اور روایات کا تو ڈھیر لگا دیا۔ کسی نے زبر بینات نکالے، کسی نے دعویٰ کیا کہ علی مرتضیٰ وزہرا وحسنین ؓ کی کتاب ہمارے پاس ہے جو خاص ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی اس میں لکھا ہے کہ بارہ امام[1] اس ترتیب سے ہوں گے اور یہ سب معصوم تھے نبی کی طرح ان کے پاس بھی وحی آتی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع میں سے نبی گزرے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے نبی ہیں گو نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے مگر معنی اسی کے لیے جاتے ہیں۔ بارہ اماموں کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں یعنی ان کو بزرگ اور نیک سمجھتے ہیں جن کے عقائد واعمال اہلِ سنت کے موافق تھے نہ یہ کہ وہ معصوم تھے ان پر وحی آتی تھی۔

بعض نے قرآن مجید کے آیات کی ایسی تفسیریں لکھیں کہ گویا تمام قرآن اسی باہمی جھگڑے اور علی ؓ کی خلافت اور دیگر خلفاء کی مذمت میں نازل ہوا ہے اور کوئی اہم مقصد بجز اس کے نہ تھا اور لطف یہ کہ سارے قرآن میں صاف صاف کہیں بھی ان کے مقاصد کو خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرما دیا کہ جھگڑا ہی طے ہو جاتا اور نہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ ؓ کے مجمع عام میں اس بات کو طے کر دیا معاذ اللہ اور اس کے رسول کو صاف صاف بیان کرنا نہیں آتا تھا کیا وہ بھی ابوبکر وعمر ؓ سے ڈرتے تھے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ رہیں مناقبِ علی مرتضیٰ ؓ کی بعض سچی احادیث سو ان میں کلام ہی کیا ہے مگر ان سے وہ بات پیدا کرنی توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مضمون ہے اور سب سے بڑھ کر غور طلب یہ بات ہے کہ وہ خلافت جو ابوبکر وعمر ؓ نے کی اس میں دنیا کا حظ ہی کیا تھا وہ تو ایک سخت مشقت تھی جس لیے ان بزرگوں نے اپنی اولاد کو نہ دی۔ شیعہ اس کو دنیاوی سلطنت وامارت سمجھے ہوئے ہیں جس لیے اپنے پیارے علی مرتضیٰ ؓ اور ان کی اولاد پاک کے پاس بلا فصل نہ آنے سے ناخوش ہیں۔ ہاں یزید کے عہد میں امارت ہوگئی تھی تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں یہ نعمتِ دنیا جگر گوشۂ رسول ﷺ کو دی جائے بشرطیکہ وہ اس کو قبول بھی کرتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

[1] شیعہ کے بارہ امام یہ ہیں۔ اول علیؓ ان کے بعد حسن، ان کے بھائی حسین، ان کے بعدان کے بیٹے علی زین العابدین، ان کے بعدان کے بیٹے محمد باقر، ان کے بعدان کے بیٹے جعفر صادق ان کے بعدان کے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے بعدان کے بیٹے علی رضا ان کے بعدان کے بیٹے محمد تقی ان کے بعدان کے بیٹے محمد نقی ان کے بعدان کے بیٹے حسن عسکری ان کے بعدان کے بیٹے محمد مہدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو غار سرمن رائے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ۱۲ منہ

الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ
وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا
لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ
الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا
فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ
جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب کے کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں اگر (کافر اہلِ کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور جو ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے پھر کہیں سے مدد نہ پائیں گے ان کے دلوں میں تو تمہارا خوف اللہ سے زیادہ ہے یہ اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں وہ تم سے سب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل تو پھٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر : ایمانداروں کے اقسام بیان فرما کر ان کے مقابلے میں بدکاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ بد بخت بجائے ان اصولِ سعادت کے جو پہلے مذکور ہوئے یہ باتیں کرتے ہیں فقال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا بطور تعجب کے منافقین کی پوشیدہ نالائق حرکات سے خبر دیتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے کافر[3] بھائیوں سے یوں کہتے اور ایسے غلط وعدے دیتے ہیں جن کو ہرگز وہ پورا نہ کر سکیں گے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں ان کے دشمنوں سے یہ ساز باز اور زبان سے ایمان کا دعویٰ۔ ایک وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں۔

جب یہودِ بنی[4] نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اور ابھی ان کا محاصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس وقت مدینہ کے منافق اور ان کے سردار عبداللہ بن اُبی نے یہود سے مخفی یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کو نکالیں گے تو تمہارے ساتھ ہم بھی وطن چھوڑ کر نکل جائیں گے اور

۱ جدر جدران (ج) جدار بالکسر مثلہ مجدور بضمتین مرج۔ ۱۲ اصراح
۲ شتت اشتات پراگندن شتت الامر واشتتت وتشتت بمعنی قوم شتی واشیائے شتی وجاء واشتاتا ای متفرقین۔ ۱۲ اصراح
۳ کفر ایک ملت ہے اس لیے ان کے بھائی کہایا ان میں اور یہود میں بھائی چارہ تھا مواخات وموالات قائم تھی۔ ۱۲ منہ
۴ کتاب یسعیاہ کے بائیس باب میں اس واقعہ بنی نضیر و بنی قریظہ کی طرف ان الفاظ میں صاف بیان ہے جو پورا ہوا اس کتاب کی یہ عبارت ہے الظرف ''خداوند ایک بہادر کی صورت میں نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُکسائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا'' (پیغمبر علیہ السلام خدا کی طرف سے بہادرانہ لباس میں نمودار ہوئے۔ شریعت کو عزت ہوئی) ''لیکن یہ ایک گروہ ہے جو لوٹے گئے اور غارت کیے گئے''۔ (بنی نضیر لوٹے گئے بنی قریظہ غارت ہوئے) ''وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچاتا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا پھر وہ'' (منافق بچانہ سکے) ''بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے اس نے ان پر قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اس پر گرداگرد آگ لگی بنی نضیر کی گڈھی کا شعلہ مسلمانوں نے اس میں آگ دی خدا کے قہر کا شعلہ تھا جو دور سے لپٹیں مارتا تھا۔ ۱۲ منہ

اس میں کسی کی بات بھی نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور مدد کریں گے۔ مضبوط رہو۔ یہ سردار منافق کا کلام تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے نہایت تاکید سے فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز کوئی بات بھی ان دونوں میں سے نہ کریں گے لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ اگر وہ نکالے گئے تو ان کے ساتھ آپ نہ نکلیں گے۔ ولئن قوتلوا الخ اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور بالفرض مدد بھی کی تو شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر کبھی غلبہ نہ پائیں گے۔

پیشین گوئی: اس پیشین گوئی کی پوری تصدیق ہوئی۔ بنی نضیر سے نوبتِ جنگ آئی ان کی گڑھی کا محاصرہ ہوا اس کے بعد وہ عرب سے نکالے گئے مگر منافقوں پر وہ رعب غالب آیا کہ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکے نہ ان کے ساتھ آپ جلاوطن ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام کی خبر کو جھوٹا کرنے کے لیے ان کے لیے بڑا موقع تھا کہ کچھ مدد کرتے یا دس بیس کوس دو چار روز کے لیے نکل جاتے مگر خدائے قادر کب تکذیب کرنے دیتا یہ بھی منجملہ اخبار بالغیب کے ایک پیشین گوئی تھی جو صادق ہوئی۔ اعجازِ قرآن ونبوت کی کھلی دلیل ہے۔

اس خلاف وعدگی کا سبب بیان فرماتا ہے لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً الخ کہ یہ منافق اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر اے مسلمانو! تم سے ڈرتے ہیں، بے سمجھ لوگ ہیں۔ بندہ کا کیا ڈر، اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر بات ہے۔ جو قوم اللہ سے ڈرتی ہے اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں ان پر پھر کسی کا خوف غالب نہیں آتا۔ یہی شجاعت کا اصل اصول ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ اب رہے یہود وہ بھی بزدل ہیں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے مگر گڑھیوں میں بیٹھ کر اور شہر پناہوں کی آڑ میں۔ ہاں آپس میں خوب لڑتے ہیں۔ ظاہر میں موافق اور باطن میں باہم مخالف یہ بد عقل ہیں۔ افسوس یہی خصلت آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾
كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ
فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع ۲

ان کا حال تو پہلوں جیسا ہی ہے کہ جنہوں نے اپنے کام کی سزا پائی ہے اور ان کو (آخرت میں بھی) سخت عذاب ہے (اور) مثال شیطان کی سی ہے وہ آدمی سے کہتا ہے کہ تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو جاتا ہے (اور مدد مانگتا ہے) تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ جو تمام جہان کا رب ہے۔ پھر ان دونوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ستمگاروں کی یہی سزا بھی ہے۔

ترکیب : كتشبيه مثلهم قريبا ای استقروا من قبلهم اوذاقوا وَبَالَ اَمْرِهِمْ قريبا ای عن قريب فكان عاقبتهما بقرء بالنصب على الخبر وانهما فی النار ويقرء بالعكس وخالدين حال وحسن لما كرر الظرف ويقرء خالدان على انه خبران، ابن الصائغ۔

تفسیر : یہودِ بنی نضیر نے اپنی نالائقی کی ایسی سزا پائی جیسا کہ ابھی ان سے پہلے لوگ اپنے افعالِ بد کا وبال اور سزا پا چکے ہیں۔ دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ ان بنی نضیر سے پہلے تھوڑے دنوں آگے کون لوگ آسمانی تازیانے سے پٹے تھے؟ مجاہد کہتے ہیں مشرکینِ مکہ تھے جو بدر میں قتل اور قید ہوئے بنی نضیر کے واقعے سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے،

بعض کہتے ہیں یہود بنی قریظہ کی سزا کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کو ایسی سزا ہوئی جو تھوڑے دنوں آگے بنی نضیر کو ہوئی تھی بنی نضیر کے دو برس بعد یہود کے دوسرے قبیلے ہر جس کو بنی قریظہ کہتے تھے اور وہ بھی مدینے کے قریب رہتے تھے ان کی بدعہدی سے آفت ہوئی۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ الخ مدینے کے منافق جو یہود بنی نضیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جھوٹی باتوں کے گھمنڈ پر ابھار رہے تھے اور وہ کمبخت ان کی باتوں میں آکر خراب ہوئے اس کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ یہود بنی نضیر کے بہکانے کی مثال ایسی ہے کہ جب شیطان آدمی کو کافر بنا دیتا ہے اور جب بہکا چکتا ہے تو شیطان آپ الگ ہو جاتا ہے اور الٹی ملامت کرنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح منافق بہکا کر الگ ہو گئے اور جب ان پر آپڑی تو انہیں کو برا بھلا کہنے لگے۔ انجام کار شیطان اور اس کے بہکے ہوئے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ظالموں کی سزا بھی یہی ہے۔

یہ ایک بڑی عبرت انگیز نصیحت دل پر اثر کرنے والے الفاظ میں انسان کے لیے ہے کہ وہ کسی بہکانے پھسلانے والے کی باتوں میں آ کر برباد نہ ہو، وہ بہکانے والا بوقتِ مصیبت ساتھ نہیں دیتا، الگ ہو جاتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے وہ ہر روز انسان کو بہکاتا اور کفر و بدکاری میں مبتلا کرتا ہے۔ انسان کے اندر قوائے بہیمیہ و شہوانیہ و غضبیہ تین زور آور کلیں ہیں جن تک بذریعہ سرایت شیطان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ اگر مددِ غیبی کا محافظ نہ روکے تو یہ بدبخت ان میں ناجائز تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی ان تینوں قوتوں کی ناجائز تحریک اور فطری مڑک سے دوسری طرف روانگی شیطانی تحریک و تضلیل ہے۔ جس طرح ملائکہ کو ان چیزوں کی اصلاح کے لیے بذریعہ الہام و تلقی رسائی ہے اسی طرح شیطان کو فساد کے لیے اور خود انسانی خیالاتِ فاسدہ جو خلافِ فطرت پیدا ہوتے ہیں اور بنی آدم کے بدراہ کرنے والوں کی تائید و تحریک بھی تضلیلِ شیطانی ہے۔

بعض مفسرین نے كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ کے الفاظ سے چسپاں کرنے کے لیے ایک قصہ طول وطویل نقل کیا ہے جس میں برصیصا راہب کے پاس شیطان کا بہ شکل راہب آنا اور ان کو اسماء سکھانا اور بیماروں کا بھیجنا اور ان میں بادشاہ کی لڑکی کا آنا اور برصیصا کا اس سے زنا کرنا اور اس کو حمل رہ جانا اور بدنامی دور کرنے کے لیے بمشورۂ شیطان اس کا قتل کر کے دبانا اور شیطان کا جا کر خبر دینا اور برصیصا کا دار پر چڑھنا اور اس وقت شیطان کا بامیدِ خاص سجدہ کرنا اور پھر شیطان کا ملامت کر کے غائب ہو جانا اور برصیصا کا حالتِ کفر میں مرنا نقل کیا ہے جس کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں ہاں کہیں ایسا ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے پھٹ پڑا ہوتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

تفسیر: اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا ذکر کر کے اہلِ سعادت کو ان کے اصولِ سعادت کی طرف متوجہ کرتا ہے جو دارین میں اس کے لیے کافی ہیں۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ واضح ہو کہ انسانی سعادت کے دو حصے ہیں۔ اول قوتِ نظریہ کی تکمیل، جہلِ بسیط و جہلِ مرکب کی ظلمات سے نجات پانا۔ علم کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی صفات و ذات اور دیگر امورِ ضروریہ کو واقعی طور پر یقین کر کے توہمات و تخیلاتِ باطلہ کی دلدل سے گزر جانا۔ اس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ جن کو یہ صفت حاصل ہو گئی ہے ان کو ایمان والے کہتے ہیں۔ بس وہ ایمان والوں کو اس پر ثابت رہنے یا اس میدان میں ترقی کرنے کے لیے تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ اللہ سے ڈرنا اور ڈر کر عمدہ اور کارآمد مسائل سعادت حاصل کرنا مضرات سے بچنا۔ دوسرا حصہ سعادت کا اصلاحِ عمل و تہذیبِ اخلاقِ ظاہری و باطنی ہے۔ اور یہ ایک مشقت کا کام ہے اور نفس پر بڑے جہاد کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کو ان تاکیدی الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ فقال وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ ہر شخص (نکرہ میں تعمیم ہے) کسی قوم کسی رتبے کا ہو، یہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اس جہان کے لیے (جو بہت قریب پیش آنے والا ہے گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اس دوسرے جہان کا ہے گویا بہت ہی قریب ہے، غد کے لفظ میں اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا) کیا بھیجا ہے؟ یعنی کیا توشہ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے تیار کیا ہے؟ اور وہ توشہ تقویٰ ہے اس لیے تقویٰ کرنا چاہیے۔ انسان جب اپنی عمرِ رواں اور اس کے اندر ملکِ جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعاً اس کے تمام قوائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہو گی اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہو گا کہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ خبردار ہے ہمارے ہر عمل سے واقف ہے تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سرگرمی کرے گا۔ تقویٰ تمام حسنات و اصولِ سعادت کا اصل الاصول ہے اس لیے ہر ایک بات یا ہر ایک حصہ کے لیے جداگانہ اتقوا اللہ کا اطلاق ہوا اور بظاہر اس لفظ کو مکرر لا کر نفسِ غافل کو متنبہ کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی سرگرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ الخ اور ان جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کو بھول گئے اور شب و روز اس چند روزہ زندگی کے لیے شہوات و لذات میں ایسے محو ہوئے کہ اللہ کو بھی بھول گئے پھر دارِ آخرت کی یاد اور وہاں جانے کا خیال کیسا؟ اس لیے اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا یعنی سعادت و حیاتِ جاودانی سے محروم کر دیا اور وہ بدکار لوگ ہیں۔ یہ اہلِ سعادت کے برابر نہیں ہوں گے۔ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ الخ کہ جہنم میں جلنے والے اور جنت میں آرام پانے والے ہرگز برابر نہیں۔ اہلِ جنت جو ہیں بامراد ہیں اور جہنمی کون؟ یہ بیان نہیں کیا اس کو عاقل سمجھ سکتا ہے یعنی نامراد۔

یہ اصولِ سعادت جو قوتِ نظریہ اور عملیہ کے متعلق ہیں سب انسان کو بذریعہ ایک الہامِ الٰہی کے پہنچے ہیں جس کا نام قرآن ہے اس لیے سعادت کا دارومدار قرآن کی پابندی پر ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی عظمتِ شان بیان فرماتا ہے فقال لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے جیسا کہ انسانوں پر نازل کیا ہے تو ہیبتِ الٰہی کے مارے پھٹ جاتا۔ یہ تمثیل ہے یعنی باوجودیکہ پتھر سخت اور غیر متاثر ہے اگر وہ عاقل اور قابلِ خطاب ہوتا اس پر قرآن نازل ہوتا تو وہ خوف کے مارے پھٹ جاتا مگر انسان کیسا سخت دل ہے۔ اسی لیے روزِ میثاق آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت نہ اٹھایا، انسان نے اٹھا لیا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہ بڑا مہربان بہت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا' امن دینے والا' نگہبان زبردست دباؤ والا' عزت دینے والا ہے۔ اللہ پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اللہ پیدا کرنے والا' ایجاد کرنے والا' صورت بنانے والا ہے اس کے (بہت سے) عمدہ نام ہیں آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ زور اور حکمت والا ہے۔

تفسیر: اصولِ سعادت میں سے اعلیٰ حصہ تکمیلِ قوت نظریہ تھا جس کا اعلیٰ حصہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کو علی ماینبغی یقین کرنا تھا۔ اس نے اس کے بعد اپنی ذات وصفات کا حال بیان فرماتا ہے تا کہ اس کی عظمت ذہن میں آئے اور پھر قرآن کی عزت بھی خیال میں آجائے کہ وہ کس کا کلام ہے؟ اس کا کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں، آسمان کانپتے ہیں، سمندروں کا زہر آب ہوتا ہے۔ فقال هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی یکتا' بے انتہا طاقتوں والا' آسمانوں کا خالق اور ان کو تاننے والا' زمین اور اس کے اوپر جو ہیں انہیں پھیلانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں تک ذاتِ حق سبحانہ کا بیان تھا۔ اس کے بعد صفات کا بیان کرتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پوشیدہ اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے جو بندوں کے نزدیک ظاہر اور جو پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔ الغیب بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کے حسِ بصر سے لے کر حواسِ خمسہ سے بھی جو غائب ہے اور انسان پر کیا موقوف بلکہ ملائکہ کے بصر بلکہ جمیع مدارک سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے۔ عالمِ ملکوت انسان کا غیب اور لاہوت و جبروت ان سے اوپر والوں کا غیب بلکہ عالمِ ناسوت ہر ایک پسِ پردہ چیز کے لحاظ سے مابعد زمانی ومکانی کے سبب یا حسِ بصر اور اس کے بعد دوسرے حس کے لحاظ سے غیب ہے گو دوسرے کا کہ جس کے آگے حجاب نہیں شہود ہے۔ غیب کے بے شمار پردے بے انتہا اور عمیق گہرائیاں ہیں۔ فرشتوں کے ادراک سے بھی صدہا چیزیں غائب خدا تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اس کے غیب الغیب پر کسی کو آگاہی نہیں۔ عالمِ شہود میں آنے والی چیزیں جو مسافت طے کرتی ہوئی آرہی ہیں اور پھر عالمِ شہود میں رہ کر جو عالمِ غیب کی بے انتہا وسیع وادیوں کو طے کرتی جاتی ہیں ہزاروں منزل طے کر گئیں۔ یہ سب انسان سے غائب اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ ہر شخص اور ہر قوتِ ادراک کے لحاظ سے غیب اور شہادت میں اضافی اور اعتباری درجات نکلتے آئیں گے بلکہ غیب و شہادت اضافی ہوگا۔ جس طرح غیب کے مراتب ہیں اسی طرح شہود کے بھی۔ مگر اس کے نزدیک سب عیاں ہے سب کو برابر جانتا ہے۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ان دونوں لفظوں کی شرح بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ کسی قدر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں رحمت کا مادہ موجود ہے مگر قلت وکثرت تمام غیر تمام دنیا وآخرت کی رحمت مومن وکافر پر رحمت کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ رحمٰن میں کمال اور پوری رحمت ہے اس لیے بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق عموماً درست نہیں برخلاف لفظ رحیم کے۔ رحمت، مہربانی، عنایت۔ اگر معنی پر غور کیا جائے اور آدمی تھوڑی دیر بھی ان لفظوں کے معنی کا مراقبہ کرے تو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے ہیں بلکہ آسمان وزمین اور جو کچھ اس کی ظاہری اور باطنی نظر میں آئے سب رحمت ہے وجودِ اشیاء خواہ بعض اشیاء بعض کو بہ لحاظ فوت ہونے کسی منفعت کے زحمت معلوم ہوتی ہو مگر رحمت ہی رحمت ہے۔

تاکید ہے۔ الملک بادشاہ تمام کائنات پر حقیقی سلطنت اسی کی ہے۔ نہ اس کے خزانوں کی کچھ انتہا ہے نہ لشکروں کی تعداد کی۔ دنیا میں بادشاہت اسی کی بادشاہت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے اور پھر سریع الزوال جس کو ہزاروں خطرے سیکڑوں دغدغے' بغاوت کا ڈر' کارکنانِ سلطنت کی خیانت کا خطر اس پر ارضی وسماوی مصائب کا کوئی مقابلہ نہیں۔ خزائن صرف ہو جانے کا اندیشہ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعیت کی احتیاج ان کے اموال کی دست نگری برخلاف اس شہنشاہِ حقیقی کے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیاوی بادشاہ کو ملک الملوک کہلانا زیب نہیں وہی ملک الملوک ہے۔ وہی خداوندِ خدائگاں ہے۔ اَلْقُدُّوْسُ پاک ہر عیب سے بری ہر بات سے جو اس کو شایاں نہیں کثیر البرکات (بالضم وبالفتح کمتر)۔ اَلسَّلَامُ یا تو اس کو سلامتی سے لیا جائے اور اسی سے دارالاسلام وسلام علیکم ہے تب اس کے معنی ہیں ہر نقصان وزوال سے سلامت مصدر ہے مبالغۃً اطلاق ہوا جیسا کہ کسی کو کہتے ہیں رجاؤ غیاث پھر اس میں اور قدوس میں یہ فرق ہے کہ سلام آئندہ نقصانوں سے بری ہونے والا اور زوال پذیر نہ ہونے والا۔ قدوس زمانِ ماضی وحاضر کے نقصانوں سے مبرا۔ یا سلام کے معنی باعثِ سلامتی تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ سلامتی عطا کرنے والا۔ اَلْمُؤْمِنُ یا امن سے لیا جائے کہ وہ امن دینے والا ایمانداروں کو اور اس کی پناہ میں آنے والوں کو عذاب و بلیات سے۔ یا ایمان سے لیا جائے کہ وہ اپنے انبیاء اور ملائکہ اور احوالِ آخرت کی تصدیق کرنے والا ہے۔ معجزات وآیاتِ قدرت سے۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ خلیل اور ابوعبیدہ کہتے ہیں ہیمن یہیمن فھو مھیمن اس کو کہتے ہیں جو محافظ اور نگہبان ہو اور علماء کہتے ہیں مھیمن اصل میں مؤیمن تھا۔ امن یؤمن سے ہمزہ کو ہاء سے بدل لیا جیسا کہ ارقت ہرقت میں اس کے معنی ہیں مومن کے۔ حسن کہتے ہیں اس کے معنی ہیں امین۔ خلیل کہتے ہیں محافظ۔ سعید بن المسیب وضحاک کہتے ہیں قاضی ابن کیسان کہتے ہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی وہی جانتا ہے۔ العزیز عزت والا، غالب قاہر زبردست۔ الجبار فعال کے وزن پر ہے جبر نقصان سے یعنی وہ فقیر کو غنی کرنے والا، ٹوٹے کو جوڑنے والا، نقصان کی جگہ فائدہ دینے والا، بھر دینے والا یا جبر بمعنی قہر سے لیا جائے۔ جبار[1] بمعنی قہار مجبور کر دینے والا۔ اس کے کاموں سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ فراء کہتے ہیں فعال افعل سے بجز ان دو جگہ کے نہیں آیا۔ ایک اجر سے جبار دوسرا ادرک سے دراک۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جبار کے معنی ہیں عظیم اور اس کی جبروت اس کی عظمت ہے۔ المتکبر کبر بسکون الوسط کبریاء بزرگی و بزرگ شدن تکبر استکبار بزرگی نمودن (صراح) اس کے معنی ہیں بزرگی والا، اور علو وبرتری ظاہر کرنے والا۔ تمام صفاتِ کمال اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو زیبا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کو۔ ؎ مرادرا رسد کبریاء ومنی۔ کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبر میری چادر ہے جس نے اس کو اختیار کیا گویا میری چادر پر ہاتھ ڈالا۔ سنت اللہ جاری ہے دنیا میں متکبر اور گردن کش اور نخوت شعار ایک روز ضرور سرنگوں کیا جاتا ہے۔ بندگانِ خدا کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور اللہ کے ساتھ اس وصف میں مشارکت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ اس تکبر سے جو خلق کو حاصل ہے پاک ہے کس لیے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ناقص ہیں۔ پھر ادعاءِ کبر نقصان پر اور نقصان ہے۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ کہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ البارئ بنانے والا۔ خالق اور بارئ کے ایک ہی معنی ہیں مگر کسی قدر فرق ہے۔ بارئ کا استعمال جواہر واجسام میں ہوتا ہے نہ اعراض میں برخلاف خالق کہ وہ عام ہے۔ دنیا میں اجسام وجواہر یا مواد کسی بندے کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہاں بعض مواقع میں بندہ ترکیب دے دیتا ہے جس کے بعد ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گارے میں کمہار تصرف کرتا ہے' آبخورے پیالے بناتا ہے۔ المصور بلکہ حقیقی طور پر صورت بھی وہی بناتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو کوئی کسی ذی روح کی تصویر یا مورت بناتا ہے قیامت کو حکم ہوگا کہ ان میں جان ڈالے مگر نہ ڈال سکے گا، عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کام میں خداوندی فعل کی نقالی ہے، بت پرستی کا بھی

[1] ابن الانباری کہتے ہیں جبار اللہ کے صفات میں بایں معنی مستعمل ہے کہ سمجھ سے باہر وہ کھجور جس تک ہاتھ نہیں پہنچتا اس کو جبارہ کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سامان ہے اس لیے شرحِ محمدی میں حرام کر دیا گیا۔ یہ چند اسماء بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے: لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اس کے اور بھی نیک نام ہیں يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح وتہلیل ہوتی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ زبردست بھی ہے اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔

ابحاث : (۱) ولہ الاسماء الحسنٰی اس کی بابت ہم بحث کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بے شمار صفاتِ حمیدہ ہیں ہر صفت کے لحاظ سے اس کا ایک نام ہے جس سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور حدیث میں جو ننانوے نام آئے ہیں ان میں حصر نہیں۔ امام ابوموسیٰ اشعری وغیرہ اہلِ سنت کے اکابر کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہی توقیفیہ ہیں کہ جس قدر شارع کی طرف سے اسماء کا اطلاق اس پر وارد یا جائز ہوا ہے انہیں پر بس کرنا چاہیے گو اس کا ہم معنی لفظ آیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بت پرست قوموں نے اپنے اوہامِ باطلہ سے مخلوقات کے کبراء پر قیاس کر کے خدا تعالیٰ کے نام بنائے ہیں جن سے صفتِ نامرضیہ کا ثبوت ہوتا ہے یا وہ نام کسی خاص وجہ سے جیسا کہ اشتراک بالہٗ باطلہ عند اللہ مکروہ ہیں بہرطور اس باب میں شرع نے وسعت نہیں دی۔ مگر معتزلہ وقاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں اگر اس نام کے معنی میں کوئی قباحت نہیں اور عقلاً اس صفت سے خدا کا اتصاف جائز ہے تو اس کا اطلاق ذاتِ باری پر عقلاً ممنوع نہیں۔

(۲) کیا اسماء میں کوئی جداگانہ خاصیت یا تاثیر رکھی گئی ہے؟ حکماء کہتے ہیں کہ صرف یہی تاثیر ہے کہ ان معانی کے تصور سے جو ان اسماء سے مستفاد ہوتے ہیں دل پر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے مگر محققین نے اس کے سوا اور بھی تاثیر ثابت کی ہے یہاں تک کہ حروفِ مفردہ میں جداگانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اثر رکھا گیا ہے جیسا کہ ادویہ میں اور پھر ان سے مرکب نام میں خواہ وہ کسی کا نام ہو۔ ایک نیک بدنحس یا سعد اثر ہے اور پھر اس تاثیر یا ظہور کے لیے شروط ہیں جن کے بعد قطعاً اثر ظاہر ہوتا ہے پڑھنے سے بھی اور ان کو لکھ کر پاس رکھنے اور باندھنے سے بھی بلکہ ان کے اعداد بقاعدۂ فنِ تکسیر لکھنے سے بھی جس کا صدہا بار تجربہ ہوا ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ راقم الحروف ورمِ طحال (تاپ تلی) کے لیے چند اسماء لکھ کر دیا کرتا ہے صدہا بار تجربہ ہوا ہے کہ مرض جاتا رہا اور جب شرط میں خلاف ہوا اثر نہ ہوا یا ان اسماء کی جگہ دوسرے بدل دیے گئے پھر بھی اثر نہ ہوا۔ میں تجربہ کرا سکتا ہوں اور بعض لوگ موجود ہیں کہ جن پر تجربہ ہوا۔ یہ تاثیر کچھ ان اسماء کے مسمیات کے روحانی تصرفات پر موقوف نہیں بلکہ جن اسماء کے کچھ معنی بھی نہیں اور نہ ہم کو ان کا حکم ہے نہ ان کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے ان کے مسمیات سے استمداد واستعانت کا تو کیا ذکر ان میں بھی اثر ہے اور یہ اثر کچھ عربی یا فارسی الفاظ پر موقوف نہیں مگر جس صورت میں کہ وہ اسماء منزل من اللہ ہیں اور ان کے معانی قلب میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسمّٰی کا روحانی اور علوی اثرِ عظیم بھی ان کے ساتھ مربوط ہے ان کے اثر میں کوئی شبہ ہی نہیں دفعِ مرض، رزق کی فراخی، نجاتِ آخرت، فتح براعداء وغیرہ میں قرآن مجید کے الفاظ میں یہ اثر ضرور رکھا گیا ہے اسی لیے جو معنی پر واقف ہوئے بغیر بھی تلاوت کرتے ہیں تنویرِ قلب اور حلِ مشکلات میں بے حد اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے احادیثِ صحیحہ میں بعض بعض سور یا اسماء کے جداگانہ اوصاف آئے ہیں چنانچہ سورۂ حشر کی ان اخیر آیات کی بابت هو الله الذی سے آخر تک ترمذی و دارمی رحمۃ اللہ علیہما نے یوں روایت کیا ہے کہ جو شخص اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر یہ تین آیت صبح کو تین بار پڑھے گا تو اس کے لیے ستر ہزار (یعنی بہت سے) فرشتے مقرر ہوں گے کہ اس کے لیے دعائے خیر کریں اور جو اس روز مرے گا تو شہید مرے گا اور جو شام کو مرے گا یہی بات پیدا ہوگی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب ہے جو خاص ایک سند سے ثابت ہے۔

اسماء کی تاثیرات کی بابت قدیم زمانے سے حکماءِ اشراقین کا اور خصوصاً اہلِ ریاضت کا یہی اعتقاد تھا اور اس کا ایک خاص علم تھا حکماءِ مصر و ہند وغیرہ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ فن بہت مخفی کیا جاتا تھا۔ اشاروں اور رموز میں لکھا جاتا تھا اس لیے شدہ شدہ تلف ہو گیا اور لوگوں کے بخل نے اور بھی اس کو خاک میں نہاں کر دیا۔ قدمائے یہود میں جو سحر بابل یا نقوش سلیمانی کے آثارِ عجیبہ مشہور تھے وہ اسی فن سے

متعلق تھے اسی طرح قدمائے ہنود ہوم اور یگ کرنے میں منتر پڑھا کرتے تھے دفعِ بلاء وشکستِ اعداء کے لیے یہ ان کا قوی ہتھیار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر عالم کے کارخانے اور اسبابِ تمدن وتدابیرِ ترقی ان باتوں پر کچھ بھی وابستہ نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہ کی بلکہ عالم اسباب کی تدابیر کا اثر عملی وقولی طور پر ثابت کر دیا۔ ان باتوں کے پابند یا بھیک مانگا کرتے ہیں یا جہلاء خصوصاً عورات کو دامِ تزویر میں پھنسا کر پیٹ پالتے ہیں۔ ہندو فقیر اور مسلمانوں کے پیرزادے اور سیانے تو اسی ورطۂ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں خیالات سے بادشاہوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں، افلاس آیا، تجارت وحرفت سے محروم[1] رہے۔ بہت سے سادہ لوگوں کو دیکھا گیا کہ تدابیرِ عالمِ اسباب یا توکل کو تو چھوڑ دیا گیا اور صدہا تعویذ لٹکا رہے ہیں بچوں کو سوانگ بنا رکھا ہے۔ صبح شام چھوا چھو ہو رہی ہے مگر ہوتا خاک بھی نہیں۔ ہندو قوم اس بلا میں سب سے زیادہ گرفتار ہے۔ معاذ اللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ
اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِيْ ۚ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ
وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا
لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ
بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

اے ایمان والو؟ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضاجوئی کے لیے نکلتے ہو تو ان کو

[1] منجملہ اسبابِ تنزل کے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مزدوری نہیں کی جاتی۔ تجارت نہیں کرتے، صنعت وحرفت نہیں سیکھتے۔ کرتے کیا ہیں دستِ غیب کی تلاش میں سامنے باداموں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ ترکِ حیوانات سے رات دن مشقت اٹھائی جاتی ہے مگر حصول کچھ بھی نہیں اگر ہر ایک کے ساتھ یوں ہوا کرے تو نظامِ عالم بگڑ جائے اسی طرح کیمیا کی تلاش میں گھر پھونک دیا' تاجروں کے گھروں میں چاندی سونے کا ڈھیر ہے۔ اس کمبخت کے ہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خزائن تلاش کرتے کرتے دیوانہ ہو گیا۔ رمل وجفر ونجوم والوں سے دریافت کر کے غیب کے آئندہ مصائب دفع کرنے میں کوشش ہو رہی ہے حالانکہ رمال ونجومی آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ فقراء کا لباس پہن کر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا اور لوگوں کو مرادیں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بداقبالی کے زیورات ہیں پناہ بخدا۔ ۱۲ منہ

دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا اگر وہ تم پر قابو پائیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی سے دراز کریں اور چاہتے ہیں کہ کہیں تم کافر ہو جاؤ تمہاری رشتہ داری اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ قیامت کے دن وہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور تم جو کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : تلقون الخ حال من ضمیر الفاعل فی تتخذوا او صفة لاولیاء او استیناف والباء زائدة' وقد کفروا الخ حال من فاعل تلقون وقیل من فاعل لاتتخذوا یخرجون الخ حال من فاعل کفروا او استیناف مبین للکفرهم وصیغة المضارع لاستحضار الصورة۔ ان تومنوا مفعول له معمول یخرجون ان کنتم جوابه محذوف دل علیه لاتتخذوا جهادا مصدر فی موضع الحال او معمول فعل محذوف دل علیه الکلام تسرون توکید لیقلون بتکریر معناً وانا اعلم حال وقیل اعلم مضارع والباء مزیدة ما موصولة او مصدر۔

تفسیر : سورۂ حشر میں منافقوں کی بدسیرت کا بیان تھا جس سے حذر کرنا چاہیے۔ اب اس سورہ میں منافقانہ سیرت کی مذمت کرتا ہے۔ اور اس سورہ کی شانِ نزول میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ صحابی بدری نے ایک عورت کو جو مدینے سے مکے واپس جا رہی تھی مشرکینِ مکہ کے نام ایک خط دیا جس میں اظہارِ محبت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار تھا کہ حضرت ﷺ تم پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں ہوشیار رہو۔ وہ عورت خط لے کر نکل گئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ و زبیر و مقداد رضی اللہ عنہم کو دوڑایا کہ ایک عورت فلاں باغ کے پاس ملے گی اس کے پاس حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ اور عورت کو جانے دو۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے اسی باغ کے پاس عورت کو جا لیا۔ اس سے خط مانگا وہ مکر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار سے ڈرایا تو خط بالوں میں سے نکال کر دیا۔ یہ لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور خط دکھایا اس نے سچا عذر کر دیا کہ میں نے دین سے برگشتہ ہو کر یہ کام کیا نہ مشرکین کی محبت سے۔ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی مکے میں قرابت دار ہے جو اس کے عیال اطفال کی نگہبانی کرتا ہے میرا وہاں کوئی بھی نہیں اس لیے یہ خط لکھا کہ اس کے سبب مشرکین میرے عیال واطفال کو نہ ستائیں اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حکم ہو تو اس منافق کی گردن ماردوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے اور اہلِ بدر سے ہے خدا نے بدریوں کے حق میں کہہ دیا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

یہ کام خدا کے نزدیک ناپسند تھا۔ ان آیات میں اس محبت اور مودت کو ناپسند کرتا ہے کہ ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو، اگر میری رضامندی مطلوب ہے کیونکہ وہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔ اگر قابو پائیں تو تم پر ہاتھ اور زبان سے نہ چوکیں اور تمہیں کافر بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے تم یہ ناپسند باتیں کر رہے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ
اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا
قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶ ع

تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمدہ چال چلنی چاہیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے قائل نہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے دشمنی اور کاوش پیدا ہو گئی۔ جب تک اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کی اس بات میں پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں (اور یہ بھی کہا تھا) اے رب! ہم نے تجھ پر بھروسا کر لیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر آنا ہے۔ اے رب! ہم کو کافروں کے ہاتھ نہ ڈالیو۔ اے ہمارے رب! ہم کو بخش دیجو تو جو ہے تو زبردست حکیم ہے۔ البتہ تم کو انہیں کے اچھے طریقے پر چلنا چاہیے اس پر وہی چلے گا جو اللہ اور قیامت کے دن کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا' خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : فی ابراهیم الخ صفة ثانیة لاسوة او خبر لکانت ولکم بیان او حال من المستکن فی حسنة او صلة لها اذ قالوا الخ بدل کان براء جمع بری کظریف وظریف قرئ براء بالکسر مثل ظراف بالفتح اسم مصدر مثل سلام والتقدیر ذوا نا ذو براء۔ الا قول استثناء منقطع من قوله تعالیٰ اسوة حسنة فان استغفار ابراهیم علیه السلام لابیه وان کان جائزا قبل النهی عنه لکنه لیس ان یوشی به لمن کان بدل من لکم۔

تفسیر : کفار کی محبت و مودت سے دوسرے پیرائے میں منع کرتا ہے فقال قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کہ اے مسلمانو! تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کا عمدہ طریقہ اور بہتر رویہ تمہارے لیے قابلِ اقتداء ہے۔ پھر ان کے عمدہ طریقے کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کیا تھا اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ الخ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں نے اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں یعنی تمہارے معبودوں اور ان کی نسبت جو کچھ تمہارے اعتقاد ہیں کہ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں ہم اس کے منکر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ الخ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کو دشمنی اور رنجش پیدا ہو گئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کفار سے دوستی رکھنا حرام ہے:

نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور ان کی قوم اور سردار بت پرست تھے صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایمان لائی تھی اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ تھی۔ اس بیکسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ یہ جوانمردی محض اس قادرِ مطلق کے بھروسے پر تھی۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیے۔ مشرکین تمہارا کیا کر سکتے ہیں کس لیے ان سے محبت رکھتے ہو، برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور خدا تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضی ہے کہ اس کے دشمنوں' بددینوں' ملحدوں پر قولاً وفعلاً تمسخر کرنے والوں سے قطع کر دے۔ ان سے محبت اور یگانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوش خلقی اور حسنِ معاشرت کی ممانعت نہیں یہ اور بات ہے۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ الخ ہاں اس بات میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ میں خدا سے ضرور بخشش مانگوں گا حالانکہ مجھے اس کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں (ابراہیم علیہ السلام سا پیغمبر اپنے باپ کے حق میں یہ بے اختیاری ظاہر کرے پھر وہ بزرگ زادے جو اپنے بزرگوں کے

طریقے پر نہیں کس طرح بھروسے پر نجات کا بیڑا اٹھاتے ہیں) پھر آگے ابراہیم علیہ السلام کی مناجات ہے جو اس وقت اپنے رب سے کی تھی کہ رَبَّنَا عَلَيْكَ الخ اے رب! تجھ پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر جانا ہے۔ ہم کو کافروں کے ہاتھ میں ڈال کر اور آزمائش نہ کر اور ہم کو بخش دے تو جو ہے تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے کفار کی تکلیف سے بچایا اور جو کوئی ایسا کرے اس کو بچاتا ہے۔ الغرض کافر باپ کے لیے بخشش مانگنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرو اور سب باتوں میں کرو اگر اللہ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید ہے اور جو اس بات کو نہ مانے اور کفار و فجار سے دوستی رکھے تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں۔ یہ سخت تہدید کا کلمہ ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩

شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تم کو دشمنی ہے دوستی قائم کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا کہ جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ کس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم کو اللہ منع تو انہیں سے کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے۔ اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی کہ ان سے دوستی کرو اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں۔

ترکیب : الله فاعل عسیٰ ان یعجل الجملة خبرها **مودة** مفعول ليجعل ان تبروهم فی موضع جر علی البدل من الموصول بدل البعض وتقسطوا معطوف علی تبروا منصوب بان ان تولوهم بدل من الموصول (الذین) بدل الاشتمال ای ینهکم ان تتولوهم۔

تفسیر : پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ملاپ سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا اور اس حکم کی پابندی میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ حسنِ معاشرت کے قانون سے تجاوز ہو گیا۔ چنانچہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس مکے سے اس کی ماں آئی اس وقت کہ قریش میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ قائم ہو گیا تھا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے اپنی مشرکہ ماں کو گھر میں بھی نہ آنے دیا نہ اس کے تحفے قبول کیے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں مشرکہ ہے کیا میں اس سے سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، اس سے سلوک کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لیا تھا کہ ہم آپ پر چڑھائی نہ کریں گے نہ آپ کے برخلاف کسی کو مدد دیں گے۔ خیر کوئی واقعہ ہو مگر یہ آیات اس افراط کے روکنے کے لیے نازل ہوئیں جن کا خلاصہ ایک

درمیانی برتاؤ اور اعتدال کی کارروائی ہے۔ فقال عسی الله الخ کہ شاید خدا تم میں اور تمہارے دشمنوں کافروں میں دوستی کر دے۔ اب اتنا نہ بڑھو کہ حسنِ معاشرت اور مکارمِ اخلاق سے بھی گزر جاؤ کہ پھر دوستی ہو جانے کے بعد شرمندہ ہونا پڑے۔ اسی جگہ سے عقلاء نے کہا ہے کہ دشمنی کے وقت اس بات کو بھی لحاظ رکھ کر دوستی ہو جانے کے بعد کسی نامناسب بات پر ندامت نہ اٹھانی پڑے اور دوستی میں بھی دشمنی کے زمانے کو خیال کرے کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ میں نہ دے کہ دشمن ہو جائے تو تجھے مشکل پڑے۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ اللہ اس بات پر قادر ہے اور تمہاری افراط و تفریط کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور شاید ملاپ کی ممانعت سے مسلمانوں پر عزیز واقارب کا کلیۃً ترک کرنا شاق بھی گزرا ہو جیسا کہ انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے۔ مگر جب وہ لوگ اس حکم کے امتحان میں پورے نکلے تو خدا نے آئندہ دوستی قائم ہونے کا مژدہ بھی سنا دیا اور اس میلانِ قلبی کی معافی بھی کر دی بقولہ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اس بشارت کا جلد ظہور بھی ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جس سے لڑائی تھی شیر و شکر ہو گئے۔ پھر اس امر میں یہ امتیاز کر دیا۔ لَا يَنْهٰكُمُ کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں نہ انہوں نے تم کو گھروں سے باہر کیا ان سے احسان و انصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ ممانعت نہیں کرتا۔ احسان و انصاف ان سے کرو، مگر دوستی و محبت اور چیز ہے وہ نہیں۔ اور جنہوں نے تم سے لڑائی کی، گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی جیسا کہ قریشِ مکہ اور ان کے حلیف قبائل ان سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ **تولّی** دوستی باکسے کردن (صراح) احسان اور عدل کرنے کی بابت ان لوگوں سے کچھ نہیں فرمایا۔ اکثر اہلِ علم کہتے ہیں کہ ان دشمنوں سے اس کی بھی ممانعت ہے۔ آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ یہ لوگ حربی کہلاتے ہیں۔ ان سے بجائے مقابلے کے اور کیا کیا جائے اور احسان و سلوک کفار میں سے صرف ذمیوں کے ساتھ درست ہے جو اسلام کے ذمے یا عہد میں داخل ہوں جیسا کہ عرب میں قبیلہ خزاعہ تھا۔

فوائد : (۱) عسی الله الخ ایک بشارت اور پیشین گوئی تھی جس میں ضمناً اسلام کی ترقی اور اس کے غلبہ کی طرف اشارہ تھا کس لیے ان صادق اہلِ اسلام کی ان کفار سے دوستی ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یا وہ کفار مسلمان ہو جائیں یا مغلوب ہو کر اسلام کی ماتحتی اختیار کر لیں۔ اس آیت کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد اس کا ظہور کامل طور پر ہوا۔ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ وہاں کے کفار جو مسلمانوں کو محض اسلام کے لیے تکلیف دیتے تھے، مغلوب ہوئے اور اسلام لائے پھر کیا تھا بھائی بھائی تھے۔ اس سے پہلے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اقارب میں دینی عداوت تھی پھر وہی محبت ہو گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو قہر کی نظروں سے دیکھتے تھے پھر ایک ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس صبر و برداشت و فرماں برداری کا یہ نتیجہ خدا نے دکھایا۔ اس کے فرمان کے موافق اقارب سے یکلخت بیگانگی ہو گئی تھی۔

(۲) دنیا میں اسلام کا آنا ایک تغیرِ عظیم تھا اس کے مقابلے میں اس کے تین دشمن کھڑے ہوئے۔ اول کفر و بت پرستی کیونکہ اس کی تو اسلام نے دنیا میں ظاہر ہوتے ہی بیخ کنی کی۔ مکے کے قریش جو مسلمانوں کے قرابت دار اور بھائی بند تھے سب سے اول مقابل ہوئے اور بڑی بے رحمی اور بے مروتی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مار پیٹ، گالی گلوچ، قتل و ضرر رسانی کا کوئی دقیقہ ان غریب مسلمانوں سے اٹھا نہیں رکھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان وطنِ عزیز سے نکال دیے گئے جو سب مدینے میں آ جمع ہوئے۔ دوسرا رقیب عیسائیت تھی جو نہایت بدنما اور مہیب صورت میں ظاہر ہو رہی تھی اور ایک ایسے بیمار کی حالت میں تھی کہ جس میں صدہا امراض نے گھر کر لیا ہو یہ بھی مقابل ہوئی اور شام کی سرزمین پر اس میں اور اسلام میں آخر کشت و خون کی نوبت پہنچی اور پھر قرنوں تک دونوں دنیا کے اکھاڑے میں لڑتے رہے اور قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ تیسرا دشمن اور بغلی گھونسا یہودیت و مجوسیت تھی۔ آخر کار اسلام کے دل کش نظاروں نے دنیا کو اپنے اوپر فریفتہ کر ہی لیا اور یہ کشمکش اسلام کو اب بھی جہاں نیا عمل دخل کرتا ہے پیش آتی ہے اس لیے اس کے مخالفوں کے برتاوے کے لیے خدائے پاک نے ان آیات میں دستور العمل قائم کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۳) اسلام کے غیر لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ قسم اول جو اس سے مقابلہ نہیں کرتے اور نہ اس کی ایذا و ضرر رسانی میں سعی کرتے ہیں اب عام ہے کہ وہ اس کے ذمے یا عہد میں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ صلۂ رحمی، حسنِ سلوک، انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ اسلام کی فیاضی و ہمدردی ایسے کافروں پر بھی ہے اور ان میں سے اہلِ ذمہ کو تمدنی حالت میں کسی طرح بھی کم نہیں سمجھا گیا۔

دوسری قسم وہ ہیں جو اس سے مقابلہ کرتے ہیں، تکلیفیں دیتے ہیں، قتل و ضرب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے جو ان کے امکان میں ہو جیسا کہ قریشِ مکہ تھے۔ اب ایسے لوگوں کے ساتھ وہ مذہب (جو دنیا میں سلطنت و شوکت کے لباس میں جلوہ گر ہوا ہو اور خدا تعالیٰ کے ان سخت وعدوں کا ایفا جو اس نے سرکشوں کے لیے کیا تھا اسی کی شمشیرِ آبدار کے قبضے سے بندھا ہوا ہو) کیا کرے گا؟ مقابلہ اور اپنی قوت کا اجتماع۔ اجتماعِ قوتِ اعوانیہ کا یہ پہلا اصول ہے کہ مخالفوں سے یکسوئی اختیار کریں تا کہ ان پر اثر پڑے اور انتخاب صادق ہو کر ایک لشکرِ قہار تیار ہو جائے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی، الٹا دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا۔

حکم تو یہ تھا مگر اس کو کس عمدہ عبارت میں ادا فرمایا ہے اور لفظوں میں دوسرے مطالب کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا۔ اول تو کفار کے ساتھ جو قسم اول ہی کیوں نہ ہو سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہہ دیا لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ تم کو منع نہیں کرتا، اجازت و رخصت دیتا ہے تا کہ کفر کی ذلت اس عارضی صلح و ذمہ سے مٹ نہ جائے۔ دوم اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا فرمایا کہ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جس سے یہ نکلا کہ دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ سوم قسم دوم کے کفار کے لیے یہ فرمایا کہ ان سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے۔ نیکی و انصاف کا ذکر چھوڑ دیا تا کہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں۔ کفر و عداوت پر غور کیا جائے تو ان سے بجز جنگ اور جواب ترکی بہ ترکی کے اور کچھ نہ کیا جائے تا کہ دنیا سے کفر کا جھنڈا اکھڑے اور جو ان میں سے کسی کی حالتِ زار، فقر و فاقہ و مصیبت پر خیال کیا جائے تو نیکی اور حسنِ سلوک کر دو، بھوکے کو کھانا کھلا دو، ننگے کو کپڑے پہنا دو، تمہاری عدالت میں ان کا جھگڑا آئے تو انصاف کرو۔ چہارم قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ میں مسلمانوں کو جوشِ مذہبی دلایا۔ واخرجوکم الخ میں جوشِ عصبیت و حمیت وغیرہ کو دوبالا کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ
حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۡ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
وَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! جب کہ تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم جان لو کہ وہ ایماندار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ بھیجو۔ نہ یہ عورتیں ان کو حلال ہیں نہ وہ کافران عورتوں کو حلال ہیں۔ اور ان کافروں کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے مہر دے چکو اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا۔ اور اللہ بہت جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی چلی جائے کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آ جائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو کہ جن کی بیویاں چلی گئیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ترکیب : مهاجرات حال من المؤمنات فامتحنوهن جواب راذا۔ الله اعلم جملة معترضه مؤمنات مفعول ثان لعلمتم من مفعول اول فلا ترجعوهن الجملة جواب الشرط لاهن الجملة فی موضع التعليل لقوله فلا ترجعوا ولاتمسكوا امن وقراء ابوعمرو يعقوب بالتشديد والاخرون بالتخفيف بعصم جمع عصمة وهی ما يعتصم به من العقد والنسب والعهد والمراد به ههنا النكاح الكوافر جمع كافرة وان فاتكم اى سبقكم وانفلت منكم شیء فاعل فاتكم من ازواجكم بيان لشیء وايقاع شیء موقعه للتحقير والا شباع فی العميم او شیء من مهور ازواجكم۔ فعاقبتم اى فجاءت عقبتكم اى نوبتكم من اداء المهر۔ شبه الحكم باداء هؤلاء مهور اولئك تارة واداء اولئك مهور نساء هؤلاء تارة بامر يتعاقبون فيه كما يتعاقب فی الركوب وغيره قال المبرد فعاقبتم اى فعلتم ما فعل بكم يعنى ظفرتم وهو من قولك العقبى لفلان اى العاقبة ومعنى العاقبة الكرة الاخيرة وقال ابن عباس ومسروق ومقاتل معنى عاقبتم غنمتم وغزوتم معاقبين غزوا بعد غزو وكانت العقبى والغلبة لكم وقيل اصبتم الكفار فی القتال بعقوبة حتى غنمتم۔ قرئ حميد الاعرج فعقبتم بالتشديد قرء الزہری بالتخفيف بغير الف وقرء مجاہد فاعقبتم اى صنعتم بهم ماصنعوا بكم۔ فهو معطوف على فاتكم فی حيز الشرط فاتوا الخ جوابه مثل مفعول ثان فاتوا۔

تفسیر : دشمنِ اسلام تین قسم کے تھے۔ اول وہ کہ ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔ دوم کہ جن کی دشمنی دُور ہو جانے کی امید تھی۔ سوم وہ کہ ان کی دشمنی جاتی رہی تھی اور وہ مطیعِ اسلام ہو گئے تھے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ان کے احوال بیان فرما کر ہر ایک فریق سے اس کے مناسب معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ الخ۔ میں اول قسم کے کفار کا حکم دیا کہ ان سے بالکل ترک کرنا چاہیے اور دوسری قسم کے لوگوں کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً کہ ان سے ایک روز دوستی ہو جائے گی۔ حسنِ معاشرت سے پیش آؤ۔ تیسری قسم کے کفار کا حال اور حکم ان آیات يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ میں بیان فرماتا ہے کہ اب جو کفار میں اور تم میں بمقام حدیبیہ صلح و عہد ہو گیا ہے وہ دشمنی تمام ہو گئی ان سے عدالت و انصاف کی کارروائی کرو جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ بمقام حدیبیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا اور سہیل بن عمرو کفار کی طرف سے عہد نامہ لکھ رہا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہمارا جو کوئی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیرے پاس بھاگ کر آئے تو آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط شاق معلوم ہوئی اور انکار کیا مگر اس نے نہ مانا آخر لکھی گئی۔ اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ سہیل مذکور کے بیٹے کو جو مکے سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کے حوالے کیا (اس میں بھی مصلحتِ الٰہیہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ مکے کو واپس نہ گئے نہ مدینے میں رہے بلکہ ایک مقام تجویز کر کے کفار مکے کے آیند و روند کو لوٹنا شروع کر دیا جس سے کفار نے ان کو مدینے میں رہنا غنیمت جان کر واپس لینے کی درخواست کو چھوڑ دیا) یہ معاملہ مردوں کے ساتھ تھا مگر

عورتوں کی بابت اس عہد نامے میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصے میں چند عورتیں بھی مکے سے محض دینِ اسلام اختیار کرنے کی غرض سے مسلمانوں میں آملیں منجملہ ان کے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا قبیلہ اسلم کی بھی آئی اور عہد نامہ لکھ کر اس پر مہر ہو چکی تھی اس کے پیچھے اس کا خاوند بھی آیا جس کے نام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں مسافر مخذومی۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ کر دیجئے۔ آپ نے ہمراہ نہ کیا کس لیے کہ یہ آیت نازل ہوگئی تھی۔ اس آیت میں عورتوں کا دینا ممنوع ہوگیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا دریا جوش زن تھا لوگ مسلمان ہوتے تھے مگر اپنے وطنوں میں کفار برادری سے امن نہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے تھے۔ مکے کے لوگوں سے صرف مردوں کی بابت معاہدہ ہوگیا تھا۔ اس آیت نے کھول دیا کہ عورتوں کی بابت معاہدہ نہیں وہ ہرگز واپس نہیں دی جائیں گی کس لیے کہ کفر و اسلام میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ نہ کافر مرد کو مسلمان عورت حلال ہے نہ مسلمان عورت کو کافر مرد مگر شرط یہ تھی کہ وہ عورت خاص اسلام کے لیے ہجرت کر کے آئی ہو کسی مرد یا دنیوی خواہش یا اپنے شوہر کی نفرت سے نہ آئی ہو۔ اس لیے سب سے اول اس آیت میں اسی مسئلہ کی تشریح ہوئی۔

فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ کہ اے مسلمانو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ آیا در اصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے؟ امتحان آزمائش قرآن میں اس کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حلف دے کر پوچھتے تھے کہ تو اپنے خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مرد کی رغبت سے یا کسی دنیاوی غرض سے تو نہیں آئی؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ حقیقت الامر اور ان کا ایمان تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں احکامِ شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں جب وہ حلف سے ایمان ظاہر کر دیں تو تمہیں اعتبار کرنا چاہیے کسی بدگمانی کو دخل نہ دینا چاہیے۔ اور نیز ان کے ایمان کی تائید بھی ہے کس لیے کہ امارات تو ظاہر ہیں مگر وطن و اقارب کا چھوڑنا ان پاکباز بیویوں کا محض ایمان اور محبتِ الٰہی سے تھا۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ اگر تم کو یقین ہو جائے کہ وہ ایمان والیاں ہیں تو پھر ان کو کفار کے پاس نہ جانے دو کس لیے کہ لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یہ عورتیں ان کفار شوہروں کے لیے حلال نہیں۔ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اور نہ وہ کافر شوہر ان کو حلال اور جائز بنا سکتے ہیں۔

پہلا حکم: ان آیات میں یہ پہلا حکم ہے کہ کفار کی بیویاں اگر اسلام لا کر مسلمانوں کے گروہ میں آملیں تو ان کا نکاحِ سابق باقی نہیں رہتا۔ کبھی مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں۔ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو یا نصرانی یا مجوسی یا یہودی یا کسی غیر مذہب والے سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا بلکہ حرام کاری ہوگی۔ بادشاہِ اسلام کا فرض ہے کہ ان کو جدا کرے اور جو نہ مانیں تو سزا دے تا کہ ملک بدکاری سے پاک رہے۔ اس پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

فائدہ (۱): جب کوئی عورت مسلمان ہو جائے یا اسلام کے ارادے سے مسلمانوں کے گروہ کی طرف سفر کرے بہ ایں نیت کہ پھر کفار میں نہ جائے گی اس کا نکاح کافر شوہر سے فسخ ہوگیا۔ اسی طرح مرد اسلام لائے یا بہ ارادۂ اسلام دارالاسلام کی طرف آئے اس کی کافرہ بیوی سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ عینی شرح ہدایہ باب العدۃ۔

فائدہ (۲): اب اس مسلمان عورت کو مسلمان مرد سے نکاح درست ہے۔ پہلے خاوند کا جو کافر تھا کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد یوں فرماتا ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کہ مسلمانوں پر ان مہاجرات عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے مہر ادا کر دیں۔ مہروں کا ادا کرنا اس حکم کے لیے دائمی قید نہیں بلکہ اس واقعے کے لحاظ سے یہ

قید لگائی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آ رہا تھا وہ یہ کہ کفارِ مکہ سے عہد نامہ ہو چکا تھا اور مکے والوں کی عورتیں ہجرت کر کے مدینے میں آتی تھیں۔ یہ واپس نہ بھیجی جاتی تھیں بلکہ ان کا نکاح مسلمانوں سے درست تھا مگر بموجب اس باہمی مصالحت کے یہ ضرور ہوتا تھا کہ ان کے کافر خاوندوں نے جو مہر ان بیویوں کو دیے تھے وہ واپس دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جملے میں اس کا ذکر تھا۔ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا کہ ان کافروں نے جو کچھ اپنی بیویوں پر صرف کیا ہے وہ دے دو۔ ماانفقوا جو کچھ خرچ کیا گرچہ لفظ عام ہے روٹی کپڑے دیگر عطیات کو بھی شامل مگر مراد مہر ہے کس لیے کہ اور چیزیں عرف میں کم واپس لی جاتی تھیں۔ جدائی کے وقت مہر ضرور واپس لیا جاتا تھا۔ اب یہ مہر کون دے؟ بیت المال دے اگر اس عورت سے کسی نے نکاح نہیں کیا ورنہ جس نے نکاح کیا وہ عورت کو مہر دے دے اور یہ مہر اس مہر کے بدلے میں جو اس نے کافر خاوند سے وصول کیا تھا واپس دے دے۔ مہرِ جدید جو مسلمان مرد سے بندھا وہ اسی قدر ہونا چاہیے کہ جس قدر اس کافر نے دیا تھا۔ اس میں اور علماء کے اقوال بھی شاید کچھ ہوں۔

مگر اس بات کی تشریح آیت میں نہیں کہ مہاجرہ عورت سے مسلمان مرد آیا عدت کے بعد نکاح کرے یا فوراً۔ ہدایہ کتاب العدۃ میں لکھا ہے وکذا اذا خرجت الحربیۃ الینا مسلمۃ فان تزوجت جاز الخ۔ وھذا کلہ عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ وقال لا علیہا وعلی الذمیۃ العدۃ کہ اس عورت پر عدت نہیں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عدت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت لا جناح میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں گو نہ ہو مگر اس بات کے امتیاز کے لیے کہ پہلے کافر خاوند کا حمل ہے یا نہیں عدت ضرور ہے کس لیے کہ اگر اس کو حمل ہے تو نکاح درست نہیں اور جو درست بھی کہا جائے تو صحبت کرنا وضعِ حمل تک قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ اور نیز امام احمد اور ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی عورتوں کی بابت جن کو مسلمان اسیر کر کے لائے تھے یہ فرما دیا تھا کہ حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک نہ جنے اور بغیر حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک کہ ایک حیض نہ ہو لے۔ استبراء کرنے کا حکم گو سبایاءِ اوطاس میں صادر ہوا مگر علتِ عامہ مہاجرات میں بھی پائی جاتی ہے۔

فائدہ (۳): میاں بیوی کافر ہیں اور ان میں کوئی اسلام لا کر دارالاسلام میں چلا آئے تو ان کا نکاح جاتا رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر پھر دوسرا بھی اسلام لائے تو نکاحِ جدید کرنا پڑے گا۔ واذا اخرج احد الزوجین الینا من دارالحرب مسلماً وقعت البینونۃ بینھما (ہدایہ کتاب النکاح)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عرصے میں بیوی نے مسلمان ہو کر اور مرد سے نکاح نہیں کیا اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو گیا تو نکاحِ جدید کی حاجت نہیں۔ پہلا نکاحِ کفر کافی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سی عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آئیں اور بعد میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نکاح بسابق باقی رکھا۔ مسئلہ اگر دونوں یکلخت مسلمان ہو جائیں اور ان کا نکاح کفر میں اس طور سے ہوا تھا جو ان کے نزدیک بھی درست تھا تو وہی نکاح کافی ہوگا مگر جو کسی نے اپنے ناجائز قانون یا دستور کے موافق بیٹی یا بہن سے نکاح کیا تھا تو اسلام میں یہ باقی نہ رہے گا بلکہ جدا کر دیے جائیں گے۔ (ہدایہ کتاب النکاح)۔ مسئلہ اگر کافر میاں بیوی مسلمانوں کی قید میں آ جائیں یعنی لڑائی میں پکڑے جائیں جیسا کہ مغلوبی کے بعد ہوتا ہے پھر ان کا باہم نکاح سابق رہا یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ عورت لونڈی میاں غلام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں باقی رہتا ہے۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک قید میں آ جائے تو باقی نہیں رہتا۔ اگر عورت ہاتھ آ گئی تو مسلمان کی لونڈی ہے اگر اس کو حمل نہیں تو ایک حیض کے بعد اس سے صحبت درست ہے۔ **مسئلہ:** اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور دارالحرب میں رہے اس کا نکاح تین حیض کے بعد فسخ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عورت سے اس کا خاوند صحبت کر چکا ہے تو بے شک عدۃ کے بعد فسخ ہوگا ورنہ اسلام لاتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام۔ ہدایہ

دوسرا حکم: وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ اور نہ تھام رکھو کافر عورتوں کی عصمت کو یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ سمجھو کہ ان کی حفاظتِ عصمت کی طرف تمہیں حاجت پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دو کسی مرد سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ تم کچھ علاقہ نہ رکھو۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے اور مکے میں ان کی بیویاں اسی کفر کی حالت میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ زہری کہتے ہیں اس آیت کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا۔ ایک کا نام قریبہ تھا جو ابوامیہ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان سے مکے میں نکاح کیا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی تھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ماں۔ اس سے ابوجہم بن حذانہ ابن غانم نے نکاح کیا اور وہ دنوں بھی اس وقت مشرک تھے۔[1]

فائدہ: اسلام نے ایک عظیم الشان تفرقہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام اور شرک میں کوئی رشتہ نہ تھا جس کی صادق الایمان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی خوشی سے تعمیل کی۔ جوان کی صداقت اور سچے جوش کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر پر اعجاز کا کامل نمونہ تھا مگر اسلام کے سبب اس بیوی سے مفارقت ہے کہ جس سے اسلام میں بھی نکاح درست نہیں مثلاً اگر عورت یہود یہ یا نصرانیہ ہے اور خاوند کسی مذہب کا تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس صورت میں بیوی خاوند سے جدا نہ ہوگی زوجیت باقی رہے گی کس لیے کہ مسلمان مرد کا اہلِ کتاب عورت سے نکاح درست ہے۔ ہاں اگر عورت کسی ایک مذہب کی تھی اور مرد اہلِ کتاب تھا عورت مسلمان ہوگئی نکاح فاسد ہو جائے گا کس لیے کہ مسلمان عورت بجز مسلمان کے اور کو درست نہیں (ہدایہ وغیرہ کتابوں میں ایسا ہی ہے)۔

تیسرا حکم: وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا۔ تمہاری جو عورتیں کافرہ ہیں اور کافروں سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے ان کو مہر دیا تھا وہ تم واپس لے لو اور جو کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئیں اور انہوں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو کافروں نے مہر دیا تھا واپس کر دو۔ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ یہ اللہ کا حکم ہے تمہارے لیے۔ اس کے فوائد اور حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کس لیے کہ اللہ علیم بڑا علم والا، حکیم حکمت والا ہے۔ واضعانِ قوانینِ ملی وقومی وسیاسی کے قوانین واحکام جب ہی قابلِ پذیرائی ہوتے ہیں کہ جب ان کو علم بھی ہو۔ عواقبِ امور پر نظر ہو، طبائعِ بشریہ وخواصِ قومیہ وملکیہ سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ رفق وسہولت و تدابیر برجستہ بھی پہچانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں میں کون زیادہ واقف ہے؟ بلکہ وہ سب سے زیادہ ہے۔ پھر خرابی ہے اس ملک وقوم کی جس کے واضعانِ قوانین ان باتوں سے واقف نہ ہوں اور ان میں رعایتِ مصالحہ کا مادہ ہو بلکہ وہ جاہل ہوں یا غیر لوگ اپنے طبائع اور خیالات پر دوسرے لوگوں کو حکومت اور شوکت کے دباؤ سے مجبور کرتے ہوں۔ اس لیے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے کوئی قانون اور دستور العمل بہتر نہیں بشرطیکہ اس بات کے سمجھنے کا دماغ بھی رکھتا ہو۔

فائدہ۔ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یعنی اب اگر ایسا واقعہ ہو تو کیا مہر لینے اور دینے چاہییں؟ اکثر کے نزدیک یہ حکم محدود اور موقت تھا کفارِ مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ کے۔ کفارِ عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا۔ وہ عورت کو پہلے دے دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اس لیے عہد نامہ ہونے کے بعد یہ واپسی قائم رکھی کیونکہ کفار کی بیویاں جو مہر لے چکی تھیں مسلمان ہو کر مسلمانوں سے آملتی تھیں اور مسلمانوں کی مہر دی ہوئی عورتیں جو اسلام نہیں لاتی تھیں کفار کے پاس رہ جاتی تھیں۔ فتح مکے کے بعد پھر اس حکم کی ضرورت نہ رہی۔ عرب کے اور قبائل کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ نکاح مسلمانوں سے کئے یا ان قبائل کے لوگ بیویاں چھوڑ کر مسلمان ہوئے مہر نہ لیے گئے نہ دیے گئے۔ اس لیے دارالحرب کے کفار کی بابت تو یہ حکم ہرگز نہیں۔ اور ذمیوں کی بابت یہ حکم نہیں کوئی ذمی عورت مسلمان ہو کر

[1] منجملہ ان کے زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں وہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں اور ان کے شوہر ابوالعاص مشرک مکے میں رہے پھر جب وہ بھی مسلمان ہو کر مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا۔ ۱۲ منہ

مسلمان سے نکاح کر لے تو مسلمان کو اس کے ذمی شوہر کا مہر یا خرچ شادی واپس دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو تو دینا چاہیے۔

چوتھا حکم: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا کہ جو تمہاری بیویوں میں کوئی کفار کی طرف جائے اور تمہاری نوبت آئے تو تم وہ مہر جو مہاجرہ کی بابت اس کے پہلے خاوند کافر کو دینا تھا ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں مہر پا کر کفار کے پاس چلی گئیں۔

عام مفسرین اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر تمہاری بیویوں میں سے مرتد ہو کر کفار کے پاس چلی جائیں الخ مگر بغور دیکھئے تو تعمیم ہے جو ان کو بھی شامل ہے کہ جن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئیں اور کفار ہی کے پاس رہ گئیں اور مہر پا چکی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ چند عورتیں اس قسم کی تھیں جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھی۔ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ ان لوگوں پر صادق آتا ہے اور ہے بھی یہی کہ جن کی بیویاں وہاں رہ گئیں تو ان مہاجرات کا مہر جو ان کے کفار خاوندوں کو دینا چاہیے تھا ان مسلمانوں کو دینا چاہیے کہ جن کی عورتیں مہر پا کر وہیں رہ گئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں کو غنیمت میں سے مہر دیا تا کہ حساب برابر ہو جائے کس لیے کہ کفار سے ان عورتوں کا مہر لینا تھا جو ان کے ہاں رہ گئیں اور ان کی عورتیں جو یہاں آئیں ان کا مہر واپس کرنا تھا وہ اس میں وضع ہو گیا۔

عاقبتم کے معنی میں بھی علماء کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ تمہاری باری آئے مہر لینے کی اس صورت میں کہ تمہاری بیویاں کفار کے پاس رہ جائیں۔ دوم یہ کہ تم کفار سے جہاد کر کے غنیمت حاصل کرو۔ ان سب باتوں کے بعد یہ بھی فرما دیا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کہ تم اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ جملہ تمام احکام کی پابندی پر اُبھارنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

النصف ۴۶۲

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے (یعنی روبرو دیدہ ودانستہ) کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ۔ اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غصہ ہوا۔ وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے کہ جیسے کافر قبر والوں سے ناامید ہو گئے۔

ترکیب: اذا جاء شرط **یبایعنک** حال **من المومنات** **ولایسرقن** ومابعدہ معطوف علی ان لا یشرکن **یفترینہ** لغت **لبھتان** او حال من الضمیر فی **یاتین** فبایعھن وما عطف علیہ جواب الشرط غضب اللہ علیھم الجملۃ لغت لقوم قد یئسوا الخ۔ لغت اخریٰ من اصحاب القبور

متعلق ینس ای ینسوا من بعث اصحاب القبور ویمکن ان یکون حالا ای کائنین من اصحاب القبور وا لکاف فی کما فی محل النصب۔

تفسیر : پہلی آیات میں مومنات کے امتحان کا ذکر تھا جب کہ وہ ہجرت کر کے آئیں اور اس کے بعد ہجرت سے جو تفرقہ کافر خاوند اور بیوی میں تھا اس کے احکام تھے کہ باہمی معاہدے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ اب یہاں ان عورتوں کے احکام بیان کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کو آتی تھیں کہ اگر وہ ان باتوں پر بیعت کریں یعنی عہدِ موثق کریں تو بیعت قبول کر لے۔

(۱) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عرب میں بت پرستی عام تھی۔ عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں۔ اب بھی توہماتِ باطلہ اور تخیلاتِ فاسدہ کی پرستش اسی گروہ میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لیے سب سے اول اسی اہم بات کو پیش کیا۔

(۲) چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لیے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری خانہ بربادی کا سبب ہے۔ اس کے بعد اس کو منع کیا۔

(۳) زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لیے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لیے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا اور گو توبہ کر کے یہ عورت محاسبۂ آخرت سے پاک ہو جائے مگر دنیا میں تو عمر بھر کلنک کا ٹیکا ہے۔ لیکن شرفاء عورتیں ایسا کام نہیں کرتیں اور بہت کم ان سے یہ حرکت وقوع میں آتی ہے اس لیے چوری کے بعد اس کو ذکر کیا۔ خاوند کے مال میں سے کچھ چرا لینا شرفاء عورتیں ایسا برا عیب نہیں سمجھتی تھیں۔ چوری عام لفظ ہے پیسہ سے لے کر بے انتہا تک خواہ نقد کی ہو خواہ گھر کے اسباب کی ہو۔ میاں کی بے اجازت اس کی کوئی چیز چھپانا یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں یا اور کسی کو دے دینا سخت معصیت ہے اور خدا تعالیٰ کی باز پرس کا باعث اور دنیا میں اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس عورت سے خاوند کو نفرت ہو جاتی ہے اور پھر خاوند کے گھر کا پورا اختیار اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ امانت و دیانت عجب چیز ہے۔ زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب ہیں۔ غیر محرم کا گھر میں آنے دینا یا اس سے بے ضرورت باتیں اور اخلاق کا اظہار کرنا یا اس سے تخلیہ کرنا اور اسی طرح خاوند کے گھر سے باہر جانا اور غیروں کے ساتھ سیر و تفریح میں باغوں، سیر گاہوں میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی کی کتابیں دیکھنا یا سننا جیسا کہ فسانۂ عجائب، بدر منیر وغیرہ اخلاق کو برباد کرنے والی کتابیں ہیں یا نئے ناول نکلے ہیں۔ اسی طرح ناچ و رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا ان کی شہوت انگیز نقل و حکایات سننا یا آپ گا کر لوگوں کو سنانا یا اپنے زیور یا کپڑے کی جھلکی دکھانا، شراب و مسکرات کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں جن میں یہ باتیں ہیں وہاں زنا کاری کی بھی کچھ انتہا نہیں۔ جس قدر ترفہ ہوتا ہے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں وہیں زنا کاری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف قراء و قبائل کے لوگوں کے کہ ان میں یہ کم ہے اور اس لیے عصبیت اور جواں مردی بھی ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ زنا کار قوم میں غیرت نہیں رہتی۔ انجام کار وہ قوم دنیا میں تنزل اور پستی کا منہ دیکھتی ہے۔ اس بات پر ایک روایت یاد آئی جس کو مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن جب عموماً وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے اور مردوں کی بیعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مسلمان عورتیں بھی بیعت کے لیے آمادہ ہوئیں۔ نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور عمر رضی اللہ عنہ نیچے تھے۔ عورتوں نے بیعت کرنی شروع کی انہیں امور پر ہند بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان بھی برقع اوڑھے، بے پہچانے پیش ہوئیں (یہ ہند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے بڑی دشمن تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دانتوں سے اسی نے چبایا تھا اس کا ایک بیٹا حنظلہ تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا) عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لے رہے تھے جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ سے شرک نہ کرنا، ہند نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہم نے اب تک بت پرستی کی تھی آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیا ان سے تو صرف اسلام و جہاد پر عہد لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ چوری نہ کرنا۔ اس پر ہند نے کہا ابوسفیان کنجوس آدمی ہے اس کے مال سے میں نے کچھ لے لیا اب نہیں معلوم کہ غیر محرم کا

حلال ہے یا حرام ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مال سے جو کچھ تو نے پہلے لے لیا یا آئندہ لے سب تجھ کو معاف اور حلال ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا کیا تو ہند عتبہ کی بیٹی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! جو کچھ مجھ سے پہلے قصور سرزد ہوا معاف کیجئے۔ اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا کیا بیاں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ تو چھوکریوں لونڈیوں کا فعل ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہند نے یہ کہا کہ ان بیویوں میں سے کسی نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ (اللہ رے شرافت و عصبیت کفر و بت پرستی میں بھی یہ کام نہایت برا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تف ہے ان پر کہ بہن بیٹیوں سے یہ کام کراتے اور ان کی کمائی سے عمدہ کپڑے پہن کر اینٹھتے پھرتے ہیں)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ (۴) وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ عرب میں دستور تھا کہ دامادی کی عار ورنگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اس کی بھی ممانعت ہوئی۔ اس پر ہند نے کہا ہم تو ان کی لڑکپن میں پرورش کرتی ہیں جب وہ بڑے ہوتے ہیں تم ان کو مار ڈالتے ہو اب تم جانو وہ جانیں (جنگ بدر کے مقتولوں کی طرف اشارہ تھا جن میں اس کا بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا) اس پر عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم کیا۔ (۵) وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ پھر فرمایا کہ کوئی بہتان نہ باندھے۔ یہ لفظ عام ہے ہر قسم کے بہتان کو شامل ہے خواہ کسی پر چوری کا لگایا جائے یا زنا کا۔ عورتوں میں یہ عادتِ بد بہت ہے کہ وہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں اس سے بھی منع کیا۔ خاوند پر بہتان لگا دینا تو ایک ادنیٰ بات سمجھتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ فراء کہتے ہیں عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اٹھا لاتی تھیں اور خاوند سے کہہ دیتی تھیں کہ میرا بچہ ہے تجھ سے۔ وہ بہتان کو جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا اور یہ اس لیے کہ لڑکا جب دودھ پیتا ہے تو اس کو سامنے ڈال لیتی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے سامنے ہوتا ہے مگر اس کے معنیٰ دیدہ و دانستہ کے ہیں۔ بین ایدی محاورہ ہے اس معنی میں کہ دیدہ و دانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔ یہ بھی سخت جرم ہے۔ اس کے بعد ہند نے کہا واللہ بہتان بری بات ہے اور آپ عمدہ باتیں اور مکارمِ اخلاق سکھاتے ہیں۔ (۶) وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ پھر فرمایا اور کسی نیک بات میں رسول کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے اس میں اور سب عمدہ باتیں آ گئیں اگر ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو اے نبی! ان کی بیعت قبول کر لے اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگ۔ اللہ غفور رحیم ہے اس بیعت پر قائم رہنے کا یہ صلہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اگلے جہان میں جہاں نئی زندگانی ہے عیش و آرامِ ابدی ہے۔

فائدہ۔ آج کل نئے علوم اور نئی روشنی کا بہت کچھ زور و شور ہے اور نئی تہذیب یافتہ قومیں جو عیسائی مذہب کے برائے نام پابند ہیں اس امر میں بہت کچھ دعوے کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم پر ان کی بڑی ہمت مصروف ہے اور اپنے کالجوں اور سکولوں کی تعلیم یافتہ عورتوں کو فوقیت دیتے ہیں اور اسبابِ تمدن کے علاوہ ناچنا گانا بھی سکھاتے ہیں۔ جو کچھ ہوا گر ان میں یہ باتیں نہیں تو کسی غیر متمدن آدمی کے نزدیک ان کا مرتبہ ایک بازاری عورت سے بھی زیادہ نہیں جو دلربائی اور عیش و نشاط کے طریقے اپنے خانگی مکتبوں میں سیکھ کر بیٹھتے ہیں۔ ان چند باتوں کے سوا سینا پرونا اور ہنرمندی کی باتیں بھی اگر عورت میں ہوں تو نورٌ علیٰ نور۔ اسلام اپنی تعلیمِ نسواں میں نہ بائبل پر بلکہ بڑے حکیموں پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ زمانہ حال کے غیر متمدن تعلیم یافتہ سے وہ صدمہ پہنچنا چاہیے جو اس کو اپنی دلربا بیوی کی خیانت اور سرکشی اور غیروں کے ساتھ اختلاط کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو فرنگیوں کی ہر ہر بات میں تقلید کرنا ہی ترقی جانتی ہے۔ فرنگی تو اپنی آزادیِ نسواں سے تنگ آ گئے ہیں اور یہ اپنی نیک بیویوں کو اسی طرح آزاد ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ کیا کہ بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے، بجز ہمارے اور کسی مرد کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ اس کی عقل میں فراخی نہیں آتی بلکہ ہمارے ساتھ بن ٹھن کر کسی تھیٹر یا مجلس میں چلے اور ہمارے جوان جوان دوست اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کریں بغل میں لیں۔ پاک محبت سے بوسہ بھی لیں اور بغل میں ہاتھ دبا کر کسی کرسی پر جا بٹھائیں اور کوئی دبنگ

جنٹلمین برانڈی کی بوتل چڑھائے ہوئے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کو کرسی پر سے اٹھائے اور دونوں ناچتے ہوئے چلے جائیں اور ہارے تھکے بڑی دیر میں دورہ تمام کر کے آئیں۔ کسی روز ہماری غیبت میں ہمارا کوئی سچا دوست آئے اور سوار کرا کے اس کو سیر کرانے لے جائے اور جہاں چاہیں پھر آئیں اور جب چاہیں آئیں۔ اور کبھی یہ بھی ہو کہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہمارے [illegible] کا کوئی دوست بیٹھا ہوا ملے جس کو ہم نہ پہچانتے ہوں اور ہم تہذیب کے قاعدے سے ان کے پاس نہ جا سکتے ہوں اور جب تک چاہیں وہ بیٹھے رہیں اور ہم جلا کریں اور کچھ کر نہ سکیں۔ ایسی باتوں سے ذہن میں فراخی ہو جاتی ہے پھر یہ پولیٹیکل امور میں بھی رائے دینے کے قابل ہو جائیں گی۔ عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں۔ تمام باتوں میں ان کو مردوں کا ہم پہلو اور پلہ پلہ رہنا چاہیے۔ پرانے خیالات نے ان کو اثاث البیت سمجھ رکھا تھا۔ استغفر اللہ اس نئی روشنی کے خیال کو نبوت کے پہلے ارشاد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوائے بہیمیہ کا کہاں تک غلبہ ہو گیا۔ الامان الامان!

بیعت: بیع۔ خریدن وفروختن۔ اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ قوی ہے کہ کسی بزرگ یا سردارِ قوم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے جس کی پابندی اشد ضروری خیال ہوتی ہے۔ گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار پورا کرنے کے لیے اس بزرگ کی معرفت اپنے تئیں بیچ ڈالا۔ اس بیعت کی چند قسمیں ہیں۔ اول جو بیعت اسلام میں ہوئی وہ غزوۂ حدیبیہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا تھا کہ آپ کا ساتھ دیں گے، پیٹھ نہ پھیریں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ کہ اے نبی جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے کر رہے ہیں کس لیے کہ تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر اللہ کی طرف سے ہے گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس کا نام بیعتِ رضوان تھا۔ دوم اسلام و جہاد پر بھی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ سوم بیعتِ ترکِ معصیت والتزامِ حسنات پر اس آیت میں یہی بیعت مراد ہے۔ چہارم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر بھی بیعت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی پر شروع ہوئی۔ یعنی خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اس کو بیعتِ خلافت کہتے تھے۔ خلفائے اربعہ اور ان کے بعد کے خلفا کے لیے یہی رسمِ تخت نشینی تھی۔ عباسی خلفاء بھی لوگوں سے بوقتِ خلافت بیعت لیتے تھے یہ بھی اسلام کی قدیم سنت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئی۔ پانچویں قسم بیعتِ انابت ہے جو پیرانِ طریقت سے کی جاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی نئی قسم نہیں بلکہ وہی ہے یعنی تیسری قسم کی بیعت ہے جو ترکِ معصیت والتزامِ حسنات کے لیے ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہوتی تھی مگر اس میں قدرے تغیر ہو گیا ہے وہ کیا؟ التزامِ اذکار طریقہ معینہ اور ان کے روش کی پابندی اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعتِ خلافت کی ہم عمر ہے۔ اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے اور بڑی مقدس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ تہذیبِ قوائے باطنیہ وتزکیۂ روح واکتسابِ کمالاتِ روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔

مگر آج کل بعض نے تو اس کو بہت ہی بدنما کر دیا ہے۔ یہ حالت ہو گئی ہے کہ خود بیعت لینے والا جاہل طریقت تو درکار شریعت سے بھی محروم۔ صرف یہی تفاخر ان کو حاصل ہے کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں یا کسی خانقاہ کے موروثی سجادہ نشین ہیں پھر بیعت بھی ایک نئی بیعت کہیں۔ شربت کا پیالہ پلایا جاتا ہے کہیں صرف شجرہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے۔ نہ کسی عمل کا تقید نہ اوراد واذکار کی تلقین نہ معاصی کی ترک کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پھر بیعت کرنے والے کون؟ اکثر عوام جہلاء بدکار امراء شہوت پرست رنڈیاں قوال، اور بیعت کس لیے؟ محض اس لیے کہ اس کے سبب سے ہم جمیع آفات وبلیاتِ دنیاوی۔ سے محفوظ رہیں گے۔ آخرت میں وہ بزرگ کہ جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے خواہ ہم

کرنے اور اپنی نافرمانروائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض پیرزادے تو رنڈیوں ڈوموں بھانڈوں کو مرید کر کے ناچ مجرا دیکھتے ہیں اور اس شہوت پرستی کو فقیری اور معرفت وحقیقت کی سیڑھی سمجھتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان بدکاروں اور فواحش کا ان کی قبروں پر جمگھٹا رہتا ہے۔ بہت نے تو یہ پیری مریدی معاش کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ امراء اور فساق کو معصیت وترکِ شریعت پر تو بیچ کریں اور ان کے اعمالِ بد سے برے نتائج پیش آنے والوں سے ڈرائیں تو نذرانہ اور آمدنی جاتی رہے بلکہ اپنے بزرگوں کی بے انتہا قدرتیں بیان کر کے اور ان کے مبالغہ آمیز قصے سنا کر اور بھی جرأت دلاتے ہیں۔ ایسی پیری مریدی بدعت یا بلکہ دامِ شیطانی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

عورتوں کے لیے بیعت امورِ مذکور پر بیان فرما کر مردوں کو حکم دیتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا الخ کہ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی اور محبت نہ رکھو کہ جس پر خدا تعالیٰ کا غضب ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے غصہ ہوا۔ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ وہ قوم آخرت سے ایسی ناامید ہو گئی ہے کہ جیسا کفار مردوں سے ناامید ہیں کہ وہ پھر جی کر اٹھیں گے یا یہ معنی کہ وہ قوم جس پر خدا غصہ ہوا ہے آخرت سے ایسے ناامید ہیں (خیر وثوابِ آخرت کی ان کو کچھ امید نہیں یا تو اس لیے کہ وہ قوم یعنی یہود آخرت کے منکر تھے کس لیے کہ یہود میں ایک فریق آخرت کا منکر تھا یا اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے) ہو گئے ہیں جیسا کفار جو اصحاب القبور ہیں یعنی مردے آخرت کے ثواب سے منکر ہیں۔ چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو رحمتِ الٰہی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ کس لیے کہ قبر میں اپنے کفر اور بداعمال کا بدنتیجہ ان کو ناامیدی دلا دیتا ہے اور دارِ آخرت کی کیفیت ان کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں اپنے لیے کوئی بھلائی نہیں پاتے۔

یہ کون قوم ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں۔ اور معاذ اللہ جب انسان کو دارِ آخرت کا خیال نہ رہے تو پھر اس سے کسی کی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ دغا فریب عیاری سب کچھ اس سے بعید نہیں اس لیے ان کی دوستی سے منع کیا گیا کہ سوائے مضرت کے اور کوئی بات نہیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ فقیر ومحتاج تھے۔ وہ یہودِ مدینہ سے جا کر ملا کرتے تھے ان سے یہود کچھ سلوک کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے اور زمانہ تھا باہمی جدال وقتال کا پھر یہ غرباء اندرونہ تدابیر سے ان کو مطلع کر دیتے تھے اس لیے منع کر دیے گئے کہ ان سے دوستی نہ کرو۔ اور قطع نظر اس کے یہ ایک مقہور ومغضوب قوم تھی اور ایسی قوم سے دوستی رکھنے والا بھی ان کے ساتھ اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ ہونے والے ہیں اور نیز بدوں کی صحبت سے حذر لازم ہے جس طرح امراضِ متعدیہ کا دوسرے میں اثر پہنچتا ہے اسی طرح بد کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

آسمان وزمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کررہے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے مسلمانو! تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے کہ جو کہو اور اس کو کرو نہیں۔ بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ترکیب : ان تقول الجملۃ بتاویل المصدر فاعل کبر مقتًا تمیز منہ **عند اللہ** متعلق بکبر **صفًا** حال من فاعل یقاتلون فی سبیلہ متعلق بہ۔ کانھم الجملۃ کذلک حال منہ **و صفا** بمعنی صافین قال صاحب الکشاف لم ہی لام الاضافۃ داخلۃ علی ما الاستفہامیۃ کما دخل علیھا غیرھا من حروف الجر کقولک بم و فیم وعم ومم وحذف الالف لان ما والحرف کشیء واحد۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی کہ جب ملکِ عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا مسلمانوں پر ہر طرف سے نرغہ تھا اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو استقلال و جوانمردی سے اپنے دینی دشمنوں کا مقابلہ ضرور تھا اس لیے اس سورہ میں ان باتوں کی بھی ترغیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب سے اول اس سورہ میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ ہماری مخلوق میں ہر ایک چیز ہماری قدرت و یکتائی کا نمونہ اور مظہر ہے۔ ہر شے کا حال اور بعض کا مقال اس بات کو بیان کررہا ہے یہی ان کی تسبیح وتقدیس ہے۔ پھر اے انسانِ اشرف المخلوقات! تو کس لیے جہل وغفلت وشہوات کے عمیق گڑھوں میں اوندھا پڑا ہے کس لیے اس کی تسبیح وتقدیس نہیں کرتا اور اس کے اوامر کو بجا نہیں لاتا اور کس لیے لاف زنی کرتا ہے؟ اے مسلمانو اے پاکباز جماعت! تمہارا صف باندھ کر ثابت قدمی سے اعدائے دین سے لڑنا بھی تسبیح وتقدیس ہے جیسا کہ آسمانوں پر فرشتے صف باندھ کر ہماری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اسی طرح زمین پر صف بستہ ہو کر تمہاری جاں نثاری کرنا ہے اس لیے ہم کو نہایت پسند ہے۔

مباحث : (۱) کفار مشرکین حق سبحانہ کی نسبت برے برے اعتقاد رکھتے تھے اور ان پر جمے ہوئے تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے یک دل ہو کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے شروع سورہ میں فرمایا۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے ایماندار خدائے پاک کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور بری باتوں اور عیوب سے اس کی ذات کو مبرا ٹھہراتے ہیں اور اسی طرح ہر چیز اس کی مخلوق میں سے بزبانِ حال اس کی پاکی بیان کررہی ہے پھر ان نادانوں کے عیوب لگانے سے کیا ہوتا ہے' ان کے مقابلے میں ان کی کیا مقدار اور کیا اعتبار؟ اس کے بعد فرمادیا۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کہ کچھ آسمانوں اور زمین والوں کی تسبیح وتقدیس پر موقوف نہیں وہ خود بھی عزیز یعنی ہر شے پر غالب اور حکیم حکمت والا ہے۔ ان دو لفظوں میں بے شمار صفاتِ حمیدہ کے ثبوت اور بری باتوں اور عیوب سے مبرا ہونے پر دلالت ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ غالب ہے کسی کا مقابلہ اس کی مرضی کو روک نہیں سکتا اور حکیم ہے۔ اپنی حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رسولوں کو بھیجتا ہے۔ (۲) کفار ومشرکین جو بری باتیں ذات پاک کی نسبت بناتے تھے اس پر ان کی سبح للہ الخ میں بڑی حکمتِ بالغہ سے تنبیہ وتوبیخ کی گئی مگر اس کے ساتھ ان مسلمانوں پر بھی تنبیہ کرنا مناسب ہوا کہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے اور کرتے کچھ نہ تھے کیونکہ یہ تسبیح وتقدیس کرنے والوں کی شان سے بعید ہے یعنی ایسا کرنے والے اس جماعت میں داخل ہونے کے قابل نہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ الخ کہ اے مسلمانو! تم کس لیے وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں یہ بری بات ہے۔ مسلمان جو کہے اس کو کرے بھی صرف زبانی لاف زنی سے کچھ فائدہ نہیں۔ علماء کہتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کررہی ہے جو زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ محبت وجلادت کرتے تھے کہ ہم آپ پر جان فدا کریں گے مگر اُحد کی لڑائی میں سست پڑ گئے اور ہچر مچر کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں ان منافقوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو زبان سے دعویٰ ایمان وجاں نثاری کا کرتے تھے مگر وقت پر کچھ بھی نہ نکلے۔ قوی تر یہی بات ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی لاف کرے اس کی نسبت ہے۔ اس آیت میں ایک سخت مؤکد حکم کی جو اس سے پچھلی آیت میں آنے والا ہے تمہید ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے جانشینوں سے عہد کرو اس کو پورا بھی کیا کرو۔ اس

آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ثبات اور بات پر قائم رہنے کا مادہ پیدا کردیا تھا اور حقیقت میں جس قوم میں یہ مادہ نہیں وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی مجلسیں اور کمیٹیاں سب بچوں کا کھیل ہیں اس لیے اس کے بعد یہ فرمادیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کہ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں یعنی جس طرح کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کے احکام روکنے میں اور انبیاء علیہم السلام کے مغلوب کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں اسی طرح ایمانداروں کو ان کے دفع کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑنا چاہیے۔ اس میں جہاد کی ترغیب ہے۔

صف باندھ کر لڑنے سے کیا مراد؟ لڑائی میں صف باندھ کر عرب لڑا کرتے تھے۔ حال کے زمانے میں باقاعدہ فوجیں صف بستہ ہو کر لڑتی ہیں اس سے مخالف پر رعب بھی پڑتا ہے اور دشمن کے مغلوب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کس لیے کہ صدہا آدمی بمنزلہ شخصِ واحد کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے زور کا کیا کہنا۔ اتفاق عجب چیز ہے۔ اسلام نے عبادت سے لے کر دشمنوں کے مقابلے کے وقت تک جماعت اور اتفاق کی تاکید کر کے افرادِ متفرقہ کو جمع کردیا۔ پھر صف بھی کیسی؟ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے یعنی غیر مستقل اور بھگوڑے نہ ہوں بلکہ آہنی دیوار کی طرح جم جائیں۔ کسی کے مرجانے زخمی ہو جانے سے تر بھر ہو کر نہ بھاگ پڑا کریں (فراء کہتے ہیں مرصوص بالرصاص اس وقت کہتے ہیں کہ جب دیوار کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کردیا جائے۔ لیث کہتے ہیں رص کے معنی ملا دینا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتھر پر پتھر دھر کر چھوٹے پتھروں سے دربندی کرتے تھے اس کے بعد اینٹ اوپر رکھتے تھے ایسی دیوار کو اہلِ مکہ مرصوص کہتے تھے) بعض علماء کہتے ہیں کہ خاص صف بستہ ہونا بھی مراد نہیں بلکہ یہ ثباتِ قدمی اور باہمی اتفاق اور یکدلی کے لیے ایک تمثیل ہے یعنی ایک دل ہو کر لڑنا چاہیے۔

اس آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک ایسا باقاعدہ اور مستحکم لشکر پیدا کردیا تھا جس کے مقابلے میں اسلام وہدایت کے روکنے والے ٹھہر نہ سکے۔ قیصر وکسریٰ کے چمکدار ہتھیار اور زرق برق کے سپاہی کچھ بھی کام نہ آئے۔ ایسے لشکر کا غالب آنا تو معجزہ تھا ہی مگر سرے سے ایسا لشکر ایسے مفلس اور خودسر ملک میں پیدا کردینا جس پر کسی خزانے سے کسی بادشاہ نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی ہو ایک عظیم الشان معجزہ اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کی پوری تصدیق تھی۔ آیت کے شروع میں عزیز حکیم اسی بات کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

صف بستہ ہو کر لڑنا انسان کا اپنے جمیع قوائے روحانیہ کو ابھار کر شیطانی قوتوں اور شہوات کے لشکر کو زیروزبر کرنے کی طرف بھی اشارہ کررہا ہے۔ اس جنگ میں بھی استقامت واستقلال شرط ہے۔ ذرا دنیاوی تجمل دیکھا اور پھسل گئے۔ خواہشِ نفسانی نے غلبہ کیا اور اپنے تجملات دکھائے، ڈگمگا گئے۔ ایسے لوگوں کو اس ملکِ باقی اور شہرِ قدس کی سلطنت کب نصیب ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ (ازلی) بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (وغیرہ) ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد (ﷺ) ہے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ پھر جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

ترکیب : واذ منصوب علی المفعولیۃ باضمار اذکر۔ والجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من شناعۃ ترک التقال یاقوم بیان لقولہ قال وقد تعلمون الجملۃ حال مؤکدۃ لانکار الایذاء والتقدیر ای قومی کیف تؤذوننی عالمین علما قطعیا انی رسول اللہ وقد لتحقیق العلم وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی استمرارہ۔ واللہ الخ اعتراض تذییلی مقرر لمضمون ماقبلہ من الازاغۃ واذقال عیسیٰ اما معطوف علی اذ الاولیٰ معمول لعاملھا واما معمول لمضمر معطوف علی عاملھا۔ مصدقا حال موکدۃ والعامل فیھا رسول ادبادل علیہ الکلام و مبشرًا حال ایضا ای ارسلت الیکم حال کونی مصدقا لما تقدمنی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی۔ اسمہ الجملۃ فی موضع خبر نعتالرسول اوفی موضع نصب حالا من الضمیر فی یاتی۔

تفسیر : پہلے بعض لاف زنوں کی برائی بیان ہوئی تھی اور اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو کر مخالفانِ راہِ راست کے مقابلے کا حکم تھا۔ وہ لاف زن جن کو بسببِ ظاہری ایمان کے مومن کے لفظ سے تعبیر کیا دراصل منافق تھے۔ وہ علاوہ لاف زنی کے پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں اور نیز مخلصینِ اہلِ ایمان کے حق میں بدگمانی اور تمسخر بھی کیا کرتے تھے اور ایذائیں بھی دیا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی باوجود صدہا معجزات دیکھنے کے اس کی قوم نے ایذائیں دیں اور اس پاکباز بندے نے نہیں۔ اس لیے فرمایا وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ کہ یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے ایذاؤں کے بعد ان سے یہ کہا کہ اے قوم! مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں یوں بھی کسی ہادی اور خیر خواہ قوم کو ستانا برا ہے مگر جبکہ اس بدنصیب قوم کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں تو اور بھی برا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی آپ کے صدہا معجزات اس قوم نے مصر میں بھی دیکھے تھے۔ قلزم سے خشکی سے پار لے جانا اور فرعونیوں کا اسی رستے میں غرق ہونا اور نیز فرعون کی قید سے آزاد ہونا اور یدِ بیضا اور عصیٰ اور پتھر میں سے پانی نکلنا، ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ نازل ہونا وغیرہ سینکڑوں معجزے دیکھے تھے جن سے ان کو آپ کے رسول ہونے کا یقینِ کامل تھا مگر جبلی شرارت اور ازلی بدبختی سے مجبور تھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔ کہیں بچھڑا پوجنے لگے، کہیں قارح وغیرہ ایک جماعت نے موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کی امامت کی بابت سخت جھگڑا کیا۔ ایک بار عمالیق کے مقابلے کے وقت پھر گئے کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا۔ کہیں سفر کی صعوبتوں پر ناخوش ہو کر مصر کی ترکاریاں یاد کر کے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سینکڑوں ناشائستہ باتیں کہنے لگے (از توریت) اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کس لیے ستاتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کمال درجے کی مشابہت نبوت میں تھی جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب اور قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ اس لیے اس بارے میں خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا ورنہ اور بہت نبیوں کو ان کی قوم نے ایذائیں دی ہیں۔ کس نبی کے رستے میں قوم نے پھول بچھائے ہیں؟ بلکہ کانٹے ڈالے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا جس طرح ان کی قوم کو یقینِ کامل تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی کسی ہوشمند کی نظرِ غائر میں مخفی نہ تھی۔ قطع نظر آیاتِ معجزات کے آپ کی سیرت وصورتِ پاک بھی ایک اعجاز تھی اس کے سوا سب سے اخیر نبی بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ظاہر ہونے کی خبر دے چکے تھے اس لیے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی بشارت اور نیز خاص ان کا معاملہ بھی ذکر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ صدہا معجزات و آیات دیکھ کر کیا سلوک کیا؟ یہ دو نبی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام موجودہ دنیا کے مسلم الثبوت نبی تھے پھر ان کے ساتھ ایذاء اور نافرمانی کا برتاؤ جو ان کی قوم نے کیا ان کی رسالت میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتا تو آپ کی شان میں چند منافقوں کا ایذادہ معاملہ کیا نقص پیدا کر سکتا ہے؟ پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو قضاء وقدر نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیے۔ بدکام کے کرتے کرتے بدی کا ملکہ اور دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے یہی اللہ کا ٹیڑھا کرنا ہے اور پھر ہدایت بھی نہیں ہوتی اور یہی مراد ہے اس سے کہ اللہ بدقوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا یوں کہو ازلی بدکاروں کو جو علمِ الٰہی میں ہمیشہ کے لیے بدکار قرار پا چکے ہیں ہدایت نہیں ورنہ عارضی سینکڑوں بدکاروں کو ہدایت ہوتی ہے اور انہیں کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی علیہم السلام آئے بیمار کو حکیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ فقال اِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ اور یاد کرو جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس رسول اور پیغام پہنچانے کو بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن میں اکثر جگہ ابن مریم کے لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ زمانہ موجود کے عیسائیوں کا وہ خیال رد ہو جائے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے نہیں بلکہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ شام میں اور قومیں بھی تھیں مگر خاص بنی اسرائیل یعنی یہود سے کہا کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام جہان کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ خاص بنی اسرائیل کے لیے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مصلح اور کامل کرنے والے تھے۔ (انجیل متی باب دسواں ورس پانچواں)۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا قوم نہ کہا بلکہ یا بنی اسرائیل کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل اپنا ہم قوم سمجھتے تھے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا دنیا میں کوئی باپ نہ تھا ہاں ان کی ماں مریم ضرور اسرائیل کے خاندان سے تھیں اور اولاد کا نسب باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے نہ ماں کی طرف۔ اس لیے بنی اسرائیل ان کو اپنی قوم سے شمار کرنے میں کلام کرتے تھے۔ اناجیل میں جو ابن داؤد کے لقب سے حضرت کو یاد کیا گیا ہے یہ ان کے معتقدینِ خاصہ کا کام ہے۔ (۴) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت یا اظہار میں علاوہ معجزات و آیاتِ بینات کے دو باتیں کہیں۔ اول مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ کہ میں اپنے سے پہلی کتابوں کی یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہی مضمون انجیل متی کے پانچویں باب سترھویں جملے میں ہے۔ ''یہ خیال مت کرو کہ توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔'' انتہی۔

جن لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آئے تھے وہ توریت کو مانتے تھے پھر آپ کا اس کی تصدیق کر کے معجزات دکھانا، عمدہ تعلیم دینا ان لوگوں کے لیے صاف نبوت پر یقین دلانے والا امر تھا اور کوئی وجہ سرتابی اور سرکشی کی نہ تھی مگر ازلی بدبختی مانع آئی۔

فائدہ: حضرت مسیح علیہ السلام تو توریت کی بابت یہ فرمائیں اور نیک کاموں پر پابند ہونے کی تاکید کریں اور پولس اور اس کے بعد لوتھر وغیرہ جو عیسائیوں کے رسول اور مجتہد اور دینی بزرگ ہیں وہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یوں کہیں اور حلال و حرام کی قید سے آزادی دیں۔ جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں۔ ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی (یعنی مسیح) کاٹھ پر (صلیب پر) لٹکایا گیا سو لعنتی ہے۔ ۱۴۔ پر شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں۔ یہ حضرت پولس کے اس خط کے فقرے ہیں جو آپ نے گلتیوں کو لکھا تھا اس کے تیسرے باب میں مذکور ہیں۔ پھر اس خط میں جو عبرانیوں کو لکھا تھا اس کے ساتویں باب میں پولس صاحب توریت کی بابت یہ فرماتے ہیں **قولہ** ''اگلا حکم اس لیے کہ کمزور اور بے

فائدہ تھا اٹھ گیا''، یعنی توریت جو کمزور اور بے فائدہ تھی اٹھ گئی۔ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلطنامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحے ۳۷ میں مارٹین لوتھر کا قول اس کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ اور یہ مارٹین لوتھر فرقہ پراٹسٹنٹ کا جو آج کل ہندوستان میں حکومت کر رہا ہے پیشوا اور مصلح دین اور مجتہد ہے۔ مارٹین فرماتے ہیں اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۴۰۔۴۱ میں **قولہ** ''ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں''۔ پھر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''ہم موسیٰ کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کی توریت کو اس لیے کہ وہ دشمنِ عیسیٰ ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''موسیٰ تو جلادوں کا استاد ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''توریت کے دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کو دور کرنا چاہیے۔ تمام بدعات ان سے موقوف ہو جائیں گی''۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ باتیں بھی ہیں۔ بت پرستی نہ کرو، ماں باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ کو ایذا نہ دو، ناحق خون نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ۔ پھر لوتھر فرماتے ہیں حرام وحلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔ حرام کاری کرو، خون کرو، جس قسم کی چاہو بدکاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو مگر صرف مسیح پر ایمان رکھو۔ تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے جیسا کہ مسیح کی''۔ سب عیسائیوں کا صدہا برس سے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہی عقیدہ ہو گیا تھا اور اس لیے وہ بدکاریوں اور ہر قسم کے گناہوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔

دوسری بات : اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان سب کو سدھارنے کے لیے ایک زبردست رسول قائم کرے اور الہام سے یہ بات کہ عیسائی ایسے ہو جائیں گے اور ان کے پاس اصلی کتابیں بھی نہ رہیں گی اور وہ مجھ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے آپ کو معلوم کرائی گئی تھی جس لیے آپ نے یہ دوسری بات اپنی نبوت کے ثبوت میں بیان فرمائی۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کہ میں ایک رسول کی خوشخبری بھی دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے البتہ ایک ایسے نبی کی پیشین گوئی نبوت مسیح علیہ السلام کی پوری دلیل تھی اور ایسی پیشین گوئی جبکہ اس قومِ سرکش نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہ کیا اور ایذا رسانی پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے ضرور تھی تاکہ ان سرکشوں کو متنبہ کیا جائے کہ ایک ایسا نبی صاحبِ شوکت بھی آنے والا ہے جو تمہارے بل سیدھے کر دے گا۔

اب ہم کو اس پیشین گوئی کی بابت بحث کرنی ہے؟ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جس کی بابت خبر دی ہے اور اس کو فارقلیط سے تعبیر کیا ہے اس سے روح القدس کا نازل ہونا مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حواریوں پر جبکہ وہ ایک مکان میں مجتمع تھے نازل ہوا تھا۔ جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ روح القدس کسی خاص شکل میں دکھلائی نہیں دیا تھا بلکہ ان پر اس کا ایک ایسا اثر ہو گیا تھا جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدو یا کوئی جن چڑھ کر بولتا ہے اور یہ معاملہ تھوڑی دیر تک رہا تھا اس سے مراد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اہلِ اسلام سمجھتے ہیں۔

فارقلیط میں بحث : قبل اس کے کہ میں فارقلیط کی تحقیق کروں اور اس کے ساتھ جو اور بھی الفاظ ہیں جو کسی طرح روح القدس کے نازل ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور روح القدس پر چسپاں نہیں ہو سکتے ان کو بیان کروں عیسائیوں کی دینی کتابوں پر بحث کرتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا کیا حال تھا؟ آیا وہ اصلی کتابیں بغیر تحریف وتبدیل کے سب کلیساؤں میں موجود تھیں یا نہیں؟

اہلِ کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کو توریت کہتے ہیں اور پھر حضرت یوشع بن نون خلیفہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تصنیف کردہ کتابوں کو ملا کر عہدِ عتیق اور انجیلِ اربعہ اور حواریوں کی تاریخ اور ان کے ملفوظات ومکاشفات کو عہدِ جدید کہتے ہیں اور کبھی عہدِ عتیق کو کہ جس کو پرانا عہد نامہ یا اولڈ ٹسٹمنٹ بھی کہا کرتے ہیں سب کو **توریت** کہہ دیتے ہیں اور عہدِ جدید کو جس کو نیا عہد نامہ یا نیو ٹسٹمنٹ بھی کہتے ہیں سب کو **انجیل** کہہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلامِ الٰہی الہام ہوا تھا اب خواہ ان کو کوہ طور پر ہوا ہو یا دیگر مقامات پر اصل توریت جس کا ذکر قرآن مجید میں

ہے وہی ہے اور ہونا بھی چاہیے اور اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی کلام کسی ایماندار کو نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس توریت کو کاغذوں پر لکھوایا تھا یا لکڑی کے تختوں پر یا اور کسی چیز پر اس کا پورا پتا دریافت کرنا مشکل بات ہے۔ خواہ کسی چیز پر لکھوایا ہو مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد تک وہ کتاب (جس کا غالباً ایک ہی نسخہ ہوگا کاغذ وکتابت کی قلت کی وجہ سے) بنی اسرائیل میں رہی کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے اور وہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوقِ شہادت میں رکھوا دی تھی۔ جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملے میں ہے۔ **قولہ** ''اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی باتوں کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے ایک بغل میں رکھوتا کہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے''۔ انتہی۔ شریعت کی کتاب توریت ہی تھی ورنہ اس کے سوا اور کوئی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ثابت نہیں ہوتی۔

پھر رجعام بادشاہِ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیسق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا۔ وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کر لے گیا[1] جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اسی حادثے میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔ مگر اول کتاب السلاطین کے آٹھویں باب نویں ورس سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی حادثوں میں جاتی رہی تھی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ ''سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے اور کوئی چیز نہیں نکلی''۔ اس عہد سے لے کر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتا نہ تھا مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے۔ (۲۔ کتاب السلاطین باب ۲۲) اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کر کے یہ کتاب جس میں احکامِ شرعی تھے سنوائے اور اسی کا نام توریت تھا۔

فرض کر کہ اس عرصۂ دراز تک کوئی توریت سے واقف بھی نہ تھا صرف خلقیاہ کو کسی جگہ سے مل گئی اور اس میں کوئی کمی بھی نہ ہوئی نہ کوئی ورق کم ہوا نہ عبارتیں مٹیں مگر یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثے میں دنیا سے معدوم ہو گئی جیسا کہ کتبِ تواریخ شاہد ہیں۔ پھر ستر برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے احکامِ شریعت ودستوراتِ عبادت وبعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا۔ عام اہلِ کتاب اسی کو توریت کہتے ہیں کہ از سرِ نو اس کو لکھوایا مگر یہ نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہی کہ دینی دستورات وروایات کو یادداشت کے موافق جمع کیا تھا مگر اس کے بعد انٹیوکس ابی فلنس سریا کے بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلم پر کئی بار چڑھائی کی۔ ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا اور بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ بت خانہ بنا دیا اور کئی کروڑ کا قیمتی اسباب لے گیا۔ مقابیں کی پہلی کتاب کے اول باب میں ہے کہ ''انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہدِ عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہدِ عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کی رسم بجا لائے گا مارا جائے گا اور ہر مہینے میں یہ تحقیقات ہوتی تھی''۔ انتہی۔

اس حادثے میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی تصانیف یا ان کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً دو سو بانوے برس مسیح علیہ السلام کے پہلے یادداشت کے طور پر یا توریت کی سنی سنائی باتیں لکھیں اور اسی کو یہود توریت سمجھتے تھے وہ بھی سب کچھ اس حادثے میں تلف ہو گیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ ہو گئے۔ یہ عہدِ عتیق پر تیسرا حادثہ تھا جو بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیں نے سن عیسوی سے تخمیناً ایک سو پینسٹھ برس پہلے پھر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح

---

[1] اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبورات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے امثال اور غزلیں بھی شامل ہیں جو **سبعاً** رات وتشبیہات سے پُر ہیں۔ ۱۲ منہ

یادداشت پر عہدِ عتیق کی نقل جمع کی۔ پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت اور کتبِ انبیاء سمجھا جاتا تھا اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں وہرا رہا کرتا تھا مگر ۷۰ عیسوی میں روم کا شہزادہ یہودیوں کی سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے بڑے طیش میں آکر شہر یروشلم پر چڑھ آیا اور محاصرے کے بعد شہر کو غارت کیا اور بیت المقدس کو بالکل مسمار کر دیا اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور بہت کو غلام بنایا اور کتابوں اور بے شمار اسباب اور بیت المقدس میں آگ لگا دی جس کا شعلہ آسمان تک بھڑک اٹھا اور اس نسخے کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا جیسا کہ بعض اہلِ کتاب کا خیال ہے (مفتاح الکتاب رومن صفحہ ۲۱۔ مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء) پھر جب توریت کا یہ حال ہوا تو اور کتبِ انبیاء علیہم السلام زبور وغیرہ کیونکر ان حوادث میں بچ رہے ہوں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا توریت کی تصدیق کرنا اور وعظ فرمانا اور اسی طرح حواریوں کا اس سے سند لینا اکثر تواریخ سے ثابت ہے پھر جب اصل توریت دنیا میں موجود نہ تھی تو یہ کیونکر ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی تاریخ اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری کرام نے یہ شہادت دی ہو کہ یہ وہی توریت اور صحفِ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں کسی جگہ تحریف وتبدیلی نہیں ہوئی نہ کمی زیادتی اور ہرگز ہرگز وہ حضرات نہیں کہہ سکتے تھے کس لیے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جنگ نامہ اور یاہو غیب بین کی کتاب اور اسی طرح اور کتابیں جن کی تعداد پندرہ بیس کے درمیان ہے مفقود ہو گئیں اور کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کتاب استثناء کا اخیر باب اور کتاب یشوع کا اخیر باب اور دیگر مقامات کو جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جو حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئیں ہرگز ہرگز موسیٰ و یوشع علیہما السلام کا کلام نہیں بلکہ بعد میں کسی اور نے ملا دیا اور اس ملانے والے نے حاشیہ وتفسیر کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا اور نہ اپنا نام ظاہر کیا۔ یوں خوش اعتقادی سے چاہو حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے لو یہ اور بات ہے اسی طرح زبورات ودیگر صحفِ انبیاء کے مصنفین میں آج تک علمائے اہلِ کتاب کو اختلاف ہے پھر کیوں ان کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے فیصلہ نہیں کر دیا؟ اور سامریوں نے اپنی توریت میں عیبال پہاڑ کی جگہ جرزین بنا لیا اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ توریت میں ہمارے موافق ہے۔ سامری کہتے تھے کہ جرزین پہاڑ پر حکم ہوا تھا اصلی ہیکل ہماری ہے اور یہود کہتے تھے نہیں بلکہ عیبال پہاڑ پر بنانے کا حکم ہوا تھا وہ اصلی ہیکل ہماری ہے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے (جبکہ ایک سامری عورت نے آپ سے اس کا فیصلہ پوچھا۔ یوحنا ۴۔ باب ۱۹ و ۲۵) تو اس کا بھی کوئی فیصلہ نہ کیا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا سچا نہ بتایا۔ اور ممکن ہے کہ توریت کی تحریف اور اصلی حال بھی کھول دیا ہو مگر لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو کیونکہ آپ کی بہت سی باتیں نہیں لکھی گئیں جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۲۰ باب۔ ۳۰ درس اور ۲۱ باب ۲۵ درس میں تصریح ہے۔

اور جبکہ حال کے روشن دماغ توریت کے طرزِ کلام کو دیکھ کر فوراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد تاریخ کے طور پر کسی نے جمع کی ہے۔ چنانچہ لنڈن میں ایک بشپ ایل (پادری) نے توریت کی بابت اپنی یہی رائے ظاہر کی جس پر وہ اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔ پھر اس کی اپیل اس نے کی۔ پھر کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا ہوگا خصوصاً جبکہ یہود کی دیانت داری اور سخن پروری اور حق پوشی کا ان کو صدہا باتوں سے یقین کامل ہو گیا تھا اور عیبال اور جرزین کے مقدمے میں ایک گروہ دوسرے پر تحریف کا الزام لگا رہا تھا۔

طیطس کے بعد روم کے بت پرستوں کی طرف سے جو سخت سخت حادثے اہلِ کتاب پر پڑے وہ ایسے تھے کہ ان میں جان بچانا بھی مشکل تھا پھر ایسی کتاب کہ جس کے متعدد نسخے نہ ہوں اور سامانِ کتابت میسر نہ آنے کے سبب تختیوں یا موٹے بدنما کاغذوں پر لکھی ہوئی ہو کہ

جو کئی اونٹوں پر لادی جائے کیونکر بچ سکتی تھی؟ اور جو بچی بھی تو یہ کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کوئی جز و یا ورق یا حصہ کم نہیں ہوا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تھا تو یہ کتابیں جو اہلِ کتاب کے پاس بالفعل موجود ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی استشہاد کی طرف منسوب ہیں وہ کہاں سے آ گئیں؟ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بھی اہلِ کتاب کے پاس تھیں جن کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے اور آنحضرت علیہ السلام نے بھی استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علماءِ اہلِ کتاب پچھلے حادثوں میں (جہاں توریت کا دنیا سے مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہوتا ہے) یادداشت کے طور پر نام نہاد ان اصلی کتابوں کو جمع کرتے رہے۔ اسی طرح ان حادثات کے بعد کسی نے اصل توریت کے مطالب پر جو پچھلے نسخوں میں جمع تھا اور مسائلِ شریعت اور حکایات وروایات کو اپنی یادداشت سے اور کسی سے سن سنا کر یا کوئی شکستہ وبربادشدہ پہلے نسخوں کا حصہ بہم پہنچا کر جمع کیا اور اس کا نام توریت و زبور وغیرہ رکھا۔ یہ دستور اہلِ کتاب میں نیا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد خلقیاہ سردار کاہن نے کیا جبکہ دنیا میں کوئی بھی توریت کا واقف کار نہ رہا تھا اس کے بعد بابل کی اسیری کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء نے مل کر کیا اس کے تلف ہو جانے کے بعد شمعون صادق نے کیا جب اینٹوکس گروی میں یہ بھی جاتا رہا تو مقابیس کا جمع کردہ ذخیرہ طیطس گروی میں جاتا رہا تو پھر اور کسی نے جمع کر لیا ہوگا۔

توریت موجودہ میں اور اسی طرح زبور وغیرہ دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام میں اصل توریت وغیرہ کے الہامی مطالب بھی ہیں اور دیگر رطب ویابس روایات وحکایات بھی ہیں اس لیے جہاں تک یہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کے موافق ہیں ٹھیک ہیں ورنہ غلط یا منسوخ۔ چنانچہ نور الانوار وغیرہ کتبِ اصولِ فقہ میں علمائے اسلام نے اس کی تصریح کر دی ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے۔ لاتصدقوا اهل الكتاب ولاتكذبوهم (الحدیث) کہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہ وہاں ہے جہاں کتاب وسنت ساکت ہو اور چونکہ اس مجموعے میں اصل توریت کا خصوصاً احکامِ شریعت میں ایک بڑا حصہ تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کو احکامِ شرعیہ کی مخالفت پر الزام دینے کے لیے ان کے زعم کے موافق اس کو استشہاد میں لانا' اس کا حوالہ دینا یا اس کی تعظیم کرنا اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی کہ ان بزرگواروں نے بلاکم وکاست اس کتاب کو اصلی اور غیر محرف مان لیا ہے یا کسی مؤرخ کا ان کے حوالے دینے سے بھی اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لاتصدقوا۔ کا فقرہ جو خاتم المرسلین ﷺ کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود کے حق میں یہ فرمانا قولہ ''پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا'' انتہی۔ انجیل متی ۱۵ باب ۶ درس۔ اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول کہ ''میں توریت کو مٹانے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں'' اس بات کی شہادت نہیں کہ وہ موجودہ کتاب کو اصلی اور غیر محرف کہہ رہے یہ اس کے احکام کی بابت ہے کہ جن کو یہود نے ترک کر دیا تھا خواہ وہ احکام کسی کتاب میں کسی نے درج کیے ہوں یا سینہ بسینہ چلے آتے ہوں۔

اس کے سوا عیسائیوں کے قدما محققین بوقتِ مباحثہ یہود پر یہ بھی الزام قائم کرتے تھے کہ تم نے بہت سی پیشین گوئیاں کتابِ مقدس سے نکال ڈالیں۔ چنانچہ جسٹن نے جو عیسائیوں کا بڑا عالم تھا طریفون سے جو ایک یہودی عالم تھا مباحثے کے وقت یہ کہا۔ اس بات کو یوسی بلیس مؤرخ اپنی کتاب چہارم کے ۱۸ باب میں لکھتا ہے اور علاوہ اس کے صدہا مقامات میں اختلاف اور غلط ہونا جس کی تفصیل علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرات میں کی ہے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ وہ توریت نہیں اگر اس میں اصلی حصہ بھی ہے تو اس کے ساتھ لوگوں کا کلام بھی اس طرح مخلوط ہوا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بھی جو کچھ تبدیل وتغیر اہلِ کتاب کی غفلت یا بددیانتی سے اس میں واقع ہوئی وہ بھی کتابِ مذکور کو قابلِ اعتبار نہیں ہونے دیتی اور اس بات کا ذکر ابھی کسی قدر آتا ہے اس لیے سینکڑوں محققینِ یورپ نے اور دیگر مؤرخین نے اقرار کر لیا ہے کہ اصلی توریت

جاتی رہی۔

انجیل شریف : اس کا حال تو توریت مقدس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔اس میں کوئی شبہ بھی اہلِ اسلام کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تھی کما قال واتینٰہ الانجیل کہ ہم نے عیسیٰ کو (نہ کسی اور کو) انجیل عطا کی۔انجیل کے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیے جانے سے ان کو صرف قوتِ الہام وبشارات دیا جانا مراد لینا ایک بیکار توجیہ اور سست تاویل ہے۔اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب کتنی بڑی تھی اور کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتابِ مقدس انجیل تھی جس پر اہلِ اسلام کو ایمان لانا ضرور ہے۔

نصاریٰ اس بات کو نہیں مانتے۔وہ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام پر کوئی خاص کتاب نازل نہیں ہوئی تھی' نہ آپ نے اپنے اہتمام سے ان الہامات کو جمع کرایا تھا جس کے گم کر دینے کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے بلکہ الہامات کو حواریوں نے انؑ کے بعد جمع کیا۔حواریوں کی جمع کردہ کتابیں ہی انجیل ہیں۔

مگر پولس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں حضرت کی کوئی کتاب تھی پولس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے اس کے اول باب کے ۶ جملے سے ۱۰ تک کہتا ہے۔**قولہ** ''میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں بلا دیا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے سو وہ دوسری انجیل تو نہیں مگر بعض ہیں جو تم کو گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل الٹ دینا چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا کوئی آسمان کا فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہو''۔انتہٰی۔

یہ لوگ کہ جن سے پولس خطاب کر رہا ہے دوسرے عیسائی واعظوں کے تابع ہو کر بدعات کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کو پولس انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔اس عہد میں ان چاروں انا جیل کا جواب انجیل متی وانجیل مرقس وانجیل لوقا وانجیل یوحنا کے نام سے نامزد ہیں وجود بھی نہیں تھا کس لیے کہ یہ انجیلیں اس خط لکھنے کے بعد لکھی گئیں جیسا کہ تواریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔پھر بتلاؤ کہ وہ کون سی انجیل اس وقت پولس کے پاس تھی جس کو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہتا اور اس کی پابندی پر مامور کرتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہی انجیل کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی طرح انجیل مرقس کے ۱۶ باب ۱۵ ورس میں بھی اس انجیل کا ذکر ہے **قولہ** ''اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو''۔

اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مصیبت کے سفر میں توریت لکھیں۔حضرت یوشع علیہ السلام کو اس لڑائی کے وقت کتاب لکھنے کی فرصت ملے۔اسی طرح اور اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ان کے روبرو لکھے جائیں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ فرصت ملے نہ وہ حکمِ الٰہی سے اس ضروری کام پر مامور ہوں؟ پھر اگر انجیل چند بشارات وتعلیم ہی کا نام تھا اور اس نام کی کوئی کتاب نہ تھی تو حواریوں کو اپنی کتاب کا نام انجیل پر رکھنا کس نے بتا دیا اور اس کی ان کو کیوں ضرورت ہوئی اور کس لیے اس بات کی طرف ان کا دل للچایا اور ان کے بعد پھر سینکڑوں انجیلیں پیدا ہو گئیں۔

ضرور ایک کتاب اس نام کی تھی جو خاص حواریوں [1] کے پاس رہتی تھی جس پر انہوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں کے نام تبرکاً اور اعتبار

---

[1] ہارن مفسر اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں کہتا ہے کہ ''قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔متی نے بہت لوقا اور مرقس نے تھوڑا''۔انتہٰی۔فاضل نورتن نے اپنی کتاب علم الاسناد مطبوعہ شہر بوسٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکھارن کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابتدائے ملتِ مسیحی میں ایک کتاب تھی جائز ہے کہ یہ وہی اصل انجیل ہو''۔
فرقہ ایبونی کے پاس عبرانی کی ایک انجیل تھی جس کو وہ بارہ حواریوں کی انجیل کہتے تھے۔یہ ساری باتیں ہمارے خیال کی مؤید ہیں۔۱۲منہ

جمانے کے لیے انجیل رکھے اور بعد تک یہ دستور جاری رہا۔مگر پولس کے عہد کے بعد سے خصوصاً جبکہ یہ چاروں انجیلیں مشہور ہوئیں اس اصلی انجیل کا نام ونشان بھی سننے میں نہ آیا۔اس کے مفقود ہونے کا زمانہ ان بے انتہا مصائب کا زمانہ ہے جو اول ہی صدی میں عیسائیوں پر پڑیں اور سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنانِ دینِ مسیحی نے حواریوں سے وہ نسخہ چھین کر تلف کر دیا۔اس کے بعد حواریوں نے یادداشت کے طور اس کے مضامین اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تاریخی واقعات کو لے کر جمع کر کے اس کا نام انجیل رکھا اور کچھ عجب نہیں کہ ہر ایک نے اپنی انجیل مروج کرنے کے لیے اس تسلی سے کہ اس کے مضامین بھی تو اس میں ہیں اصل نسخے کو طاقِ نسیاں میں ڈال دیا جو شدہ شدہ مفقود ہو گیا ہر چہ باشد مگر ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کی عبرانی زبان میں ایک کتاب انجیل تھی جو سینکڑوں برسوں سے مفقود ہے بلکہ دوسری صدی عیسوی سے اس کا پتا نہیں۔حفظ کا رواج نہ تھا، قلمی نسخوں کی قلت تھی اس پر ہر ایک کو اپنے اپنے پیر ومرشدِ انجیلی کے انجیل پر تکیہ تھا کہ پس یہی تو وہ ہے بلکہ مع شے زائد اس لیے اس کے مفقود ہو جانے کی پروانہ کی۔اہلِ اسلام کے سے ان کے نہ طبائع تھے نہ حافظے کہ خدا کے کلام کو جدا محفوظ رکھتے اور پیغمبر کی احادیث وتاریخ کو جدا۔نہ خدا کو یہ منظور تھا نہ اس کی حفاظت کے اسباب پیدا کیے۔جس مصلحت سے اس نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کو مفقود ہونے دیا آنے والے خاتم المرسلین علیہ السلام کی کارگزاری کی وجہ سے اس کے بھی مفقود ہونے کو روا رکھا۔تلک حکمۃ بالغۃ۔

اب جن کو عیسائی انجیل کہتے ہیں کسی قدر انہیں کا حال بیان کرتا ہوں وھوھذا۔انجیل متی' انجیل لوقا' انجیل مرقس' انجیل یوحنا۔

حواریوں کے اعمال یعنی تاریخ پولس کے خطوط یعقوب کا خط وغیرہ۔ان اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اقوال وافعال مندرج ہیں۔طرزِ تحریر کہہ رہا ہے آنکھوں دیکھے یا سنے سنائے حالات لکھتے ہیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ الہامی طور ہے نہ الہام کی حاجت ان کتابوں میں واقعات کی نسبت کمی زیادتی بھی ہے اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

ان کتابوں کو عیسائی منزل من اللہ جانتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ نہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ ان سے سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں اور متی اور یوحنا جو حواری ہیں تو حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون پطرس وغیرہ تھے ان کی کوئی انجیل نہیں۔

ان کتابوں کے سوا تخمیناً ایک سو تیس اور کتابیں ہیں کہ جن میں عیسائیوں کے ہاں اختلاف ہے یا یوں کہو اختلاف تھا۔قدماء نے ان میں بعض کو الہامی بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں خلاف کیا اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہلِ اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں۔انہیں میں سے برنباس حواری کی انجیل ہے۔

متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی۔لارڈنر نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۷ء بمقام لنڈن کے صفحہ ۵۷۴ جلد دوم میں ارجن کے تین قول نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی انجیل عبرانی تھی۔اور اسی طرح یوسی بیس اور جروم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں۔اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کیے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ء یا ۳۸ء میں ملک یہودیہ میں ہوئی۔اور ۶۱ء میں پھر اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا[1]۔مگر تحقیق یہی ہے کہ متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے ترجمہ کیا۔پادری فانڈر اختتامِ دینی مباحثہ مطبوعہ سکندرہ اکبر آباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ یا حواریوں کے کسی مرید نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا ہے۔انتہٰی۔

اصل عبرانی انجیل متی کا اب کیا صدیوں سے دنیا میں نشان نہیں۔کسی کلیسا میں نہیں اور اس کے مفقود ہونے پر تمام عیسائی متفق ہیں۔ اب اس کے مفقود ہونے کی جو وجہ خیال میں آئے وہی اصل انجیل کی سمجھ لینی چاہیے۔اب رہا ترجمہ یونانی اول تو مترجم کا حال یقینی طور پر

---

[1] پادری اسکاٹ اپنی تفسیر رومن میں انجیل متی جو عبرانی میں تھی اس کا زمانہ تصنیف ۶۳ء بتاتا ہے۔۱۲منہ

معلوم نہیں کہ وہ کس لیاقت اور کس دیانت کا آدمی تھا؟ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ دراصل یہ اس کتاب عبرانی کا ترجمہ ہے یا اور نئی کتاب ہے؟ اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور غلط ہے تو کس قدر؟ کیونکر یہ باتیں اصل سے مطابق کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں اور اصل کا دنیا میں نشان بھی باقی نہیں اور اس انجیل یونانی کے اول اور دوسرے باب کو عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ولیمس وغیرہ اور نیز عیسائیوں کا ایک فریق جس کو یونی ٹیرن کہتے ہیں الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ اور خصوصاً باب اول میں جو نسب نامہ ہے مسیح علیہ السلام کا اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرینِ انجیل کو کوئی جواب بھی بن نہیں پڑتا مگر اور عیسائی اس کو بھی الہامی مانتے ہیں۔ پھر فارقلیط کی بشارت میں الحاق ہونا کون سی بڑی بات ہے۔

انجیل مرقس : مرقس کا اب تک صحیح حال بھی عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس برس میں عیسائی ہوا صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ پطرس حواری کا شاگرد ہے اور اس نے پطرس وغیرہ لوگوں سے سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے اور اس کتاب کے سن تالیف بھی بخوبی معلوم نہیں۔

پادری اسکاٹ دیباچہ تفسیر رومن صفحہ ۲۳۹۔۲۴۰ میں کہتا ہے ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لیے لکھی تو لاطینی یعنی رومی زبان میں لکھی گئی کس لیے کہ رومی لوگوں کی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک پتا نہیں ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے۔

اب اول تو مرقس کی نبوت ثابت نہیں پھر الہام تو درکنار۔ دوم پطرس اور پولس اس کے راوی ہیں لیکن وہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا اور یہ بات پوری شبہ پیدا کرنے والی ہے۔ سوم اصل کتاب مفقود ہے ترجمے میں کلام ہے۔

انجیل لوقا : یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے نہ اس شخص کا پورا حال دریافت ہوا کہ کہاں کا باشندہ تھا[1] اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور یہ انجیل اس نے کب لکھی اور کس زبان میں لکھی اور جبکہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی تو پھر اس کو انہیں باتوں کے قلمبند کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی کیا وہ اس کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی تھیں اس کا سنِ تالیف بھی قیاسی طور پر ۶۴ء بیان ہوا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہتا کہ میں رسول ہوں اور جو کچھ لکھتا ہے الہام سے لکھتا ہے۔ اس کی روایت بھی مقطوع ہے کیونکہ یہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔

انجیل یوحنا : یہ یوحنا حواری کی طرف منسوب ہے اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینی ہے یعنی تخمیناً سویں عیسوی میں یعنی عروجِ مسیح سے ستر برس بعد۔ مگر یہ بھی الہام اور رسول ہونے کا مدعی نہیں۔ اس کے طرزِ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مبالغہ بھی اس کے کلام میں ہے چنانچہ اسی انجیل کے ۲۱ باب ۲۵ ورس میں یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے حالات میں کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سماتیں۔ ہرگز یہ صحیح نہیں کس لیے کہ اگر کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا روزِ تولد سے آخر تک روزنامچہ بھی لکھتا اور فرض کرلو کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے تو بھی وہ سب کتابیں یروشلم میں سما سکتی تھیں۔ دنیا تو بڑی وسیع ہے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ اس وقت آرنیوس موجود تھا اور یہ پولی کارپ کا شاگرد تھا اور پولی کارپ یوحنا حواری کا۔ مگر آرنیوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس کے استاد نے ذکر بھی نہیں کیا تھا ورنہ ایسے موقع پر سکوت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اس کے سوا کاتلک ہرلڈ کی چوتھی جلد مطبوعہ ۱۸۳۳ء صفحہ ۲۰۵ میں یہ ہے۔ استاڈلن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا

[1] گو بعض پادریوں نے انطاکیہ لکھ مارا۔ ۱۲ منہ

مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں اور اسی طرح محقق برتیشینڈر کہتا ہے کہ یوحنا کی تصنیف ہے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دیے کہ لوگوں میں اعتبار ہو۔

جب ان چاروں انجیلوں کی یہ کیفیت ہے تو اور کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ پولس کے خطوط اور بعض دیگر رسائل جو اب عہدِ عتیق میں شامل ہیں مدتوں عیسائیوں میں غیر معتبر مانے گئے۔

تحریف : تحریف نے جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار کھو دیا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امرِ محمود ہے جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور بھی کتبِ مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جبکہ یہ طوفانِ بے تمیزی موجزن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انہیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین میں ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی اور یہ بات روم کے بت پرست ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے اور اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا تلاش کر کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس کوئی ورق بھی نکلتا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتبِ سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچا بیان سے باہر ہے۔ پرانے یونانی اور سریانی زبان کے ترجمے سپٹواجنٹ وغیرہ سب ہی پر تو آفت آئی اور جب امن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور عیسائیوں کے ہوش وحواس بجا ہوئے تو اب کتبِ مقدسہ کی تلاش کرنے لگے اور جو کوئی کتاب بہم پہنچاتا تھا تو بڑی قدردانی سے لے جاتی تھی۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کتابوں کے بھی (جو اس طوفان کے پہلے تھیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جیسا کہ پہلے معلوم ہوا) کچھ نسخے ہاتھ لگے ہوں گے کیونکہ استیصالِ کلی خلافِ تجربہ ہے اور ان میں سے بہت مفقود بھی ہو گئی ہوں گی۔ اسلامی مصنفوں کی بہت سی کتابیں مفقود ہیں اور جو کتاب حفظ کے ذریعے سے صدہا آدمیوں کے سینے کے صندوقوں میں محفوظ نہ رکھی جائے جیسا کہ قرآن مجید اور صرف دو ایک قلمی نسخوں ہی پر اس کے وجود کی بنیاد ہو جیسا کہ کتبِ مقدسہ ان کا ایسے حوادث میں پورا رہ جانا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پھر کسی کتاب کا جو بہم پہنچی ہو گی اول وآخر ندارد۔ کسی کا اول نہیں اخیر ہے کسی کا اخیر نہیں اول ہے۔ کوئی درمیان سے کم ہے، کسی کے چند اوراق کو کیڑا چاٹ گیا۔ کسی کے کچھ اوراق پانی سے بھیگ کر باہم مل گئے اور اب جو چھڑائے گئے تو کچھ پڑھا نہیں جاتا اور کبھی کچھ پڑھا بھی جاتا ہے تو صاف نہیں۔ پھر اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے کسی کا اول بنایا گیا کسی کا اخیر کسی کے بیچ میں سے جملے بنا کر ملائے گئے اور کہیں جو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس کی تصنیف ہے اس کے مطالب کی شان پر نظر کر کے ایسے ہی شخص کی طرف منسوب کر دی گئی اور یہی سبب ہے کہ کتبِ عہد کے مؤلفوں میں علماءِ اہلِ کتاب کا اختلاف ہے ایک کتاب ہے، کوئی کہتا ہے یہ فلاں شخص کی تصنیف ہے، کوئی کہتا ہے دوسرے شخص کی ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن سے ان انجیلوں اور پرانی کتابوں کے باہم نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس کا ٹھکانا نہیں۔ اور ان کتابوں کی تو یوں ترمیم کی اور جو نہ ملیں اور نام یاد تھے ان کی جگہ نئی تصنیف انہیں کے ناموں سے کی گئیں، کسی نے تصنیف کر کے کسی کے، کسی نے اور دوسرے کے نام لگائیں اور پھر تو وہ بازار گرم ہوا کہ صدہا مصنف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سو کئی ایک انجیلیں نکل پڑیں اور حواریوں کے خطوط وملفوظات کا تو کچھ شمار ہی نہ رہا۔ کسی جوانمرد نے ایک خط گھڑ کے یہ بھی اڑا دی کہ یہ آسمان سے گرا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے لکھ کر بھیجا ہے۔ علماء کی مجالس اس تحقیق کے لیے آمادہ ہوئی ہوں گی اور جہاں تک ہو سکا تحقیق کی مگر پھر بھی بہت جگہ پتا نہ چلا۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے شہر نائس اور دیگر شہروں میں جو مجلسیں ہوئیں ان میں فہرستِ کتبِ مقدسہ جو پیش ہوتی رہی وہ غور کے

قابل ہے کہ کسی مجلس میں کوئی کتاب، کسی مجلس میں اور دوسری معتبر ٹھہری۔ پھر دوسری مجلس نے پہلی مجلسوں کے حکم کو رد کر کے اور چند کتابیں داخل کر دیں اور بعض کتاب اور بعض کے چند ابواب وفقرات پر خط کھینچ دیا۔

اور اسی لیے عیسائی مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے اور ان کا اصل کتبِ مقدسہ میں بھی اختلاف ہے۔ مانی کا فرقہ اور یونی ٹیرین وغیرہ چند ان کتابوں کو نہیں مانتے جن کو اور عیسائی مانتے ہیں اسی طرح رومن کاتلک اور پراٹسٹنٹ فرقے میں اختلاف ہے اور بہت سے محققین تو بول اٹھے کہ صرف ظنی اور قیاسی طور پر یہ کتابیں حواریوں اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ورنہ ثبوتِ یقینی کچھ بھی نہیں۔

اس بیان کی شہادت نسخوں کے اختلاف سے بھی ہو سکتی ہے۔ وارڈ اپنی کتاب غلط نامہ میں لکھتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہد جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گریسباخ نے جو اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچپن کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلافات نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں۔ اس بات کو پادری فنڈر نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ (اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد) ہم پادری مذکور کی عبارت نقل کر کے اپنے تمام بیان کی تصدیق کرائے دیتے ہیں۔ **قولہ** ''اگرچہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف والفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم ومؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا''۔ میکیلس صاحب ڈاکٹر نبطلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ ''جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینیوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی''۔ انتہی۔

پادری صاحب کو اختیار ہے یا یوں اور کتابوں اور آیتوں کے تبدل وتغیر والحاق پر بھی اور مصنفوں کے نام معلوم نہ ہونے پر وہ اپنی کتاب کو بلا تحریف کہیں مگر لطف یہ ہے کہ پادری فنڈر صاحب یہ بھی صفحہ ۱۳۰ میں کہتے ہیں **قولہ** کہ ''یہ بات سچ ہے ویریوس ریڈنگ (غلطیِ کتابت) بہت ہیں اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے صفحہ ۱۳۱۔ پہلے یوحنا کے ۵ باب کے ۷، ۸۔ آیتیں اور یوحنا کے ۵ باب کی پہلی سے ۱۱ آیت تک کو اکثر محققین مشتبہ جانتے ہیں ان کے سوا صرف دو آیات اور ہیں جن کی صحت پر شبہ ہے یعنی یوحنا کے ۵ باب کی ۴ آیت اور اعمال کے ۸ باب کی ۲۷ آیت''، انتہٰی۔ کیا اب بھی پادری صاحب کو انجیل کی تبدیل وتحریف میں کوئی شبہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ ان مشکوک اور الحاقی آیات کو اب تک انجیل میں لکھ رکھا ہے۔

خیر یہ تو جو کچھ تھا سو تھا اس کے بعد جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹا عیسائیوں پر چھائی اور ۴۰۰ عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بہت سے بت پرست اور وحشی اور ظالم وجاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست ونابود کر دیا۔ اس پُر آشوب حادثے سے شبِ تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانۂ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانہ میں آفتاب ہدایت مکے سے جلوہ گر ہوا۔

اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خود غرضوں کو اور بھی تحریف وتبدیل کا موقع ہاتھ آیا، دیدہ ودانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہلِ کتاب کا قدیم دستور ہے بلکہ اپنے اغراض کے مخالف کتابوں کا جلا دینا بھی ان کا پرانا قدیم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو سال عیسوی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور بشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جعلسازی کا بازار تو پہلی ہی صدی عیسوی سے گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا ۳ باب) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد ارجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکماء کا طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راستبازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں کیونکہ فیلسوف جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے۔ یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلافِ حق اور قابلِ الزام شدید تھا۔ (تاریخ کلیسا)۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۲ء صفحہ ۳۳۱ میں لکھتے ہیں کہ بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کیں ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تا کہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں۔ انتہٰی۔

اب میں ان پرانے نسخوں کا کہ جن پر اہلِ کتاب کو ناز ہے اختلافِ باہمی اور ایک کی دوسری سے کمی وزیادتی چھوڑ کر جو تفصیل طلب بیان ہے اہلِ کتاب کی ایک تھوڑی سی خیانت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر آپ جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کو ملا کر دیکھیں۔ پھر جرمن اور انگریزی اور فرنچ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو، فارسی، عربی کے بھی رکھ لیں۔ پھر دیکھئے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں بلکہ مطالب ومعانی میں آپ کو معلوم ہووے اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ۔ صرف اُردو کے نئے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملاحظہ فرمایئے کہ پہلے لفظ فارقلیط لکھا جاتا تھا۔ جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ روح کا لفظ لکھ دیا کسی نے وہیں یعنی کر کے تفسیر بھی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا تا کہ کسی کو کچھ پتا نہ لگے۔ اور یہ جو آج کل پادری انجیل چھپی ہوئی اور صاف اور عمدہ کاغذ پر لکھی ہوئی جاہلوں کو دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ ''تمام انجیل اس موافق ہیں۔ اس میں تحریف دکھاؤ کہاں ہے۔ اور اگر یہ محرّف ہے تو تم اصلی انجیل اور غیر محرّف دکھاؤ۔ یہ خداوند عیسیٰ مسیح کا انجیل ہے''۔ محض دھوکا اور جاہلانہ گفتگو ہے۔ جب وہ اصلی انجیل اول اور دوسری صدی عیسوی میں مفقود بھی ہو گئی جس طرح کہ متی حواری کی عبرانی انجیل مفقود ہو گئی اور اب جو عبرانی انجیل متی ہے تو یہ یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے تو ہم کہاں سے دکھائیں۔ جو لوگ دنیا میں نہیں رہے اور عالمِ ہستی سے ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا تو اب ان کو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے۔ پھر کیا کوئی فرضی شخص ان کے نام سے وہی ہو سکتا ہے؟ اور خداوند کی یہ انجیل نہیں۔ یہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی ہے۔ خداوند کی تو وہ انجیل تھی جس کو پولس کہتا ہے کہ میرے پاس ہے اور قطعاً وہ ان چاروں انجیلوں کے سوا تھی کس لیے کہ ان کا تو دیکھنا بھی پولس کو ثابت نہیں اور قرآن مجید میں اس انجیل کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی قرآن مجید میں متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی انجیل کا ذکر تک نہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر کس طرح حجت ہو سکتی ہے؟ ان سے جو مضامین نقل کرتے ہیں تو محض تمہارے قائل کرنے کو کیونکہ تم ان کو مانتے ہو ورنہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور جو کوئی کوڑھ مغز مسلمان ان کو انجیل سمجھے یہ اس کی جہالت ہے جس کا وہی ذمہ دار ہے نہ اور مسلمان۔ اور ان متعدد انجیلوں کے منکر کو انجیل شریف کا منکر قرار دینا جہالت پر جہالت ہے۔

اب ہم مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان اناجیل میں بھی کہیں اس کا نام ونشان ان دیندار عیسائیوں کے ہاتھ سے جو قصداً تحریف کیا کرتے تھے باقی رہ گیا ہے کہ نہیں؟ انجیل یوحنا میں جانے کیونکر اس بشارت کو ان دینداروں نے باقی رہنے دیا اس انجیل میں متعدد جگہ اس بشارت کا پتا ملتا ہے۔ میں انجیل یوحنا جو عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شہر لنڈن میں ۱۸۳۳ء و ۱۸۳۱ء میں چھپی ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔ چودھویں باب کا سولہواں جملہ یہ ہے۔ **قولہ** ''اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا''۔

ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں ہوویگی''۔(۲۶۔''لیکن وہ فارقلیط (جو روحِ حق ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں یاد دلائے گا''۔۲۹۔''اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ''۔۳۰۔''بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجبور ہیں اس کی کوئی بات نہیں۔۱۵ باب ۲۶ ورس۔ پھر جب وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی روحِ حق جو باپ سے نکلتی ہے) آئے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو''۔۱۶۔باب ۷ ورس۔''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔۸۔''اور وہ اگر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزا دے گا گناہ پر اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے' راستی پر اس لیے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا۔ میری اور بہت باتیں ہیں کہ جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کی اب برداشت نہ کرسکو گے پھر جب روحِ حق آئے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتادے گا کس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دے گا اور میری بزرگی بیان کرے گا''۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام یوحنا حواری نقل کرتا ہے جو حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھ یہود کی بدسلوکی اور تدبیرِ قتل سے خبر پا کر حواریوں سے کیا تھا۔ اس کلام میں آپ اپنا دنیا سے تشریف لے جانا ظاہر فرماتے ہیں اور حواریوں کے غمگین دلوں کو ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فارقلیط آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھے نہیں مانا اور مجھ پر موت کا حکم لگایا یعنی ان کو ملزم اور سزاوار ٹھہرائے گا اور وہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کی کوئی بات مجھ میں نہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بشارت ہمارے نبی پاک کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی آپ بشارت دے رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ظاہر کررہے ہیں کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد (ﷺ) کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہلِ کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کردیا کرتے ہیں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد (ﷺ) کا ترجمہ بھی کردیا اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد (ﷺ) یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کردیا۔

عیسائی کہتے ہیں یونانی نسخوں میں پارا کلی طوس ہے جس کے معنی معین' وکیل کے ہیں۔ اگر پیرکلوطوس ہو تو بے شک احمد یا محمد (ﷺ) کے قریب قریب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کچھ بڑا تفاوت نہیں کس لیے کہ بعض زبانوں میں رسم الخط دیکھا جاتا ہے کہ وہ اعراب کی جگہ حروفِ مفردہ ہی لاتے ہیں۔ اور بعض خطوط میں سرے سے اعراب ہی نہیں جیسا کہ ہندی خط اس میں ایسے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ قدیم یونانی خط کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں گل کو گال، گیل ہر طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ پھر پیر کا تلفظ پارا اور کلو کا کلایا کلے کوئی بڑی بات اور زیادہ تفاوت نہیں۔ دوم یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تفاوت تلفظ اور خط میں اعراب نہ ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کس لیے کہ ہمارے حضرت ﷺ کا نام معین اور وکیل بھی ہے۔ تو بھی ایک نام سے نہیں دوسرے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا ثابت ہوتا ہے۔ سوم جن دینداروں نے بقول ہارن صاحب اعتراض سے بچنے کے لیے یا مخالف کا مدعا ثابت نہ ہونے دینے کی وجہ سے یا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے انجیل وتوریت میں بہت جگہ تحریف وتبدیل کی ہے

اور عبارت کو گھٹایا بڑھایا ہے تو یہ ذرا سی تحریف وتبدیل ان سے کیا بعید ہے؟ ایسی کمی وبیشی کرنے سے عیسائیوں نے فارقلیط کے آنے سے روح کا نازل ہونا مراد لے لیا اور پھر اس مطلب کو قوی کرنے کے لیے یہاں تک خیانت کی کہ متن میں یعنی کرکے روح کی تفسیر کو بھی ملادیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ یعنی تو حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں نہ یوحنا نے بڑھایا۔ یہ تو بعد میں کسی دیندار پادری صاحب نے کاریگری کی ہے مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ عبارت میں تحریف آپ پکار رہی کہ مجھ میں تحریف ہوئی اور پادری صاحب ہیں کہ انکار کررہے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ غلامی کا داغ ماتھے پر موجود مگر غلامی کا انکار۔ اگر پادری صاحبوں کے اگلے بزرگواروں کو اتنی گنجائش اس بشارت میں نہ ملی کہ وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں کرتے تھے تو بخدائے لایزال اس کو کتاب ہی میں سے نکال ڈالتے مگر ان کو یہ کیا خبر تھی کہ اس بشارت میں جو اور بھی الفاظ ہیں وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں نہیں ہونے دیں گی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک حجت الزامی آجائے گی۔

اور ایک تعجب کی بات ہے کہ ستر برس بعد یوحنا حواری کو تو یہ بشارت یاد رہی کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دی مگر متی اور مرقس اور لوقا کو ان سے پہلے یاد نہ آئی ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ کوئی ایسی چھوٹی بات نہیں تھی بلکہ اپنے سے زیادہ مرتبے والے کے آنے کی خبر تھی جس پر ایمان لانے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے کیسا اہتمام کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ ضرور ذکر کیا ہوگا مگر اس وقت یا اس کے بعد یاروں نے اس کا باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا کس لیے کہ ان کی بشارتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا پورا پورا پتا ہوگا تاویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اس کتاب میں تاویل کی گنجائش دیکھی اس کو رہنے دیا مگر کسی قدر اِدھر اُدھر سے تراش کر اپنے موافق کرلیا مگر تو بھی موافق نہ ہوئی۔ اور ان الحاقات اور کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کا حال ہمارے بیانِ سابق سے جو کتبِ مقدسہ کی بابت تھا آپ کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا۔

دوامر اور بھی غور طلب ہیں اول یہ کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے پہلے تک اس فارقلیط کو عیسائی کوئی آدمی اور بڑا اولوالعزم شخص خیال کرتے تھے کہ ضرور ایک ایسا شخص جو دینِ عیسوی کا معین اور مددگار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرفدار ظاہر ہوگا اور اس لیے دوسری صدی عیسوی میں منٹس عیسائی نے جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا یہ دعویٰ کیا تھا کہ جس کے آنے کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے اور ایشیائے کوچک میں ہزاروں عیسائی اس پر ایمان لے آئے۔ (دیکھو تاریخ کلیسا ولیم میور مطبوعہ ۱۸۴۸ء) اس کے سوا دوستھیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس اشخاص نے آدرین قیصر کے عہد سے لے کر سن ایک ہزار چھ سو بیاسی ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا۔ (تفسیر رومن اسکاٹ مطبوعہ الٰہ آباد صفحہ ۱۸۶)۔

پھر کیا ان کو انجیل یوحنا بھی معلوم نہ تھی اور پادریوں کی بھی تاویل سے واقف نہ تھے کہ فارقلیط سے روح مراد ہے نہ کہ انسان۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ایک شے بقول پادریان سرے سے ہی نہیں تو اس کا ان لوگوں نے کیونکر دعویٰ کرلیا؟ یہ بات اور ہے کہ وہ دراصل اس فارقلیط کے مصداق نہ تھے مگر اس زمانے میں یہ بات ہر ایک عیسائی جانتا تھا کہ فارقلیط کوئی انسان آنے والا ہے جیسا کہ اسلامیوں میں مہدی آخرالزمان کے آنے کی ایک ایسی مشہور خبر ہے کہ جس کو سب جانتے ہیں اس بناء پر آج تک بہت سے بوالہوسوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کردیا۔ اگر مسلمان اس کو جانتے ہی نہ ہوتے یا وہ مہدی سے مراد کسی فرشتہ کا نازل ہونا لیتے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نازل ہو چکا تو پھر کسی کو بھی اس عہدے کی تمنا نہ ہوتی۔

لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاصر یہودی اور عیسائی ایک نبی کے منتظر تھے۔ اس بات نے محمد (ﷺ) کو فائدہ بخشا اور آپ نے کہہ دیا وہ میں ہوں''۔ انتہی۔ وہ نبی حضرت عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام کے ظاہر ہونے کے بعد تک بھی انتظار کیا جاتا تھا۔ دوم بہت سے عیسائیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے منجملہ ان کے حبشہ کا بادشاہ نجاشی جو انجیل وتوریت کا بڑا عالم تھا منجملہ ان کے جارود بن علاء ہے جو عیسائی اور بڑا عالم تھا اپنی قوم کے ساتھ حاضرِ

اگر نہ جاؤں تو نہ آئے گا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق ہے کس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہولے تو دوسرا شروع نہ ہو۔ (۷) ''روح الحق آ کر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا''۔ یہ بھی حرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا ملزم بھی نہیں کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرینِ مسیح علیہ السلام کو خطا کار ہی ثابت نہیں کیا بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ یہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفا کاری اور ستم پروری پر تسلی دے رہے ہیں۔ (۸) ''روحِ حق تم کو ساری سچائی کی باتیں بتا دے گا''۔ روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور رستہ بتایا۔ (۹) ''جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتائے گا''۔ روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزوِ خدا ہے پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جز۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ **ومایَنطق عن الھویٰ** آپ نے دارِ آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سینکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

باایں ہمہ جب وہ فارقلیط صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ساتھ معجزات و آیاتِ بینات بھی لایا کما قال اللہ تعالیٰ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا** تو ازلی گمراہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا **هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**۔ کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔ اور صاف جادو ہے۔

یہ بات عرب کے مشرکین نے بھی کہی اور عیسائی فرقے بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ جہالت و وحشت میں یہ عیسائی ان مشرکینِ عرب سے کم نہ تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں **فلماجاء** کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پھرتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان یہود کے پاس معجزات لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے کھلا ہوا۔ مگر سیاقِ کلام پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

آیات کی تفسیر کے بعد یہ بھی کہتا ہوں کہ انجیل یوحنا سے جو ہم نے فارقلیط کی بشارت نقل کی وہ اس مقام کے مطابق تھی ورنہ اس کے سوا اب بھی جس قدر پیشین گوئیاں بائبل یعنی توریت و اناجیل وصحفِ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پائی جاتی ہیں اور کسی کے حق میں نہیں اس کے سوا صدہا دلائل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر آفتاب سے زیادہ روشن موجود ہیں لیکن کور باطنی اور شقاوتِ ازلی کا کوئی علاج نہیں۔ وہ سب کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے، کانوں میں ٹیٹیاں ٹھونس دیتی ہے، دلوں پر مہر کر دیتی ہے۔ پھر ان کو ان گہری اندھیریوں کی تہوں میں سے کون نور کی طرف لا سکتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی ظلمات جہنم بن کر ہمیشہ جلاویں گی۔

اگر ذرا بھی انصاف ہو اور کچھ بھی فہمِ سلیم ہو تو کسی عیسائی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار اور عداوت کی گنجائش نہیں کس لیے کہ آپ اصل عیسوی مذہب کے سرِ مو مخالف نہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر، نہ حواریوں کے خلاف۔ ہاں اگر خلاف ہیں تو ان ہی زیادتیوں میں جو مسیح علیہ السلام کے بعد لوگوں نے دینِ عیسوی کا جزو قرار دے لیں اور پھر اندھے مقلد بن کر ان کی تحقیقات اور سمجھنے میں کوشش کرنا ممنوع قرار دے لیا۔ روشن دماغ عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ عیسوی کا مصلح سمجھتا ہے۔

حکایت:۔ ایک بار ایک بوڑھے پادری سے سفر میں ملاقات کا اتفاق پڑا۔ مذہبی گفتگو بھی چھڑ گئی۔ کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور تثلیث پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پادری صاحب نرم دل اور خدا ترس تھے آخر کار ہر بحث میں اقرار کر دیا کہ یہ تینوں مسئلے حواریوں کے عہد تک نہ تھے اور نہ ان پر نجات موقوف ہے۔ اگر ہوتی تو خدا تعالیٰ ان احکام کو اگلے نبیوں اور ان کی نجات یافتہ جماعت پر ضرور ظاہر کرتا اور اسی طرح

ان کا شہرہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے۔

پھر میں نے کہا اب تمہارے نزدیک نجات کس اعتقاد پر موقوف ہے؟ کہا خدا تعالیٰ اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر۔ میں نے کہا ہر مسلمان ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے پھر فرمایئے ہماری نجات میں کیا کلام ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا آپ کے نزدیک ہماری نجات میں کلام ہے؟ میں نے کہا کہ اگر بغیر مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے کسی یہود کی نجات ممکن ہے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے آپ کی نجات ممکن ہے، اس نے سر نیچا کر لیا اور کہنے لگا ہم ضرور محمد صاحب (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کا نبی ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس کو برا کہیں، نہ ہم کو اس کی کوئی انجیل ہدایت کرتی ہے بلکہ بغور دیکھو تو یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں۔ حضرت محمد (ﷺ) مسیح (علیہ السلام) کے مذہب کے لیے ریفارمر ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ سب عیسائی اس ریفارمر کی طرف متوجہ ہونگے۔ [1]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ع ۹

اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بھی بلایا جا رہا ہو اور اللہ (ازلی) ظالم کو تو ہدایت نہیں کرتا (اور) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار) کر بجھا دیں۔ اور اللہ تو اپنا نور پورا ہی کر کے رہے گا منکر پڑے برا مانا کریں (اور) وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے مشرک اگرچہ پڑے برا مانا کریں۔

ترکیب: و یعطف الجملۃ اوللاستیناف۔ **من** مبتداء اظلم مع المفضل علیہ وصلۃ خبرہ **وھو یدعٰی** قراء الجمہور یدعٰی من الدعاء مبنیا للمفعول وقرئ من الادعاء مبنیا للفاعل وانما عدی بالی لتضمین معنی الانتماء والانتساب والجملۃ حال من فاعل افتری **واللہ** الجملۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا **یریدون** جملۃ مبنیۃ لغرضھم من الافتراء **لیطفؤا** منصوب بان مقدرۃ واللام مؤکدۃ مزیدۃ دخلت علی المفعول لان التقدیر یریدون ان یطفؤا (قال ابن عطیہ) والاطفاء الاخماد واصلہ فی النار واستعیر لما یجری مجراھا من الظہور والمراد من النور القران اوالاسلام اوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم **فنور اللہ** استعارۃ تصریحیۃ والاطفاء ترشیح **واللہ** مبتداء **متم نورہ** الخ خبرہ قرا الجمہور متم نورہ بالاضافۃ وقرئ بالتنوین واعرابہما ظاہر۔ **وبالھدی** حال من رسولہ لیظھرہ ای یغلبہ واللام متعلقۃ بارسل الدین المراد بہ الجنس ای الادیان ولذا صح تاکیدہ بکلہ ولو الجملۃ مقررۃ لما قبلھا۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ جب وہ رسول کہ جس کے آنے کی خبر چلی آتی تھی ان لوگوں کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو اس کو جادو کہنے لگے۔

[1] انبیاء علیہم السلام جو خیر خواہِ خلق ہیں ان کے لیے لوگوں نے جو کچھ سلوک کیے وہ ظاہر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا مگر جو لوگ دنیا میں ان کے نام لیوا ہیں کسی قدر حصہ ان کو بھی مل کر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ کسی نے زہر دیا اور اس کے کئی روز تک جو کچھ تکلیف اور سختی طاری رہی وہ اس وقت کے دیکھنے والوں سے دریافت کرنی چاہیے کس لیے کہ میں تو بیہوش تھا اور آج پانچواں روز ہے اب تک حالت اصلی نہیں عود کر آئی۔ للہ الحمد کہ یہ بیچارہ بھی اس زمرے میں داخل کیا گیا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۲ ہجری۔ ابھی چند روز کا عرصہ گزرا کہ مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب مدظلہ کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

اب فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ظالم اور جفا کار ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی آیات کو سحر کہے اور اس کے لیے بیٹا اور جورو قرار دے حالانکہ اس کو کسی بری بات کی طرف نہیں بلایا جاتا بلکہ اسلام کی طرف۔ یہ جفا کار ہٹ دھرم لوگ ہدایت کا منہ نہیں دیکھیں گے محروم رہیں گے اور رہتے ہیں۔

توضیح:۔ دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں یا تھے خواہ ان کی اصل من اللہ تھی اور بعد میں لوگوں کے خیالات نے اس پر قلعی کر کے ان کی اصلی صورت بدل دی یا وہ سرے سے جاہلانہ خیالات اور اوہام باطلہ کا ایک مجموعہ تھا جب ان سب کو حقانی مذہب سے جس کو اسلام کہتے ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو ان میں سینکڑوں جھوٹی اور خیالی آمیزشیں ملیں گی جن پر ان مذاہب کے مروجین نے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضی اور نجات وعذاب کو منحصر کیا ہے یہی وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ عیسوی مذہب کو دیکھو۔ تثلیث اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور اسی طرح عشاءِ ربانی اور اصطباغ کا مسئلہ اور ان کے بعد پوپوں کے سینکڑوں ڈھکوسلے ایسے ہیں کہ جن پر وہ لوگ نجات کا مدار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہنود نے گائے کی پرستش اور برہما بشن ہمیش کے سوا اور سینکڑوں غیر مرئی چیزوں کی الوہیت ونافع وضار ہونے کی عقیدت اور خودکشی اور تغیرِ ہیئت جوان کے جوگیوں اور گشائیوں کا دستور ہے اور گوشت کا ترک اور بتوں کی پرستش اور سینکڑوں دوراز قیاس افسانے جوان کی کتابوں وید اور پرانوں کا سرمایہ ہے نجات اور مکتی اور سعادتِ دارین کا باعث اور نارائن کی خوشنودی کا سبب قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح عرب کے جاہلوں کے سینکڑوں غلط دستور اور بہت سے جھوٹے افسانے تھے جن کو مرضیِ الٰہی کا مدار بنا رکھا تھا۔ کہیں کہتے تھے کہ ہمارا فلاں بت قیامت کے روز ہم کو جہنم سے بچالے گا اور فلاں کو رزق وارزانی کا مختار کر رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس اس انسان کی یہ محنتِ شاقہ اور یوں رائیگاں گویا پانی کی باڑ آخرت میں نجات کے بدلے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے اس رحیم کریم نے دنیا میں وہ رسول بھیجا جو اس اہم مسئلہ کو حل کر دے اور توہمات وتخیلاتِ باطلہ کو دور کر کے مرضیاتِ الٰہی اور نجات وسعادتِ انسانی کا سیدھا رستہ دکھائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پورا کر دیا اور اس سیدھے رستے کا نام خدا تعالیٰ نے اسلام رکھا جس کے ظاہری معنی خدا کی فرمانبرداری اور اس کے آگے گردن جھکانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پھر افسوس پر افسوس کہ جب اس گم گشتۂ وادیِ توہمات کو اس سیدھے رستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس کو نئی بات جان کو چونکتا ہے اور اس پرانے دستور مالوف کا چھوڑنا شاق جانتا ہے اگر اس کو خدا نے چراغِ توفیق عطا کیا ہے تو وہ ادھر سیدھا چلا آتا ہے ورنہ اسی داعی کے مقابلے میں ان جھوٹے افسانوں اور تخیلاتِ فاسدہ کو پیش کرتا ہے درحقیقت اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا اور اس کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ یہ ہیں معنی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ کے اسی قدر پر بس نہیں بلکہ اپنے اس ناقص اور قابلِ ترک مذہب کے غالب کرنے کے لیے اس آسمانی طریقے کو جس کو پچھلا نبی دنیا میں لایا جو اس پر آشوب تاریکی اور پرخطر ظلمات کے لیے نور یعنی شمع ہے اس کو بجھانا بھی چاہتے ہیں يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفُوْا نُوْرَ اللّٰهِ اور بجھانا بھی کاہے سے بافواھھم اپنے منہ سے پھونکیں مار مار کر بافواھھم میں اشارہ ہے کہ وہ جو منہ سے من گھڑت افسانے بیان کرتے ہیں اسلام کے مقابل جس کو افتراء علی اللہ کہنا چاہیے ان منہ کی نکلی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وہ ان سے مٹ سکتا ہے؟ کیونکہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اللہ تو اپنی روشنی پوری ہی کر کے رہے گا اس کے منکر شپرہ چشم گو نہ چاہیں۔

یہ بات صادق آئی اور اس آسمانی شمع پر جس کا کتاب یسعیاہ کے ۴۱۔۴۲۔۶۱ بابوں میں اشارہ ہے۔ اس وقت کے مخالفوں کے پھونکے سے نہ بجھی بلکہ وہ خود جل جل کر مر گئے اور یہ شمع اس قدر روشن ہوتی گئی کہ تمام برِ عرب سے بھی اس کی روشنی نکل کر شام وایران وخراسان و ممالیک یورپ وایشیا وافریقہ تک پہنچی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان کی سچی کوششوں کی چمنی نے اس کو حفاظت میں رکھ کر اور بھی تیز کر دیا، اندھوں نے رستہ پایا، راہِ راست صاف دکھائی دینے لگی۔ ان کے بعد جو جو تند ہوائیں اس پر چلیں وہ اہلِ تاریخ سے مخفی نہیں۔

باہمی قتال وجدال پھر حربِ صلیب کا فتنہ کہ صدیوں تک تمام عیسائیوں نے مل کر زور مارا اور کوئی دقیقہ اس کے گل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر آخر وہی جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر چنگیز خانی مغلوں کا حملہ جس نے بغداد جیسے دارِ اسلام شہر کو نیست ونابود کر دیا۔ اس کے کتب خانوں کی سیاہی سے دجلہ کا پانی سیاہ ہوا۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں، تب بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ قرآن میں ایک حرف کی کمی زیادتی ہوئی، نہ اصولِ اسلامیہ میں فرق آیا، نہ اس کے علوم مندرس ہوئے اور اب بھی مخالف کوئی کمی نہیں کر رہے اور برائے نام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ کہیں نیچری بن کر اس پر حملہ کیا، کہیں تعزیہ پرستی، گور پرستی اور صدہا رسم ورواج کو جزوِ اسلام بنا کر اس شمع کے گل کرنے کا کافی بندوبست کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اب اس شمع کی روشنی امریکہ اور یورپ کے دوردراز ملکوں تک بھی جا پہنچی۔ چین وجاپان میں بھی پرتو اڈال دیا۔

یہ شمع چونکہ آسمانی شمع ہے اس کو کون بجھا سکتا ہے اس بات کو اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كا۔ کہ اللہ نے دنیا میں اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے یعنی ان غلط آمیزش کے مذہبوں کو بے رونق کرے۔ ایسا ہی کر دیا کوئی مذہب بجز اسلام دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک توہماتِ جاہلانہ سے پاک نہیں اور یوں بھی جہاں اس مذہب کے پاک اصول بیان کئے جائیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے کے بھی تو یہی غالب آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ممالیکِ افریقہ میں اور دیگر بلاد میں بغیر کسی کوشش کے خود بخود اسلام پھیلتا جاتا ہے اور نصرانیت شکست کھاتی جاتی ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہو جائے گا اور اس کے سچے پیرویوں بھی مخالفوں پر غالب رہے اور رہیں گے۔ ولو کرہ المشرکون مشرکین عیسیٰ علیہ السلام کے پوجنے والے پادری اور بتوں اور عناصر کے پوجنے والے ہندو آریہ وغیرہ گو برا مانیں اور زبانی قیل وقال کریں اور اگر مگر کر کے باتیں بنائیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگائیں مگر کیا ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

ایمان والو! کہو تو میں تمہیں ایک ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچالے۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو (اللہ) بخشے گا[1] تمہارے لیے تمہارے گناہ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں رکھے گا جو جنتِ عدن میں ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک چیز اور بھی دے گا کہ پسند کرتے ہو وہ خدا کی مدد اور جلد فتحیابی اور مژدہ سنا دے ایمانداروں کو۔

[1] بخشے۔

ترکیب : هل ادلکم الخ الجملۃ نداء هل الاستفهام ایجاب واخبار معنًی وقیل المعنی سادلکم تنجیکم الجملۃ صفۃ تجارۃ قراء الجمهور تنجیکم من الابخاء ای بالتخفیف وقرئ بالتشدید من التنجیۃ تؤمنون تفسیر لتجارۃ وقیل استیناف کانهم قالوا کیف نعمل فقال تؤمنون باللّٰه وهو خبر فی معنی الامر ویجوز ان تکون فی موضع جر علی البدل او فی موضع رفع علی تقدیر هی وان محذوفۃ ولما حذفت بطل عملها وتجاهدون عطف علی تؤمنون ان کنتم شرط جوابه محذوف فافعلوه یغفر مجزوم اما هو جواب شرط محذوف دل علیه الکلام تقدیره ان تؤمنوا یغفر لکم واما ان تؤمنون بمعنی آمنوا الخبر بمعنی الامر هذا قول الزجاج وللبرد واما انه جواب لما دل علیه الاستفهام والمعنی هل تقبلون ان دللکم واما انه جواب استفهام علی اللفظ هذا قول الفراء ضعفه بعض وصوبه الفخر الرازی فی تفسیره ویدخلکم معطوف علی یغفر لکم ومساکن جمع مسکن منصوب لکونه معطوفا علی جنت واخری منصوب علی تقدیر ویعطیکم اخری ای نعمۃ اخری۔ اوعلی تقدیر تحبون المدلول علیه تحبونها وقال الفراء والاخفش هی معطوفۃ علی تجارۃ فهی فی محل جرای وهل ادلکم علی خصلۃ اخری وقیل هی فی محل رفع ای ادلکم خصلۃ اخری۔ نصر۔ وفتح خبر مبتدأ محذوف ای هی۔ وبشر معطوف علی محذوف ای قل وبشر اه وعلی تؤمنون بمعنی آمنوا۔

تفسیر : اگلی آیت میں تھا کہ اللہ اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا اس میں اشارہ تھا کہ عالمِ بالا دنیا پر ایک آسمانی سلطنت قائم کرنے والا لشکر تیار کرنے والا ہے جس سے اس نور کو بجھانے والوں کو زیر کیا جائے۔ اس لیے ان آیات میں ایک بڑے اجر اور بیش بہا تنخواہ پر جو دنیا و آخرت کی سعادت کو شامل ہے اعلان دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اس ضروری کام سے پہلوتہی کرنے پر عذابِ الیم کا خوف بھی دلاتا ہے تاکہ بڑی مستعدی کے ساتھ ایک لشکرِ جرار تیار ہو جائے جو دنیا کو تمام نجاستوں سے پاک کر دے۔ یا یوں کہو انسان اس دنیا میں ناحق نہیں آیا ہے بلکہ اس عمرِ گراں مایہ میں کچھ حاصل کر کے ایک ابدی جہان میں جانا ہے اس بات کو خدا تعالیٰ اس پیرائے میں بیان فرماتا ہے کہ انسان تاجر ہے مگر تجارت کرنا نہیں جانتا۔ ہم اس کو تجارت سکھاتے ہیں۔ فقال یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اے ایماندارو! لو تم کو میں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ تجارت ایک شے کا دوسری شے سے معاوضہ۔ تجارت میں دو چیز ہوا کرتی ہیں ایک مال جس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ دوسری وہ چیز جس کو خریدتا ہے اور تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور عقلا کے نزدیک وہ تجارت کہ جس میں ضرر کا احتمال بھی نہ ہو اعلیٰ درجے کی ہے اور اس پر اور بھی خوبی ہو کہ جس سے وہ چیز خریدی جائے وہ اپنی طرف سے معاوضے کی چیز کے سوا کچھ اور بھی دے۔ اس جگہ سب سے پہلے دفعِ مضرت کا ذکر کر دیا۔ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ عذاب الیم جو انسان کو اس گرانمایہ زندگی کے عبث اور بیکار گناہوں کے کاموں میں صرف کرنے سے ہوتا ہے اس سے تم کو یہ تجارت نجات دے گی۔ بڑا خسارہ انسان کے لیے آخرت میں عذابِ الیم کا ہے سو اس دغدغہ سے پہلے ہی اطمینان کر دیا کہ اس تجارت میں گھاٹا ہی نہیں۔ اس کے بعد تجارت کے لیے مال بیان فرماتا ہے۔ تؤمنون باللّٰه ورسوله کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو برحق جانے گا اور ان کو مانے گا تو فرشتوں اور قیامت اور اس کے سب رسولوں اور کتابوں کو بھی برحق سمجھے گا اور ان کے تمام اقوال کی تصدیق کرے گا جو تکمیلِ قوتِ نظریہ کو حاوی ہے۔

شبہ: یاایهاالذین آمنوا سے معلوم ہوا کہ آیت میں ایمانداروں سے خطاب ہے۔ پھر جو ان کو تؤمنون باللّٰه ورسوله فرمایا پھر کیا وہ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے تو ان کو مومن کیوں کہا؟ اور اگر لائے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت کہ بارِ دگر ایمان لائیں؟

جواب: ایمانداروں سے خطاب تھا مگر بارِ دگر جو فرمایا کہ ایمان لاؤ تو اس سے اس پر دوام وثبات مراد ہے یعنی اس ایمان پر ہر وقت قائم رہو۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ کسی کام کے کرنے والے کو جو کہا جاتا ہے کرتے رہو تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خوب عمدہ طرح سے اور مضبوطی سے ہمیشہ کرو غافل نہ ہو جاؤ۔ ایمان ایک بڑا بیش بہا جوہر ہے اس کے چور بھی بہت ہیں اس لیے بار بار تاکید ہوتی ہے کہ اپنی جیب

کو دیکھتے رہو۔ ہر گھڑی اس کی تصدیقِ قلبی پر نظر کر لیا کرو۔ بعض مفسرین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ آمنوا کے لفظ سے منافقوں کو خطاب ہے۔ وہ بظاہر مومن تھے اس لیے ان کو باطن میں بھی ایمان لانے کی تاکید کی۔ یہ اس تجارتی نقد کا ایک حصہ تھا۔

مراتب جہاد کے: اب دوسرے کو بیان فرماتا ہے۔ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ یہ جملہ تکمیلِ قوتِ عملیہ کے لیے بڑا وسیع المعنی جملہ ہے کس لیے کہ جہاد کے کئی مرتبے ہیں۔ **اول مرتبہ**۔ اول اپنے نفسِ سرکش کا مقابلہ مال سے اور جان سے۔ مال سے اس طور کہ طمعِ نفسانی نہیں چاہتی کہ نیک کاموں میں کچھ خرچ کرے۔ اقارب' یتامیٰ مسافر آفت زدے اس کے ہاتھ کو تکتے ہیں۔ نفس ہے کہ دور اندیشوں کی مہیب صورتیں دکھا دکھا کر اس کے ہاتھ کو روکے لیتا ہے۔ اب اس کو لازم ہے کہ اس نفسِ بد کا مقابلہ کرے یا وہ نیک اور مفید کام جو قوم یا بنی آدم کے لیے نافع اور اس کے یادگار رہوں گے ان میں دینے سے روکتا ہے یا برے کاموں میں ناچ، تماشے، رنڈی بازی، شراب خوری، جوا، تھیٹر کا تماشا، میلے ٹھیلے، اربابِ نشاط کے جلسے، نمود اور تجمل کے کارخانے دوسروں کی ایذا رسانی وغیرہ وغیرہ بیہودہ کاموں میں صرف کرنے کو نفس خبیث ابھارتا ہے۔ وہاں اس کو روکنا اور سخت مقابلہ کر کے شکست دینا چاہیے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لیے اموالکم کے بعد انفسکم کا لفظ آیا۔ جان کا جہاد اس مرتبہ میں یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ سے روکے اور عبادات' ریاضیات اور عمدہ کاموں میں اس کو لگا دے۔ یہ نہیں کہ شتر بے مہار کی طرح جس طرف اس کا نفسِ خبیث لے جائے دوڑا چلا جائے۔ **دوسرا مرتبہ**: دوسرا مرتبہ حجابِ ظلمانیہ کو اٹھا کر انوارِ قربِ الٰہی میں مراقبہ' ذکر فکر' اشغال بالعبادات سے آگے قدم رکھنا اور اس رستے میں جس قدر دشمن سامنے آئیں شمشیرِ ہمت سے ان کو مار بھگانا اخیر مرتبہ جس کو اس جہاد کی شہادت کہتے ہیں یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اس باقی کی ہستی میں فنا کر دے جس کے بعد اس کو حیاتِ جاودانی اور بقائے سرمدی عطا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ اس تکمیلِ نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا ہے۔ اس میں جان اور مال سے کوشش کرنا' بدراہوں کو نرمی اور لینت سے راہ پر لانا' ان کی ہدایت کے رستے کھولنا' آخر کار جو کجرو اور بدنہاد اس راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا، مال سے لشکر کے سامان تیار کرنا، جان سے لڑنا یہ جہادِ شرعی ہے اس کے شہید کے بھی بڑے مرتبے ہیں وہ بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اس کے بعد اس تجارتی مال کو بیان فرماتا ہے جو ان دونوں مالوں سے خریدا گیا ہے۔ فقال یغفر لکم ذنوبکم تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لکم کے لفظ نے یہ بھی فائدہ دیا کہ یہ تمہارے گناہ کسی کے واسطے یا وسیلے سے نہیں بلکہ تمہارے لیے بخش دیے جائیں گے۔ رہی شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کے حق میں گناہوں کے معاف کرانے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ انعام واکرام عطا کرانے کے لیے۔ دوسری بات ویدخلکم کہ تمہیں ایسی بہشتوں میں بسا دیں گے کہ جہاں نہریں جاری ہیں اور عمدہ مکانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے آگے دنیاوی بادشاہوں کے محل بے حقیقت ہیں۔ مال بھی دو قسم کے تھے اس کے بدلے میں چیزیں بھی دو دیں۔ اب اپنی طرف سے ایک اور تیسری چیز عطا فرماتا ہے واخری الخ مددِ الٰہی اور فتح جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے ہر مرتبے کے جہاد میں فتح اور مددِ غیبی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے دشمنوں پر کیسی کیسی جلد فتح یابی حاصل کی۔ یہی مضمون قرآن میں ایک اور آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ اس مبارک سودے کا مژدہ اے نبی ایمانداروں کو دے دے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے حواریوں سے کہا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ تب ہم نے ایمانداروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔

ترکیب : انصار اللہ۔ الانصار (جمع نصیر کشریف واشراف) منصوب لکونہ خبر کونوا قرئ انصار اللہ بالتنوین وبالاضافۃ والرسم یحتمل القرائتین کماو الکاف فی موضع نصب علی اضمار القول ای اقول لکم کما قال وقیل ھو محمول علی المعنی اذ المعنی انصروا اللہ کما نصر الحواریون عیسیٰ بن مریم الی اللہ ای من یکون معی فی نصرۃ اللہ لیطابق السوال وحواری الرجال صفیہ وخلصآء من الحور وھو البیاض الخالص۔

تفسیر : اس تجارت کے بعد صاف صاف لشکرِ آسمانی میں داخل ہونے کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں ایک پہلی قوم سے تشبیہ پیدا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ اللہ پاک و بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی کچھ بھی حاجت نہیں لیکن مراد یہ کہ دینِ الٰہی کے پھیلانے اور اس کی تعمیل میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ۔ اس کام کے لیے کمر باندھ کر تیار رہو۔ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ ایسے سرگرم ہو جاؤ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں تو قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ۔ حواری بول اٹھے کہ ہم ہیں اللہ کے کاموں میں آپ کے مددگار۔ حواری کا لفظ عربی زبان میں حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اس لیے دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑے سفید کرتا ہے اور مددگار اور خالص دوست کو بھی جس کے دل میں محبت ونصرت کی سفیدی یعنی روشنی ہے اور یہ جمع نہیں بلکہ بروزن حوالی ہے جو کثرالحیل کو کہتے ہیں جمع اس کی حواریون ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں کو جو اول اول ان پر ایمان لائے اور یار و مددگار ہوئے اس لیے حواری کہتے ہیں نہ اس لیے کہ وہ دھوبی تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ ان بارہ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا اور اس کا بھائی اندریاس زیدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا فلبیوس اور برتھولا۔ تھوما اور محصول لینے والا متی۔ ہلقا کا بیٹا یعقوب۔ اور لبی جو تہدی بھی کہلاتا۔ شمعون کنعانی اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔ (انجیل متی باب دسواں)۔

یہ بنی اسرائیل تھے ان میں سے کچھ ماہی گیر تھے یا یہ کہ ماہی گیری کرتے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بلایا جیسا کہ انجیل متی کے چوتھے باب میں پہلے چاروں حواریوں کی بابت مذکور ہے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے اول قبول کیا اور حضرت کی ہمدردی ومحبت میں نہایت سرگرم اور مستعد اور مخلصین تھے۔ چنانچہ متی کے دسویں باب میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی باتیں کیں کہ پہلے اسرائیل کی بستیوں میں جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی، سامانِ سفر کچھ ساتھ نہ لو اور میں تمہیں بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں لوگ تمہیں کوڑے ماریں گے، عدالتوں کے حوالے کریں گے۔ میرے نام کے سبب تم سے سب دشمنی کریں گے۔ پر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ یہ خیال مت کرو کہ میں صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں[1]

[1] اس تلوار چلانے کے لیے لشکر درکار تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے ۴۱ باب میں وعدہ کیا تھا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے جو کوئی ماں باپ بیٹے بیٹی کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی صلیب[1] اٹھا کر میرے پیچھے نہیں آتا وہ میرے لائق نہیں جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئے گا اور جو میرے واسطے اسے کھوئے گا وہ پائے گا۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے۔ انتہی۔

اسی کے مطابق ان حضراتِ حواریین نے کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک یہودیہ میں بھی منادی کرتے پھرے۔ پھر سریا کے علاقوں میں سے گزر کر یونان اور روم کے شہروں میں پہنچے اور سفر کی اور لوگوں کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور طرزِ معاشرت بھی درویشانہ ہی تھا۔ کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے ان میں اس خلوص کی بدولت خدا تعالیٰ نے کرامت [illegible] ی تھی۔ ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے اور ہر طرح کے کرامات وبرکات لوگ دیکھتے تھے۔ آخر لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر دینِ عیسوی کو خوب پھیلا دیا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے۔ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ۔ کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور بہت سے منکر رہے مگر حواریوں کی کوشش اور جانکاہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بحری اور بری بہت سے ممالیک نے مذہب عیسوی قبول کر لیا اور اس عرصے میں گھر گھر لڑائی اور جنگ کی آتش بھی شعلہ زن ہوئی مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ۔ یہ بات اور ہے کہ پھر ان عیسوی لوگوں میں اصلی دین محرف ہو گیا۔ ان آیات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتا ہے کہ تم بھی اشاعتِ اسلام کے لیے ویسی ہی کوشش کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پچھلے نبی تھے جو حضرت عیسیٰ وموسیٰ وابراہیم علیہم السلام کے رستے کے پتھر اور کانٹے صاف کرنے آئے تھے اور قومیں جو اگلے انبیاء کی مخالف تھیں ہیں اب تو یہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام لیوا یہود ونصاریٰ ہی سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے کس لیے کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے بعد جو کچھ دینِ حق میں ان کے درویشوں اور مولویوں نے ملونیاں ملا کر معجونِ مرکب بنایا جو حق کے سراسر خلاف تھا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک جان دینے سے بھی مشکل تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تلوار چلانے اور باپ بیٹے، ساس بہو میں جنگ کرانے آئے۔ چنانچہ مکہ میں ظہورِ اسلام سے لے کر فتحِ مکہ تک یہی حال رہا۔ بدر کی لڑائی میں ایک بھائی ایک طرف تو دوسرا دوسری طرف تھا۔ بیٹا ادھر تو باپ اُدھر تھا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا اس کے ساتھ اس کے رقیبوں اور پرانے دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین کی ایک عمدہ جماعت اس کام کے لیے منتخب کی اور پھر ایک عمدہ انتظام سے ان کو مختلف خدمات پر مامور کیا۔ کچھ قراء تھے تو کچھ قوموں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے اور بوقتِ جنگ سپاہی تو سب ہی تھے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کچھ انہوں نے اسلام کے لیے جانثاری کی اور آنحضرت ﷺ کو بحکمِ حدیث لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین (متفق علیہ) ایسا ہی محبوب سمجھ کر فرمان و لیبلغ الشاھد الغائب پر عمل کیا اور فقر وفاقہ بھی اٹھایا اور ان کے بے شمار کرامات دنیا نے دیکھیں اور پھر تابعین وتبع تابعین کی کوششوں نے ادھر سپین اور یورپ وافریقہ کے ممالیک تک ادھر ہندوچین، ایران وترکستان تک اس سرعت کے ساتھ اسلامی جھنڈا بلند کیا جو عیسائیوں اور حواریوں سے صدیوں تک نہ ہو سکا[2]۔ اس فرق بلکہ تفوق کو عیسائی مؤرخ بھی تسلیم

[1] صلیب سولی یہ ایک محاورہ ہے کہ مرنے سے نہ ڈرے بلکہ سمجھ لے کہ سولی دیا جاؤں گا اور سولی بھی آپ ہی اٹھائے۔ پھر ایسا مرنے کو تیار ہو جیسا کہ کہتے ہیں کفن سر سے باندھ کر میرے ساتھ آئے۔ ۱۲ منہ

[2] صحابہ وتابعین وتبع تابعین نے خاص اسلام کے لیے عرب کے ریگستان سے نکل کر سفر کیا۔ چین تک ادھر اندلس تک پہنچے۔ ترکِ دنیا، توکل اور ان کی ←

کرتے ہیں۔ سر ولیم میور صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو اگر محمد (ﷺ) کے پیروؤں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکاروں کو ان سے کچھ بھی رتبہ نہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں نے حواریوں کا مثل ہونے سے بڑھ کر کام کیا کہ ان سے بھی زیادہ بڑھ گئے مگر آج کے علماء و مشائخین و امراء کیا کر رہے ہیں؟ ہندوستان کے علماء سے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان کے دیہات و قریات میں پھر کر شرائع اسلام کی تعلیم کرتے، رسوم قبیحہ سے روکتے اور مشائخین و امراء مدد دیتے پھر غیر مذہب والوں کا ہدایت کرنا تو دوسری بات ہے۔ افسوس باہمی جزئیاتِ مسائل پر کیسے جھگڑے اور اصول سے کیا بے خبری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا
يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے (ہر وقت) اللہ کی تقدیس کرتے ہیں جو بادشاہِ قدوس (اور) زبردست حکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور دوسروں کے لیے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب : الملك القدوس العزيز الحكيم مجرور علیٰ انہ صفة لله وقرئ بالرفع على الاستيناف والجمهور على ضم القاف من القدوس وقرئ بفتحها وهما معتان۔ منهم صفة رسولا اوحال وكذا مابعده يتلواويزكيهم ويعلمهم وان مخففة من الثقيلة واسمها محذوف اى وانهم واللام لفى دليل عليها وآخرين مجرور عطفاً على الامين اى بعث فى الامين الذين فى عهده وبعثه فى آخرين منهم لم يلحقوا بهم الى الآن اومنصوب على انه عطف على الضمير المنصوب فى يعلمهم اى ويعلم آخرين اوانه عطف على مفعول يزكيهم اى ويزكى آخرين ولمايلحقوا صفة لاخرين۔

تفسیر : قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں سب متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس سورہ کی بابت یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم و سنن اربع کے مصنفوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورہ اور سورۂ منافقین پڑھتے سنا ہے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ

← کرامات کو اگر کچھ بھی لکھوں تو ایک دفتر کافی نہ ہو۔ دلائل النبوۃ اور شواہد النبوۃ وغیرہ کتابیں دیکھو اور اولیاءِ کرام کے تذکرے سنو تو حیرت ہو تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں کا موازنہ نہ کر سکو گے۔ ۱۲ منہ

۱ ان پڑھ قوم سے مراد عرب ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے سوا اور آئندہ آنے والی قوموں کے لیے بھی خواہ عرب کی نسلوں میں سے یا اور قوموں میں سے ہوں۔ ۱۲ منہ

وسلم قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ مسلم اور اہلِ سنن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ و اذا جاءک المنافقون پڑھتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین و اطاعتِ الٰہی میں ہمیشہ سرگرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد و اعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس کا اس سے فائدہ ہے یا دفعِ مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا ابطال اول سورہ میں کرتا ہے۔ فقال يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کو کسی کی بندگی و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لیے۔ پہلی سورت میں سبح بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یسبح بلفظ مضارع تا کہ تجدد و دوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے صیغے جیسا کہ تجدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرائن یہ بھی ایک وجہ مناسبت اگلی سورہ سے ہے۔ تسبیح کے معنی اور یہ کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے کیونکر اس کی تسبیح کرتے ہیں (بزبانِ حال و بزبانِ مقال) اس کو ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں۔ اس جملے میں پہلے خیال کا ابطال ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے۔ ہر چیز کی قدرتی بناوٹ اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی و بزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے۔ اسی بات کو ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقهون تسبیحهم۔ اس کے بعد فرماتا ہے الملك وہ بادشاہ بھی ہے یعنی غنی اور بے پروا ہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں۔ کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات و اسبابِ سلطنت کے حاصل نہیں ہوتے اس سے اشارہ ہے نبوتِ صفاتِ عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت و نقصان اس کی ذات پاک کی طرف عائد نہیں ہوسکتا۔

خیالات کے ابطال کے سوا الفاظِ قرانیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے الحکیم تک توحید کے مسئلہ کا عجب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائناتِ علوی و سفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے مسخر ہیں۔ زمینوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبورانہ ایک حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کرات ہی کو باعتبارِ فوق ہونے کے سماوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب و دیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دور کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر یہ بیشمار ہیں آپس میں ٹکرانے نہیں پاتے [1]۔ پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق و مالک و مدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی و ملائکہ اس کی تسبیح و تہلیل نہ کرتے ہوں۔ وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے جس کے ادراک سے فلسفہ حال عاجز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر یہ انسان کیوں بیکار اور غیر معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے، اس کو بھی اسی کی تسبیح چاہیے۔ الملك میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکمِ مطلق ہے، وہی قابلِ پرستش و اطاعت ہے، اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اوہامِ باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیٹے بیوی اور کارکن سمجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہبِ باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزت و غلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابلِ پذیرائی ہیں۔ الحکیم وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظام دنیاوی جس طرح

[1] ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنرمندوں کی کوششوں کے ہر سال ٹکرا جاتی ہیں اور مگر اس مدبر حکیم کے کرات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے زیادہ کون ثبوت اس کی توحید کے لیے ہوسکتا ہے۔ ۱۲

اس کی حکمتِ بالغہ کا مقتضٰی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا' کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معاد ومعاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضٰی ہے لہٰذا اس کے بعد مسئلۂ نبوت کا اثبات کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کہ اسی حکیم نے امیوں یعنی ان پڑھوں میں جس سے مراد ملک عرب لیا گیا ہے انہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث و برپا کیا مگر امیوں سے مراد تمام ممالیک ہیں کس لیے کہ جن باتوں کی تعلیم کے لیے رسول آیا ان سب کی نسبت وہ اُمی ان پڑھ اور جاہل ہی تھے اور جو کسی کو کچھ خبر بھی تھی تو اس پر سینکڑوں جہالت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں پھر یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لیے نبی تھے غلط بات ہے اور بالفرض امیوں سے مراد عرب ہی ہوں تو ان میں برپا کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اور قوموں کے لیے نبی نہ تھے بلکہ یہ ایک واقعی بات کا بیان ہے جو در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملکِ عرب میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہوئے تھے۔ کیوں رسول بھیجا یتلوا علیهم ایاته کہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنادے۔ ویزکیهم اور ان کو اخلاقِ بد کی نجاستوں سے پاک کرے اپنی روحانی روشنی سے ان کے نفوس کو منور کرے۔ کوئی کیسا ہی پرزور واعظ ہو ہزاروں کو وعظ و پند کرے جب تک اس میں روحانی کشش اور باطنی جاذبہ نہیں کچھ بھی اثر پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو جلد زائل ہو جاتا ہے۔ وہ کیا نقش تھا جو عرب کے سخت دل' شہوت پرست' مغرور جاہلوں کے دلوں پر قائم کر دیا تھا کہ جو صدیوں تک نہ مٹا اور ان کی دنیاوی اور دینی ترقی کا رہنما بنا رہا۔ ہم نے زباں زور سینکڑوں واعظ دیکھے کہ جو بک بک کر تھک گئے پر کچھ اثر نہ ہوا مگر حضرت ﷺ نے تو پہاڑوں کو موم کر دیا اس کو رسالتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ اور صرف پڑھ کر سنا دے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ان کو ویعلمهم الکتاب۔ کتاب یعنی قرآن سکھا دے۔ والحکمة اور حکمت بھی۔ کتاب سیکھنا اور چیز ہے اور اس کے برکات سے فائض اور دل میں جگہ دینا اور چیز ہے اسی لیے الکتاب کے بعد الحکمة کا لفظ ارشاد فرمایا۔ حکمة سے بعض نے سنت کو مراد رکھا ہے۔[1]

فائدہ: تکمیل کا اول مرتبہ یہ ہے کہ کلام سنایا جائے جس کے بعد اس کے دل پر سے کثافت و جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے ان دونوں کو یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ میں بیان فرمایا۔ تیسرا مرتبہ اس اثر پذیر ہونے کے بعد یہ ہے کہ کتاب الٰہی اس کو سکھا دی جائے۔ سکھانے اور پڑھ کر سنانے میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ کہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور اس کے احکام کے علاوہ علل و اسباب اور مصلحتیں بھی وہ سمجھ لے ان دونوں کو یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ میں بیان فرمایا۔ حکمت کے معنی: حکمة کا لفظ فلاسفہ کے نزدیک حقائق الاشیاء کو ٹھیک ٹھیک طور پر جاننے میں بولا جاتا ہے اس لیے موجوداتِ خارجیہ' آسمان و زمین' انسان و دیگر حیوانات وغیرہا کے حالات جاننے کا نام حکمة رکھا ہے۔ پھر موضوع متعین کر کے حکمت کو تقسیم کر دیا کسی کا نام حکمة عملیہ کسی کا نظریہ رکھا اور پھر حکمة عملیہ اور نظریہ کے بھی بہت سے اقسام جداگانہ ناموں سے نامزد ہوئے۔ نظریہ میں سے فلکیات و عنصریات و الٰہیات اور عملیہ میں سے تدبیر المنزل' سیاست تمدن' تہذیب الاخلاق نام قرار دیے گئے اور پھر ہر ایک کی اور بھی شاخیں ہیں۔ ریاضی اور طب پھر ریاضی کے اقسام ہیئت' نجوم' زیج' اکر' مرایا' حساب' ہندسہ وغیرہ۔

حکمتِ شرعیہ کا بیان : شرعِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں کسی قدر تغیر کیا گیا اور آلۂ

---

[1] حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے یہ بات ان کے بیجا طرفداروں کو بری معلوم ہوتی لگے حضرت شیخین رضی اللہ عنہما پر اتہام لگائے اور اس کے لیے انہیں تمام صحابہ کو برا بھلا بھی کہنا پڑا جس لیے وہ اس کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکمت نہیں سکھائی نہ تزکیہ کیا نہ کتاب سکھائی اور آپ کا اثر ان سے شبنم کی طرح جلد زائل ہو گیا جس کے مخالفِ اسلام بھی قائل نہیں اور خلافِ واقعہ بات بھی ہے پھر ان مطالب کے اثبات کے لیے ان کو سینکڑوں جھوٹی احادیث و روایات بنانی پڑیں جن کو واقعہ اور تاریخ زمانہ رد کرتی ہے اور انہیں کے بھروسا وہ قرآن مجید میں تاویل کرتے اور جمہور اہلِ اسلام سے جھگڑتے ہیں۔ افسوس! ۱۲ منہ

حق اور مبدء و معاد' رسالت اور اسرار حکمة نوامیہ اور احکامِ الٰہیہ اور ان کے اسرار و مصالح اور تزکیۂ نفس اور اس کے متعلق امور اور اسی طرح قوانینِ عدل و انصاف' سیاست و اخلاق طہارتِ باطنی و ظاہری کا جاننا نہ صرف دلائلِ عقلیہ سے بلکہ الہامِ الٰہی سے نبیِ مرسل اور اس کے سچے پیروؤں کے وسیلوں سے جاننا حکمت ہے۔ ان میں علم بالسنة المطہرہ بھی داخل ہے۔ دونوں حکمتوں میں فرق ہے اول کی بنیاد دلائلِ عقلیہ یا حکما کے اشراق پر ہے جس میں بیشتر توہمات اور تخیلات کو دخل ہے اور اسی لیے یہ حکمت ہر زمانے میں نیا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ آج کل کا فلسفہ اور ہیئت کچھ اور ہے اور قدیم فلسفہ اور دیگر علوم پر بڑے زور شور کے حملے ہو رہے ہیں اور شاید اس کے بعد جو زمانہ ترقی کر جائے تو اس پر بھی حملے ہونے لگیں اور یہ خیالات باطل ثابت ہو جائیں۔ بخلاف دوسری حکمت کے کہ اس میں ان امور کو دخل ہی نہیں وہ ان کدورتوں سے پاک و صاف ہے۔ زمانہ کیسا ہی بدلے پر وہ حکمت نہ بدلے گی۔ اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حکیمِ دو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ الایمان یمان والحکمة یمانیة (متفق علیہ) کہ ایمان تو یمانی ہے اور حکمة تو یمانی ہے۔ یعنی میری امت میں سے جو اہلِ یمن ہیں میری حکمة وہ خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ حکمتِ الٰہیہ کا مدرسہ یمان ہے نہ یونان اور در اصل لفظ یمان میں یمن و برکت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے حکمتِ آسمانی مراد ہو سکتی ہے۔

فوائدِ حکمت : اس حکمة کے فضائل شرعِ محمدیہ میں بہت آئے ہیں۔ ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کی حکمة میں دل پر نور' روح کو سرور ابدی ملتا ہے۔ حکمتِ یونانیہ میں انجام کار تردد و خبط اور شک و ظلماتِ روحانیہ کے سوا کچھ نہیں اس لیے مولانا روم علیہ الرحمة فرماتے ہیں۔

چند چند از حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

یہ ذات بابرکات عرب جیسے اُمی اور جاہل ملک میں ظاہر ہوئی یعنی اس معلم کو ایسے سخت اور جاہل لوگ دیے گئے پھر دیکھئے کہ آپ نے ان کو حکمة کی تعلیم کہاں تک کی۔ مؤرخین با انصاف عرب کی اس حالت کا کہ جب آپ نے اظہارِ نبوت نہ کیا تھا اور اس کے بعد کی حالت سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد تک جو مقابلہ کرتے ہیں تو ان کو ایک سخت حیرت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں کے علوم برکات اور ان کی بے حد ترقیاں اور لیاقتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ آپ نے حکمة سکھائی ہی نہیں بلکہ حکمة کا دریا بہا دیا۔ اب اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کو بھی دیکھئے باوجودیکہ وہ لوگ عرب جیسے اُجڈ نہ تھے، پڑھے لکھے شائستہ بھی تھے مگر پھر ان کو حکمتِ الٰہیہ سے کہاں تک حصہ ملا۔ کیا اسرائیلیوں کی گوسالہ پرستی اور بات بات پر سرکشی اور جلد جلد بت پرستی و بدکاری کی طرف رجوع کرنا جیسا کہ توریت سے ثابت ہے یہ نہیں کہے گا کہ عرب کے ان مقدس اور پاک باز اور مستقل اور مردانہ و فرزانہ جماعتوں سے ان کو کوئی بھی مناسبت نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ ان کے معلم تو حکیمِ کامل یعنی نبیِ مرسل قرار پائیں اور ان کے معلم حکیمِ کامل یعنی نبیِ مرسل قرار نہ پائیں۔

عرب کی حالتِ گمراہی اور دنیا کے اقوام کی ضلالت : وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ اس سے پہلے وہ اُمی عرب بے شک صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اس میں اسی مقابلۂ حالتِ سابقہ کی طرف اشارہ ہے۔ عرب کی پہلی ضلال مبین کی جو کچھ مؤرخین نے شرح کی اس کے ذکر کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر اس قدر جاننا کافی ہے کہ علم و ہنر سے خالی تھے، لکھنا پڑھنا بھی سینکڑوں ہزاروں میں سے کوئی جانتا تھا۔ افلاس کی کوئی انتہا نہ تھی، قزاقی اور چوری اور قتل و زنا' شراب خواری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شہوت پرستی یہاں تک تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بھی تصرف میں لاتا تھا۔ سنگدلی یہاں تک کہ معصوم بچوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام بات تھی۔ پھر سینکڑوں معبود اور سینکڑوں تھان جھنڈے پوجتے تھے۔ رمالوں' کاہنوں' عیاروں کے کرشموں پر ایمان تھا۔ فال و شگون پر سفر و اقامت منحصر

تھی، گندے میلے وحشی بنے ہوئے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تک تھا۔ گو پہلے عرب میں شاہانِ یمن کے ذریعے سے شائستگی ہوئی ہوگی اور علم و ہنر کی چمک ان پر پڑی ہوگی مگر اب تو چاروں طرف سے جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ملتِ ابراہیمیہ بالکل مٹ گئی تھی اور اسی طرح تمام مذاہب اور جمیع اقوام کی حالت تھی۔ مجوس کا مذہب اصل میں جو کچھ ہو مگر اب تو شہوت پرستی اور عناصر پرستی کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ اسی طرح اہلِ کتاب کی حالت خراب تھی۔ یہود تو ریت اور انبیاء علیہم السلام کے اصل نسخے کھو بیٹھے تھے جو بخت نصر وغیرہ بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ صرف کچھ مضامین اصل کتابوں کے باقی قصص و حکایات یا مذہبی دستورات تھے جن کو توریت وصحفِ انبیاء کہتے تھے۔ اس کے سوا ان کے اجداد کی بے ایمانیاں اور قوم کی بے ہودگی تو اس درجہ تھی کہ جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شاکی تھے اور وہ دنیا سے شاکی گئے اور ملتِ مسیحیہ کا تو پوپوں کی بددیانتی سے اور خراب حال تھا۔ سینکڑوں فرقے تھے اور سینکڑوں جدا جدا خیالات۔ انجیل ان کے پاس بھی نہ رہی تھی۔ عجائب پرستی اور پیروں کی پرستش اور اوہامِ باطلہ کی پابندی اور معمولی دستورات کی بجا آوری ہی مذہب رہ گیا تھا۔ تواریخِ کلیسا کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ رہے ہنود و اہلِ چین و تاتار تو اب تک بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور صرف اس عہد کے لیے یہ آفتابِ ہدایت جلوہ گر نہیں ہوا تھا یا عرب کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ و آخرین منھم اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے بھی۔ یہ مجرور ہے اس کا عطف امیّین پر ہے یہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عہد کے امی لوگوں کے لیے بھیجا اور ان کے سوا اوروں کے لیے بھی جو ہنوز نہیں پیدا ہوئے یا پیدا ہیں مگر ان میں نہیں ملے اور منصوب بھی ہوسکتا ہے تب اس کا عطف ضمیر منصوب پر ہوگا جو یعلمھم میں ھم ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو بھیجا کہ ان امییوں کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کے سوا اوروں کو بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے لما یلحقوا بھم۔

امام ابوحنیفہ کی بشارت : بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر رحمہم اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے یہ جملہ لما یلحقوا بھم پڑھا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا۔ تیسرے بار سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جو ہم میں موجود تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایمان اگر ثریا تک چلا جائے تو ان میں کے لوگ اس کو پالیں گے۔ یعنی اگر دنیا سے ایمان و خیر اٹھ کر آسمان تک بھی جا پہنچے۔ مطلب یہ کہ اس کا لینا مشکل ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ مقصد یہ کہ آنے والے لوگوں سے غیر عرب جمیع امم مراد ہیں خواہ اہلِ فارس ہوں یا اہلِ روم اور اسی لیے آپ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے لیے نامے لکھے (مجاہد وغیرہ سب کا یہی قول ہے) اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بالخصوص اہلِ فارس میں سے بڑے بڑے نامور اسلام میں پیدا ہوئے جن کی مساعیِ جمیلہ کی اب تک امتِ محمدیہ مشکور ہے اور یہ بشارت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ پر صادق آئی جیسا کہ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے بھی اقرار کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ اس کی عنایت ہے جس کو چاہے نصیب کرے۔ یہود و نصاریٰ یا کسی اور کا کیا خدا تعالیٰ کو دینا آتا ہے کہ اخیر نبی اور اس کے ایسے نامور پیرو انہیں میں سے پیدا کرتا اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے کہ کس قوم میں اس خدمت کی بجا آوری کا مادہ ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع

ان لوگوں کی مثال کہ جن پر توریت لادی گئی پھر اس کو انہوں نے اٹھایا نہیں اس گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔ کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی کہ جس نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے جو یہودی ہوگئے ہیں کہہ دو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ سب لوگوں کے سوا ہمیں اللہ کے پیارے ہیں تو موت کی خواہش کرو اگر تم سچے ہو اور اس کی تو وہ کبھی بھی خواہش نہ کریں گے اپنے ہاتھوں کے ان کاموں کے سبب جن کو کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ موت کہ جس سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ ضرور تم کو آلے گی۔ پھر تم چھپی اور کھلی چیزوں کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ تم کو بتادے گا۔

ترکیب : مثل الذین مبتدا کمثل الحمار خبرہ یحمل الجملۃ اما حال والعامل فیھا معنی المثل او صفۃ للحمار اولیس المراد بہ معینا فھو فی حکم النکرۃ کما فی ھذا القول ولقد امر علی اللئیم یسبنی مثل القوم فاعل بئس الذین فی موضع خبر لغتا للقوم والخصوص بالذم محذوف ای ہذا المثل ویمکن ان یکون فی موضع رفع تقدیرہ بئس مثل القوم مثل الذین فمثل المحذوف ھو المخصوص بالذم وقد حذف او قیم المضاف الیہ مقامہ۔ (ابن الصائغ) وقدر العلامۃ ابوالمسعود ھذا ای بئس مثلا مثل القوم الذین کذبوا علی ان التمیز محذوف والفاعل المفسر بہ مستتر ومثل القوم ھو المخصوص بالذم والموصول صفۃ لقوم۔ فانہ ملاقیکم الجملۃ خبر ان ودخلت الفاء لما فی الذی شبہ الشرط وقیل الفاء زائدۃ وفیہ ما فیہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اس حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضیٰ ہے کہ اس نے رسول بھیجا تا کہ لوگوں کو پاک کرے اور علم و حکمت سکھائے اور یہ رسول عرب میں ظاہر کیا جو اَن پڑھ لوگ تھے۔ یہود کی قوم کو اپنے علم و خاندان کا بڑا گھمنڈ تھا (اور خاندانی آدمیوں کا جب اصلی کمال جاتا رہتا ہے تو ان میں یہی باقی رہ جایا کرتا ہے) ان کو اس نبیِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا اور کہنے لگے کہ علم و حکمت کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ جاہلوں کے سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس قومِ بدنصیب کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علمِ بے عمل کی پوری تشبیہ دیتا ہے۔ فقال مَثَلُ الَّذِيْنَ الخ کہ ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی یعنی اس کی پابندی کی تاکید کی گئی گویا توریت کو ان پر سوار کیا گیا یا یہ معنی کہ توریت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے کیونکہ یہ حمل بمعنی اٹھانے کے نہیں بلکہ حمالہ بمعنی کفالہ وضمان سے ہے (یہ زمخشری کا قول ہے) اور پھر انہوں نے پوری ذمہ داری نہ کی ایک گدھے کی مثال ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں پھر اس گدھے کو ان کتابوں سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ ان کے بوجھ کی مشقت اٹھا رہا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پایہ بر و کتابے چند

یہی حال ان یہود کا ہے۔ گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بدعقل جانور ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی نہ گھوڑے خچر گاڑی چھکڑے سے۔ اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے

پھرتا ہے۔ اسفار اسفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفر الصبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشتی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شبر کی جمع ہے۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماءِ امتِ محمدیہ کو بھی سن کر ڈرانا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بیجا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہے۔ آیات اللہ سے مراد آیاتِ قرانیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلا دیا۔ یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت وصحفِ انبیاء کی ان ہدایات وتاکیدی احکام کو پسِ پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو جھٹلا دیا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ واللہ لایھدی القوم الظالمین ایسے متعصب لوگوں کو ہدایتِ الٰہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بدنصیبی وخسران وضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔

یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل یاایھاالذین ھادوا ان زعمتم الخ کہ اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دے اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی وخلت اور دارِ آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو تا کہ تم مرنے کے بعد عیش وآرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمالِ بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمالِ بد کے خوف سے۔ ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے پاک کو کوئی خوف نہیں ہوتا نیک اور باخدا لوگ جن کو دارِ آخرت کے نعماء پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش وآرام کو قید خانہ کے آب ودانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ لاف ماریں مرنے سے ڈرتے ہیں یہیں کی زندگی پر مرتے ہیں۔ یہیں کے سامان واسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔ واللہ علیم بالظالمین۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بدکاروں کو ابرار کے درجے نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور موت سے ڈرتے تھے اس لیے فرماتا ہے قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ کہ کہہ دے جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آ پکڑے گی اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاد بھی کس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا اور ہدایات انبیاء علیہم السلام سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مفاخرِ آبائی کے غرور میں سرتابی کا انجام بڑے پراثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔ **فائدہ:** اسلام میں انبیاء اور اولیاء زادہ ہونا بغیر ایمان وعمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا[1]

[1] ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پوتر یعنی بیٹے ہیں۔ ہماری مکتی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ خیرات دو تو برہمن کو دو نیکی کرو تو برہمن سے کرو، برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں اور قومیں کئی بار جنم لے کر یعنی تناسخ کے میدانوں میں ٹھوکریں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔ برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا۔ برہمنوں میں ایک گروہ کو پروہت کہتے ہیں۔ وہ تو اب تک ہنود کے نکاح' بیاہ وموت و سفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سرگ نرک (دوزخ بہشت) کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دو تو ←

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقتِ الٰہیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مگر وہ ڈر گئے۔ بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مکے میں ابوجہل کعبے کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے روبرو اس کو فرشتے اُچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال واہل کچھ نہ دیکھتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ
اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ
فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ
قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ع

مسلمانو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کے لیے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور جبکہ وہ لوگ تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) چھوڑ دیتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشا اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

ترکیب : اذا شرط من یوم من بمعنی فی ای فی یوم الجمعة فاسعوا جوابہ وذروا عطف علی فاسعوا الجمعۃ بضمتین وباسکان المیم مصدر بمعنی الاجتماع فاذا قضیت شرط فانتشروا جوابہ کثیرا ای ذکر کثیر واذا راوا شرط انفضوا جوابہ وترکوا معطوف علیہ قائمًا حال من المفعول فی ترکوک ما موصولۃ عند اللہ صلۃ خیر خبر للموصول والصلۃ۔

تفسیر : یہود پر تین زجر وتوبیخ ہوئیں۔ اول جب انہوں نے اپنے علم وفضل کا فخر کیا اور عرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل قرار دیا تو ان کو گدھے سے تشبیہ دی اور جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے نزدیک سب

← سرگ میں ورنہ نرک میں پہنچتا ہے بیچاروں کو دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف' رضائی' بچھونا اوڑھنا، پانی پینے کا لوٹا کٹورا وغیرہ سب پروہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پروہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گاؤ ماتا پن کرو کہ اس کی دم پکڑ کر یہ مرنے والا نرک کی جھیل سے پار جائے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچانے کے لیے لیتے ہیں۔ ہندوستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہنود کا میل جول ہوا تو لالچی مسلمانوں کے منہ میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھر آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چسکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے۔ وہ برہمن کا شکار ہیں۔ جاہل مسلمانوں کو گھیرو پھر تو انہوں نے بھی اپنی دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسہرہ کے جواب میں محرم کا سانگ بنایا۔ دیوالی کے جواب مس شبرات کی روشنی اور آتشبازی نکالی، مردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاں جی نے بیمہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ میت کی نعش پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پروہت کی جگہ جاہل پیر قائم ہوا۔ بوہرہ قوم میں ان کا ملاں بھائی جبرئیل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتنے انار اتنے کھجور کے درخت دینا۔ ۱۲ منہ

[1] انفحاض شکستہ شدن۔ صراع ۱۲

سے بہتر اور خاص دوست ہیں دارِ آخرت کی نعماء ہمارے لیے تیار ہیں تو ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ
یزیں تمہیں تیار ملیں۔ تیسرا ان کا ایک اور فخر تھا کہ خدا نے ہمارے دین میں سبت (ہفتے کا دن) رکھا ہے جس کی تعظیم وحرمت ہم پر واجب
ہے اور اس میں بڑے برکات ہمارے لیے ہیں مسلمانوں کے لیے یہ نعمت نہیں۔ اس تفاخر کے مقابلے میں یا اس کی جگہ خدا تعالیٰ مسلمانوں
کے لیے جمعہ کا دن مقرر کرتا ہے جو ہفتہ اور اتوار سے بھی مقدم ہے اس لیے اس دن کی خاص عبادت کے لیے حکم دیتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا الی قولہ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ کہ اے ایماندارو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کی طرف چلو اور جا کر
ادِ الٰہی کرو اور سوداگری یا اور کوئی دنیاوی کام ہو اس کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ کس لیے کہ دنیا اور اس کے نعماء جن کے
حاصل کرنے میں تم سرگرمی اور کوشش کرتے ہو فانی ہیں تم کیا یہاں سدا رہو گے اور کیا تمہارے کام یہ چیزیں ہمیشہ آئیں گی؟ جہاں تمہیں جانا
ور وہاں جا کر سدا رہنا ہے اس کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے اور منجملہ ان کے جمعہ کے لیے چلنا اور تیار ہونا اور کارِ دنیا و یہ کو چھوڑ دینا ہے۔

مباحث۔ (۱) فضائلِ جمعہ: فضائلِ جمعہ احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پچھلے ہیں مگر
قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہم کو بعد میں، پھر یہ دن جمعہ کا ان پر فرض ہوا وہ اس
یں جھگڑے اللہ نے ہم کو بتا دیا۔ سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہود اس کے ایک روز بعد نصاریٰ ان کے ایک دن بعد۔ (متفق
علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب دنوں سے جمعہ افضل ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں گئے، اسی دن
وہاں سے نکلے، اسی دن قیامت ہوگی (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو کچھ
بندہ اس ساعت میں مانگتا ہے پاتا ہے (متفق علیہ)۔ مسلم کی روایت میں جو ابی بردہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر
نماز تمام کرنے تک کے زمانے میں ہے۔ اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد رحمہم اللہ کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب قول عبداللہ
بن سلام رضی اللہ عنہ وہ ساعت آخر ساعت ہے یعنی غروب کے قریب تک عصر سے لے کر۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ دن تمہارے سب دنوں سے افضل ہے اس دن مجھ پر درود بھیجو کہ وہ میرے سامنے لایا جاتا ہے۔

(۲) احکامِ جمعہ: (۱) یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ غیر معذور پر واجب ہے۔ مگر علماء نے احادیثِ آثار میں غور کر کے اس نماز کے وجوب
کے لیے بارہ شرطیں قائم کی ہیں چھ خاص پڑھنے والے کے لیے، وہ یہ ہیں: حریۃ یعنی آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو کس لیے کہ وہ بیگانہ تابعدار معذور
ہے۔ ذکورۃ یعنی مرد ہو عورت پر واجب نہیں۔ اقامۃ یعنی مقیم ہو مسافر نہ ہو کس لیے کہ مسافر پر واجب نہیں۔ صحت تندرستی کس لیے کہ
بیمار پر واجب نہیں۔ سلامۃ الرجلین یعنی پاؤں ہوں لنگڑا اپاہج نہ ہو کس لیے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ سلامۃ البصر بینا ہو کس لیے کہ
اندھے پر واجب نہیں۔ بعض کہتے ہیں جب اندھے کو لے جانے والا ہو اس پر بھی واجب ہے۔ اور چھ دوسرے شروط ہیں۔ مصر جامع کہ
شہر ہو جس میں بازار وغیرہ ہوں کس لیے کہ دیہات میں جمعہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ شرط ثابت نہیں بلکہ جس بستی میں
چالیس آدمی جمعہ میں آسکتے ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چالیس
سے بھی کم ہوں تو بھی واجب ہے۔ سلطان یا اس کا نائب منتظم بھی ہو۔ اس شرط میں بھی دیگر آئمہ کو کلام ہے۔ جماعت، اگر جماعت میسر
نہ آئے تو جمعہ واجب نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین آدمی اور ہوں تو جماعت ہو جائے گی۔ صاحبین کہتے ہیں امام کے
سوا دو اور ہوں تو کافی ہے۔ وقت، ظہر کے وقت پر ہونا چاہیے ظہر کے وقت سے پہلے یا اس کے بعد جمعہ نہ ہوگا۔ مگر حنبلیوں کے نزدیک

۱ یہود ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اس دن کار و بارِ دنیاوی ان کے ہاں حرام ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار کے دن کی تعظیم ہے۔ وہ کہتے ہیں اس دن
حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے اٹھ کر آسمان پر گئے اور لوگوں کو دکھائی دیے۔ ہنود بھی متوالد کو مانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول وقت جمعہ پڑھا۔ اس کو دیواروں کے
سایہ دیکھ کر بعض نے زوال کا وقت سمجھ لیا ہوگا۔ اظہار یعنی مخفی اور پوشیدگی کی حالت میں جمعہ نہیں، شہرت اور اذنِ عام ہونا چاہیے۔ خطبہ
بھی ہونا نماز سے پہلے شرط ہے۔ اگر خطبہ نہ ہوگا جمعہ صحیح نہ ہوگا (ملخص از ہدایہ وشروحہ ومن دارالحکام) باقی طہارتِ مصلی وغیرہ اور نماز کی
سب شرطیں ہیں۔ جب یہ شروط پائی جائیں تو جمعہ واجب وفرض ہے اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے
ہوئے فرماتے تھے کہ لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا کہ وہ غافل ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم) نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سستی سے تین جمعے ترک کر دے گا اللہ اس کے دل پر مہر کر دے گا (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ والدارمی
ومالک واحمد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ کسی کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہوں پھر دیکھوں جو شریک نہیں ہوتے ان کے
گھروں میں آگ لگا دوں (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر واجب کے ساتھ مگر چار شخص غلام،
عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۲) مسنون یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرے اچھے اور صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور جب اول اذان ہو تو خرید وفروخت سب
کاروبار بند کر دے اور مسجد میں جا کر جہاں جگہ ملے چار رکعت سنت پڑھے، پھر جب امام منبر پر چڑھے اور اذانِ ثانی شروع ہو تو بات چیت
بند کر دے اور نوافل وسنن بھی نہ پڑھے متوجہ ہو کر خطبہ سنے۔ امام خطبہ منبر پر کھڑا ہو کر پڑھے اور بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر شروع
کرے، خطبہ میں خدا کی حمد وثناء اور پیغمبر علیہ السلام پر درود کے بعد وعظ وپند اور احکامِ الٰہی کی تعلیم وترغیب ہو۔ راگنی میں نہ ہو صاف اور
سادی وضع پر ہو اور خطیب لباس مسنون پہنے ہاتھ میں عصا لیے اس پر سہارا کیے ہو۔ خطبہ عربی زبان میں ہو اور جو قوم بالکل نہ سمجھے ان کو ترجمہ
کر کے سمجھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خطبہ کے بعد امام منبر سے اتر آئے اور اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھائے۔ پکار کر نماز میں الحمد
اور اس کے ساتھ اور سورہ یا آیاتِ قرآنیہ پڑھے۔ سلام کے بعد چار رکعت [1] اور پھر دو رکعت یا صرف چار علیٰ حسبِ اختلاف الروایات اور
بھی ہر ایک جداگانہ پڑھے، یہ مسنون ہے واجب نہیں [2]۔ جمعہ کی نماز سے ظہر کے چار فرض ساقط ہو جاتے ہیں اور مسافر وغیرہ جو جمعہ میں
شریک ہو جائیں تو ان سے بھی ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور جو کوئی بلا عذر شریک نہ ہو گو شریک نہ ہونے سے گناہگار ہوگا مگر وہ ظہر پڑھے
لیکن جماعت نہ کرے۔ جمعہ سے پہلے اور نماز کے بعد کاروبارِ دنیاویہ کی ممانعت نہیں۔ ہاں جو اس تمام روزِ متبرک میں خیرات اور عبادت
کے لیے تعطیل کرے تو بڑی برکت ہوگی۔

(۳) جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس دن لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جس سے سب سے اول اس دن کا نام جمعہ [3] رکھا
ہے بعض کے نزدیک کعب بن لوی ہے اور عرب پہلے اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے
مطابق انصار نے ہجرت سے پہلے جمع ہونے کا اور مل کر عبادت کرنے کا یہ دن مقرر کیا تھا اس لیے کہ ہفتہ یہود کے لیے، اتوار نصاریٰ کے
لیے تھا۔ تب وہ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اس نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں

۱ وقبل الجمعۃ اربع بلا خلاف وبعدہا اربع سلیمۃ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ بعد الجمعۃ یصلی اربعا وبعدہ رکعتین بتسلیمتین وبہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ مناوبہ یعمل
الیوم ۱۲ (مجمع الانہر) یعنی چار رکعت جمعہ کے پہلے بلا خلاف اور چار اس کے بعد ایک سلام سے ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعت ہیں۔ چار
رکعت پڑھ کر دو اور پڑھے۔ ۱۲ منہ

۲ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اول جمعہ کی کوئی تعداد نوافل کی مخصوص نہیں اور بعد میں اول دو رکعت ہیں لانہ علیہ السلام کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین متفق
علیہ اور زیادہ چھ کما رواہ ابوداؤد۔ ۱۲ منہ

۳ کعب کے عہد میں اسلام نہ تھا اس نے اس دن کا نام جمعہ شاید یوں رکھا ہوگا کہ اس دن بازار لگتا ہوگا جس میں خرید وفروخت کے لیے جمع ہوتے ہوں گے۔ ۱۲ منہ

وعظ ونصائح تھے تب سے اس دن کا نام جمعہ قرار پا گیا۔ یہ پہلا جمعہ اسلام میں ہوا جب ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں اترے اور پیر اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز نکلے مدینے میں آنے کے لیے تو آپ نے جمعہ بنی سالم ابن عوف میں پڑھا خطبہ پڑھ کر نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اذانودی الصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کہ جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آواز دی جائے[1] اس سے مراد وہ اذان ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت دی جاتی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک صرف یہی ایک اذان تھی مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے اور یہ اذان کافی نہ سمجھی گئی تو حکم دیا کہ اس سے پہلے ایک اور اذان دیا کرو جوان کے مکان پر دی جاتی تھی جس کو زوراء کہتے تھے اس کو سن کر لوگ نماز کے لیے آنے لگتے تھے۔ پھر جب سب جمع ہو جاتے تھے تو امام جب منبر پر بیٹھتا تھا تو دوسری اذان بدستور ہوتی تھی۔ گو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی کہ میرے طریقے کو اور میرے سچے جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑو اس لیے یہ بھی مسنون ہو گئی اور اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس میں کلام نہ کیا تو آج تک یہ دستور چلا آیا۔ اس پہلی اذان سننے سے بھی نماز جمعہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ اس اذان سننے کے بعد بیع وشراء کاروبارِ دنیاوی ممنوع ہیں۔ فاسعوا الی ذکر اللہ تو ذکر اللہ یعنی خطبہ اور نماز کے لیے چلو۔ ذکر اللہ سے دونوں چیزیں مراد ہیں خطبہ اور نماز۔ بعض کہتے ہیں نماز، بعض کہتے ہیں خطبہ۔ اور سعی سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں کہ دوڑ بھاگ کر آؤ بلکہ چلنا اور قصد کرنا اور کوشش کرنا۔ کما فی قولہ وان لیس للانسان الاماسعی' ولمابلغ معه السعی۔ غسل کرنا۔ کپڑے پہننا بھی اس سعی میں داخل ہے۔ وذروا البیع اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ مراد کاروبارِ دنیاوی ہیں چونکہ اس دن لوگ اس کار میں زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا۔ اذان سننے کے بعد خرید وفروخت حرام ہے۔ کشاف میں ہے کہ عامۂ علماء کے نزدیک باوجود ممنوع ہونے کے جو کوئی بیع کرے گا تو یہ فاسد نہ ہوگی کس لیے کہ حرمۃ لعینہ نہیں بلکہ نماز سے روکنے کے لیے ہے چنانچہ اذان سن کر چلتے ہوئے جو کوئی رستہ میں بیع وشراء کرے اس میں کچھ بھی قباحت نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بیع فاسد ہوگی۔ وَذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس وقت خرید وفروخت چھوڑنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے کس لیے کہ دنیا فانیہ کی تجارت سے آخرت باقیہ کی تجارت بہر حال بہتر ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اور جب نماز سے فارغ ہو چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل ورزق روزی کی تلاش کرو۔ فضل اللہ سے مراد روزی ہے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ پہلے جو ممانعت کی تھی اس کی اجازت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اور صرف روزی ہی کی تلاش میں بے ہوش نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ کو یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ تسبیح وتحمید استغفار وذکرِ قلبی ولسانی سے ہر حال میں اللہ کو نہ بھولو۔ دست بکار دل بیار رہے۔ نماز کے باہر بھی ذکرِ الٰہی جاری رہے۔ بخاری ومسلم وغیرہما

---

[1] اسلام نے عبادات میں بھی قوتِ اجتماعیہ ملحوظ رکھی ہے نماز یا جماعت جس میں مسلمانوں کو پانچ وقت میل جول' محبت' ہمدردی کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ میں شہر بھر کے مسلمانوں کا مجمع ہے خطیب کو قومی مصالح کی تعلیم اور وعظ وپند کا موقع ہے اسی طرح عیدین میں اور حج میں تمام ملکوں کے مسلمان باہم مل جل سکتے ہیں سب ایک مشورت وتدبیر سے مطلع ہو سکتے ہیں مگر افسوس ہم نے ان باتوں سے برکات حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ مجموعی عبادت میں انکار کا انعکاس اور جماعت خدا پرستوں کا غلبہ وشوکت بھی غیر جماعتوں پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اب جمعہ کو سبت اور اتوار سے مقابلہ کیجئے کہ بجز اس کے کہ تمام دن بازار وکاربند کر کے آرام کرو اور کیا ہے توریت میں سبت کے دن کوئی نماز نہیں ہاں بعد میں بنالی ہو تو خیر' جمعہ میں پوری سبت کی اصلاح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سبت کے دن بعض کام کر کے معطل رہنے کی رسم کو اٹھانا چاہا تھا مگر یہود نے بڑا نزعہ کیا آنے والے مصلح پر تقدیر نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ۱۲ منہ

نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھا ہی تھا کہ مدینے کا کارواں آیا (شام سے غلہ لے کر آیا اور دن قحط سالی کے تھے اور اس کی ڈگڈگی بجی) تو لوگ اس کے دیکھنے کو چلنے لگے یہاں تک کہ بارہ آدمی رہ گئے کہ جن میں میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تب یہ آیات[1] نازل ہوئیں واذا راوا تجارة اولهوًا انفضوا اليها[2] کہ جب تجارت یا لہو یعنی ڈھونڈی پٹتی دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ وترکوك قائما اور تجھے اے نبی! کھڑا چھوڑ جاتے ہیں شاید اس وقت خطبہ عیدین کی طرح بعد میں تھا یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ۔ کہہ دے جو کچھ اللہ کے پاس ہے ثواب اور آخرت کی نعمتیں جو خطبہ اور نماز سے حاصل ہیں وہ لہو ڈگڈگی کی آواز اور تجارت سے بہتر ہیں کس لیے کہ وہ نعماءِ باقیہ ہیں پھر عمدہ چیز چھوڑ کر بری کی طرف دوڑنا کونسی عقل مندی ہے۔ واللہ خیر الرازقین۔ اللہ بہتر ہے روزی دینے والوں سے۔ دراصل وہی روزی دیتا ہے' تجارت زراعت نہ نوکری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ
وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ
عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یہ) بہت ہی برا کر رہے ہیں یہ اس لیے کہ یہ (ظاہر میں) ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی جس لیے وہ سمجھتے ہی نہیں اور (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھے تو تجھے (ان کے ڈیل ڈول) بھلے معلوم ہوں۔ اور اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی بات سنے گویا کہ وہ دیوار کے سہارے لگائی ہوئی لکڑیاں[3] ہیں ہر ایک آواز[4] کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں وہی دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو انہیں اللہ کی مار کہ بہکے چلے جاتے ہیں۔

---

[1] ایک بار کے معاملہ پر تو بیخاً بولا گیا قتادہ کہتے ہیں تین بار ایسا کیا گیا تین بار قافلہ آیا اور لوگوں نے ایسا کیا۔ کشاف ۱۲ منہ

[2] واذا الخ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ ایک نکاح میں جب لونڈیاں گانے بجانے لگیں لوگ خطبہ میں سے اٹھ کر چلنے لگے اور ایک بار قافلہ کے لیے چل دیے تو دونوں معاملوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ لہو سے مراد لونڈیوں کا گانا بجانا' تجارت سے قافلہ۔ ۱۲ منہ

[3] کھوکھلے

[4] جب کوئی چیخے تو جانتے ہیں ہم پر بلا آئی۔

کیب : اذا شرط قالوا جوابہ وقیل محذوف وقالوا حال ای جاؤک قائلین کیت وکیت فلا تقبل منھم وقیل جوابہ اتخذوا فیہ مافیہ۔ واللہ یعلم
جملہ معترضۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا وھو الشھادۃ باللسان مع الانکار فی القلب اتخذوا الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان کذبھم وحلفھم علیہ۔ ایمانھم
الجھور بفتح الھمزۃ جمع الیمین وقریٔ بکسرھا واٰیخۃ الترس سپر۔ ساء ھھنا بمعنیٰ بئس فی افادۃ الذم فطبع فرء الجھور رمبنیا للمفعول وقریٔ مبنیا
عل واذا رایتھم شرط تعجبك جوابہ وان یقولوا شرط تسمع جوابہ وقریٔ یسمع علی البناء للمفعول۔

کانھم خشب مسندۃ فی خبر الرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف..... مستانف لامحل لہ۔ وقریٔ خشب علی انہ جمع خشبۃ کبدن جمع بدنۃ وقیل جمع خشبا
الخشبۃ المجوفۃ وقریٔ بالتثقیل۔ مسندۃ من الاسناد بمعنی الامالۃ والتشدید للمبالغۃ وقریٔ خشب بضمتین وقریٔ باسکان الشین وقری بفتحتین۔

سیر : یہ سورہ بھی مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکثر اسی کے قائل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں نبی صلی اللہ علیہ
م سورۂ جمعہ پڑھتے تھے۔ ایمانداروں کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے اور دوسری رکعت میں اس سورہ کو پڑھتے تھے۔ منافقوں کی سرزنش
ے لیے (اس مضمون کو سعید بن منصور نے اور اوسط میں طبرانی نے نقل کیا ہے)۔

بخاری اور مسلم وغیرہما رحمہما اللہ نے زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو وہاں
وں کو تکلیف پہنچی (بھوک پیاس کی) اور بخاری وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کسی بات میں خفا ہو کر تھپڑ
دیا تھا۔ انصار نے مدد کے لیے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اور اس وقت مہاجر تھوڑے اور انصار بہت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ
یہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا گندی بات ہے۔ بات گئی گزری ہوئی (مگر عبداللہ بن ابی انصار میں برا شخص تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ے مدینے تشریف لانے سے پہلے اسی کی سرداری کی پگڑی بندھنے والی تھی جو آپ کے آنے سے خاک میں مل گئی اس کے دل میں آنحضرت
لی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی عداوت تھی اور منافقوں کا سردار تھا) اس نے کہا کیا مہاجر نے ایسا کیا ہے تب تو اس کو دلی بغض نکالنے کا
وقع مل گیا۔ جوش میں آکر کہنے لگا کہ ہمارے ٹکڑے کھا کر ان لوگوں کو یہ دن لگے ہیں بخدا مدینہ پہنچ کر ہم شہر کے رئیس ان ذلیل پردیسیوں
وںکال دیں گے اور لوگوں سے کہا کہ جو اس نبی کے پاس ہیں یعنی مہاجرین ان کو آئندہ سے کچھ دیا لیا نہ کرو، پریشان ہو کر بھوک کے مارے
پ بھاگ جائیں گے۔ بات زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سن لی اور میں نے اپنے چچا (طبرانی کے نزدیک چچا سے مراد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ
ہے جو قوم خزرج کا سردار تھا) یا عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کر دیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہا۔ آپ نے مجھے بلا کر پوچھا میں نے
اف صاف کہہ دیا پھر عبداللہ بن ابی سردارِ منافقین کو بلا کر پوچھا اس نے انکار کر دیا اور قسمیں کھانے لگا اور بڑی باتیں اخلاص مندی کی
رنے لگا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے مجھے جھوٹا سمجھ کر بڑی ملامت کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ میں شرمندگی کے مارے گھر میں بیٹھ رہا
مگر خدا تعالیٰ سے امید تھی کہ قرآن میں میری بابت کوئی بات ضرور نازل فرمائے گا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
لم نے مجھے بلا کر فرمایا۔ زید خدا نے تجھے سچا کر دیا (خلاصۃ الروایات) یہ ہے ان آیات کا شانِ نزول۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں
کے اس قول کو بھی نقل کرتا ہے اور پھر ان کے قسمیں کھانے اور اخلاص ظاہر کر کے جان بچانے کا بھی حال بیان فرماتا ہے مگر شانِ الٰہی اور
متِ خدائی یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ فرماتا ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ جبکہ آپ کے پاس منافق
تے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کا رسول ہے۔ منافق شرع میں اس کو کہتے ہیں جو بظاہر مسلمان اور
ر پردہ کافر ہو۔ وہ عنداللہ بھی کافر ہے گو شرع ظاہر ہے اسلام کے ظاہری احکام میں شریک ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔
براث کا حصہ بھی پائے گا لیکن مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جس کا ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو بھی منافق کہتے ہیں مگر

حقیقی منافق نہیں۔ اسی طرح جس میں منافقوں کے عادات ہوں، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، گالی بکنا، نماز میں
سستی کرنا وہ حقیقی منافق نہیں بشرطیکہ دل میں کلمہ کی تصدیق ہے مگر ان بری عادتوں کے سبب گنہگار اور نفاق کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔
مدینے میں ابتداءِ اسلام کے وقت چند لوگ ایسے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اور اس کا گروہ آپ کے سامنے آکر ایسی گواہی دیتے
تھے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ فرماتا ہے ان کی گواہی پر وقوف نہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہے۔ یعلم اللہ کا
لفظ عرب کے محاورہ میں قسم میں بھی مستعمل ہوتا ہے تب اس جملہ میں قسم سے تاکید اور زیادہ ہو جائے گی۔ مگر ان کی گواہی دل سے نہیں اور
گواہی میں دل اور زبان کا موافق ہونا ضرور ہے اگر دونوں موافق نہیں تو وہ شہادت جھوٹی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی شہادت میں ضرور جھوٹے ہیں۔ نہ اس کہنے میں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ
خبر تو صادق ہے واقع کے مطابق ہے۔ اور خبر کے صدق و کذب کا اسی پر مدار ہے اگر واقع کے مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب۔ مخبر کے
اعتقاد کا اعتبار جمہور کے نزدیک نہیں مگر جاحظ کہتا ہے کہ جس طرح شہادت کے سچے ہونے میں واقع سے مطابق ہونے کے ساتھ اعتقاد سے
مطابق ہونا بھی شرط ہے اسی طرح خبر میں بھی کس لیے کہ شہادت بھی خبر ہے۔ ہائل موکد ہے چونکہ ان کی خبر اعتقاد کے مطابق نہ تھی گو واقع
کے مطابق تھی اس لیے ان کو خدائے پاک نے جھوٹا کہا۔ بعض کہتے ہیں خدا نے جو انہیں اس سچی بات کے کہنے میں جھوٹا کہا تو اس کے یہ معنی
کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹے ہیں کس لیے کہ وہ انك لرسول الله کو جھوٹ جانتے تھے نہ یہ کہ وہ دراصل جھوٹے تھے کس لیے کہ بات تو سچی
تھی اشہد اور نشہد یا اس کا ترجمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یمین اور حلف ہے۔ کچھ قسم کھا کر کہنے پر موقوف نہیں۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اس لیے کھاتے ہیں، اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے
الزام سے بچنے کے لیے پھر وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں یا خود رک گئے۔ ایمان یمین کی جمع، یمین کے لغت میں معنی قوۃ کے ہیں اور
شرع میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کو حلف اور قسم سے قوی کیا جائے خواہ لفظ اللہ یا اس کے کسی اور نام یا صفات سے صادر ہو جیسا کہ عربی میں
باللہ تاللہ بالرحمٰن بالرحیم بعزۃ اللہ وجلالہ کہہ کر کوئی بات کہے۔ اردو میں خدا کی یا اللہ کی قسم یا اس کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ ان الفاظ سے جو
کہے۔ پھر یمین کی تین قسمیں ہیں۔ اول یمینِ غموس جو کسی گزشتہ بات پر ایسی قسم کھا کر کہے اور مقصود جھوٹ کہنا ہو کہ واللہ یہ بات یوں تھی۔
اور جانتا ہے کہ یوں نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹی قسم کھائے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اس کا بجز توبہ و استغفار کے
اور کوئی کفارہ نہیں۔ منافق بھی یمینِ غموس میں مبتلا تھے۔ اس سورہ میں آگے ان کے لیے استغفار ہی کی تاکید ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے
ہیں کفارہ دے۔ دوم یمینِ منعقدہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے کہ واللہ یوں کروں گا یا بخدا ایسا نہ کروں گا اس کے
خلاف کرنے میں کفارہ ہے۔ سوم یمینِ لغو کہ کسی گزشتہ بات کی قسم کھا کر خلاف خبر دی مگر یہ اس کو خلاف نہیں جانتا (یا یوں ہی بلا قصد واللہ
باللہ کہہ دے جیسا کہ بات بات پر عوام واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں مگر ایسی قسم بھی نہ کھانا چاہیے۔) الشافعی رحمہ اللہ۔

[1] جمہور کے نزدیک خبر کا سچا اور جھوٹا ہونا واقع سے مطابق ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے آیت میں خبر میں کاذب نہیں فرمایا بلکہ شہادت میں جن کو وہ اشہد اور ان
اور سے مؤکد کر کے ادا کرتے تھے یا کاذب اپنے اعتقاد میں یا اس قول میں نہیں بلکہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ مہاجروں کو نہ دو اور مدینے سے
نکال دو اس میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ نظام معتزلی کہتا ہے خبر کے صدق و کذب کا مدار صرف اعتقاد پر ہے اگر اعتقاد کے موافق
خبر دی جائے تو سچ گو واقع کے مطابق نہ ہو اسی طرح اگر اعتقاد کے موافق نہیں گو واقع کے مطابق ہے وہ خبر جھوٹی ہے جیسا کہ اس آیت میں خدا نے
منافقوں کی خبر انك رسول الله کو جھوٹا کہہ دیا اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کے سبب گو واقع سے مطابق بھی جاحظ دونوں کی مطابقت صدق میں اور دونوں کی
عدم مطابقت کذب میں معتبر جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بھی آیت میں جو منافقوں کو انك لرسول الله کہتے میں کاذب کہا اس لیے اعتقاد کے مطابق خبر نہ
تھی۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ
خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ
رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لوآؤ رسول اللہ تم کو معاف کرائیں تو اپنے سر ہلانے لگتے ہیں اور آپ ان کو روکے ہوئے اور متکبر بنے ہوئے دیکھو گے۔ برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو ہرگز بخشے گا ہی نہیں' بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (یہ) وہی تو ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ رسول کے پاس رہتے ہیں ان کو مت دیا کرو یہاں تک کہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں سب اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے تھے کہ اگر لوٹ کر مدینہ گئے تو عزت دار وہاں سے ذلیلوں کو نکال کر رہیں گے۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو ہی ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ترکیب : واذا قیل مجزوم لوقوعہ فی جواب الامرای تعالوا لووا جواب الشرط۔ وھم مستکبرون الجملہ حال من فاعل یصدون ورایت لوکان من الرویۃ البصر ۃ فیصدون حال والاھو مفعول ثان حتیٰ ینفضوا قراء الجمہور من الانفضاض وھوالتفرق وقرئ ینفضوا من انفض القوم اذا نفیت ازوادھم

تفسیر : فرمایا تھا کہ اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس لوگوں کو اللہ کے رستہ جہاد' ایمان' اعمالِ صالحہ سے روکتے ہیں دلوں میں شبہ ڈلوا کر اور اسلام میں جھوٹے عیب و اتہام لگا کر اور جو ان کا یہ جرم کسی نے ظاہر کر دیا تو قسمیں کھا کر سزا سے بچ گئے۔ یہ دستور کر رکھا ہے۔ لیکن ساء ما کانوا یعملون یہ بہت بڑی بات ہے۔ اب ان کے اس جرم کے ارتکاب کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا۔ کہ وہ زبان سے ایمان لائے پر دل سے منکر ہو گئے یا یوں کہو کہ اول ایمان لائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں کافر و مرتد دل میں ہو گئے فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پھر تو ان کے دلوں پر مہر ہو گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پھر کچھ نہیں سمجھتے حق و باطل میں امتیاز نہ رہا۔ اب اس کے بعد ان کے ظاہر حالات بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ کہ بڑے چپڑے چکنے ڈول ذیل کے خوبصورت بھلے بھانس معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے سے بھلے معلوم ہوں یا تعجب ہو۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ اور خوش بیان چرب زبان بھی ہیں کہ مجلس میں بات کریں تو ان کی بات کان لگا کر دھیان سے سنی جائے۔ مگر یہ ظاہر ڈھول ہے اندر سے خالی ہیں۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ خشک لکڑی جب جلنے کے سوا اور کسی کام میں نہیں لائی جاتی نہ عمارت میں نہ کسی چیز کے بننے میں تو اس کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں انہیں خود کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے۔ نکمے ہیں' دل خالی ہیں۔ خیر وایمان سے صرف جہنم میں جلانے ہی کے قابل ہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں کہ دلوں پر مہر ہے کوئی بات

خود حق و باطل کی سمجھ نہیں سکتے۔ (۲) یہ بھی ہے کہ وہ خشک لکڑیاں اصل میں تر و تازہ تھیں کٹ کر خشک ہو گئیں اسی طرح اصل فطرتِ انسانیہ کے لحاظ سے یہ بھی اچھے اور ایماندار تھے مگر جب اس سے کٹ گئے خشک ہو گئے۔ (۳) اب جس طرح جلانے کے سوا ان کو لکڑیوں سے اور کوئی مقصود نہیں اسی طرح ان کفار و منافقین کو جہنم کا ایندھن سمجھنا چاہیے۔ (۴) لکڑی کٹی ہوئی کے دوسرے ہوتے ہیں ایک اوپر دیوار سے ملا ہوا دوسرا زمین سے لگا ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے بھی دو رخ ہیں ایک اوپر ظاہری ایمان چرب زبانی کا دوسرا کفر و بد باطنی کا سرنگوں اور ذلت اندوز ہے۔ (۵) دیوار سے لگے ہوئے خشک شے سے ان کے قد و قامت میں بھی تشبیہ ہے۔ نامرد ایسے ہیں۔ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ کہ جو کوئی آواز و گھوڑا چھوٹ جائے یا کوئی کھڑکا ہو یا کوئی کسی کو پکارے تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر بلا آئی اور فوا اچھل پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی چپڑی چکنی باتوں پر نہ جاؤ۔ هُمُ الْعَدُوُّ اصل دشمنِ اسلام یہی ہیں ان سے بچو آپ ہی بد دعا کرتا ہے محاورہ عرب کے موافق قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ ان کی گردن مارے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ہدایت کے چشمے سے پیاسے جاتے ہیں اور جب ان کی جھوٹی قسمیں کھانے اور ان کے کذب ثابت ہو جانے یا منہ سے وہ نالائق باتیں کہنے پر جن کا ذکر ابھی آیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ چلو رسول اللہ پاس کہ تمہارے لیے خدا سے بخشش اور معافی مانگیں تو اکڑتے اور سر ہلاتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! خواہ ان کے لیے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو نہ بخشے گا۔ هُمُ الَّذِيْنَ سے لے کر آخر تک وہ کلمات ہیں جو عبداللہ بن ابی نے کہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے لوگوں کو کچھ نہ دو کہ چلے جائیں اس کے جواب میں فرماتا ہے وہ کیا دیں گے زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی کہتا تھا کہ مدینے چل کر عزت دار یعنی میں ذلیلوں یعنی مہاجرین کو نکال[1] دوں گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے یعنی مہاجرین ذلیل نہیں آئے تم ذلیل ہو مگر تم جانتے نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! تم کو تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے اور جس نے ایسا کیا تو وہی خسارے میں پڑ گیا۔ اور ہمارے دیے ہوئے میں سے اس دن سے پہلے دے لو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو پھر کہنے لگے کہ اے رب! مجھے ذرا تو مہلت دی ہوتی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک ہو جاتا اور اللہ تو کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

[1] ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ کلمات بکے تو زید نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی اور عبداللہ بن ابی سے جو پوچھا گیا تو قسمیں کھا کر انکار کر گیا مگر اس کے بیٹے عبداللہ نے جو خالص ایماندار تھا باپ کو پکڑ لیا کہ بخدا شہر مدینے نہ جانے دوں گا جب تک تو یہ اقرار کرے کہ میں ذلیل اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں آخر اس نے کہا۔ اور یہ جہاد جس میں عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں بکی تھیں چوتھے سال ہجری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں چھٹے میں۔ درحقیقت عزت اللہ اور اس کے ماننے والوں کو ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کو غور کر لو خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں دیکھ لو صحابہ کو کیسے خزانے عطا کیے اور یوں بھی بارش ہوا گرمی سردی جس قدر رزق کے اسباب ہیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : فیقول بالنصب بالفاء[1] الواقعۃ فی جواب الامر وھو انفقوا والواحرف التحضیض معناھا حض علی الفعل لمضارع ولوم ان دخلت علی الماضی فاصدق بالنصب لوقوعہ فی جواب لولاء واصلہ الصدق والجمہور علی ادغام التاء فی الصاد واکن اصلہ اکون سقطت الواؤ بالجزم وقراء الجمہور بالجزم عطفا علی محل فاصدق کانہ قیل ان اخرتنی واکن وقرئ اکون بالنصب عطفا علی لفظۃ فاصدق لن یؤخر الخ الجملۃ تدل علی جواب اذا جاء۔

تفسیر : منافقوں کی افسوسناک حالت بیان فرما کر مسلمانوں کو یادِ الٰہی کی طرف ابھارتا ہے اور ایک ناگہانی آ جانے والے سے ڈراتا ہے۔ فقال یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ اے ایماندارو! مال اور اولاد کے مشغلہ میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا اور جو غافل ہو گیا۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ تو وہ بڑے نقصان میں ہے۔ یہ مانا کہ حق سے غافل ہو کر آپ نے بہت مال جمع کیا' بڑی جائیدادیں حاصل کیں' نقد و زیور و جواہرات' ہاتھی گھوڑے' شال دوشالوں' نقرئی طلائی برتنوں کی کوئی کمی نہیں رہی۔ مکان بھی اور ان میں باغ بھی بہت آراستہ کیے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں حوض جھلک رہے ہیں' عیش و نشاط کے ہزاروں سامان موجود ہیں' خوبصورت ماہرو عورتیں بھی بناؤ سنگار کیے ان باغوں میں آپ کے ساتھ گا بجا کر دل لبھا رہے ہیں اولاد بھی ہے مگر عمر گراں مایہ کہاں۔ وہ جوانی اور طبیعت[2] کے جوش نہ رہے تو سب ہیچ دنیا ہی میں معلوم ہونے لگا۔ پھر ایک دن چل دیے سب یہیں پڑا رہا ایک گڑھے میں پڑے ہیں چند روز بعد ہڈیوں کے ریزے ریزے ہو گئے یہ سب عیش خواب پریشان معلوم ہونے لگا۔ گناہوں کا بوجھ سر پر اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کا کوئی سامان نہیں۔ پھر ہمیشہ طرح طرح کی ذلت اور آفت اور حسرت و ندامت اگر خسارہ اور نقصان نہیں تو اور کیا ہے۔ اس تھوڑی دیر کے عیش[3] پر جس کے بعد ہمیشہ کی یہ مصیبت ہو۔

بس دارِ آخرت کا توشہ لو۔ وہ کیا ہے؟ یادِ الٰہی اس سے ایک گھڑی نہ بھول۔ روح جو ہر لطیف ہے۔ آلودگی جسمانی سے یہ اس نورِ حقیقی کی طرف متوجہ ہونے میں پس و پیش کرتی ہے اور لذائذِ دنیا پر گرے پڑتے ہیں۔ حکم دیتا ہے اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ کہ ہمارے دیے میں سے دو جس طرح ذکرِ الٰہی میں نماز' فرائض یا نوافل حج وغیرہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ عام مراد تھی نماز روزہ حج بھی اور ایسی ذکر و فکر مراقبہ بھی ہو۔ اسی طرح یہاں خرچ کرنے سے خاص زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام بہت جلد کرو۔ برسوں کے آنے والے سامانوں پر منحصر نہ رکھو۔ کہ یوں ہوگا اور اس قدر ہو جاوے گا تب دیں گے اور فرصت سے اللہ کو یاد بھی کیا کریں گے۔ کس لیے کہ موت

---

[1] بعد القاء الواقعۃ فی جواب الامر والنہی والاستفہام والتمنی والعرض بقدر ان ناصبۃ ۔۱۲ منہ

[2] گئے دن تنکی کے باندھنے کے اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند۔۱۲

[3] کسی شاہی اجرای ہوئی دارالامارۃ کو دیکھ لو کہ کبھی یہاں کس قدر رمہ جبین عورتیں جواہرات میں مغرق پھرتی ہوں گی مکان اور باغوں کی روشیں کیسی آراستہ ہوں گی باہر سینکڑوں سیاہ کمربستہ کپڑے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا ہائے آج کچھ بھی نہیں ان عورتوں اور ماہروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں کہ اس محل کا حال اس سے پوچھتے نہ کوئی اس عہد کا کپڑا ہے کہ وہاں کے لباس کی طرز معلوم ہوتی ہے یہ بے شمار سپاہ کہاں غائب ہو گئی یہ ہزاروں ہاتھی گھوڑے جو سنہری جھولیں اور زریں پوشوں سے آراستہ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بانکے جوان جو عجیب سج دھج سے ان کے رکاب میں تھے کس رستے سے گئے ہیں کہ جا پکڑوں ہائے ان کی تو آواز بھی نہیں آتی ان تیز رو گھوڑے ہاتھیوں کی گرد بھی دکھائی نہیں دیتی اے کوشک اور اے بام شکستہ اور اے اس کے صحن بے رونق پراگندہ ذرا یہ تو بتا دے کہ یہاں کون رہتے تھے اور کیا کیا عیش و نشاط کے سامان تھے کون ماہرو یہاں ناز سے خراماں پھرا کرتے تھے اور ان کا حلیہ یا کوئی ان کی پیدائش اور رہنے کا مکان یا محلہ یا ان کی برادری کنبہ بھی تم بتا سکتے ہو کیا ان دنوں میں ایسے ہی رات دن تھے ایسے ہی گرمی جاڑا برسات ہوتا تھا پھر ہر موسم میں کیا کیا بہاریں تھیں خدا کے لیے اتنے لوگوں میں سے کوئی بولے اے محل تیرے بڑے چھوٹے کنگورے کن ہاتھوں نے بنائے تھے وہ اب کہاں سوتے ہیں جس عیش کو یہ تھا تو اس پر تف ہے اور اس پر مرنے والے پر بھی تف ہے۔۱۲ منہ

کا وقت معین نہیں ہر وقت کھٹکا لگا ہو ؎

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے بہوش باش کہ عالم رواروی پہ ہے

پھر عمر بھر تو یادِ الٰہی نہ کی حتیٰ کہ نمازِ پنجگانہ سے بھی غافل پڑے رہے' اللہ کی راہ میں کوڑی تک نہ دی' زکوٰۃ صدقات واجبہ بھی نہ دیے اور خیالات میں بے فکر تھے کہ موت کے سامان پیدا ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اب ان سب رفیقوں کو چھوڑتے ہیں ایسا کہ پھر کر کبھی یہاں آنا نہ ہوگا تو اب لگے حسرت و افسوس سے یہ کہنے کہ اے خدا! مجھے ذرا تو مہلت دے کہ میں خیرات دے لوں نیک ہو جاؤں۔ مگر اس وقت کسی کو ایک ذرا بھی مہلت نہیں اللہ دیتا۔ اب تم کو مہلت بہت ہے جو کرنا ہو کر لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦

آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا ہے اور صورت بنائی تمہاری پھر اچھی صورت بنائی تمہاری اور اس کے پاس پھر کر جانا چاہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم مخفی کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی اور اللہ دلوں کی بات بھی جانتا ہے۔ کیا تم کو ان کافروں کا حال معلوم نہیں ہوا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی تھی اور ان کو (آخرت میں) سخت عذاب ہوگا۔ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے؟ سو انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑ لیا اور (پھر تو) اللہ نے بھی پروانہ کی اور اللہ ہی بے پروا، سب خوبیوں سے موصوف ہے۔

ترکیب : وھو الجملۃ معطوفۃ علی ماقبلھا۔ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی لہ فمنکم خبر مقدم کافر مبتداء او الجملۃ تشریح وتفصیل للخلق ومنکم مؤمن الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ واللہ مبتداء بصیر خبرہ بما تعلمون متعلق بہ بالحق حال من فاعل خلق ای خلق متلبسا بالحق بشر مبتداء یھدوننا خبرہ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی اکثر کے نزدیک مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ضحاک یہی کہتے ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں مگر کلبی کہتے ہیں کہ سورہ کچھ مکے میں کچھ مدینے میں نازل ہوئی یعنی اخیر کی چند آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ مدینے میں نازل ہوئیں جبکہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور بیوی کی بدسلوکی اور زیادتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی تھی۔ عطاء بن یسار بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے ضعفاء میں اور طبرانی وابن مردویہ وابن عساکر نے روایت کی ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی پیشانی پر اس سورۃ کی پانچ آیتیں [1] اول کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو اول سورۃ منافقون سے یہ ہے کہ اس میں منافقوں کی مذمت تھی اس میں صادقوں کی مدح وخوبی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورہ کی اخیر میں یہ تھا کہ تمہارے مال واولاد تمہیں یادِ الٰہی سے غافل نہ کریں جو سراسر خسران ہے اور موت کا ہر وقت کھٹکا ہے پھر اس وقت مہلت نیکی کرنے کی نہیں ملے گی۔ اس مضمونِ پُر ہدایت کی اس سورۃ میں تاکید فرماتا ہے کہ ان کی یاد کچھ تم پر موقوف نہیں بلکہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کے رہنے والے اس کی ہر وقت تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور وہ اسی کے لائق بھی ہے (۱) اس لیے کہ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ بادشاہت اور ستائش اسی کو ہے بادشاہتِ حقیقی کے تو کیا کہنے ہیں۔ مجازی پادشاہت جس کو حاصل ہوتی ہے سب اسی کی طرف جھکتے ہیں اسی کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ ہر ایک رعیت اسی کی طرف دوڑتی ہے۔ پھر جبکہ بادشاہ میں صفاتِ حمیدہ بھی ہوں (جن کی طرف لَهُ الْحَمْدُ میں اشارہ ہے کس لیے کہ حمد کسی نہ کسی ذاتی یا صفاتی خوبی پر ہوا کرتی ہے اور اسی لیے اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا) تو اور بھی مرغوب ومحمود ہوتا ہے چہ جائیکہ بادشاہِ حقیقی اور اس میں تمام خوبیاں بھی ہوں۔ غصہ کا دھیما جواد کریم آنکھوں میں بے انتہا مروت جب کوئی سامنے جا کر عذر آور ہو معاف کر دے اور پھر (۲) وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قادر بھی ہو بھلا کرنے پر بھی مضرت پہنچانے پر بھی جیسا کہ وہ صاحبِ نعمت وجود ہے ویسا ہی صاحبِ ہیبت وجبروت بھی ہے۔ ہر بادشاہ ہر بات پر قادر نہیں ہوتا لیکن وہ ہر بات پر قادر ہے اس لیے اور بھی ہر ایک مخلوق اسی کی تسبیح وتہلیل کر رہی ہے غیر ذوی العقول کی صرف حالتِ امکانیہ وصورتِ احتیاجیہ ہی زبانِ حال سے پکار پکار کہہ رہی ہے سبوح قدوس لك الملك ولك الحمد۔ اور ذوی العقول میں سے ایماندار تو زبان سے بھی ثناخواں ہیں خصوصاً ملائکہ جو بڑی جاں نثار رعیت ہے ہمہ وقت اسی میں رہتے ہیں۔ پھر اے انسان! تو کیوں غافل اور مہلتِ چند روزہ میں دنیاوی لذات وشہوات میں شاغل ہے۔

اس کے بعد پھر حضرت انسان کی طرف خطاب کر کے اپنے انعام وافضالِ سابقہ ولاحقہ یاد دلا کر تسبیح وتقدیس پر آمادہ کرتا ہے (اور نبوت کا یہ فرضِ منصبی ہے) فقال هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ کہ اللہ جس کی ہمہ وقت تسبیح وتقدیس آسمانوں اور زمین میں ہو رہی ہے وہ ہے کہ جس نے تم کو بھی پیدا کیا اس لیے وہ لائق ہے کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرو مگر تمہاری یہ حالت ہے فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ کہ تم میں سے کافر وناشکر ہیں نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں تسبیح وتقدیس کیسی بجائے اس کے غیر معبودوں کی طرف رجوع ہیں اور بعض مومن ہیں اسی کی پرستش کرتے ہیں، اسی کو مانتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ضرور سزاء وجزا دے گا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

بندہ کاسب ہے نہ کہ خالق : اہلِ سنت کے نزدیک بندہ اور اس کے جملہ افعال وکفر وایمان، نیکی بدی اللہ کے مخلوق ہیں۔ بدلیل قولہ

[1] پیشانی پر ان آیتوں کے لکھے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ سیاہی اور قلم سے نسخِ خط میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ مراد کہ ہر بچہ ہنوز زنگِ جہالت وبت پرستی سے عاری ہوتا ہے۔ اب تک اس کی وہی اصل فطرت ہوتی ہے اس کا چہرہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں الخ الغرض یہ ایک استعارہ ہے اس کی حالتِ اصلیہ سے جس کو بلفظِ کتابت تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا رازِ حقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ چونکہ بندہ کاسب ہے اس لیے اس کے اعمال کی جزاء وسزا اس کو ملتی ہے اور کاسب وخالق میں فرق ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں خدائے پاک کفر وغیر قبائح کا خالق نہیں کیونکہ یہ اس کی تقدیس میں فرق ڈالتا ہے اس لیے اس آیت کو معتزلہ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، بعد میں از خود کچھ کافر کچھ مومن ہو گئے۔ سنی مفسروں نے کہا نہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر کیونکر پیدا کیا کہ کچھ کافر پیدا کئے کچھ مومن۔ اس آیت کے معنی عطاء وحسین بن فضیل وغیرہ کے نزدیک یہی ہیں کہ تم میں سے کچھ کافر کچھ مومن بن گئے۔ اور یہی سیاقِ کلام کے مناسب ہے۔ اہلِ سنت کا استدلال کچھ اس پر موقوف نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کچھ تمہیں کو پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ حرکاتِ فلکیہ اور کواکب کی تاثیرات سے حوادث ظہور کرتے ہیں اور اچھی بری صورتیں بھی تاثیراتِ فلکیہ سے ہوتی ہیں حتیٰ کہ سعادت ونحوست بھی انہیں سے ہے جیسا کہ بہت حکماء اور عرب ویونان وہند وغیرہ لوگوں کا خیال تھا ان کا رد کرتا ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ کہ تمہاری صورتیں بھی اسی کے یدِ قدرت نے بنائیں۔ پھر دیکھو کیا عمدہ نقشہ کھینچا، ناک کی جگہ کان اور منہ کی جگہ شانے ہوتے تو کیا ہی بدنما معلوم ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں بھی تفاوت ہے، کوئی خوبصورت، کوئی اس کے لحاظ سے بدصورت [1] مگر بدصورت بھی مناسبت واعتدالِ فطری کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔ اس کی شکل کو طبعی مناسبت واعتدال کے خلاف تصور کر کے دیکھو تو کیسا برا معلوم ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کر کے آزاد نہیں کر دیا کہ آئندہ اس سے کوئی سروکار نہیں رہا بلکہ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ دنیا میں بھی جب اسباب منقطع ہو جاتے ہیں بندہ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ پھر وہی سوجھتا ہے اس کے بعد اپنے وصفِ علم کا ثبوت کرتا ہے۔ فقال یعلم ما فی السمٰوات الخ کہ آسمانوں اور زمین کی اور تمہارے دل کی مخفی باتیں جانتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے منافقوں پر کہ دل میں کفر ونفاق رکھ کر خدا سے کہاں چھپاؤ گے؟ یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی تسبیح وتقدیس کے لائق ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی گردن مروڑ دیتا ہے اس لیے پہلے برباد شدہ قوموں کے حالات کی طرف اجمالاً اشارہ فرماتا ہے۔ اَلَمْ یَاْتِكُمْ الخ کہ تمہیں پہلے لوگوں کی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھا اور آخرت میں عذابِ الیم کے حوالے ہوئے اور یہ کیوں ہوا کہ اس لیے ان کے پاس رسول نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی آدمی ہم بھی ان میں کیا فوقیت ہے جو یہ ہم کو ہدایت کرنے آئے ہیں (یعنی رسول بشر نہیں ہونا چاہیے مگر خدا چھ ہو جائے تو مضائقہ نہیں) منہ موڑ لیا اور نخوت وتکبر سے بے پروائی کی پھر تو اللہ نے ان سے بے پروائی کی۔ چاہتا تو ان کو راہِ راست پر لاتا' ان کے دلوں کو روشن کرتا مگر متکبر سے وہ بھی متکبرانہ پیش آیا کرتا ہے اور اس کو خاک میں جلد ملایا کرتا ہے اسے کسی کی کچھ پروا بھی نہیں۔ [2]

زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ

[1] آیات میں الفاظ کی ترتیب وتقدیم وتاخیر میں جو کچھ اسرار ہیں ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیے اور کس خوبی کے ساتھ مسئلہ توحید اور اثباتِ ذات وصفات علیم بذات الصدور تک بیان فرمایا ہے اور الم یاتکم الخ سے مسئلہ نبوت شروع کیا منکرینِ نبوت کا شبہ اور ان کی سرتابی اور اس کا انجام بدبھی نہایت پراثر الفاظ میں کس اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اور بندہ کو عبادت وخلوص اور نیک رائی پر الیہ المصیر وعلیم بذات الصدور وسبح لله ما فی السموات الخ جملوں میں کیا آمادہ کیا۔ زمانہ گزشتہ کی عبرتناک اجمالی تاریخ بھی بیان فرما دی۔ یہ ہے اعجازِ قرآنی ۱۲

[2] کس لیے کہ خوبصورتی بدصورتی اضافی بات ہے ایک خوبصورت ہے مگر اس کی نسبت جو اس سے بھی بڑھ کر ہے بدصورت کہلاتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں حسن کی انتہا نہیں اور یہی حال بدصورتی کا ہے ایک صورت اپنے سے زیادہ بدصورت کی نسبت خوبصورت خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ
التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰

کافروں نے سمجھ لیا کہ قبروں سے اٹھائے نہ جائیں گے۔ کہو کیوں نہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو بتلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا۔ اور یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن' وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو ایمان لایا اللہ پر اور اس نے اچھا کام کیا اس کی برائیاں دور کرے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں سدا رہا کریں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخی اس میں رہا کریں گے ہمیشہ اور وہ بری جگہ ہے۔

ترکیب : زعم یتعدی الی المفعولین کالعلم ان مخففۃ واسمھا ضمیر الشان محذوف ای انھم لن یبعثوا فان المخففۃ مع اسمھا وخبرھا قامت مقام المفعولین۔ قل بلی الخ لایجاب النفی وربی قسم لتبعثن جواب القسم ثم لتنبؤن الخ جملہ مستقلۃ داخلہ تحت الامر وارادۃ لتاکید مافادہ کلمۃ بلی من اثبات البعث فامنوا الفاء فصیحۃ تدل علی شرط حذف لظھورہ ای اذا کان الامر کذا فامنوا واللہ الخ والجملۃ تذییلی مقرر لما قبلہ من الامر بوم قال النحاس الناصب فیہ لتنبئن فیوم ظرفہ وقیل خبر وقیل محذوف ھو اذکر وقیل اول علیہ الکلام ای تتغابنون یوم یجمعکم خلدین فیھا ابدا حال مقدرۃ وفیہ مراعاۃ معنی من والذین الموصول وصلۃ مبتدأ اولئک الخ الجملۃ خبرہ وبئس الخ بیان لکیفیۃ التغابن۔

تفسیر.....ذکرِ معاد: مسئلۂ توحید و نبوت کے بعد مسئلہ معاد کو بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جائے۔ فقال زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ کہ کافروں کو گمان ہے مر کر اٹھائے نہ جائیں گے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ بس مر کر خاک ہو گئے گویا روح بھی مر گئی۔ بارِ دیگر زندہ ہونا اور حساب و کتاب کیسا؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قل اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے بلیٰ کیوں نہیں۔ قیامت ہوگی، اٹھائے جاؤ گے، پھر قسم کھا کر بلیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ وربی لتبعثن اے محمد (ﷺ) کہہ دے مجھے اپنے رب کی قسم ضرور زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ۔ پھر تم کو بتایا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی نیک و بدکاروں کی جزاء و سزا ہوگی۔ مکہ بلکہ عرب اور دیگر ممالیک کے باشندے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مر کر پھر جینا نہیں۔ ہاں اعمال کی جزاء و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے برے کام کئے، کسی کو ستایا، بیمار ہو گیا یا اولاد مر گئی یا مال کا نقصان ہو گیا اور اچھے کام کئے تو تندرستی' مال و اولاد کی ترقی و عزت و آبرو حاصل ہوگی یا دوسرے جنم میں برائی بھلائی ظاہر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ سزاء و جزا بھی کسی کے ہاتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے تو وہ قائل نہ تھے۔ دہریے کہتے تھے کہ طبیعتِ اجسام ہی مدبر ہے جس کو آج کل نیچر کہتے ہیں۔ پس اگر خدا بھی کچھ ان کے اعتقاد میں تھا تو وہی نیچر جیسا بے اختیار کہ عالم میں خلافِ قانونِ نیچر کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا کسی کل کا محرک کہ اب ہلانے کے بعد اس کو کچھ اختیار نہیں۔ آریہ دھرم کا ایشر یعنی خدا بھی اسی کے قریب ہے اس لیے وہ لوگ شہوت پرستی، جفا کاری، عیاری وغیرہ افعالِ قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے اور افعال کا حسن و

قبح بھی انہیں کے خیالات و رسم و عادات پر منحصر تھا۔ مخلوقِ خدا پر رحم کرنا، نفع پہنچانا، بڑوں کی تعظیم، محسن کی شکر گزاری کو وہ بھی نیکی سمجھتے تھے اور اس کے برخلاف کو بدی اور اس قدر سمجھنے میں ان کا خیال غلط نہ تھا مگر اور بہت سے بد اور بیہودہ کام تھے جن کو وہ یا تو بد اور بیہودہ ہی نہیں سمجھتے تھے یا اس کے برعکس عبادت جانتے تھے۔ جیسا کہ بت پرستی، شراب خوری، عیاری، کھیل کود، گانا بجانا، ناچنا کودنا، شادی غمی کے بیہودہ مصارف اولاد کا قتل کرنا وغیرہ اسی طرح بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔ ان سب باتوں کے فیصلے کے لیے بھی الہام و نبوت کی ضرورت تھی اور پھر دارِ آخرت اور وہاں ان اعمال کی جزاء و سزا دوسری زندگی میں پانا وغیرہ امور بیان کرنا بھی الہام ہی کا کام تھا۔ اس لیے مسئلۂ نبوت کے بعد مسئلۂ حشر شروع کیا اور ان جملہ امور کی طرف ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ میں اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا، وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌا۔ کہ بارِ دگر زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا ایمان لاؤ تاکہ تم کو اس جہان کی خوبی حاصل ہو اور وہ کس دن حاصل ہو گی يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ کہ جس دن وہ تم سب کو جمع کرے گا۔ جمع کرنے کے دن یعنی قیامت میں ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وہ دن خسارے کا ہے کس لیے کہ دنیا میں جن کاموں کو عمر بھر محنت اٹھا کر نیکی سمجھ کر کیا تھا آج عدالتِ آسمانی میں وہی سزا اور ناراضگی کے سبب ہو گئے۔ محنت برباد گناہ لازم ہو گئے۔ اسی خسارے کو ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ صُنْعًا کہ کہو تو میں تم کو سب سے زیادہ نقصان پانے والوں کو بتاؤں؟ کہ جن کی دنیا کی کوشش بیکار گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ اس دن سینکڑوں خیالات اور ہزاروں غلط مذاہب کا فساد معلوم ہو جائے گا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا خسارہ اور غبن ہوگا۔ (والتغابن تفاعل من الغبن فی المجازاۃ والتجارات کبیر) (اور اسی تغابن کے لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام تغابن ہو گیا)۔

ایمان کے ساتھ نیک کام بھی ہونے چاہییں : پھر اس دن کام آنے والی چیزیں بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا کہ جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا۔ اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق ویسا ہی جانا اور یقین کیا اور اس کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔ نیک وہی کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہیں جن کی رسول ﷺ نے خبر دی اور عقلِ سلیم نے بعض کی تصدیق کی۔ خالی ایمان بغیر نیک کاموں کے درختِ بے برگ و بے ثمر ہے۔ یعقوب حواری اپنے خط میں یہی کہتا ہے اور اعمال کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ مگر پولوس اعمالِ صالحہ کو بیکار ہی نہیں بلکہ ملعون ہونے کا سبب کہتا ہے۔ پھر عیسائیوں نے پولوس ہی کی بات کو مزہ دار سمجھ کر مانا۔ معاذ اللہ! جس مذہب میں اعمال کوئی چیز نہ ہوں صرف ایمان کافی سمجھا جائے ان کی بدکاری، ظلم و عیاری جس قدر ہو کم ہے جس کی نظیر عیسائی ممالیک ہیں۔ جہاں شراب و زنا کی انتہا نہیں۔ پھر اس ایمان اور اعمالِ صالحہ کا کیا نتیجہ ہوگا۔ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ شفاعت و کفارہ میں فرق ہے (۱) پہلی بات یہ ہوگی کہ اس کے گناہ اس سے مٹا دے گا، بشریت سے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو ان کے لیے کفارہ اسی کے اعمالِ صالحہ اور ایمان ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کس لیے کہ دل سے خلوص و محبت رکھ کر اطاعت کرنے والے غلام کے قصور معاف ہونے کا سبب اگر ہے تو اسی کا خلوص و اطاعت ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اس خلوص و اطاعت پر نظر کر کے شاہی منشاد یکھ کر اور کوئی مقرب سفارش کر سکتا ہے۔ یہاں سے شفاعت و کفارہ کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔ گناہوں کو مٹا دینا فرمایا بخشنا نہیں کہا۔ اس میں یہ سر ہے کہ گویا سرے سے گناہوں کا وجود ہی اس کے نامہ اعمال میں نہ رہے گا۔ وہ دفتر دھویا جائے گا اور بخشنے میں یہ ہوتا ہے کہ گناہ تو ہیں مٹے نہیں مگر ان کی سزا سے درگزر کیا گیا بلکہ ایسے مخلصین کے وہ قصور کہ جن کے بعد وہ گریہ و زاری کر کے معافی مانگتے ہیں، نیکیاں کرتے ہیں۔ كَمَا قَالَ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اور کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ اور س میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ويدخله جنت تجری من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا۔ کہ اس کو صاف کرنے کے بعد ہم ایسے باغوں میں داخل کریں

گے کہ جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے نہ وہاں سے کبھی باہر کئے جائیں گے نہ موت و بیماری دیکھیں گے۔ وہ باغ اس جہان کے باغ نہیں بلکہ دوسرے جہان کے جہاں مرتے ہی آدمی جاتا ہے وہاں نہ غم ہے نہ کوئی اندیشہ ہے ہمیشہ سرور و فرحت ہے۔ وہ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ بڑی مراد کا پانا ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سی مراد اور کامیابی ہوگی۔ اس کے بعد فریقِ مخالف کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا یہ ایمان کے مقابلہ میں کیا۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہ اعمال صالحہ کے بدلے میں کیا۔ آیات سے عام مراد ہے خواہ آیاتِ الہامیہ یعنی کتاب اللہ کے مطالب اور جملے ہوں خواہ اس کی قدرت و یکتائی کے وہ دلائل جو شب و روز بندہ کے سامنے آتے اور یہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور یہی جھٹلانا ہے۔ ان کی اس جہان میں کیا حالت ہوگی۔ اولئك اصحاب النار یہ آگ والے ہوں گے یعنی جہنم کی آگ میں جلا کریں گے۔ خالدین فیھا۔ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وبئس المصیر۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے پھر اس دن سے زیادہ کون سا دن حسرت اور تغابن کا ہوگا کہ ایک فریق عزت و شادمانی کے ساتھ حیاتِ ابدی پا کر شادمانی کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے اور دوسرا فریق ابدی قید خانہ میں ڈالا جاتا ہے جہاں سوائے رونے پیٹنے چیخنے چلانے کے کوئی آرام نہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ
وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

اللہ کے حکم بغیر کوئی بھی مصیبت نہیں پڑتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے (مصیبت میں ثابت قدم رکھتا ہے) اور اللہ ہر بات جانتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑ لیا تو ہمارے رسول پر بھی صرف کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔ اے مسلمانو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخش دینے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

ترکیب: من شرطیۃ یھد قلبہ جوابہ۔ قلبہ بالنصب والرفع فالرفع علی الفاعلیۃ والنصب علی انہ مفعول لیھد مثل سفہ نفسہ فان تولیتم شرط فانما والجملۃ جوابہ وعلی اللہ متعلق بیتوکل قدم للتخصیص۔ عدواً بالنصب علی انہ اسم ان وخبرہ من ازواجکم واولادکم۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا کہ اللہ پر ایمان لانے والے نیک کام کرنے والے فائز المرام اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا ہے کہ بہت سے ایمانداروں، نیکوں کو ہم مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں، پھر وہ کامیابی کہاں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کہ کوئی مصیبت (بیماری، تنگدستی، اقارب کی موت، دشمنوں کا غلبہ، مال و جاہ کا زوال یا اس میں کوئی فرق وغیرہ) بغیر حکمِ الٰہی انسان پر نہیں پڑتی۔ اذن اللہ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امر اللہ کے بیان فرمائے یعنی اس کی تقدیر و مشیت غرض یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا اس کے بعد کوئی سامان عمدہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ نعمت موجودہ حائل تھی یا مومن کا تعلقِ قلبی اس چیز سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے یا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کی غفلت و معصیت کا تازیانہ ہوتا ہے کہ جلد ہوشیار ہو جائے۔ اس سے فائز المرام ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ دنیا کا فوز مراد نہیں بلکہ آخرت کا۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے وہ اس مصیبت کے زمرے سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مومن جان جاتا ہے کہ یہ مصیبت میری فلاں گناہ یا غفلت کی سزا دنیا ہی میں مجھے دے دی، عقبیٰ کے عذاب سے پاک کر دیا۔ اور یہ بھی جان جاتا ہے کہ میرا کیا تھا اس نے دیا تھا اسی نے لے لیا ہے اب جزع و فزع گلہ و شکایت کیا؟ اس لیے مصیبت کے وقت مومن انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی طرف وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ میں اشارہ کرتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا کہ سب سے افضل کون سا کام ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے عرض کیا اس سے آسان بتائیے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ کو کسی کام میں جو تیرے لیے فیصلہ کرے متہم نہ کر۔ ایمان باللہ اور نورِ معرفت کے دو رستے ہیں نعمت کا شکر اور مصیبت پر صبر۔ انسان جس طرح حصولِ نعمت کے لیے بجا اور بے جا کوششیں کر کے اپنے وقار و قرار کو برباد کرتا ہے اسی طرح دفعِ مضرت کے لیے بھی پہلے سے پہلے ہزاروں تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بیٹا بیمار پڑا تو پھر علاج وغیرہ جائز تدابیر کے سوا کوئی ناجائز اور خلافِ عقل طریقہ بھی نہیں چھوڑا۔ رمال، جفار اڑنگ بڑنگ کرنے والے ملاں سیانے جادوگر بھتنی والے برہمن کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔ پھر خلافِ عقل جو کچھ وہ کہتے ہیں عمل میں لا رہا ہے۔ گدھوں کو گھنگنیاں کھلاتا ہے، چوراہے پر چراغ جلاتا ہے، کھانا پکا کر رکھتا ہے، چیل کوؤں کو گوشت کھلا رہا ہے۔ مقابرِ حضراتِ اولیاءِ کرام سے التجائیں ہو رہی ہیں، عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکائی جا رہی ہیں اور کیا کیا خرافات کر رہا ہے۔ دیوانہ بنا ہوا ہے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو خواب۔ کھانا پینا کیسا مگر ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے۔ پھر جس کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وہ کس اطمینان کے ساتھ اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف ملتجی ہے اور مصیبت واقع ہو جانے کے بعد دل ٹھہرا ہوا ہے کہ یوں ہی مقدرِ الٰہی تھا۔ یہ ہائے وائے شور و فغاں ہیچ۔ یہ باتیں تیرہ سو برس ہوئے عرب کے وحشیوں کو نبوت نے تعلیم کی تھیں جن پر ان کا پورا عمل تھا۔ آج ترقی یافتہ اور مہذب قومیں ان سے حصہ لینے کا قصد کر رہی ہیں۔ واہ اسلام آپ کی کیا کیا برکات ہیں جن سے ہم قدیمی مسلمان محروم رہے جاتے ہیں۔ ان جملہ امور کی پابندی مذہبِ اسلام کا ایک عمدہ رکن ہے اس لیے فرمایا ہے وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور کسی دوسرے طریقے پر نہ چلو۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ[1] فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اگر تم نہ مانو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ ہمارے رسول پر کوئی الزام نہیں کس لیے کہ اس کا کام تو صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ بھی وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر اس سے سرتابی اور عدول حکمی کر کے جاؤ گے کہاں اور کرو گے کیا؟ بعض احادیثِ قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میری بھیجی مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور میری دی ہوئی روزی پر قناعت نہ کرے تو وہ میرے آسمان کے تلے سے نکل

[1] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملہ میں عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہما کے لحاظ یا خوف کے سبب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صاف بیان نہ کیا تھا تو ان کو مان لینا چاہیے کہ خلافتِ علی کوئی آسمانی نہ حکم تھا اور نہ ضرور بلاغ مبین کرتے بلکہ انتظامی بات تھی جس کو لوگوں کی رائے اور مصلحتِ وقت پر چھوڑنا مناسب جانا۔

میری زمین پر نہ رہے اور کوئی خدا تلاش کرے۔ کس قدر توکل کی تاکید ہے اس لیے فرمایا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔
پر نہ کسی اور پر) ایماندار بھروسا رکھا کرتے ہیں۔ ایمان کی یہی شان ہے کہ ہر کام میں اس کا اللہ پر بھروسا ہو اور اسباب کو صرف
ہی سمجھے اور جانے کہ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کام نہیں ہوتا اور اسباب ہی پورے ہونے نہیں دیتا، اسباب بناتے اور بگاڑتے اس کو
کیا لگتی ہے؟ یہی اعتقاد عرب کے غریب اور بیکس مسلمانوں کا رہبر تھا جو وہ قیصر و کسریٰ جیسے قہار بادشاہوں پر غالب آئے۔ یہی وہ
ہے کہ جس کو پی کر تیس مسلمانوں نے جنگ یرموک میں تیس ہزار سپاہِ مخالف سے بڑی جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہی اعتقاد آدمی
کاموں میں محنت اور صرف کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ توکل اور تعطل میں فرق ہے
کو ترک کر کے بیٹھنا تعطل ہے نہ کہ توکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم تدابیر جستہ عمل میں لاتے تھے۔ ہمارے احدی اور
لوگوں نے جو کاہلی اور عیاشی کے سبب نکمے بنے پڑے رہتے ہیں اس بیہودہ صفت کا نام توکل رکھا ہے۔ یہ ہرگز توکل نہیں جس میں یہ
توکل نہیں مومن[1] کامل نہیں۔ ایمان کامل کا مزہ اسے نصیب نہیں۔ رسمی اسلام کچھ کام نہیں آتا، حقیقی ایمان و اسلام حاصل ہونا چاہیے۔
ترک کر کے بیقرارانہ کوششوں کی طرف اکثر انسان کی اولاد اور بیوی مجبور کیا کرتی ہے۔ ان کی خواہشیں اور خانگی مصارف توکل چھڑا
ہیں، نیک کاموں سے روک دیتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ان کے بیجا تعلق کے رشتہ کو قطع کرتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ
كُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے تمہارے دشمن بھی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آدمی کو
ت اور قطعِ رحم پر ابھارتے ہیں۔ ہر چند نہیں کرنا چاہتا مگر پھر کرنا ہی پڑتا ہے۔ میاں نہیں چاہتا کہ شادی میں رنڈیاں نچوائے، بھانڈ کو
، دولت اڑائے مگر بیوی صاحبہ کے حکم سے مجبور ہے اور صدہا خرافات میں مبتلا کرتے ہیں بیٹا مصر ہے کہ میری شادی میں ناچ ہو، باوا
ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے، فرمایا، مکے میں کچھ لوگ اسلام لائے تھے وہ
کرنا چاہتے تھے، ان کے بال بچے اور بیویوں نے نہ چھوڑا، رونے لگے، چمٹ گئے۔ ایسا ہی ترمذی و ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ فرماتا
احذورھم کہ ان سے بچو نہ یہ کہ قتل کرو، مارو پیٹو اور دلی رنجش جو خلاف کرنے میں بیوی بچوں سے پیدا ہو جاتی ہے اس کی نسبت فرماتا
وان تعفوا الخ اگر تم معاف کرو درگزر کرو، بخش دو تو بہتر ہے اللہ غفور رحیم ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنة۔ مال اور اولاد
ش کی جگہ ہے۔ ان میں مسلمانوں کو اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ ان کے سبب برے کام کرنے چاہییں، نہ مکارمِ اخلاق اور
باقیات سے رکنا چاہیے۔ یہ دنیا کے جھگڑے ہیں، ان میں بقدرِ ضرورت مصروف ہونا چاہیے۔ کس لیے کہ جانا دوسرے جہان میں
یہ تو رستہ میں شب باشی کے سامان ہیں۔ واللہ عندہ اجر عظیم۔ اجرِ عظیم جس کو حیاتِ جاودانی کہنا چاہیے اللہ کے پاس ہی مرنے
عد ملے گی۔ ان من کے لفظ میں اشارہ ہے کہ سب اولاد اور بیویاں ایسی نہیں بلکہ بعض دین و دنیا میں معین و محبِ انصار و مددگار بھی
تے ہیں۔

تَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ

وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون کا مخالف مفہوم یہی ہے کہ مومن توکل کرتے ہیں نہ کہ کافر پھر جس میں توکل نہیں گویا وہ کافر ہے۔ ۱۲ منہ
مصائب برداشت کا ذکر تھا بیوی اور اولاد کا دشمن اور بدخواہ ہو جانا بھی مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ
رفت و گزشت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنہ اور اجرِ عظیم اللہ اللہ کے پاس ہے۔ ۱۲ منہ

قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لیے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے دل کے لالچ سے محفوظ رکھا گیا سو
وہی فلاح بھی پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح سے قرض دو گے تو وہ تم کو دوگنا کر کے دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ قدردان، سمائی والا ہے وہ چھپے اور کھلے کا
جاننے والا (اور) زور آور، حکمت والا ہے۔

ترکیب : خیرا منصوب مضمر دل علیہ اتقوا کانہ قال ائتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم وقد مواخیرا لھاھذا اقول سیبویہ۔ وعند الکسائی والفراء ھو
نعت مصدر محذوف ای انفاقا خیرا وقال ابوعبیدہ ھو خبر یکن مقدرۃ فی جواب الامر وقال الکوفیون منصوب علی الحال وقیل ھو مفعول بہ لا نفقوا
ومن شرطا فاولئك الجملہ جوابہ ان تقرضوا شرط یضاعفہ جوابہ ولذا صار مجزوما ویغفر معطوف علیہ عالم الغیب الرفع علی انہ خبر بعد خبر۔
العزیز موصوف الحکیم صفتہ وکلاھما خبر مبتدا واحدھما مبتدا والاخر خبر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں اور اجرِ عظیم اللہ کے پاس ہے اور انسان پھر انسان ہے اس فتنہ میں پڑ ہی جاتا ہے۔ اس
لیے فرماتا ہے خیر اگر تم مال و اولاد کے سبب معاصی میں مبتلا بھی ہو جاؤ تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا۔ تو جہاں تک ہو سکے
اللہ سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنو اور سن کر مانو۔ یہ کفارہ زن و فرزند کی محبتِ بے جا کا ہے اور مال کی محبت کا یہ کفارہ ہے کہ
وانفقوا خیرا لانفسکم اس کو اپنی بھلائی کے لیے خرچ[1] کرو کس کے لیے کہ جو دے لوگے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا جو
چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔

یا یوں کہو کہ اجرِ عظیم جو اللہ کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ (۱) اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے یہ قوتِ
نظریہ کی تکمیل ہے (۲) سنو اور عمل کو۔ یہ قوتِ عملیہ کی تکمیل ہے مگر دونوں بدنی عبادت ہیں۔ (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ مالی
عبادت ہی خرچ کرنا عام ہے زکوٰۃ ہو یا صدقاتِ نافلہ ہوں اقارب و یتامیٰ وغیرہ و مسافرین وغیرہ اس کے مستحق پہلے کئی بار بتلا چکا ہے اس
لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قتادہ و ربیع بن انس و سدی و ابن زید وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم ناسخ ہے اس آیت
کی۔ اتقوا اللہ حق تقاتہ کو اللہ سے ڈر جیسا کہ ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید میں ایک روایت کی ہے کہ جب فاتقوا اللہ حق
تقاتہ نازل ہوئی تو لوگوں نے اعمال کی سخت مشقت اختیار کی یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج سوج گئے تب اللہ نے
مسلمانوں پر تخفیف کرنے کے لیے یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل ہوئی کہ جہاں تک طاقت ہو وہاں تک ڈرو۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما
وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ ناسخ نہیں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ حق تقاتہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ ڈرو کیونکہ
خدا تعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاں تک طاقت ہو اور یہی ڈرنے کا حق بھی

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عوض دے دوسرا کہتا ہے بخیل کو برباد کر (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم تجھے دیا جائے گا (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن ظلمات ہے اور لالچ سے بچو کیونکہ پہلے تم
سے جو ہلاک ہوئے اس لالچ سے ہوئے اس نے ان خون کرنے اور حرام چیزوں کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ
غضبِ الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ بخیل بری موت مرتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ مرتے وقت مال و اسباب
کی جدائی کا ایسا رنج ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی بھول جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

ہے۔ابن عطا فرماتے ہیں کہ ما استطعتم اس کے لیے ہے جو اللہ سے ثواب پر راضی ہو اور جو راضی نہ ہو تو اس پر وہی حکم حق تقاتہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ خرچ کرنا ان کا کام ہے جو لالچی اور حریص نہیں اور حرص سے بچے ہوئے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہیں (شح بخل اور لالچ یہ عام ہے مال کا ہو، جاہ کا ہو، عورت کا ہو) انسان کے اوصافِ رذیلہ میں سے یہ بھی ایک ایسی بری خصلت ہے کہ عزت سے محروم کرتی ہے اور نیک کاموں سے روکتی ہے بری باتوں چوری، قتل، غضب، جھوٹ بولنے، بدعہدی کرنے پر ابھارتی ہے عصمت پارسائی کو کھول دیتی ہے۔

پھر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو قرض دینا فرما کر اطمینان دلاتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر کرتا ہے۔ (۱) یضاعفہ لکم اس کا دو چند ثواب دے گا یہاں تک کہ ایک کے ساتھ سو تک ملیں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مال کو بڑھا دے گا۔ تجربہ ہے کہ سخی کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ (۲) تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان ہے حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پھر بندے کے اجر کو ضائع کرنے میں کیونکر جلدی کرے گا مگر صدقہ میں نیت اور خلوص پر مدار ہے اس لیے قرضِ حسن فرمایا تھا اس کی طرف عالم الغیب والشہادۃ میں اشارہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کہنے سے کہ اللہ کو قرض[1] دو یہ نہ سمجھو کہ وہ عاجز ہے بلکہ العزیز زبردست اور قادر ہے یوں نہ دو گے تو وہ برباد بھی کر سکتا ہے الحکیم اس دینے میں تمہارے لیے صدہا حکمتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ جب عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو۔ اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا ربّ ہے نہ تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ کی حدود باندھی ہوئی ہیں۔ اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اس نے اپنا برا کیا۔ آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

ترکیب : اذا طلقتم شرط والمراد اذا اردتم تطلیقھن علی تنزیل المقبل علی الامر المشارف لہ منزلۃ الشارع فیہ کقولہ علیہ السلام من قتل قتیلا فلہ سلبہ ومنہ الماشی الی الصلوٰۃ والمنتظر لھا فی حکم المصلی (کشاف) فطلقوھن لعدتھن الجملۃ جواب الشرط والجار فی لعدتھن متعلق بطلقوا ای مستقبلات لعدتھن کقولک اتیتہ لیلۃ بقیت من المحرم ای مستقبلا لھا والمراد ان یطلقن فی طھر لم یجامعن فیہ ثم تخلین حتی تنقضی عدتھن الا استثناء من قولہ لاتخرجوھن۔

تفسیر : (ربط) اس سے پہلی سورۃ کے اخیر میں فرمایا تھا کہ من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم کہ بعض اولاد اور بیویاں

[1] قرضِ حسن یعنی اچھا ہو مال اور خلوص نیت سے۔ ۱۲ منہ

تمہاری دشمن ہیں ان سے بچو۔ اور بعض مواقع پر پورا بچنا پڑتا ہے یعنی طلاق دینی پڑتی ہے اس لیے اس سورۃ میں طلاق کے احکام نازل فرمائے اور عرب میں جو طلاق کے بڑے دستورات تھے ان کو اٹھا کر عمدہ دستور قائم کیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ کہ اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔[1]

ابحاث : اول یاایھاالنبی سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد امت ہے کہ اے مسلمانو! جب تم طلاق دینا چاہو الخ اور جب کسی قوم سے خطاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے رئیس سے خطاب کر کے اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کی طرف خطاب ہے کس لیے کہ اس حکم میں جس طرح امت پر پابندی ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ دوم اذا طلقتم النساء سے یہ مراد نہیں کہ بے ضرورت و بے قصور جب چاہو عورت کو طلاق دے دو جیسا کہ یہودی شریعت میں تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی سخت دلی پر کمال نفرت ظاہر فرما کر طلاق دینے سے روکا اور فرمایا کہ ”جو اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے اور موسیٰؑ نے جو تمہیں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کے اسے چھوڑ دے تو تمہاری سخت دلی کے سبب سے تھا“۔ انجیل متی ۱۹ باب۔ عرب کا دستور بھی یہودی شریعت کے قریب قریب تھا۔ عورت گائے بھینس کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ چاہا رکھا، چاہا اپنی خواہش کے موافق چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض علماء نے بھی اذا لفظ کی تعمیم سے شاید ایسا خیال کیا ہو اور دستورِ عرب اور دلی خواہش نے اس کی تائید کی ہو۔ اسی خیالِ فاسد کو یورپ کے ناواقف عیسائیوں نے اسلام کا حکم قرار دے کر اسلام کو تیروں کا نشانہ بنایا اور لوگوں کو بالخصوص عورتوں کو اسلام سے نفرت دلانے کا کافی بندوبست کیا۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو یا ان کو دستور کے موافق (زوجیت میں) رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بھی کر لو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو۔ یہ نصیحت کی باتیں اس کو سمجھائی جاتی ہیں کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اسی کے لیے مخلصی کی صورت

[1] طلاق دینے میں بھی جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور فائدہ سے آپ ظاہر ہو رہا ہے اور ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دو یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو۔ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے اور عدت کو بڑھا دیتے تھے علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہیں دیتے تھے ان امور کو اسلام نے منع کر دیا۔

بھی نکال دے گا۔اوراس کو وہاں سے روزی دے گا کہ جہاں کا اس کو تو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کو بس بھی کرتا ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ترکیب : فاذا شرط فامسکوا وفارقوا جواب الشرط واشهدوا واقیموا جملة مستانفة ذلکم مبتداء یوعظ فعل مجهول من موصولة مع صلته مفعول مالم یسم فاعله والمجموع خبره ومن شرطیه یجعل ویرزقه جوابه وکذا من یتوکل حسبه المصدر بمعنی الفاعل بالغ امره قرئ بتنوین بالغ ونصب امره وقرئ بالاضافة وقرئ بتنوین بالغ ورفع امره لانه فاعل بالغ اوعلی ان امره مبتداء مؤخره بالغ خبر مقدم وقرئ بالغا بالنصب علی الحال ویکون خبران قوله قد جعل۔

تفسیر : اسلام نے نہ عیسوی مذہب کی طرح طلاق کا جواز صرف زبان پر منحصر کر کے دائرۂ معیشت کو تنگ کیا اور نہ یہود کی طرح ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق روا رکھ کر ہمدردیِ انسانی پر دھبہ لگایا۔ اس عہد میں جو یہودیوں کا دستور طلاق کے بارے میں سخت نفرت خیز اور وحشیانہ تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے طلاق کا دروازہ بند کرنا مناسب جانا اور صرف ایک ہی سبب طلاق کے لیے جائز سمجھا مگر یہ حکم عام نہیں ہوسکتا کس لیے کہ زنا کے سوا اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آجاتے ہیں کہ جہاں بغیر طلاق کے مرد اور عورت کے لیے جانبری اور رستگاری اور عافیت کے اور کوئی صورت نہیں ہوتی اور فریقین کو ایک دوسرے کی موت کا بندوبست نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے بھی طلاق کو بہت بند کیا اور بجز قوی سبب کے اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کے حق میں نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ وہ تو انسان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور ٹیڑھی پسلی اوپر ہی رہا کرتی ہے۔ اگر سیدھا کرنا چاہو گے ٹوٹ بھی جائے گی اور اگر توڑنا نہ چاہو تو ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں سے نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا ایماندار مرد ایماندار عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کسی بات سے ناخوش ہوگا تو دوسری بات سے خوش بھی ہو جائے گا (مسلم)۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارے پیٹے کہ پھر شام کو گلے لگا کر سوئے۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ (دار قطنی) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر زنا کے شبہ کے۔ بے شک اللہ کو مزہ لینے والے مرد اور عورتیں پسند نہیں (طبرانی و دار قطنی) یہ حدیث تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقولہ کے قریب قریب ہے اور اس میں اس بات کی صاف تشریح بھی ہوگئی کہ جو کوئی بغرضِ شہوت طلاق دے کر اس کو چھوڑ کر دوسری کو لے یا عورت ایک مرد کو چھوڑ کر مرغوب دل مرد کو لینے کے لیے طلاق حاصل کرے یہ امر خدائے عظیم کے نزدیک سخت ناپسند ہے اسی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے زناکاری سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اسلام نے زنا کی قید پر انحصار نہیں رکھا صرف یہ فرق ہے اور اس کو زمانہ اور ملکوں اور قوموں کی مصلحتوں پر لحاظ رکھنے والے ضرور پسند کریں گے۔ باقی حسنِ معاشرت اور عورتوں سے نرمی و اخلاق سے پیش آنا اسلام کی بڑی ہدایت ہے مگر اس میں بھی اس قدر ترمیم ضرور کی ہے کہ میاں کو جورو کا غلام نہیں بنا دیا اور عورت کے اس قدر اختیارات وسیع نہیں کئے کہ جن کو کوئی بھی غیرت مند طبیعت پسند نہیں کرسکتی۔ باقی اور کوئی فرق نہیں اور وہ جھوٹے الزامات ہیں جن کے ذمہ دار وہی وحشی و جاہل مسلمان ہیں جو ایسا ظالمانہ برتاؤ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں نہ کہ اسلام۔

اب طلاق دینے میں جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدے سے آپ ظاہر ہو رہا ہے۔

فقال فطلقوهن لعدتهن۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ

وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ
اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ
وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝۶ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ
قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ
اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷ ع

اور تمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں رہی ہے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور (یہی عدت) ان کی بھی کہ جن کو حیض نہیں آیا۔ اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے وہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جس کو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں مٹا دیتا اور اس کو بڑا اجر بھی دیتا ہے (اور) طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ستاؤ نہیں کہ ان کو تنگ کرو اور اگر ان طلاق دی ہوئی عورتوں کو حمل ہو تو جب تک جنیں ان کا خرچ اٹھاؤ۔ پھر اگر تمہارے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور آپس میں نیک بات کہو اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے۔ اور جو تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اس کو دے رکھا ہے اور بہت جلد تنگ دستی کے بعد فراخ دستی دیتا ہے۔

ترکیب : واللائی موصول یئسن صله من نسائکم بیان واللائی ان ارتبتم شرط فعدتهن جوابه والمجموع خبر واللائی' واللائی لم یحضن مبتداء والخبر محذوف ای فعدتهن کذالک واولات الاحمال مبتداء اجلهن مبتداء ان یضعن خبره والجملة خبر اولات الاحمال' من حیث قال الزمخشری من للتبعیض ای بعض مکان سکنا کم وقال الرازی والکسائی زائدة وقال ابوالبقاء والحوفی لابتداء الغایة من وجدکم الوجد بضم الواو وبالفتح والکسر ومعناه من سعتکم وطاقتکم وهو بدل من حیث واتمروا قال الکسائی معناه تشاوروا بدلیل قوله تعالیٰ ان الملاء یاتمرون بک وقال مقاتل المعنی لیترافض الاب واللام علی اجر مسمی۔

تفسیر : واحصوا العدّة کہ ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اس جملہ کی شرح اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی تھی اس کی عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خفا ہوئے۔ پھر فرمایا اس سے رجوع کر کے رکھے یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر حیض

آئے اور پھر پاک ہو جائے۔ اس کے بعد اگر طلاق ہی دینا ضرور ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دے قبل اس کے کہ اس کو ہاتھ لگایا ہو۔ یہ ہے وہ عدت کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کو کہا ہے۔ (متفق علیہ)

احکام : اول حکم۔ حیض میں طلاق نہ دے۔ جو فطلقوھن لعدتھن کا خلاصۂ مطلب ہے۔ اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے اور حدیثِ مذکور اس پر پوری دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور خفا ہوئے۔ یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا اور وہ میلی کچیلی بھی ہوتی ہے شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو اس لیے طہر میں طلاق دینی چاہیے تا کہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں عدتِ طلاق ثلاثہ قروء بیان ہوئی۔ صدرِ اول کے بعد جب علماء نے احکام میں زیادہ غور و تامل کرنا شروع کیا تو اس لفظ کے معنی میں بھی غور کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تین حیض اور پھر اس قول کو لغت اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مستند کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے آگے اور علماء نے کہا اس کے معنی ہیں تین طہر یعنی وہ زمانہ کہ جس میں عورت حیض کے بعد پاک ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں سے یہ آیت بھی ہے۔ فطلقوھن لعدتھن کس لیے کہ لام لعدتھن میں وقت کے معنی دیتا ہے یعنی عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اور یہ مسلم ہے کہ طلاق کا وقت طہر ہے بس معلوم ہوا کہ عدت بھی طہر ہے نہ حیض۔ اس کے جواب میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ کہ طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکیں۔ معلوم ہوا کہ عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہتے ہیں گو طہر پر بھی استعمال ہوتا ہے مگر ثلاثہ کا لفظ کہے دیتا ہے کہ تین حیض مراد ہونے چاہییں کس لیے کہ طلاق تو بالاتفاق طہر میں ہونی چاہیے۔ پھر اگر اس طہر کو بھی عدت میں شمار کیا گیا تو تین پورے نہ ہوئے کس لیے کہ کچھ زمانہ اس طہر کا طلاق دینے سے پہلے ضرور گزر گیا تھا اور اگر اس کے سوا اور تین طہر کئے گئے تو یہ مل کر تین سے زیادہ بڑھ گئے ہاں حیض مراد لینے میں یہ خرابی پیش نہیں آتی اور لام اضافت کے لیے بھی آتا ہے اور بیان علت و سبب کے لیے بھی جیسا کہ اس آیت میں انما نطعکم لوجه الله اور عند کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ کہ نماز قائم کرو، نزدیک آفتاب ڈھلنے کے۔ اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ اتیتہ للیلۃ بقیت من المحرم۔ آیت میں لام اسی معنی میں ہے کہ عدت کے موقع پر طلاق دو یعنی طہر میں دو اس کے بعد عدت حیض سے شروع ہوگی۔ اور اس کی مؤید بہت احادیث ہیں منجملہ ان کے یہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعدتھن کے موقع پر لقبل عدتھن پڑھا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ) ابن عمر و مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قرأت منقول ہے۔ یہ تفسیر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہوگا۔ اور ایک حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدت حیض ہے نہ کہ طہر اور وہ یہ ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ لونڈی کے لیے دو طلاق[1] ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی) لونڈی کا نصف مرتبہ حرہ سے رکھا گیا مگر تین طلاق کا نصف ڈیڑھ طلاق اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض شروع میں کوئی تعداد صحیح نہ تھی اس لیے پورے دو کر دیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرہ کی بھی عدت تین حیض ہیں نہ کہ طہر۔

دوسرا حکم : واحصوا العدۃ کہ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں غفلت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر طرح طرح سے ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے۔ اور عدت کو بڑھا دیتے تھے اور

[1] یعنی جہاں حرہ کو تین طلاق دے کر مغلظ کیا جاتا ہے لونڈی کے لیے دو طلاق کافی ہیں۔

عدت میں نفقہ اور مکان بھی نہیں دیتے تھے۔ ان باتوں کو اسلام نے منع کیا۔

(یہ بات) قابلِ بحث باقی رہ گئی کہ طلقتم النساء میں نساء سے کون عورتیں مراد ہیں؟ گو لفظ میں کوئی تخصیص نہیں مگر بقرینۂ کلام آئندہ وہ عورتیں مراد ہیں کہ جن کو حیض آتا ہو۔ (صغیرہ اور آئسہ اور حاملہ نہ ہوں) اور ان سے کم از کم ایک بار صحبت بھی کی ہو۔ یہ اس لیے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس کے لیے طلاق کے بعد عدت ہی نہیں جیسا کہ قرآن میں آچکا ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ حاملہ کی اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بعد میں مذکور ہے۔ بقولہ واللائی یئسن الخ۔

اقسامِ طلاق : طلاق تین قسم پر ہے: (۱) احسن یہ کہ جس طہر میں وطی نہیں کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے کس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طلاق سے زیادہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں بغیر مرضیِ عورت کے عدت کے اندر مرد کو رجوع کر لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

(۲) حسن وہ یہ کہ وطی[1] کی ہوئی عورت کو طہر میں تین طلاق بتفریق دے اس کو بھی حنفی طلاق مسنون[2] کہتے ہیں۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دینا کسی حال میں سنت[3] نہیں خواہ وہ ایک طہر میں ہو خواہ کئی میں۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب ایک طہر میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بدعت جانتے ہیں نہ کئی طہر میں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک بار تین طلاق دینے میں بشرطیکہ طہر میں ہوں کچھ حرج نہیں کس لیے کہ وہ کہتے ہیں طلاق کی تعداد میں بدعت و سنت کچھ نہیں ایک مباح بات ہے۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک طلاق دینا مسنون جانتے ہیں طہر میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفریق اور وقتِ طہر کی رعایت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وقتِ طہر کی رعایت ہے۔ (کشاف)

(۳) طلاقِ بدعی یہ وہ ہے جو حالتِ حیض میں ہو یا ایک طہر میں ایک سے زائد ہو یا اس طہر میں ہو کہ جس میں وطی کی ہو گو ایک ہی طلاق ہو عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو اور جس کو صغر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کو ایک مہینے میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح حاملہ کو بھی ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ طلاقِ بدعی بھی پڑ جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گناہگار ہوتا ہے ملخص از ہدایہ۔

الفاظِ طلاق : دو قسم ہیں۔ ایک صریح لفظ طلاق استعمال کیا جائے اس سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے کہ اس کے بعد رجوع کر سکتا ہے اس میں نیت کو نہ دیکھا جائے گا۔ دوسری قسم کنائی ہے کہ کنایہ سے طلاق دے صریح الفاظ کا استعمال نہ کرے البتہ اس میں اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ ان الفاظ سے جو مراد وہ کہے گا وہی عدالت شرح منظور کرے گی، جھوٹ سچ ان کی گردن پر پھر کنایات بھی دو طرح پر ہیں تین لفظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے وہ یہ ہیں۔ عدت کر، رحم پاک کر، تو اکیلی ہے۔ اور باقی الفاظ سے طلاقِ بائن پڑتی ہے کہ بغیر نکاحِ جدید شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو حرام ہے، تیری رسی چھوڑ دی۔ وغیر ذلک۔

احکام : اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کو ایک طلاق کافی ہے۔ اب یہ اس کی ہر گز بیوی نہیں رہی۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے خواہ اس سے کرے یا غیر سے۔ اسی طرح مدخولہ کو اگر طلاقِ بائن دی ہو یا تین طلاق دے چکا ہے تب بھی کوئی حق

[1] بغیر وطی کی ہوئی کو ایک ہی طلاق دینا حسن ہے گو حیض میں ہو اور اسی طرح جس کو حیض نہیں آتا اس کو ہر مہینہ کے بعد ایک طلاق دینا حسن ہے اگرچہ وطی کے بعد ہو۔ تفسیر احمدی۔ ۱۲ منہ

[2] اصل آیت سورہ احزاب میں یوں ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ ۱۲ منہ

[3] مسنون تو احسن بھی ہے مگر اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اس کو بدعی کہتے ہیں اس لیے حنفی اس کا نام طلاق السنہ رکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

شوہرِ اول کا نہیں رہتا۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں خواہ ایک طہر میں خواہ دو میں تب زوج کو اختیار ہے کہ عدت سے پہلے رجوع کرے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا یا وہ افعال کرے جن سے زن وشو ثابت ہوں۔ بوسہ لینا' صحبت کرنا' شہوت سے ہاتھ لگانا وغیرہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر زبان سے کہے رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا اور رجوع کے لیے دو گواہ کر لینا بہتر ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور عدت کے بعد بھی ہر طلاق کے بعد بار دگر نکاح کر سکتا ہے مگر تین طلاق کے بعد نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ بیوی پہلے کسی اور سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے پھر وہ طلاق دے۔ پھر صحبت کے بعد زوجِ اول نکاح کرے۔ یہ سزا اس لیے مقرر کی کہ تین طلاق دینے سے باز آئے۔ یہ سخت مکروہ ہے۔ ایک بار تعلق منقطع کرنا شرع نے پسند نہیں کیا اس لیے بتدریج طلاق دینا مسنون ہوا کہ پھر کہیں گھر بس جائے تو بہتر اور طلاق کے موقع سے پہلے باہمی پنچایت کے ذریعہ سے ملاپ کی تاکید کی گئی ہے۔

فائدہ: طلاقِ رجعی کی عدت میں بیوی کا شوہر کے سامنے آنا، بناؤ سنگار کرنا، رغبت دلانا ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے کس لیے کہ ہنوز نکاح باقی ہے اور ملاپ مقصود ہے اور طلاقوں کی عدت میں یہ حکم نہیں بلکہ زینت سے مرد کے سامنے آنا اختلاط کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا، اتقوا اللہ ربکم کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے۔ لفظ اللہ ذات پر دال ہے جس کی جبروت سے ہر عقلمند کو ڈرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا لازمی ہے مگر عقولِ سافلہ کو وہاں تک بغیر کسی صفت کے رسائی نہیں اس لیے اس کے بعد ربکم بھی بیان فرما دیا کہ اللہ کون ہے؟ تمہارا رب جو تم کو پرورش کرتا ہے، رزق کے سامان بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہر گھڑی تمہارے وجود کا وہی محافظ و مربی ہے البتہ مربی اور محسن کی مخالفت سے عام طبائع ڈر سکتی ہیں اس لیے کہ وہ کہیں اپنے یہ انعام بند نہ کر لے اسی لیے ایسی صورت کا ذکر کیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ

ع ۱۰

۱ ھؤلاء ومنصوب لکونہ بدلا من ذکرا بمعنی ذاکرہ ولہ وجوہ اخری ذکرھا القوم قد احسن الجملۃ حال ثانیۃ او مترادفۃ للحالدین مثلھن بالنصب علی عطف علی سبع سموات وقری بالرفع علی الابتداء ۱۲ منہ

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲ ع

اور کتنی ایک بستیاں اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے سرکش ہوگئی ہیں پھر تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور ان کو بری سزا دی۔ پھر انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور ان کی انجام کار بربادی ہوئی آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پھر اے دانشمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو (عقلمند وہی ہیں) جو ایمان لائے بے شک اللہ نے تمہاری طرف سمجھانے والا رسول بھیجا ہے جو تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں ان کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں سدا رہا کریں گے البتہ اللہ ان کو اچھی روزی دے گا۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی ان کی مانند بنائی ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور (نیز) اللہ نے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

تفسیر تیسرا حکم: یہ جملہ آیندہ حکم کے لیے تاکید ہے اس لیے اس کے بعد تیسرا حکم ذکر کرتا ہے۔ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایامِ عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ آپ نکلیں مگر جب صریح فحش کریں تو نکال دینا مضائقہ نہیں۔ مطلقہ کو مکان دینا واجب ہے۔ مطلقہ کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر گھر عورت ہی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس لیے بیوتھن فرمایا۔ اضافت بیت کی ان کی طرف کی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کو وقرن فی بیوتکن سے مخاطب کیا ہے اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔ اضافۂ تملیکیہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے۔ فاحشة مبينة بالکسر فاعل کا صیغہ جس کے معنی بیان کرنے والی یعنی وہ فاحشہ بات اپنی برائی آپ بیان کر رہی ہے اور مبینۃ بالفتح بھی پڑھا ہے کہ اس کی برائی براہین و دلائل سے بیان ہوگئی ہے۔ فاحشة مبينة کے معنی اکثر مفسرین نے زنا کے بیان کئے ہیں کہ جب عورت بدکاری کرے تو اس کا نکالنا ممنوع نہیں۔ بعض نے اس کی اور بھی تخصیص کی ہے کہ وہ حد مارنے کے لیے نکالی جائے اس کے بعد پھر وہیں رکھی جائے (وفیہ مافیہ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فاحشة مبينة سے مراد بدزبانی فحش گوئی ہے کیونکہ مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے، پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں پھر جب ایسی نوبت ہو تو آیندہ اور فسادات کے اندیشے میں اس صورت میں نکال دینا مصلحت ہے اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیسا کہ مکان گرنے کو ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا مالک اٹھاتا ہو) باہر نکلنا ممنوع نہیں مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔

سکنی اور نفقہ بھی دینا چاہیے: قرآنِ مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں طلاقِ رجعی یا بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حایض ہو یا حاملہ یا آئسہ یا صغیر سن، سب کے لیے یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کا ذمہ ہے اور چند آیات کے بعد اور بھی تاکید فرماتا ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ جمہور آئمہ کا یہی قول ہے مگر حسن بصری و عطاء بن ابی رباح و شعبی و احمد و اسحاق رحمہم اللہ تخصیص کرتے ہیں کہ جس عورت سے شوہر طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا (طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد) تو وہاں خاوند پر مکان دینا واجب ہے نہ روٹی نہ کپڑا۔ کس لیے کہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں رہا اور دلیلِ نقلی ان کی حدیثِ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دی تھیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ مکان دلوایا نہ روٹی کپڑا اور ابن اُم مکتوم کے گھر عدت گزارنے کا حکم

دیا۔اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں اصحابِ سنن اربعہ اور مسلم بھی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا تھا کہ کیا ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے۔ کیا معلوم بھول گئی یا یاد سے کہتی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سکنی اور نفقہ دونوں دلاتے تھے۔ (اس بات کو مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و طحاوی و دار قطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے)۔

جمہور کا مکان دینے میں اتفاق ہے۔ اور مکان کے ساتھ نفقہ [1] بھی خاوند پر واجب ہے کس لیے کہ رجعی طلاق میں تو خاوند کا تعلق ہی قائم ہے اس سے صحبت کر سکتا ہے اور بائن میں عورت نکاحِ ثانی سے خاص شوہرِ اول کی وجہ سے روکی گئی کہ اس کا حمل بخوبی معلوم ہو جائے اور جلد دوسرے کے پاس جانے میں مظنۂ تہمت تھا پس اس کو مکان اور نفقہ دونوں دینے چاہییں۔ اور نیز چند آیات کے بعد مطلقہ حامل کے لیے نفقہ دینے کا صاف حکم ہے۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ الآیۃ اور حامل غیر حامل کا اس بارے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ عمر و عبداللہ بن عمرو غیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا اور سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور علماءِ کوفہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں غیر طلاقِ رجعی میں بھی شوہر کو مکان دینا ضروری ہے اس آیت کے بموجب لیکن اس میں نفقہ کا ذکر نہیں صرف حامل کے لیے نفقہ کا ذکر ہے اس لیے نفقہ نہ دیا جائے گا یعنی خرچ۔ یہ امام مالک و لیث بن سعد و امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں **فاحشة مبينة** سے مراد یہ دکھائی ہے فاطمہ بنت قیس بدزبان اور فحش گو عورت تھی اس لیے اس کے لیے مکان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا یا غیر کے گھر عدت گزاری اور نفقہ بھی نہ دلایا۔ ان سب احکام میں غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے طلاق کو کہاں تک محدود کیا ہے اور پھر ملاپ ہو جانا ملحوظ رکھا ہے۔

ان احکام کے استحکام کے لیے فرماتا ہے **وتلك حدود الله** کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں۔ **وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ** اور جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا اللہ کا کیا بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا کس لیے کہ ان احکام میں صدہا دنیوی مصلحتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہیں اس کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدا کہاں تک نتیجہ دکھاتا ہے۔ **لعل الله يحدث بعد ذلك امرا** کے یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ صرف عدت اور مکان دینے کی طرف راجع ہے جس سے مراد یہ کہ شاید بعد میں اس ارتباط و حسنِ سلوک سے ملاپ ہو جائے۔

چوتھا حکم: **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ**۔ کہ جب ان مطلقات کی اجل یعنی عدت پوری ہونے کو ہو (بلغن کے یہی معنی ہیں) تو ان کو دستور کے موافق رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ آیت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ یہ حکم طلاقِ رجعی کی عدت سے متعلق ہے کہ ہنوز خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہے پھر عدت تمام ہونے کو آئے تو عورت کو پھر بدستورِ سابق بغیر نکاحِ جدید اپنی بیوی کر لے مضرت کا قصد نہ کرے کہ بارِ دگر گھر میں ڈال کر خوب دل کے غبار نکالے بلکہ حسنِ معاشرت سے پیش آئے اور جو اپنے مصالح کے مناسب نہ سمجھے تو ترک کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اس کا مہر وغیرہ دے دے اور دوسرے شخص سے نکاح کرنے میں حارج نہ ہو مگر طلاقِ بائن اور ثلاث میں بھی **امساك بمعرف وتسريح باحسان** ہو سکتا ہے کہ نکاحِ جدید کے بعد حسنِ معاشرت سے رکھے یا اس کو بالکل چھوڑ دے جس سے چاہے نکاح کرے [2]۔ اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورۂ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

پانچواں حکم۔ **وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ** کہ اس مراجعت یا ترک پر اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں میں سے کم

---

[1] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا یعنی نفقہ۔ ۱۲ منہ

[2] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد بھی عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا۔ ۱۲ منہ

ازکم دو شخص ثقہ اور نیک بختوں کو گواہ بھی کر لو کہ پھر کسی طرح کا باہمی جھگڑا نہ پیدا ہو مثلاً دونوں میں سے ایک مر جائے اور دوسرا وراثت کا دعویٰ کرے اور وارث جھٹلانے لگیں کہ تم نے رجوع نہیں کیا تھا یا باہم نکاح باقی نہیں رہا۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ مرد نے رجوع کیا کسی کو خبر تو کی نہیں عدت گزر گئی اس نے دوسرے نکاح کی ٹھان دی، جھگڑا پڑا اور یہی مصلحتیں ہیں۔ اہلِ معاملہ کو گواہ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو اللہ کے لیے بلا کم و کاست گواہی ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہ حکم امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری التعمیل یعنی واجب ہے رجوع کرنے کے وقت ضرور گواہ بنائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں ہاں گواہ کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں **واشهدوا اذا تبايعتم** حالانکہ بیع کے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔

فائدہ: صاحبِ اتقان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں **ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** گواہوں کی تخصیص نے سورۂ مائدہ کی تعمیم **ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** اور **آخران من غيركم** کو منسوخ کر دیا یعنی سورۂ مائدہ میں تو یہ حکم تھا کہ دو ثقہ شخص تم میں سے ہوں یا اور لوگوں میں سے ہوں اور یہاں یہ کہہ دیا کہ تم میں سے ہوں، اس تعمیم کو منسوخ کر دیا لیکن یہ قول چنداں قوی نہیں کس لیے کہ سورۂ مائدہ میں گواہی وصیت کے باب میں تھی یہاں رجعت کے بارے میں ہے۔

پھر ان احکام کی پابندی پر تاکید فرماتا ہے۔ **ذلكم** یہ احکام **يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ**۔ وہ ہیں کہ جن سے نصیحت پکڑتا ہے یا فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ شخص جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اشارتاً یہ کہہ دیا کہ جو ان احکام کی پابندی نہیں کرتا گویا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ایماء عرب کی جاہل قوموں کی طرف ہے کہ وہ طلاق دے کر عورت کو معطل کر دیتے تھے، بے چاری یوں ہی بیچ میں جھولتی رہتی تھی۔ نہ تو آپ اس کی خبر گیری کرتا تھا نہ اور سے نکاح ہونے دیتا تھا۔ یہ بڑا ظالمانہ برتاؤ تھا۔ اب بھی بعض مرفع الحال لوگ جو عزت و غرور کے نشہ میں چور ہیں ایسا ہی کرتے ہیں نکاح اور طلاق میں قانونِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا مطلقاً عمل نہیں وہ کہتے ہیں اشراف ایسا نہیں کرتے۔ معاذ اللہ یہ کلمہ حدِ کفر تک پہنچاتا ہے۔ قیامت کو جبکہ اللہ جبار و قہار تخت پر بیٹھ کر عدالت کرے گا شرافت معلوم ہو جائے گی۔

یہ ساری بے اعتدالیاں خوفِ خدا نہ ہونے کے سبب ہیں اور ان احکام میں غفلت و اعراض کا باعث طمع یا فکر ہوتی ہے کہ اس کو کہاں سے کھلائیں گے، مہر کیونکر دیں گے، روک رکھو کہ مہر نہ مانگے بلکہ جو کچھ لیا ہے واپس کر لو۔ اس لیے سب سے پہلے خوفِ خدا کی تاکید اور اس کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ **وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ**۔ کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں تو اس کے ثمرات ملیں گے مگر دنیا میں بھی اس کو دو چیزیں عطا کرتا ہے۔

اول۔ **يجعل له مخرجا** کہ اس کے لیے ہر مشکل میں خلاصی دیتا ہے، رنج و غم سے رستگاری عطا کرتا ہے یہ اس لیے کہ جب انسان اللہ سے ڈرا اور ہر مصیبت کو اسی کی طرف سے سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اول تو اس کے دل کو اطمینان و انشراح پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت اس کے نزدیک بہت ہلکی ہو جاتی ہے اور واقعی لوگوں کے قلوب کے موافق مصیبت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ ذرا سی بات سے دست آنے لگتے ہیں، بے قرار ہو جاتے ہیں اور بعض کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حادثہ کس پر گزر گیا؟ الغرض استقلال و جوانمردی تقویٰ سے پیدا ہو جاتی ہے اور یوں بھی عالمِ بالا سے اس کی مشکل کشائی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کو جو جو مددِ غیبی حوادث میں پہنچتی ہے ان سے کوئی ایماندار جو کتبِ سماویہ پر یقین رکھتا ہے انکار نہیں کر سکتا البتہ حال کا فلسفہ اس کو کچھ نہیں سمجھتا یہ ان کی جہالت ہے۔

بعض مفسرین نے مخرجاً کو خاص بھی کیا ہے چنانچہ کلبی کہتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر کر مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کو آتشِ جہنم سے مخلصی دیتا ہے۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں یہ خاص طلاق کی بابت ہے کہ جس نے حکمِ الٰہی کے موافق طلاق دی اس کے لیے رستہ رجوع

کرنے کا عدت میں خدا نکال دیتا ہے۔

دوم۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا روزی دے گا۔ وہ قادرِ مطلق اپنے پاکباز بندوں کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں خاوند کو تسلی ہے کہ رزق و روزی کے فکر سے طلاق نہ دو نہ طلاق کے بعد زبردستی روک رکھو، ہم بے گمان روزی دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس کو بھی خاص کیا ہے۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اور ادائے فرض کرے گا اس کو عذاب سے خلاصی دے گا اور اسی طرح ثواب دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ گناہوں کے سبب رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا اور کوئی چیز نہیں رد کرتی اور عمر کی زیادتی کا باعث نکوئی ہی ہوتی ہے۔ (رواہ الامام احمد) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمانداروں کے لیے خدا تعالیٰ گناہوں سے تنگدستی دیتا ہے اور نیکی سے فراغ دستی اور نیکی و احسان کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور بندہ جب اللہ سے عجز و زاری سے مانگتا ہے تو عطا کرتا ہے، آئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ توریت میں جا بجا بنی اسرائیل کی تنگدستی اور فراغبالی کو ان کی نیکوکاری و بدکاری پر محمول کیا ہے۔ ہاں کبھی ازلی بدبختوں اور کفار کو ان کی سرکشی اور بدکاری پر بھی افزائشِ مال و جاہ کرتا ہے۔ یہ اس کا امتحان و ابتلاء ہے۔ آخر کار دنیا میں بھی ایک روز بدکار قوم کو اقبال و عزت کو رخصت کرنا پڑتا ہے اور نکبت و بدبختی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فلسفۂ حال اس بات کو بھی لچر و پوچ اور پرانا خیال سمجھتا ہے اس لیے پاکدامنی، خداپرستی ان کے نزدیک ایک عبث کام ہے جس پر وہ ٹھٹھے لگاتے ہیں، عنقریب ان پر ٹھٹھے لگیں گے۔

اس کے بعد توکل کے فوائد اور اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ کہ جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ توکل اللہ پر اعتماد اور اسباب کی فراہمی اور ان پر کامیابی سب کو اسی کے دستِ قدرت میں سمجھنا جس میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی جوانمردی سے معاملات میں لوگوں سے پیش آتا ہے، سیر چشمی کرتا ہے جو اس کی عزت و حرمت بڑھانے کا عمدہ ذریعہ ہے اور جو کوئی مصیبت بھی اس پر آ جاتی ہے تو اس کو من اللہ سمجھ کر دل میں بیقراری پیدا نہیں ہونے دیتا۔ عجب شادمانی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ ہے خدا تعالیٰ کا اس کے لیے کافی ہونا اور یوں بھی غیب سے ایسے لوگوں کے کام بن جایا کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توکل اور تقویٰ روح کو منور کرنے والی چیز ہے اس سے ظلماتِ ہیولانیہ جو اس کے اور خالق کے درمیان حجاب اکبر ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر روح کا بارگاہِ قدس تک پہنچنا اور وہاں سے قوت پانا دنیا میں ایسے ایسے حیرت انگیز کاموں کا باعث ہو جاتا ہے جنہیں کمتر درجہ کے دماغ خلافِ قانونِ قدرت سمجھ کر خواہ مخواہ انکار کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے حیرت افزا کام اور ان کے برکات اناجیل میں نہیں؟ پھر کوئی عیسائی انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہلِ بیتِ عظام رحمۃ اللہ علیہم اور بعد میں حضرات اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کے کرامات اس قدر ہیں کہ جن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

فائدہ: اس میں شوہر کو تسلی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بدمعاملگی نہ کرو وہ تمہارے لیے کافی بندوبست کر دے گا۔ ہر معاملہ میں راستی اختیار کرنے کے لیے اس اعتقاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز متحرک نہیں۔ اس طرف کمتر درجے کے لوگوں کا خیال جا سکتا تھا کہ خدا ہے کیا اور عالم اسباب میں کر کیا سکتا ہے۔ کارخانۂ دنیا اسباب پر مبنی ہے جیسا کہ آریہ اور آج کل کے روشن دماغ یورپین کہتے ہیں اس لیے ان کے اطمینان کے لیے فرماتا ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہا کرتا ہے۔ اس کے یدِ قدرت کو کوئی روک نہیں سکتا کس لیے کہ قد جعل اللہ لکل شیءٍ قدرا۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا ہے جو مصالح پر مبنی ہے۔ عدت حیض آنے والیوں کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ثلاثۃ قروء تین حیض ہیں۔ مگر جنہیں حیض نہیں آتا عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کے سبب یا حمل کے سبب۔

سو یہ تین قسم کی عورتیں وہ ہیں کہ جن کی عدتِ طلاق دریافت طلب تھی اس لیے حق سبحانہٗ ان تینوں قسموں کی عدت بیان فرماتا ہے۔ قسم اوّل۔ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ کہ جو ناامید ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے حیض آنے سے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ جو عورتیں سن رسیدہ ہو جاتی ہیں پھر ان کو حیض نہیں آتا، جو جسمانی قوت کے دنوں میں آیا کرتا تھا صرف کچھ رطوبت سی آنے لگتی ہے اور بعض کو وہ بھی نہیں آتی بلکہ اور کسی خاص بیماری کی وجہ سے ایامِ معتادہ یا غیر معتادہ میں خون آتا ہے جس سے حیض کا دھوکا ہوتا ہے اور گاہے انقطاعِ حیض کے قریب زمانہ میں وہ رطوبت بھی شبہ میں ڈال دیتی ہے۔ الغرض ایسی عورت کو آئسہ کہتے ہیں یعنی حیض آنے سے ناامید ہو گئی اور سنِ ایاس جسمانی اور ملکی قویٰ کے تفاوت سے ضرور متفاوت ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں عورتوں کو جلد حیض آتا ہے اور بڑھاپا بھی جلد آ جاتا ہے اور حیض بھی چند برسوں بعد بند ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں اچھی خاصی بڑھیا ہو جاتی ہے اور سرد ملکوں میں چالیس برس کی عمر میں خوب جوان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح قوائے جسمانی کا تقاضا ہے اس لیے اس کا کوئی زمانہ معین نہیں ہو سکتا نہ قرآنِ مجید نے کیا۔ ہاں فقہاءِ کرام نے تخمینہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ساٹھ برس کی عمر میں عورت آئسہ ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا پچپن برس کی عمر میں اگر تم کو شبہ ہو حیض آنے میں تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ ان ارتبتم کرخی فرماتے ہیں، یہ صفت کاشفہ ہے کوئی قید نہیں کس لیے کہ جو عورتیں آئسہ ہیں ان کی ہر حال میں یہی عدت ہے خواہ تم کو شک ہو یا نہ ہو۔ پھر ارتبتم کے معنی میں کلام ہے کہ کا ہے میں شک ہوا اس میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ حیض منقطع ہو گیا اور اس کی ہم عمروں کو آتا ہے۔ اب تم کو شک ہے کہ رک گیا یا آنا ہی بند ہو گیا یا حیض منقطع ہونے کے بعد استحاضہ[1] کا مرض ہو گیا۔ اب حیض نہیں معلوم ہو سکتا یا بعد انقطاع کے کوئی رطوبت آیا کرتی ہے جس سے حیض کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ سلف کا قول ہے جیسا کہ مجاہد و زہری و ابن زید۔ دوسرا قول جس کی طرف ابن جریر و ابن سعید وغیرہم کا رجحان ہے، یہ ہے کہ تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو کہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں ابن جریر ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ چند عورتوں کی عدت معلوم نہیں ہوئی۔ بڑی عمر والیوں کی اور چھوٹی عمر والیوں کی اور حمل والیوں کی اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے اس سے بھی تفصیل وار نقل کیا ہے۔

دوسری قسم۔ وَالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ وہ عورتیں کہ جن کو حیض نہیں آتا ہے کم سنی کی وجہ سے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ (یہ پہلے والّٰئی پر معطوف ہے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ یہ عدتِ طلاق ہے اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

تیسری قسم۔ اس کے بعد تیسری قسم کی عورتوں کی عدت فرماتا ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کہ حمل والیوں کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی جننا عدت ہے جب وہ جنیں عدت پوری ہو گئی۔

فائدہ: اگر پورے دنوں میں بچہ نہیں ہوا اور حمل ساقط ہو گیا کیا اس سے بھی عدتِ طلاق پوری ہو جائے گی؟ ظاہر الفاظ کہہ رہے ہیں کہ عدت تمام ہو جائے گی۔ کسی نے آج طلاق دی اور اس کو مہینے بھر کا حمل تھا تو آٹھ مہینے تک عدت میں رہے گی نویں مہینے جنتے ہی عدت تمام ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے۔ ''وان کانت ممن لا تحیض من صغرا و کبر فعدتھا ثلاثۃ اشہر لقولہ تعالیٰ والّٰئی یئسن الخ وکذا من بلغت بائسن ولم تحض (بالاخر الآیہ) وان کانت حاملا فعدتھا ان تضع حملھا۔ کہ اگر صغر سنی یا کبر سنی سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی تین مہینے ہیں اس آیت سے والّٰئی یئسن الخ اور اسی طرح اگر بالغہ ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو تو بھی عدت تین مہینے ہیں اور اگر حمل ہے تو عدت وضعِ حمل ہے۔ (ترجمہ)

بحث: بظاہر آیت واولات الاحمال الخ عدتِ طلاق کے بارے میں ہے اور عدتِ وفات سورۂ بقرہ میں اربعۃ اشہر

[1] خون آنے کی بیماری جو عورتوں کو حیض کے علاوہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

عشرا۔ چار مہینے دس روز کی آ چکی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ آئسہ ہو صغیرہ ہو حامل ہو لیکن جب عدت کی مصلحت کی طرف غور کیا گیا
ہ وہ امتیازِ نطفہ ہے کہ ایک نطفہ کے ساتھ دوسرا مخلوط نہ ہو تو حاملہ کے پیٹ میں اول شوہر کا نطفہ باقی ہے خواہ وہ وفات کی عدت ہو
واہ طلاق کی جب تک یہ الگ نہ ہو لے عدت قائم رہے گی اور رہنی بھی چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کر دی کہ
لاق پر موقوف نہیں وفات میں بھی یہی عدت ہے اور جمہور علماء کا سلف سے خلف تک یہی قول ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا تھا۔ اَلَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ کہ جن کے خاوند
رجائیں چار مہینے دس دن عدت کریں۔ اس میں یہ قید نہ تھی کہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اس طرح اس آیت واولات الاحمال میں ہے کہ حمل
الیوں کی عدت وضع حمل ہے کوئی قید نہیں کہ وہ حمل والیاں مطلقہ ہوں یا بیوائیں ہو۔ اب آن کر دونوں آیات میں حاملہ[1] بیوہ کی عدت میں
عارض ہوا۔ سورۂ بقرہ کی آیت تو کہتی ہے کہ چار مہینے دس دن عدت کرے خواہ حمل اس سے پہلے وضع ہو یا بعد میں اور یہ آیت کہتی ہے وضعِ
حمل عدت ہے خواہ چار مہینے دس دن کے بعد ہو خواہ دوسرے روز ہی وضعِ حمل ہو جائے عدت تمام ہو جائے گی۔ مگر یہ آیت واولات الاحمال
بعد میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس بارہ میں سورۂ بقرہ کی آیت منسوخ قرار دی جائے گی۔ بخاری ومسلم وترمذی وابوداؤد وغیرہ محدثین نے مختصراً و
مطولاً ایک حدیث نقل کی ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا سعد بن خولہ بدری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، سعد حجۃ الوداع میں مر گیا اور سبیعہ حامل تھی، بعد
چالیس روز کے اس نے بچہ جنا پھر جب نفاس سے پاک ہوئی تو اپنے آپ کو نکاح کے لیے آراستہ کیا۔ اس کے پاس ابوالسنابل بن بعکک
بھی گیا۔ اس نے کہا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ یہ نہ ہوگا کس لیے کہ تیرے شوہر کو مرے چار مہینے دس دن نہیں ہوئے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے پوچھنے گئی۔ آپ نے فرمایا جب تیرا حمل وضع ہوا تیری عدت تمام ہوگئی اس کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیثِ مشہور کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ مختلف طریق سے متعدد راویوں نے روایت کی ہے اور اسی پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین و
آئمہ رحمہم اللہ کا عمل رہا ہے مگر ابن عباس اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ ہو وہ کرے یعنی اگر دس روز بعد
وضع حمل ہوا تو چار مہینے دس روز عدت کرے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قول کو ہرگز نہ مانا اور کہا جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ سورۂ نساء
قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کہ جس میں اولات الاحمال الخ ہے، سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی یہ اس کی ناسخ ہے اس بارے میں۔ ہدایہ میں
ہے۔ وعدة الوفاة فی الحرة اربعة اشهر وعشرا وعدة الامة شهران و خمسة ایام وان کانت حاملا فعدتها ان تضع حملها۔
علماء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

عدت کے احکام: اس حکم کے بعد اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا
کام آسان کر دے گا یعنی ان احکام پر عمل کرو اللہ سے ڈرکر تا کہ تمہیں نکاح وطلاق کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور خدا تمہارے سارے
کام آسان کرے۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ۔ یہ حکم اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا۔ اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو کس لیے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ
یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے خدا اس کے گناہ اس سے مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے بڑا اجر تیار کرتا ہے۔

طلاق کے بعد ایامِ عدت میں خاوند کو مطلقہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ اس کا بیان فرماتا ہے۔

اول حکم: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ کہ جہاں تم رہو اپنے مقدور کے موافق ان کو بھی وہیں رکھو کس لیے کہ طلاق کے بعد
طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فوراً نکال دینا قریب الوقوع بات ہے۔ اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال
بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے مگر خرچ وخوراک میں کلام ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوا۔ امام ابوحنیفہ

[1] کے لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

رحمہ اللہ کے نزدیک خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی مکان کے ساتھ خرچ وخوراک بھی ضروری ہے کس لیے کہ اگر صرف مکان مراد ہوتا تو پہلے بھی بیان ہو چکا۔ لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ میں دوم من وجدکم کا لفظ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں طلاق بائن میں خرچ و خوراک دینا واجب نہیں۔

دوسرا حکم: وَلَاتُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ۔ خدائے پاک مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع کرتا ہے کہ مکان اور کھانے پینے میں تنگی نہ کرو کہ تنگ ہو کر نکل جائے اور ہر قسم کی ایذا سے ممانعت ہے۔ سخت کلامی، لڑائی جھگڑا، ترش روئی۔ اور یہ بھی ہے کہ جب عدت تمام ہونے کو آئے مثلاً دو روز باقی رہ جائیں پھر رجوع کر لے اور پھر طلاق دے تا کہ اور عدت بڑھ جائے۔ اس سے بھی منع کیا۔ عرب ایسے ایسے ظالمانہ معاملات عورتوں سے کرتے تھے جن سے اسلام نے روک دیا اور تہذیب وشائستگی سکھا دی۔ معاملات میں مہذب رہنا بڑی بات ہے۔

تیسرا حکم: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اگر وہ مطلقہ حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان کو خرچ و خوراک بھی دو۔ اس قید سے امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مطلقہ کو حمل نہیں ہے تو صرف مکان دینا واجب ہے نہ نفقہ۔ اس کا جواب پہلے گزر گیا۔ مگر آیت میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیت مطلقہ کے بارہ میں ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو اس کے لیے مکان اور نان ونفقہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ عنہما وشریح ونخعی وشعبی وحماد وابن ابی لیلیٰ وسفیان اور ان کے شاگرد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کو مکان وخوراک میت کے کل مال میں سے ملے گا۔ اور ابن عباس وابن زبیر وجابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم ومالک وشافعی وابوحنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کے حصے میں سے خرچ ہوگا۔

سوال: جب ہر قسم کی طلاق میں خواہ بائن ہو خواہ رجعی خواہ وہ عورت حامل ہو یا غیر حامل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے موافق مکان کے سوا نفقہ بھی واجب ہے تو وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس لیے کہ حمل کی مدت معمولی عدت سے زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی یوں نہ سمجھ لے کہ تین مہینے تک نفقہ دینا چاہیے پھر نہیں اس لیے یہ ذکر کرنا پڑا۔

چوتھا حکم: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ اگر مطلقہ وضع حمل کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اس کی اجرت دو۔ یہ خیال نہ کرو کہ دودھ تو ہمارے ہی حمل سے تھا مجبور کر کے بغیر اجرت دودھ پلایا جائے۔

اس حکم کی کئی صورتیں ہیں۔ اول یہی جو بیان ہوئی۔ دوسری یہ کہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ خاوند نے طلاق دے دی۔ اب عدت کے ایام میں نفقہ جدا دینا ہوگا اور دودھ کی اجرت جدا دینی ہوگی۔ (طلاق دینے سے کس خوبصورتی سے روکا گیا ہے)۔ تیسری یہ کہ تمہاری دوسری بیوی کے بچے کو وہ دودھ پلا دے یعنی اس کے شکم کا نہ ہو تو بھی اجرت کی مستحق ہے۔ (سب صورتوں میں جب ہی اجرت دینا واجب ہے اگر وہ طلب کرے)۔ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ اور باہم مشورہ سے کام کرو یعنی رضامندی ایک دوسرے کی ملحوظ رکھے نہ خاوند بہت کم اجرت دے نہ یہ زیادہ طلب کرے۔ دستور ومعمول کے موافق دے اور لے۔ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی۔ اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔

فائدہ: اور اگر اور عورت نہ ملے یا بچہ دودھ اور کا نہ پیئے تو عورت کو مجبوراً دودھ پلانا ہوگا اور دستور کے موافق اجرت دی جائے گی۔

فائدہ: غیر مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلاوے اس کی اجرت جداگانہ خاوند پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی حکم قرآن مجید میں بصراحت نہیں۔ جو کچھ ہو قیاسی حکم ہوگا۔

پانچواں حکم: مگر اس اجرت اور نان ونفقہ کی تعداد معین کرنا نظامِ عالم میں خلل انداز تھا۔ کس لیے کہ ملک اور قوم اور رواج کے موافق ہر جگہ یکساں حکم جاری کرنے میں بڑی دقت تھی اس لیے اس کا فیصلہ بھی کر دیا۔ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔ کہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے یعنی مرد کی حیثیت خیال کی جائے اور اوسط درجہ لیا جائے۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ اور جو ایسا ہے کہ اس کا رزق اس کے اندازہ کے موافق ہے یعنی تنگدست ہے۔ تنگدست کو قدر علیہ رزقہ سے تعبیر کرنے میں تسلی کے سوا ایک لطیفہ بھی ہے تو وہ اس میں سے دے جو اس کو اللہ نے دیا یعنی وہ اسی کے موافق دے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا۔ اللہ کسی کو زیادہ حکم نہیں دیتا مگر اسی قدر کہ جو اس کو دیا۔ یعنی قوت ومقدور سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ انسان پر کوئی حکم اس کی طاقت سے باہر چیز میں صادر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کم مقدور لوگوں کو تسلی بھی دیتا ہے۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۔ کہ تنگی کے بعد خدا فراخدستی بھی عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرضعہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ کیا خبر یہ لڑکا تونگر ہو جائے یا اس شخص کو خدا کشائش عطا کرے تو تیری وقتِ افلاس کی رفاقت کو ملحوظ رکھے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ہر ایک کے لیے عام حکم نہیں کہ ہر تنگدست کو فراخدستی ملے گی۔ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ایمانداروں کو دنیا کی تنگدستی اور تکلیف کے بعد فراخی اور راحت ضرور ملے گی اور جلد ملے گی۔ دنیا کی زندگی سریع الزوال ہے لیکن آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب ہے اور وہ اس وقت بہت تنگدست تھے اپنے وعدہ کے موافق خدا نے بہت جلد ان پر فراخدستی کے دروازے کھول دیے۔ قیصر وکسریٰ کے خزائن اور عمدہ اشیاء اور ان کے سامان ان کے پاؤں تلے ڈالے گئے۔ یہ بشارت پوری ہوئی۔

ان احکام کو بیان فرما کر: ان کی پابندی کی تاکید کرتا ہے کہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا۔ کہ بہت سی بستیوں یعنی شہر والوں نے اپنے رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ لوط کی بستیاں وغیرہ تو خدا نے ان سے سخت حساب لیا۔ ان کے اعمالِ بد کا گن گن کر پورا بدلہ ان کی گودوں میں ڈالا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۔ پس ان لوگوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور انجام خسران ہوا۔ آخرت میں عذابِ شدید ان کے لیے مہیا کیا گیا۔ اجڑے ہوئے شہروں اور برباد شدہ قوموں اور خاندانوں کو دیکھ کر فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔ اے ہوشمندو، عقل والو! اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے بچو، عبرت کرو۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ عقلمند کون ہیں۔ الذین آمنوا وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ دراصل یہی لوگ عقلمند ہیں جن کی انجام پر نظر ہے اور یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کافر بے عقل کیا ڈرے گا۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ کہ تحقیق اللہ نے تمہارے پاس ذکر یعنی مذکر (یاد دلانے والا سمجھانے والا) بھیجا ہے وہ کون رسولا۔ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ جو تم کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے جو صریح اور ظاہر ہیں جن میں کوئی پیچیدگی اور خلافِ عقل بات نہیں۔ یا یہ معنی کہ آیات تمہارے لیے مسائلِ حلت وحرمت مبدء ومعاد، اخلاق وقصصِ سابقہ کو بیان کرتی ہیں۔ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔ تاکہ تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ مذہبِ باطل کی اندھیری، اخلاقِ بد کی اندھیری، رسم ورواج کی پابندی کی اندھیری خدا اور آخرت سے جہالت کی اندھیریاں عرب پر گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکال کر نور میں لائے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا۔ پس جو اس نور میں آ گیا یعنی اللہ پر ایمان لایا، اعتقاد درست کر لیا اور پھر اچھے کام کیے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ دراصل یہی نور ہے جو قیامت میں آگے اور دائیں بائیں دوڑتا ہوا چلے گا اور مرنے کے بعد عالمِ قدس میں پہنچا دے گا۔ تکمیلِ قوتِ نظریہ وعملیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے تو يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اس کو مرنے کے بعد ایسے

---

۱ کس لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضعِ حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

باغوں میں بسا دے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی یعنی عالمِ قدس میں باغ اور نہریں اس کی قوتِ نظریہ وعملیہ کا مظہر ہوں گی۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وہاں ہمیشہ رہا کرے گا۔ ایمان واعمال بھی اس کے ساتھ ہمیشہ تھے۔ ان کی نہریں جاری رہا کرتی تھیں۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ اللہ نے اس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی۔ وہاں کے نعماء اور دیدارِ الٰہی یہ قابلِ اعتبار بات ہے کس لیے کہ اس اللہ نے خبر دی جس نے خلق سبع سموات۔ سات آسمان و من الارض مثلھن اور ان کے مانند زمین بنائی[1]۔ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ان میں اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بغیر حکمِ قضاء وقدر کے ذرہ نہیں ہلتا۔ یہ اس لیے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے پس وہ قادر بھی ہے کہ دارِ آخرت میں اپنے وعدے کو پورا کرے۔ دنیا میں مخالف کو تباہی، آخرت میں روسیاہی دے اور اس کا فرمانا خبر دینا اس کے علم کی وجہ سے صداقت پر مبنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

اے نبی! جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ ان کو کیوں حرام کرتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی ڈھونڈتے ہو اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کا کھول دینا بھی فرض کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مولا ہے اور وہ دانا (اور) حکیم ہے۔ اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کیا۔ پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر دی تو کہنے لگی تجھے یہ کس نے بتائی۔ نبی نے کہا مجھے بڑے دانا، خبردار نے بتائی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو (بہتر) ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے اور اگر تم دونوں نبی پر چڑھائی کرو گی تو اس کا رفیق بھی اللہ اور جبرئیل اور نیک مسلمان ہیں اور فرشتے اس کے بعد (جدا) مددگار ہیں۔

---

۱ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر سات زمینوں سے سات اقلیم مراد لیے جائیں جہاں تاثیرِ سیارات مختلف طور پر نمایاں ہے تو ممکن ہے مگر وہ روایات کہ جن میں سات زمینوں کا یکے بعد دیگرے ہونا اور ہر ایک میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہونا اور اخیر زمین کا مچھلی پر ہونا مذکور ہے اور اسی طرح آسمانوں کی بابت ایک یاقوت کا دوسرے مرد کا وغیر ذلک یہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ۱۲ منہ

ترکیب : تبتغی استیناف اوتفسیر لقولہ تحرم اوحال من الضمیر فی تحرم والمرضاۃ اسم مصدر واصلہ مرضوۃ۔ وھومضاف الی المفعول ای ان ترضی ازواجک والی الفاعل ای ان یرضین ھن۔ ومعناہ الرضاء۔ ویمکن ان تکون الجملۃ للا ستفہام الانکاری تحلۃ اصلہ تحللۃ فسکن وادغم۔ واذ فی موضع نصب باذکر فلما شرط عرف جوابہ فلما شرط قالت جوابہ ان تتوبا شرط والجواب محذوف ای فذاک واجب دل علیہ فقد صغت لان اصغاء القلب الی ذلک قریب۔ قلوبکما انما جمع وھما اثنان لان لکل انسان قلبا ومالیس فی الانسان الا واحد جازان یجعل الاثنان فیہ بلفظ الجمع وجازان یجعل بلفظ التثنیۃ وقیل وجہ ان التثنیۃ جمع ھو مبتداء وخبرہ ان ویجوزان یکون ھوفصلا فاما جبرئیل وصالح المؤمنین ففیہ وجہان احدھما ھو مبتداء والخبر محذوف والثانی ان یکون مبتداء والملائکۃ معطوفا علیہ وظھیر خبر الجمیع وھو واحد فی معنی الجمع ای ظھراء۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ ربط اس کا اول سورۃ سے یہ ہے کہ اول سورہ میں طلاق کے احکام بیان ہوئے تھے جو عورتوں کے متعلق تھے اور نیز طلاق کے بعد جو عورت حلال تھی حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس سورۃ میں بھی عورت کی ضد وخواہش اور ہٹ اور اصرار سے مباح چیز کو اپنے اوپر ممنوع کر کے معاشرت کے دائرہ کو تنگ کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اس لیے فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ۔ اے نبی! کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے۔ تَبْتَغِیْ مَرْضَاۃَ اَزْوَاجِکَ اس حرام کرنے میں اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو[1] یعنی ایسا نہ کرو۔ یہ ایک قسم کی ناپسندبات ہے اَللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ خدا معاف کرنے والا ہے۔ اور تم جو بیویوں کے کہنے سے قسم کھا بیٹھے ہو تو قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ تو اللہ نے تمہارے لیے ایسی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا۔ ضرور توڑ دو کس لیے کہ اَللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ اللہ تمہارا رفیق وکارساز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں تمہیں دقت اور تنگی پیش آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایک مباح چیز امت میں حرام سمجھی جائے گی اور یہ اصول شریعتِ محمدیہ کے برخلاف ہے۔ اللہ علیم وحکیم ہے۔ کسی چیز کو حرام وممنوع قرار دینا اس کے عواقب امور پر نظر کر کے اسی کا کام ہے۔ پھر جس کو وہ حرام نہ بنا دے تم نہ بناؤ۔ رہبانیت جس کو اسلام نے رد کر دیا اس میں بھی یہی بات تھی کہ نفس کو تکلیف دینے کے لیے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا اسی طرح ہنود وغیرہ قوموں کے درویش کیا کرتے تھے۔ کوئی دودھ نہیں پیتا، کوئی میٹھا نہیں کھاتا، کوئی نکاح نہیں کرتا۔ کوئی ایک قسم کی چیز جو بے مزہ ہو اور ایک قسم کا کپڑا جو بے قدر ہو پہننا شروع کر دیتا ہے اور اس کو تقرب الی اللہ اور سعادتِ آخرت کا عمدہ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعتِ مصطفویہ نے ان باتوں کو بے اصل قرار دے کر سچے اصولِ سعادت بیان کر دیے۔ وہ اخلاق وعقائد کی درستی کے بعد اللہ کی عبادت و مراقبہ وفکر وذکر اور مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا۔ فقراءِ اہل اسلام میں جو ریاضت ہے وہ اور معنوں پر مبنی ہے۔ وہ ان چیزوں کو حرام اور ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ مباح امور میں نفسِ بد کی خواہش روکنے کی مشاقی کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے یا ان کے خوشنود کرنے کو کون سی چیز اپنے اوپر ممنوع کر دی تھی اور اس کے لیے قسم کھا بیٹھے تھے اور پھر قسم توڑی کیا تھی؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرمِ محترم کی بابت اشارہ ہے۔ پھر کسی نے کہا وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ابراہیم کی والدہ ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان سے (جبکہ وہ اپنے والدِ ماجد کے ہاں گئی ہوئی تھیں) اختلاط کیا اور دونوں کو آ کر حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرہ میں دیکھا اور دیکھ کر رنج کے آثار ان کے چہرے سے ہویدا ہوئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشی کے لیے یہ فرما دیا کہ میں اب سے ماریہ کے پاس ہی نہیں جاؤں گا۔ اس بات کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا جو

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے سے حرام کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیِ مبارک کے خلاف تھا۔ الہام سے آنحضرت کو یہ خبر دی گئی کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بات حفصہ رضی اللہ عنہا کی بتلائی ہوئی کہہ دی اور کچھ اور جو اس نے اپنی طرف سے کہی تھی اس سے سکوت کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا (کس لیے کہ اس مخفی بات کو یا عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں یا حفصہ رضی اللہ عنہا) آپ نے فرمایا اللہ نے جو علیم وخبیر ہے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ ماریہ آپ کی حرم ہیں کس لیے ان کی خوشی سے آپ اس کو اپنے اوپر ممنوع کرتے ہیں قسم توڑ دیجئے۔ آپ نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کر دیا۔ اس بات کو نسائی وحاکم وابن مردویہ وبزار وطبرانی و ابن سعد وابن المنذر وہیثم بن کلیب نے اپنی مسند میں وضیاء مقدسی نے مختار میں نقل کیا ہے مگر کسی نے کوئی جملہ زیادہ کیا ہے کسی نے کم اور پھر کسی کی سند ضعیف ہے کسی کی صحیح۔ لیکن امورِ خارجیہ پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کس لیے کہ ماریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں جن کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ صرف حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا ان سے اختلاط کرنا نہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کوئی بری بات تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بے قصور کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص تھے۔

دوسری روایت جس کو بخاری ومسلم وغیرہما جلیل القدر محدثوں نے نقل کیا ہے اس آیت کی شانِ نزول میں یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد آیا ہوا تھا۔ آپ کو شہد سے رغبت تھی یا آپ صحتِ جسمانی کے لیے مفید سمجھے ہوئے تھے۔ ہر صبح آپ زینب کے گھر جاتے اور شہد نوش فرماتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ آخر وہ بھی بیوی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے بھی ہوں گے، یہ بات حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو باہم محبت رکھتی تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے مقابلے پر تلی ہوئی تھیں بری معلوم ہوئی اور یہ طبعی بات ہے۔ دونوں نے شہد چھڑانے کے لیے باہم کوئی تدبیر نکالی۔ کہیں ایک نے کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ آپ کو بو سے نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بدبودار چیز نہیں کھائی صرف زینب کے ہاں شہد ضرور کھایا۔ آئندہ نہیں کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کس۔ لیے کہ عورتوں کی باہم رقابت معمولی بات ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ خصوصیت ہر روز شاق گزری۔ شہد میں کیکر وغیرہ پتوں کی اکثر خوشبو یا بدبو بھی ہوا کرتی تھی اس میں بھی ہوگی۔ پھر ایک نے نفرت دلانے کے لیے اس بات کو بڑھا کر اور زور دے کر کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہوگا اور رنجیدگی بھی ظاہر کی ہوگی اور آپ نے اس کی تسلی بھی کی ہوگی۔ بیویوں کی دلجوئی معمولی بات ہے۔ آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر شہد کھانے کو اپنے اوپر ممنوع کیا اور قسم بھی کھائی ہوگی۔ پھر ایک نے دوسری سے خوب اظہارِ مسرت کیا ہوگا کہ لو داؤ چل گیا۔ یہ بات خدائے پاک کے نزدیک اچھی نہ معلوم ہوئی اور شانِ اولوالعزمی کے مخالف بھی ہے اس لیے آپ کو تنبیہ ہوئی اور قسم کے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اب مطلب آیات کا صاف ظاہر ہو گیا اور کوئی قبح بھی پیدا نہیں ہوا۔

پھر آگے اس معاملہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا۔ اور جب نبی نے اپنی کسی ایک بیوی سے مخفی بات کہی۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں وہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہے اور مخفی بات شہد یا ماریہ رضی اللہ عنہا کے حرام کرنے کی تھی اور اپنے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر یہ تحقیق کرنا کہ وہ مخفی بات کیا تھی مشکل امر ہے۔ کس لیے کہ نہ اس کو اللہ نے ظاہر کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو پھر کس طرح یقین ہوا کہ یہی بات تھی لیکن قرینہ کہتا ہے کہ اسی قسم کی بات ہوگی کہ جو شوہر اپنی بیوی سے اس کی محبت اور دوسری پر فوقیت کے بارے میں کہا کرتا ہے۔ فلما نبات بہ۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا۔ کس سے کہا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا سے وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ اور خدا نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیا۔ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار کیا کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے اور کسی قدر سے اعراض وسکوت کیا۔ وہ کہنی مناسب نہ جانی ہوگی۔ بہت سی باتیں خاوند ایک بیوی سے کہہ دیتا ہے جو دوسری سے کہنی مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

کی بات تھی جس سے مصلحت جان کر سکوت کیا۔ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو تعجب سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا آپ سے کس نے کہا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ کہا۔ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے علیم خبیر نے بتادیا۔ قصہ تمام ہوا۔ اب حفصہ رضی اللہ عنہا[1] و عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کو اس کمینی کرنے پر متنبہ کرتا ہے۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو بہتر کس لیے کہ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا[2] تمہارے دل تو ضرور مائل تھے کہ آپ زینب رضی اللہ عنہا سے یہ خصوصیت ترک کردیں، شہد نہ کھائیں یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو ترک کردیں۔ خبردار ایسے رشک ورقابت سے باز آؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی نہ کرو۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا اور اگر چڑھائی کروگی فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ تو اللہ اس کا رفیق وچارہ گر ہے۔ وجبریل اور عالم ملکوت میں جبرئیل بھی چارہ گر ہے الہامات میں مؤید ہے اور ناسوت میں صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ نیک بندے ایماندار مددگار ہیں۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور اس کے سوا ہر وقت ہر جگہ فرشتوں کا باڈی گارڈ یا حفاظتی لشکر آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ کے یہی معنی ہیں۔

فائدہ: حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کرلینا جیسا کہ آیت میں لم تحرم ما احل اللہ لك ہے امام ابوحنیفہ وغیرفقہا کبار رحمہم اللہ کے نزدیک یمین ہے کس لیے کہ بعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم۔ کہ اللہ نے یمین کا کھولنا فرض کیا ہے اور یمین کا کھولنا کفارہ دینا ہے۔ اگر گناہ کی بات پر قسم کھالے یا خواہ مخواہ کسی مباح اور حلال چیز پر قسم کھا بیٹھے کہ ایسا نہ کروں گا تو کفارہ دے کر اس قسم سے الگ ہوجانا چاہیے۔ فرض اللہ لفظ بتا رہا ہے کہ ضرور اس قسم سے دور ہونا چاہیے۔ کفارۂ یمین غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو اس قدر کپڑا دینا کہ نماز پڑھ سکیں اور زیادہ دے تو توفیق ہے یا دس مسکینوں کو کھانا پیٹ بھر کر کھلانا۔ اور مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔ یہ محلِ یمین ہے۔ بعض کہتے ہیں یمین میں انشاء اللہ کہہ دینا بھی منحل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مباح کا حرام کر لینا یمین نہیں لیکن کفارہ دینا خاص اس صورت میں ہوگا کہ جب اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے گا۔ آیت میں یہی بات تھی۔ اور اگر شہد کا معاملہ تھا تو آپ نے بعد میں اس پر حلف بھی کیا تھا اس لیے اس کو یمین قرار دیا گیا نہ محض اس لیے کہ مباح کو حرام کرلیا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن کثیر) حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا کس لیے کہ آپ مغفور تھے۔ کفارہ اور یمین میں جو آئمہ رحمہم اللہ کے اقوال ہیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵

[1] بعض شیعہ یہاں سے حفصہ وعائشہ رضی اللہ عنہما پر الزام لگاتے ہیں مگر یہ غلط خیال ہے کہ کس لیے کہ میاں بیوی میں ایسی باتیں طبعی ہیں۔ کیا حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات نے علی و فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ملائکہ میں ملا دیا بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بھی فوقیت دے دی۔ دیکھو اس سورہ میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تحریم ما احل اللہ پر کیسی تنبیہ کر رہا ہے پھر کیا اس سے ان کی شان میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] فقد صغت قلوبکما کے معنی مفسرین نے یہ لکھے ہیں صحیح بخاری میں ہے صغوت واصغیت ملت تصغی التمیل صراح میں ہے صغو میل کردن اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں یعنی تمہارے دل مائل ہوگئے ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ حق سے مائل ہوگئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں باہمی سازش کی طرف مائل ہوگئے ہیں اور یہی ٹھیک ہے مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے ایمان یا دین میں خلل ہو۔ ۱۲ منہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶

اگر نبی تم کو طلاق دے دیں تو بہت جلد ان کا رب انہیں اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ فرمانبرداریں، ایماندار یں، دعا کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار یں، گھر برتی ہوئیں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچائے رکھو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت تند خو فرشتے معین ہیں۔ جس کام کا اللہ ان کو حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

ترکیب: عسیٰ من افعال المقاربة ربه فاعلها ان یبدله الخ الجملة خبرها ان طلقکن شرط وقع بین فاعل عسیٰ وخبرها وعسیٰ مع اسمها وخبرها جواب الشرط۔ یبدل بالتخفیف التشدید ازواجاً منصوب لکونه مفعول یبدل خیرا وکذا مسلمات ومابعدها صفات لازواجا واهلیکم عطف علی انفسکم وکلاهما مفعول اول لقوا نارا مفعول ثان وقودها الناس الجملة صفة لنار وکذا علیها ملائکة۔ لایعصون الله الجملة صفة الملائکة تاما امرهم ماموصولة والعائد محذوف ای لایعصون اللہ الذی امرهم به اومصدریة ای لایعصون اللہ امره علی ان یکون ما امرهم بدل اشتمال من اللہ ویفعلون مایؤمرون به الجملة صفة ثانیة للملائکة۔

تفسیر: اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو ڈراتا جاتا ہے فقال عسیٰ ربه الخ کہ تم کسی اور خیال میں نہ رہنا۔ اگر نبی علیہ السلام نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ تم سے بہتر اور عورتیں اس کو دے دے گا جو مسلمات حضرت کی دل سے مطیع ہوں گی یا ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ مؤمنات دل میں بھی ایمان ہوگا یعنی ظاہر و باطن ایماندار دیندار ہوں گی۔ قانتات عبادت کرنے والیاں قنوت کے معنی طاعت ہیں۔ اس سے مراد تہجد گزاریں، پنجگانہ نماز پڑھنے والیاں، دعائیں مانگنے والیاں، یعنی صرف ایمان واسلام پر ہی بس نہیں بلکہ اس کے بعد عملی حصہ میں بھی بڑا حصہ پانے والیاں ہوں گی۔ ایمان واسلام کے بعد اگر طاعت وعبادت نہیں تو ایمان میں رونق نہیں اور اپنی طاعت پر فخر کرنے والیاں اور بشریت سے جو قصد ہوا اس پر ہٹ اور ضد کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ تائبات توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ توبہ کے معنی رجوع کے ہیں گنہگار گناہ سے توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں اور ابرار ذرا دیر کی حق سبحانہ سے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے اعلیٰ ترین مقاماتِ قرب کو طے کر کے ان سے توبہ کر کے اس سے بلند زینہ پر پاؤں دھرتے ہیں۔ ہر انسان بالخصوص عورت میں یہ نہایت عمدہ وصف ہے کہ وہ اپنے قصور پر نادم ہو ہٹ دھرم اور اڑیل سے امید نہیں کہ وہ اس بدبات سے باز آئے۔ عابدات یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ نماز ودعا کی عبادت پر بس نہیں بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں ہوں گی۔ صدقہ وخیرات، حج وزکوٰۃ، خدمتِ شوہر وپرورشِ اولاد، عزت ومال کی حفاظت، صلہ رحمی خاوند سے ادب وخوش خلقی اور اس کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ ہمدردی سب عورت کی عبادت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں تذلل یعنی پستی اور جھکنا خداوند تعالیٰ کے آگے اور اس کے بعد اپنے دنیاوی آقا کے آگے جھکنا عبادت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نرم اور خوش خلق بھی ہوں گی۔ بعض عورتیں نیک بخت، نمازی، پرہیزگاریں تو ہوتی ہیں مگر سخت بدمزاج سرکش شوخ بھی ہوتی ہیں۔ یہ وصف خاوند کے حق میں زہر اور معاشرت کے لیے قہر ہے اور وہ اس سے بھی مبرا ہوں گی۔ سائحات یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی بنظرِ سیاحت مفسروں نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں روزہ رکھنے والیاں۔ روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس کے میدان کو طے کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کو بھی سائح اور عورت کو سائحہ کہتے ہیں۔ زید بن اسلم اور حسن بصری رحمہما اللہ فرماتے

ہیں اس کے معنی ہیں ہجرت کرنے والیاں کس لیے کہ ہجرت یعنی وطن چھوڑ کر خاص اللہ کے لیے مدینے میں عورتیں آئی تھیں یہ ان کی سیر تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مدینے میں ہم سے زیادہ بہتر اور ہم کون جو ہماری جگہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ زوجیت میں داخل ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ باہر سے ہجرت کر کے آجائیں۔ خدا کے ملک میں کیا کمی ہے۔ ہم کہتے ہیں معنی کو عام رکھنا بہتر ہے تخصیص کی حاجت کیا ہے۔ اب اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف زمین اور پہاڑوں کے میدان کی ہی سیر کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ دنیا اور اس کے تجملاتِ فانیہ کے میدانوں کی بھی سیر کرنے والیاں ہوں گی۔ ان کی نگاہوں میں یہ دنیا اور اس کی آسائش ہیچ ہوگی۔ ہر حوادثِ دہر اور انقلابِ جسمانی سے وہ سبق اور عبرت لینے والیاں ہوں گی اور اس کے بعد صحبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سیرِ آفاق وانفس بھی نصیب ہوگی۔ وہ امکان ووجود کے منازل طے کر کے بارگاہِ قدس میں پہنچنے والیاں ہوں گی۔ ثیبات وابکارا۔ ان میں سے کچھ خاوند برتے ہوئیں اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ثیب وہ مرد جو رنڈوا ہوا اور وہ عورت جو خاوند کر چکی ہو عام ہے کہ پھر خاوند نے طلاق دے دی ہو یا وہ مر گیا ہو۔ ابکار بکر کی جمع جس سے مراد کنواری۔ یہ بیان امرِ واقعہ کے لحاظ سے ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بیوہ اور کنواری بھی تھیں ان کے جواب میں یہ کلام صادر ہوا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح حظِ نفسانی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اشاعتِ دین کے لیے یہ جماعت زمرۂ ازواجِ مطہرات میں داخل کی گئی اور شرفِ زوجیت عطا کیا گیا۔ ان صفات میں عجب لحاظ رکھ کر تقدیم وتاخیر کی گئی ہے۔ اول اجمالی طور پر خیراً منکن فرمایا گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر تھیں۔ پھر ان سے بہتر اور کون عورتیں ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول میں ان طلقکن فرما دیا ہے۔ طلاق کے بعد جب شرفِ زوجیت جاتا رہا تو پھر ان سے وہی عورتیں بہتر ہو سکتی ہیں جو آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

فائدہ: ان طلقکن شرطیہ کلام ہے اس کے لیے تحقق شرط نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ اجمال کے بعد ازواج کے اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ اوصاف تین قسم پر ہیں۔ اول۔ ایمان واسلام جو تمام حسنات کی اصل ہے ایمان کے ساتھ اسلام کا لفظ ظاہری وباطنی دینداری کے لیے آیا۔ قسم دوم۔ اعمالِ حسنہ ان کو چار صنفوں میں محصور کیا۔ قانتات تائبات عابدات سائحات۔ ان میں خدا تعالیٰ کی بندگی بھی آگئی اور خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قسم سوم۔ ان کی جسمانی خوبی اور حسنِ ظاہری اس کے لیے یہ دو لفظ کافی تھے۔ ثیبات وابکارا کنواری کی خوبی اور اس پر رغبت تو عام طبائع کا بھی فعل ہے مگر بہت سی بیوائیں مطلقہ اپنے ذاتی کمالات اور حسن وخوبی کی وجہ سے کنواریوں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں ان کا امورِ خانہ داری میں تجربہ اپنے ناز وادا سے درگزر کر کے مرد کی ناز برداری واطاعت اور پھر ہم عمری عجیب لطف دیتی ہے۔

ازواجِ مطہرات پر تنبیہ تھی اس کے ضمن میں مردوں کو بھی نصیحت دینا لازمی تھا کس لیے کہ عورتوں کی محبت ورغبت میں اور شہوت کی آگ میں مرد دیوانہ ہو کر اصولِ حسنات سے غافل ہو جاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کرتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ کہ اے ایماندارو! (صرف ایمان پر تکیہ کر کے نہ بیٹھو) بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر پیاری بیوی اور مرغوب اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ایسے کام نہ خود کرو نہ ان کو کرنے دو جس سے جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور فرائض وواجبات کی تاکید کرو۔ صرف آپ دیندار پرہیزگار ہونا کافی نہیں زن وفرزند کی تعلیم وتدبیر کرنی چاہیے۔ حقِ محبت بھی یہی ہے کیونکہ آپ جنت میں گیا یہ دوزخ میں گئے تو جدائی میں کیا لطف؟ احادیثِ صحیحہ میں بڑی تاکید ہے کہ اپنے گھر والوں کو بری باتوں سے روکو، فرائض وواجبات پر مامور کرو۔ پھر وہ آگ بھی کیسی آگ ہے؟ (۱) وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں یعنی معمولی آگ نہیں بلکہ سخت اور تیز جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں یا یوں کہو بت پرست اور گنہگار اور ان کے جھوٹے معبود جو پتھر تھے سب جہنم میں جائیں گے کسی کے کام نہ آئیں گے۔ (۲) عَلَيْهَا

مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں سخت بدمزاج، سخت دل یا بڑے قدآور طاقت والے جن پر کوئی مجرم زور سے غالب نہیں آسکتا نہ وہ کسی پر رحم ومہر کرتے ہیں۔ (۳) لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ۔ خدا کے حکم میں وہ ذرا بھی قصور کرنے والے نہیں نہ رشوت لیں نہ سفارش مانیں نہ کسی کی سنیں۔ (۴) وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ عصیاں عیب تھا اس لیے اس کی اول نفی کی پھر طاعت کی خوبی ثابت کی۔ اس میں مشرکینِ عرب کے خیالاتِ باطلہ کا ابطال ہے۔ وہ کہتے تھے فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ہم ان کو پوجتے ہیں ہم پر ضرور رحم کریں گے اور ہمارے بت ہم کو آگ سے بچالیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ ع ۹
عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے کافرو! (جہنم میں کہا جائے گا) تم آج باتیں نہ بناؤ۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ مسلمانو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے آگے آگے ان کا نور (ایمان) اور دائیں طرف دوڑتا چلے گا کہتے جائیں گے کہ اے رب! ہمارے لیے ہماری روشنی پوری کیجیو اور ہم کو بخش دے تو بے شک ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: اليوم منصوب به لاتعتذروا النصوحا بفتح النون ويقرء بضمها على الاول مصدر يقال نصح نصاحة ونصوحا وقيل هو اسم فاعل اى ناصحة والاسناد مجازى وعلى الثانى هو مصدر لا غير مثل القعود ثم اعرابه على الوجهين النصب على الوصف للتوبة اى توبة بالغة فى النصح ويدخلكم منصوب على انه معطوف على يكفر منصوب بناصبه وقرئ بالجزم عطفا على محل عسى كانه قال توبوا يوجب تكفير سيئاتكم ويدخلكم يوم منصوب بيدخلكم اوباذكروا الذين آمنوا معه معطوف على النبى وقيل مبتداء وخبره قوله نورهم على الاول الجملة (نورهم الخ) حالية اومستانفة لبيان حالهم۔ يقولون خبر ثان اوحال۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے کلامِ سابق کا کہ ملائکہ اس روز عذاب کریں گے اور سخت وتند ہوں گے ان کے عذاب پر کفار معذرت کریں گے۔ ان کے جواب میں کہا جائے گا (ملائکہ کہیں گے) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کہ اے منکرو! آج عذر نہ کرو، باتیں نہ بناؤ کس لیے کہ آج معذرت کا دن نہیں (معذرت توبہ ہے) اس کا موقع دنیا میں تھا سو گزر گیا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے کس لیے کہ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی تمہارے اعمالِ بد کی سزا ہے جو بویا تھا اس کو کاٹ رہے ہو۔ دنیا میں اعمالِ بد کی برائی چنداں ظاہر نہ تھی اب حجاب کھل گیا۔ وہ برائی آنکھوں کے سامنے آگئی۔

توبۂ نصوح: اس لیے ایمانداروں سے شفقت کی راہ سے فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ کہ اے ایمان والو! دنیا میں توبہ کا وقت ہے بشریت سے جو کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرو توبہ بھی کیسی توبہ نصوح یعنی خالص سچے دل سے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ اس گناہ کو برا اور مکروہ جاننے لگے جس کو مرغوب جان کر کیا تھا اور جب یاد کرے تو استغفار کرے۔ کلبی کہتے ہیں توبۂ نصوح دل میں ندامت، زبان سے استغفار اور اس کام سے باز رہنا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توبہ مقبولہ کا نام توبہ نصوح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا برے کام سے باز آنا اور پھر اس کو نہ کرنا۔ امام احمد و ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبہ گناہ سے یہ ہے کہ پھر نہ کرے۔

اس کے بعد توبہ کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کہ امید ہے اللہ تمہارے گناہ تم سے مٹا ڈالے ان کو محو کر دے، توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ اور پہلی کتابیں بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ابطالِ کفارۂ مسیح کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ جملے میں صاف تصریح ہے کہ ''اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوں پر برف کی مانند سفید ہو جائیں گے''۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توبہ کا حکم دیا اور تاکید فرمائی۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ انجیل متی باب چہارم جملہ ۱۷ ''اگر توبہ سے گناہوں کے معاف ہونے کی امید نہ تھی تو پھر اس کا فائدہ کیا تھا''؟ مگر بعد میں پولوس اور اس کی امت نے ایک عجب مسئلہ گھڑا کہ توبہ سے گناہ نہیں معاف ہوتے معافی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سب کے گناہ اپنے اوپر اٹھائے اور پھانسی پائی اور ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے۔ اب سب کے گناہ جو مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے معاف ہیں اس کو کسی عملِ خیر کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اعمالِ حسنہ لعنت کا باعث ہیں۔ اس کو یہ کفارہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا برا اعتقاد ہے؟ کیا ایسا شخص سفا کی بدذاتی، حرام کاری میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا۔ پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے آنے کا فائدہ کیا ہوا؟

توبہ کے بعد حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ توبہ فرض ہے دیر نہ کرے موت کا پتا نہیں کہ کب آ جائے۔ پھر دوسرا نتیجہ توبہ کا ظاہر کرتا ہے وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور تم کو ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بہشت عالمِ قدس ہے اس میں جانے سے انسان کی کثافت ہی مانع ہے جو توبہ کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ یہ کس روز يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ اس میں تعریض ہے کہ نبی اور اس پر ایمان والوں کے سوا اور لوگ رسوا ہوں گے۔ یہ جو آج تمہارے خیالی معبود اور گمراہ کنندہ بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں کہ قیامت میں ہمارا جھنڈا ہوگا اور خیمہ ہوگا ہم اپنے ماننے والوں کو اس کے تلے لے کر عذاب سے بچا لیں گے۔ یہ غلط بات ہے وہ خود رسوا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے مرید بھی۔ قیامت کو ظلمت ہوگی اور کسی کے پاس کوئی روشنی نہ ہوگی مگر نبی اور اس کے متبعین کے پاس۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ ان کی روشنی (جو ایمان اور توبہ اور عملِ خیر کی روشنی ہوگی) ان کے آگے آگے اور دائیں طرف سے دوڑتی ہوئی چلے گی اور اس ظلمانی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ آگے اور دائیں کی قید سے یہ مراد نہیں کہ اور طرف روشنی نہ ہوگی بلکہ ہر طرف مگر یہ دو جہت عمدہ ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اس کی کیفیت سورۂ حدید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ریاکاروں، منافقوں کی روشنی اس روز چمک کر گل ہو گئی تو دعا کریں گے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَآ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ کہ اے ہمارے رب! ہماری روشنی پوری کیجئے۔ رستہ میں گل نہ ہونے پائے اور ہم کو بخش دے تو ہر بات پر قادر ہے۔

یہ ہیں توبہ کے نتائج جس کی طرف ایمانداروں کو منکروں کی اندوہناک حالت بیان فرما کر ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیامت کو اندھیرا ہونا اور ایمان کی روشنی میں اس سے رستہ طے کرنا اور جنت میں جانا اور وہاں حیاتِ ابدی اور ہمیشہ کی شادمانی حاصل کرنا ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس کو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرو اور برگزیدہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ انسان کو عدم سے ہستی میں لایا ہے اور عدم ایک ظلمانی عالم ہے۔ اس کے صفاتِ کاملہ جو اس کو پروردگار کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ اس کا جمیع معاملات میں نور ہیں جو اس کو تمام ظلمانی اور پرتاریک وادیوں میں سے نکال کر راہِ مقصود پر چلانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کا عمدہ ذریعے ہیں۔ دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد عالمِ قبر میں بھی اور حشر میں بھی اور ایماندار کو لازم ہے کہ ہر دم یہی دعا کرے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَآ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ خدا نہ کرے کہ یہ نور کسی کا بجھ جائے اور وہ اندھیریوں میں ہاتھ پاؤں مارتا پھرے اور فسق و فجور کے خطرناک گڑھوں میں جا گرے اور شاہدِ مقصود رب العزت تک نہ پہنچے۔ الٰہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں قبول کر آمین۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ
وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا
فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ
اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ
رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲ ع

وقف لازم

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لیے ایک مثال بیان فرماتا ہے نوح اور لوط کی بیوی کی۔ وہ ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں پھر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ سو وہ اللہ کی مار سے بچانے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دونوں کو اور جہنمیوں کے ساتھ دوزخ میں ڈال دو اور اللہ ایمانداروں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے بچا یو اور مجھے ظالموں سے رہائی دیجو۔ اور مریم عمران کی بیٹی (کی بھی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔

ترکیب: امرات نوح معطوف علیہ وامرات لوط معطوف وکلاھما مفعول اول لضرب مثلاً مفعول ثان وانما اخر المفعول الاول لیتصل

به ماهو تفسیر له وایضاح لمعناه۔ ویمکن ان یکون امرات نوح ومابعد هابدلا عن مثلا اوبیان له کانتا هذه جملة مستانفة مفسرة لضرب المثل امرات فرعون مراغرابها اذظرف لمثلا اونضرب عندك حال من ضمیر المتکلم اومن بیتا لتقد مه علیه فی الجنة بدل اوعطف بیان لقوله عندك اومتعلق بقوله ابن۔ ومریم ای اذکر مریم اومثل مریم من القانتین من للتبعیض ویجوز ان یکون لابتداء الغایة۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا کہ اے ایماندارو توبہ خالص کرو تا کہ تمہارا عاقبت میں بھلا ہو اور منافقوں کی بھی اصلاح مقصود تھی جس کا ذریعہ کفر و بدکاریوں سے توبہ واستغفار ہے مگر یہ بھی انسانی خاصہ ہے کہ وہ بدی سے کبھی محض وعظ ونصیحت سے باز نہیں آتا۔ وہاں مشفق اور دردمند ناصح کو بشرطِ قدرت یہ بھی کرنا ضرور ہے کہ اس کو دھمکا کر ڈرا کر اس بدی سے روکے۔ جب نادان شخص ہمارے سامنے سنکھیا ہاتھ میں لے کر کھانے کو تیار ہے اور ہماری نصیحت سے باز نہیں آتا پھر ہماری دردمندی کا یہ مقتضی نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں اور اسے مرتے دیکھیں بلکہ دھمکا کر مار کر ہاتھ سے چھین لیں اس لیے خدا تعالیٰ اپنے نبی رحیم وکریم کو ان نادانوں کی بابت حکم دیتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ کہ اے نبی ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ (۲) اور ان پر سختی کر۔ جہاد۔ عام لفظ ہے اس میں زبانی نصیحت اور دلیل و حجت سے الزام قائم کرنا بھی شامل ہے اور جو مخالف شمشیر بکف ہو کر مقابلہ میں کھڑا ہو تو وہاں اس کے لیے تلوار سے بھی کام لینے کو شامل ہے۔ اور سختی کرنے سے گالیاں دینا سخت کلامی یا بدمزاجی کرنا مراد نہیں کیونکہ یہ باتیں شانِ مصطفویہ واخلاقِ محمدیہ سے بہت دور ہیں اور اس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلتا بلکہ الطاف وعنایت کے حصے سے محروم کرنا اور بے توجہی اور عدمِ التفاتی کے چابک لگانا اس کا بڑا اثر پہنچتا ہے۔ جہادِ کفار کے لیے۔ واغلظ منافقوں کے لیے۔ منافقوں سے جہاد نہیں کیا گیا کس لیے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے اور جو اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

کفار ومنافقین میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبول صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرابت پر نازاں تھے اور اس قرابت اور ظاہری اختلاط کو نجات کے لیے کافی جانتے ہوں یا یوں کہو ایمانداروں کو توبہ خالص کا حکم دیا تھا مگر ممکن تھا کہ بعض ایماندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہی کو بس سمجھ کر عملِ صالح سے سست وارتکابِ منہیات میں دلیر ہو بیٹھیں اس لیے ان کے لیے خدا تعالیٰ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ فقال ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحَیْنِ۔ کہ وہ باوجودیکہ ہمارے دو نیک بندوں کے نیچے تھیں۔ یعنی حکم اور زوجیت میں تھیں اور یہ ایک بڑی قرابت ہے جس میں اندرونی وبیرونی کوئی پردہ بھی نہیں رہ جاتا۔ خاوند بیوی میں جو کچھ اتحاد ہوتا ہے اور جہاں تک اس کی رسائی ہوتی ہے کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری بات ہے مگر جبکہ فَخَانَتَاهُمَا۔ ان کی خیانت کی۔ یہ مراد نہیں کہ زنا کاری کی (کس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا) بلکہ اطاعت وانقیادِ ایمانی ودینی کا حق ادا نہیں کیا جس کو خیانت سے تعبیر کرنا ایک عمدہ استعارہ ہے۔ فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا۔ پھر وہ نیک بندے نوح اور لوط علیہما السلام اپنی بیویوں کے کچھ کام خدا کے مقابلے میں نہ آئے۔ عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔ دنیا میں نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی، لوط علیہ السلام کی بیوی نمک کا کھمبا ہو گئی یعنی اس پر بھی وہی آفت آئی جو اس قوم پر آئی سب ہلاک ہوئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا، آخرت میں حکم ہوا۔ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ کہ اور جہنمیوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ آگ میں ڈال دی گئیں۔

فائدہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی مرنے کے بعد جہنم اور جنت ہے اور یہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔

فائدہ: اس میں ایک لطیف سا اشارہ حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ہے کہ تم دونوں نے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مشورہ کیا تھا ڈرو اور نوح اور لوط کی بیویوں کا حال سن کر عبرت کرو۔ اس کے بعد ان دونوں نیک بیویوں نے کبھی رشک ورقابت میں آکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دمِ آخر تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر تھا کہ روحِ اطہر نے پرواز کیا۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ ابداً۔

فائدہ: اولادِ اولیاءِ کرام و بزرگانِ دین وحضراتِ ساداتِ عظام کو بھی تنبیہ ہے کہ قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اے فاطمہ اس بات پر تکیہ نہ کرنا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی ہوں خدا کے معاملہ میں میں کام نہ آؤں گا نیک کام کر۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں ایمانداروں کے لیے دو نیک بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو دنیاداروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے باز نہ آئیں بعض مسلمان مرد یا عورتیں کفار کے پنجہ میں تھے اور اس کو ایک عذر سمجھتے ہوں گے ان کے لیے یہ مثال ازحد نافع ہے اس لیے تخصیص فرماتا ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ کہ ایمانداروں کے لیے مثل بیان کرتا ہے کس کی مثال؟ امرات فرعون۔ فرعون کی بیوی کی۔

توریتِ موجودہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے نکال کر پرورش کرنا فرعون کی بیٹی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فرعونِ موجود کی بیوی اگلے فرعون کی بیٹی ہو۔ دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ بیگمات جو خاندانی اور بادشاہی نسل کی ہوتی ہیں ان کو شہزادی کہا کرتے ہیں اگرچہ وہ ایک شاہ کی بیوی بھی ہوتی ہیں۔ توریت میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور یہ دعا کرنا مذکور نہیں۔ مگر مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ گزرا نہیں۔ توریت مذکور میں سینکڑوں واقعات نہیں اور سینکڑوں واقعات میں مبالغہ اور غلطی بھی ہے جس کو اہلِ کتاب کی دیانت یا غفلت سمجھنا چاہیے۔

مؤرخینِ اسلام نے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے یہود نے تسلیم کر لیا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھی پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کھلم کھلا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر کمال غصہ آیا کہ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ کمبخت اس نیک بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا مگر وہ سب تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنے ایمان اور خداپرستی پر قائم تھی مگر جب ازحد مجبور ہو گئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔ کہ اے رب! مجھے دنیا سے اٹھا لے اور اپنے پاس بلا لے اور میرے لیے اس شاہی گھر کے بدلے اپنے پاس جنت میں گھر بنا کہ میں سدا وہاں رہا کروں۔ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ اور مجھے فرعون سے اور اس کے کام سے نجات اور خلاصی دے یعنی موت دے۔ فرعون کا کام کفر اور تکلیف دینا تھا۔ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور فرعون کیا تمام خاندان ہی ناپاک اور موذی ہے وہ بھی طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں ان سے بھی مجھے نجات دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ مگر روایات سے معلوم ہوا کہ قبول ہوئی اور خدا پاک نے اس کو خواب یا بیداری میں جنت کا گھر دکھا دیا اور اس کی روح پرواز کر کے وہاں چلی گئی۔

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ۔ اور مریم عمران کی بیٹی کا بھی حال بیان کرتا ہے اور اس کی بھی تمثیل دیتا ہے۔ مریم کون تھی؟ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) حرامی کہتے تھے۔ اس کی پاکدامنی کے سبب فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ فیہ کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے اور فرج کا اطلاق اس جگہ عضوِ مخصوص پر نہیں کس لیے کہ محاورۂ عرب میں کرتے اور اس کے دامن یا گریبان کو بھی فرج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں فیہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض قرأت میں فیہا مونث کی ضمیر ہے۔ اس کا مرجع نفسِ عیسیٰ علیہ السلام ہیں

کس لیے کہ نفس مؤنث ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھی رجوع ہوسکتی ہے کس لیے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے اندر روح پھونکی گئی تھی جس سے حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

مراد یہ کہ روح ڈال دی گئی چونکہ روح حیات کا باعث ہے وہ تمام جسم میں منتشر ہو جاتی ہے جس طرح کہ ہوا پھونکنے سے تمام ظرف میں منتشر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو نفخ سے تعبیر کیا جو ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ من روحنا کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ کی روح کا کوئی جز و مریم علیہا السلام کے پیٹ میں ڈال دیا گیا جس سبب سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں بلکہ روح کی نا ضمیر متکلم کی طرف اضافت تشریف و تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ خدا کا گھر ناقۃ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہتا اور کسی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے عزت دینے کے لیے کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا عام محاورہ ہے۔ بادشاہ عمدہ غلام یا عمدہ گھوڑے کو کہہ دیا کرتا ہے ہمارا غلام ہمارا گھوڑا۔

حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر باپ کے بیٹا جننے کی فرشتہ نے خبر بھی دی تھی اس نیک عورت نے اس کی تصدیق کی وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اپنے رب کی باتوں کو سچا جانا اور کتبہ اس کی فرستادہ کتابوں پر بھی ایمان لائی پہلی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور تھا۔ یہ اس کے ایمان کی کمال قوت ہے۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ اور وہ عبادت کرنے والیوں میں سے تھی۔ بیت المقدس میں جو جماعت مردوں کی شب و روز عبادت میں رہتی تھی۔ مریم علیہا السلام بھی ان میں سے تھی یا یہ کہ گو عورت تھی مگر مردانہ تھی اس لیے قانتین فرمایا نہ قانتات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں افضل مریم آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ احمد والطبرانی والحاکم) صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ فرعون کی بیوی و مریم عمران کی بیٹی و خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ[1] کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید[2] کی سب کھانوں پر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ
الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ
هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ
خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

۱ ان چار عورتوں کی مثال میں بہت فوائد ہیں۔ از انجملہ یہ کہ کسی کی نیکی بد کو فائدہ نہیں دیتی اور بد کی بدی نیک کو مضرت نہیں پہنچاتی۔ از انجملہ یہ کہ نیکوں کی صحبت کبھی بدوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ از انجملہ یہ کہ عورت کی عصمت و عفت نیک نتائج پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے ہوا از انجملہ یہ کہ حق سبحانہ کی طرف تضرع اور رجوع کرنا سینکڑوں مصائب سے نجات دیتا ہے اور ہر حال میں حضرت ازلیہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (از کبیر) ۱۲ منہ

۲ ثرید روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو کر عرب کھاتے ہیں اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں سے مرغوب تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تشبیہ دی۔ ۱۲ منہ

بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں (دارین کی) سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی بنائی تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کس کے اچھے کام ہیں؟ اور وہ (بڑا) زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ جس نے کہ سات آسمان اوپر تلے بنا دیے (اے نظر کرنے والو!) رحمان کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی فرق نہ دیکھا تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ دیکھ (حاصل یہ) ہوگا کہ تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔

ترکیب: تبارك تفاعل من البركة وهي النماء والزيادة حسية كانت او عقلية وكثرة الخير ودوامه ايضا وصيغة التفاعل للمبالغة في فوق الملك مبتداء بيده خبر والجملة صلة الذي وهو فاعل تبارك وهو على كل شيء قدير الجملة معطوفة على الصلة مقررة لمضمونها ليبلوكم واللام متعلقة بخلق ايكم مبتداء احسن عملا خبره والجملة واقعة موقع المفعول ثانيا لفعل البلوى المتضمن معنى العلم الذي خلق سبع سموات قيل هو لغت للعزيز الغفور او بيان او بدل والاوجه انه نصب اورفع على المدح متعلق بالموصومين السابقين وان كان منقطعا عنهما اعرابا۔ طباقا صفة سبع سموات اى مطابقة على انه مصدر وصف به المفعول او مصدر موكد لمحذوف هو صفتها اى طوبقت طباقا۔ اوذات طباق جمع طبق كجبل وجبال اوطبقة كرحبة ورحاب ماترىٰ صفة اخرى السبع سموات وقرئ تفوت ومضاهما واحد كرتين مصدراى رجعتين والمراد بالتثنية التكرير والتكثير كماني لبيك وسعديك ينقلب مجزوم لكونه جواب الامر خاسأ بعيدا عن اصابة المطلوب كانه طرد عنه طردا بالصفاء حال من البصر وهو حسير حال فعيل بمعنى فاعل من الحسر وهو الاعياء يقال حسر بصره تحسر حسورا اى كل وانقطع وبلغ الغاية في الاعياء۔

تفسیر: اس سورۃ کا نام سورۂ تبارک اور واقیہ اور منجیہ ہے۔ تبارک اس لیے کہ یہ لفظ اس کے اول میں ہے اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے والے کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ واقیہ اور منجیہ اس لیے اپنے پڑھنے والے کو ضلالت سے دنیا میں عذاب سے آخرت میں بچاتی اور نجات دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس آیت ہیں جنہوں نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ بخشا گیا۔ وہ تبارك الذي بيده الملك ہے (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ قائم کیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں ایک آدمی کو سنا کہ تبارك الذي پڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کو تمام کیا۔ تب اس صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سورہ مانعہ ہے یہ منجیہ اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ الم تنزیل و تبارك الذي بيده الملك تمام نہ کر لیتے تھے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)۔

رحمانیات ربانیات: یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ حاقہ و سورۂ معارج نازل ہوئی۔ مگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی لیکن کلام کا طرز کہے دیتا ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ سورہ رحمانیات سے ہے کہ بجائے اسم ذات کے اسم رحمٰن اس میں مستعمل ہے اور دیگر سورتیں کہ ان میں اسم رب کا استعمال ہے ان کو ربانیات کہتے ہیں۔

ربط: اس سورۃ کا اس سے پہلے سورۂ تحریم سے متعدد وجوہ سے ہے جو تامل کرنے سے واضح ہو سکتی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پہلی سورۃ میں آداب و شرائط مرد و عورت کے مذکور تھے کہ عورت کو مرد کی مخالفت نہ چاہیے اور مرد کو لازم ہے کہ اہل و عیال کو معاصی سے روکے اور ان سے لڑ کر یا ان کی رضامندی کے لیے حکم الٰہی میں کوتاہی نہ کرے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ۔ اس سورۃ میں لوازم و آداب خدائی مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی ریاست مذکور تھی یہاں تمام عالم کی جہانداری مسطور ہے۔ از انجملہ یہ کہ اس سورۃ میں مرد و عورت کی خانہ داری مذکور تھی اور یہ بھی کہ باوجودیکہ مرد گھر بناتا عورت کے لیے رزق و آسائش کا سامان کرتا ہے مگر پھر بھی وہ ذرا سی خلاف طبع بات پر بگڑ بیٹھتی ہے اور مرد کو اس کے فرائض منصبی ترک کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سورہ میں یہ بتلایا گیا کہ خدا تعالیٰ بادشاہ حقیقی ہے، موت و حیات کا مالک ہے، دنیا کا گھر

آسمان وزمین اسی نے بنائے۔اس گھر کو قندیلوں سے آراستہ کیا، رزق وروزی کے سامان پیدا کئے، دارِ آخرت کا رستہ بتانے والے ہادی بھیجے اور پھر ہر طرح سے اس کا قبضہ وقدرت ہے مگر اس کے بندے اس کی کیا کیا نافرمانی کرتے ہیں۔اس کی خدائی میں اوروں کو حصہ دار ٹھہراتے ہیں مگر وہ دنیا میں اس پر بھی کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا، درگزر کرتا ہے۔اس میں بالادستوں کو تعلیم ہے کہ زیردستوں پر رحم کیا کریں اور اپنے بالادست کی نافرمانی سے باز آئیں ورنہ ایک دوسرے جہان میں جہنم کے قیدخانہ میں سزا بھگتنی پڑے گی اور اس مخالفت ونافرمانی سے اس کی بادشاہت میں کوئی بھی قصور نہیں آتا۔ازانجملہ یہ کہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کی زیادہ توجہ ان چند مسائل کی طرف ہے۔

اول خدا تعالیٰ کی توحید وصفات کا مسئلہ۔

دوم دارِ آخرت کا مسئلہ کہ وہ ایک جہان ہے جہاں جا کر برے بھلے کاموں کی جزاء وسزا پانی ضرور ہے۔

سوم نبوت کا مسئلہ کہ اس نے دنیا میں بندوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً حضرات انبیاعلیہم السلام بھیجے ہیں۔

چہارم اصلاحِ معاش کا مسئلہ کہ دنیا میں ایسا کرنا چاہیے منجملہ ان کے حقوقِ زوجیت وخانہ داری کے طریقے بھی ہیں۔اور قرآن مجید میں کمال یہ ہے کہ ان مسائل کو مختلف عنوان اور نئے نئے اسلوب سے موٹی موٹی نظیروں اور عام محاوروں اور مشہور قصوں اور لوگوں کے مسلمہ واقعات اور ذہن میں بیٹھے ہوئے علوم وخیالات میں بیان کر جاتا ہے جس سے عالم وجاہل اپنے اپنے مذاق کے موافق لطف حاصل کرتے ہیں۔سورۂ تحریم میں ابتداء مسئلہ معاش کی تھی اور بعد میں اور مسائل بھی ضمناً بیان ہوئے تھے۔اس سورہ میں ابتداء مسئلہ مبدءِ حق سبحانہ کی ذات وصفات سے کی گئی اور اس کے بعد اور مسائل بھی بیان کئے گئے اور معاد کے مسئلہ کا بھی ثبوت کیا گیا تا کہ اس بادشاہِ حقیقی سے ڈر کر ہر کوئی مسئلہ معاش کے قوانین ودستورات کی پابندی کرے اور بھی وجوہ ہیں۔ فقال تبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔ بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں ملک ہے' برکت' خیرِ کثیر وافزائش ودوامِ مبارک جس میں یہ برکت ہو۔دنیا میں جس کے پاس مال واولاد زیادہ ہو اس کو کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت ہے اور جو یہ چیزیں جلد جاتی رہیں کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت نہ ہوئی۔اور ہر چیز اپنے موقع پر کام آئے اس میں بھی برکت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔فضول خرچی سے جو مال اڑ جائے کہتے ہیں برکت نہ ہوئی یا بے موقع صرف ہو تب بھی کہتے ہیں برکت نہ ہوئی۔انہیں لحاظ سے علم کی برکت عمر کی برکت ہے خیر کثیر اور موقع پر استعمال اور مثمر بنتائج ہونا اور دوام یہ چار باتیں برکت کے معنی میں ملحوظ ہیں جو شخص اس جہان زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہو اور جس نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوق پیدا کی ہو اور پھر ہر ایک کی روزی رزق اور ان کے سامان عطا کرتا ہو اس سے زیادہ بابرکت کون ہے کہ اس قدر صرف پھر بھی اس کے ہاں کمی نہیں۔اس لیے لفظ تبارک فرمایا گیا جس کے معنی زیادہ برکت والا۔ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔ گویا تبارک کے دعویٰ پر ایک واضح دلیل ہے۔ملک۔عالمِ محسوسات آسمان وزمین' حجر وشجر' انسان واشجار واحجار یعنی عالم اجسام۔ملک جب اس کے ہاتھ یعنی قبضہ میں ہے تو اس کے بابرکت ہونے میں کلام ہے اور اس لیے تَبٰرَكَ الَّذِیْ یَا تَبٰرَكَ الرَّحْمٰنُ نہ فرمایا ورنہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا عالم ملک کو جب تصور کیا جائے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ اس کے فیضان وانعامات کے دریا رواں ہیں اور پھر ہر روز ترکیباتِ نادرہ واوضاعِ عجیبہ امکان سے فعلیت کے مرتبہ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کو بھی خیال کیا جائے تو بے اختیار دل کو اس کی طرف کشش پیدا ہو اور روح پکار اٹھے کہ تو ہی تو ہی تو ئی ہے تو ئی؟ عالم ملک کے لیے بلحاظ فیض رسانی لفظ تبارک مناسب ہے جیسا کہ عالمِ ملکوت کے لیے (جو نفسِ ناطقہ سے لے کر قلمِ اعلیٰ تک ہے یعنی عالمِ ارواح) باعتبار تنزیہ وتقدیس کے جو روحانی عالم کے لیے مناسب ہے لفظ تسبیح زیبا ہے۔چنانچہ سورۂ یٰسٓ کے اخیر میں فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ فرمایا۔وہاں تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ ملکوت کل شیء نہ کہا بیدہ الملك میں اس طرف وہم جا سکتا تھا کہ موجودہ عالمِ اجسام پر اس کی بادشاہی ہے اس سے بڑھ کر اور قدرت اس میں نہیں اس لیے ترقی دی گئی۔وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ کہ وہ ہر شے پر قادر

ہے۔ایسے ایسے اور سینکڑوں عالم پیدا کر سکتا ہے، اس عالم کو فنا کر سکتا ہے، اس میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے، جہاں تک تمہارے فہم کو بھی رسائی نہیں وہاں تک بلکہ اس سے بھی پرے تک اس کی قدرت کا جھنڈا قائم ہے۔

شے: شے کے لفظ میں علماء نے بہت کلام کیا ہے۔بعض کہتے ہیں لفظ کے لحاظ سے شے ممکن کو کہتے ہیں جس سے واجب اور ممتنع خارج ہیں اس لیے اس کو اپنی ذات پر قادر مان کر یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی صفات کو نیست کر سکتا ہے غلط خیال ہے۔کس لیے کہ وہ اور اس کے صفات واجب ہیں ممکن نہیں اور ممکن نہیں تو شے کا اطلاق بھی ان پر جائز نہیں۔اسی طرح محالاتِ عقلیہ بھی کہ اپنے جیسا دوسرا بھی پیدا کر سکتا ہے وغیرہ قدرت کے تحت میں نہیں اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس کی قدرت میں کوئی قصور نہیں۔بعض کہتے ہیں شے موجودہ کو کہتے ہیں جس میں ممکن اور واجب دونوں شریک ہیں نہ ممتنع۔پھر ان اصول پر علماءِ کلام نے بہت سی تفریعات قائم کی ہیں۔اس سے بڑھ کر اور کسی کی کیا قدرت ہوگی کہ عالمِ وجود (جس میں فلک وملکوت ہیں) اور عالمِ عدم دونوں اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔اس لیے فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ۔ کہ اس نے موت یعنی عالمِ عدم اور حیات یعنی عالمِ وجود بنایا۔یا یوں کہو اس نے اپنی برکت کا اظہار دو جملوں میں کیا۔ اوّل اَلَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ۔ جس سے تمام نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔دوسرا جملہ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ ہے۔اس میں عالمِ آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کے دن کی حیات گویا ایک جملہ میں اس جہان کی بادشاہت کا ثبوت تھا تو دوسرے میں اُس جہانِ باقی کی بادشاہت کی طرف ایماء ہے۔پھر جو دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے زیادہ کون مبارک ہے؟ اس لیے ہر حال میں اس کی طرف ملتجی ہونا چاہیے۔اس تقدیر پر موت کا مقدم کرنا اور حیات کا مؤخر کرنا بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیرِ ذاتی پر مبنی ہے کس لیے کہ دنیا کی موت اول ہوتی ہے۔پھر آخرت کی زندگی ہوگی۔یا یوں کہو کہ منجملہ ظہورِ برکاتِ الٰہیہ کے ایک برکت انسان کو اپنا مظہر بنا کر علم وادراک سے مزین کرنا اور خلافت کی کرسی پر بٹھانا ہے مگر پوری برکت یہ ہے کہ عالمِ باقی کے لیے نیک کاموں پر بھی اس کو آمادہ کر دینا چاہیے اس لیے برے کاموں سے روکنے والی اور نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی چیز کو ذکر کیا کہ اس نے موت اور زندگی بنائی۔دنیا کی زندگی مراد لی جائے تو موت کو اس لیے مقدم کیا کہ موت کو خیال کرتا رہے اور اس چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھے۔ دوم یہ کہ اس جہان میں ذاتی اور حیات عارضی ہے اور ذاتی عارضی پر مقدم ہوتا ہے اور اگر موت سے مراد وہ حالت لی جائے جو نطفہ میں تھی یعنی انسان جس وقت نطفہ تھا تو بھی موت مقدم ہے۔حیات تو نعمت ہی ہے مگر دنیا میں موت بھی اس کے برکات کا مظہر ہے۔کس لیے کہ اگر موت نہ ہو۔ اول تو یہ قوائے جسمانیہ سو دو سو برس کے بعد بلکہ اس سے پہلے بیکار ہو جائیں اور زندگی وبال ہو جائے۔ دوم دنیا میں بہت لوگوں کی موت دوسروں کے لیے راحت ہوتی ہے۔ سوم دارِ آخرت کی زندگی اس کڑوے پھل کھانے پر موقوف ہے ہر ایک کو اس پل سے گزرنا ہے اور عالمِ جاودانی میں جانا اور نیک وبد اعمال کی سزاء وجزا پانا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ تا کہ تمہیں آزمائے کہ کس کے اچھے عمل ہیں؟ یہ دنیا ایک کھیت ہے جس نے نیک کاموں کا تخم بویا ہے وہ اس جہان میں اس کے عمدہ پھل پائے گا، برکت حاصل کرے گا۔حسنِ عمل کی تفسیر بعض روایات میں یوں آئی ہے کہ احسن عقلا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ۔کہ عقل عمدہ پیدا کرے کس لیے کہ تمام دینیات کا اعتبار ومدار عقل پر ہے۔عاقل بہت جلد عبرت حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد خدا کی ممنوع چیزوں سے اور ممنوع کاموں سے بچے اور اس کی اطاعت میں جلدی کرے، غفلت اور آج کل میں اس عمرِ گرانمایہ کو نہ گزارے۔

ایک بات قابلِ بحث یہ بھی ہے کہ موت زوالِ حیات کا نام ہے پھر اس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟

جواب۔ (۱) موت وحیات میں مقابلہ ہے تقابلِ عدم وملکہ کس لیے کہ موت اس کے حس وحرکات کا زوال ہے کہ جس میں اس حس و

ک کی صلاحیت ہو اس لیے لکڑی پتھر کو مردہ یا زندہ نہیں کہتے اور عدم ملکہ عدم محض نہیں بلکہ اس میں وجود کا شائبہ ہے اس لیے اس کا مخلوق
یداز قیاس نہیں۔ (۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ عالم مثالی میں موت وحیات وجودی چیزیں ہیں، موت کو اس عالم میں ابلق
ے سے مشابہت ہے اور حیات کو ابلق گھوڑے سے اس لیے ان پر خلق کا لفظ استعمال کرنا درست ہے لیکن بعض علماء نے خلق کو بمعنی جعل
یا کہ موت اور زندگی بنائی۔

جمالی وتفصیلی : سوال:۔ ابیلو حق سبحانہ کی نسبت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کس لیے کہ اس کو ہر چیز کا علم ازلی ہے اس کو آزمائش کی
ت کیا ہے؟

ب : علم کی دو قسم ہیں۔ ایک اجمالی یعنی اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے، دوم تفصیلی اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد۔ علم تفصیلی میں
سبحانہ کو علم اجمالی سے کوئی زیادہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ دونوں کا یکساں انکشاف ہوتا ہے اس جگہ مراد علم تفصیلی ہے اور وہی بندوں
ام واکرام کے لیے حجت وسند ہے۔

بندوں کے اعمال دو قسم کے ہیں، بد یا نیک۔ ان کے وقوع ہونے کے بعد خدا کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا پوری سزاء وجزا
اعمال کا عمدہ بدلہ۔ برے اعمال کی سزا جہنم یا درگزر اور بخشش۔ اس لیے کہ اس کے بعد یہ بھی فرمادیا **وھو العزیز** کہ وہ زبردست ہے۔
رح کی قدرت رکھتا ہے، نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس
پہلی بات کی طرف اشارہ ہے۔ الغفور وہ معاف کرنے والا بھی ہے اس میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز شایانِ شاہی بھی
نوں وصف ہیں بادشاہ میں اگر قدرت وشوکت نہیں تو یہی اس کی بادشاہت میں نقص ہے اور اگر بخشش وعطا نہیں تو یہی اس کی سلطنت اور
کی برکت میں کمی ہے۔

تبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ تک مسئلہ توحید واثباتِ صفاتِ باری کا ثبوت ہے اور **اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ**
حَیٰوةَ پہلے مسئلہ کا تتمہ اور دوسرے مسئلہ معاد کی تمہید ہے۔ **لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَهُوَالْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ** میں مسئلہ معاد کا بیان
۔ اور دونوں مسئلوں میں تقدیم وتاخیر ایک عجب لطف دے رہی ہے۔ کس لیے کہ انسان جب تک خدائے قادر اور اس کے صفاتِ شہنشاہی
ر کا قائل نہ ہوگا مرنے کے بعد یا دنیا میں نیک وبد کاموں کی سزاء وجزا کا بھی قائل نہیں ہوسکتا اور یہی اعتقاد انسان کو راستی، نیکوکاری،
احسان کی طرف محرک اور بری باتوں سے مانع ہے۔ چونکہ مسئلہ توحید ایک ایسے بیان سے ثابت کیا کہ جس کو عقولِ عالیہ بخوبی سمجھ سکتی ہیں
عقولِ سائلہ ومتوسطہ بغیر کسی نظیر وشاہد کے جو اس کی شہنشاہی اور قدرتِ کاملہ کی واضح دلیل ہو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتی تھیں اور سمجھانا ہر
یق کا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد شواہد ودلائل پیش کرتا ہے۔

لا شاہد : **فَقَالَ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا** وہ کہ جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ عالم ملک میں آسمانوں اور ان کے
اروں سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں۔ آفتاب، ماہتاب، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اس قدر بڑے اجسام ہیں کہ زمین سے لاکھوں
ہزاروں حصے زیادہ ہیں۔ پھر ان میں نور اور عجائبات رکھے ہوئے ہیں جن کے آگے زمین کے عجائب ومخلوقات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔
ساتوں کے سوا جو ایک کے اوپر دوسرا ہے اور سینکڑوں ثوابت اور بعض ستارے ہیں جو زمین سے کروڑوں حصے بڑھ کر ہیں یہ کس نے
ئے؟ یہ از خود نہیں بن گئے کس لیے کہ اجرامِ علویہ کا مادہ یکساں ہے اور ہر ایک کا مقتضائے طبعی برابر ہے پھر ان کو اوپر تلے اور بڑا چھوٹا کس
ے کر دیا از خود ہوتے تو یکساں ہوتے۔ طباقا کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جب ان ستاروں کی یہ کیفیت ہے تو ان آسمانوں کی
عت کا کیا ٹھکانا ہے جن میں یہ ہیں اور حرکت کرتے پھرتے ہیں۔

حال کا فلسفہ سات آسمانوں کا قائل نہیں۔ وہ ان بلند سات ستاروں کو سبع سماوات کا مصداق سمجھتے ہیں مگر توریت سفر الخلیقہ کے اول باب
اور دیگر مقامات پر بھی آسمانوں کا بنانا مذکور ہے۔ پاک کتابیں اور اگلے حکیم سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

ان ستاروں کی ایسی تیز حرکت کہ منٹوں میں سینکڑوں کوسوں کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں پھر باہم ٹکرانے نہیں پاتے۔ ہر ایک اپنے مدار پر
دورہ کر رہا ہے۔ یہ اسی بادشاہِ ذوالجلال قادر کا کام ہے۔ نہ طبائعِ اجرامِ علویہ کا نہ کسی اور کا۔ پھر ان کی شعاعوں سے جو کچھ تاثیرات زمین پر
ہوتے ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔

دوسرا شاہد : اس کے بعد دوسرا شاہد اس محکم عمارت کی استواری ہے فقال **مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ**۔ اے نظر کرنے
والے! تو رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں (جو بڑا بابرکت اور بادشاہ اور قادر ہے) کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ قدرت نے اپنی کاریگری میں
کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر اجرامِ علویہ سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری کی ہے۔
یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت وبصیرت سے بنایا اور بعض کو یوں ہی کیف ماتفق بے سوچے سمجھے یا بیکار فضول بنا دیا ہے۔ صرف انسان کے
اعضاء کا تناسب اور حسنِ ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی چیز ہے۔ کسی درخت کے پتے یا پھول کو ہاتھ میں لے کر دیکھیے گا تو آپ بول
اٹھے گا کہ سبحان اللہ! تیری صنعت یہ ہیں **مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ** کے معنی۔ یہ مراد نہیں کہ مخلوقات میں باعتبار ان کی جسامت
اور رنگت اور تاثیر کے کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو شبہ ہو جائے کہ یہ طبیعتِ اجسام کا یکساں فعل ہے اور نیز کارخانۂ دنیا میں انتظام نہ رہے۔
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ اگر ایک بار دیکھنے میں شبہ باقی رہ جائے تو پھر دیکھ تجھ کو اس کی صنعت میں فطور بھی دکھائی دیتا ہے؟
ہرگز نہیں۔ فطور فطر کی جمع ہے اور فطر کے معنی درز یا دراڑ کے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اس کے معنی خلل کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی
کچھ منقول ہے۔ سدی کہتے ہیں فطور کے معنی خروق ہیں شگاف کے لحاظ سے یہ دیکھنا آسمانوں اور ستاروں کے لیے زیادہ چسپاں ہیں۔

سوال:۔ احادیثِ صحیحہ وآیاتِ قرآنیہ سے آسمانوں میں دروازے ثابت ہیں۔ ابواب السماء کا لفظ آیا ہے پھر فطور تو پایا گیا۔

جواب:۔ کسی چھت یا مکانِ مرتفع میں کھڑکی یا دروازہ جو ہوتا ہے تو کاریگر کے ارادہ اور صنعت سے ہوتا ہے اس کو فطور نہیں کہتے۔ فطور
دراڑ یا درز جو کاریگر کی صنعت میں قصور ہونے سے اس کے ارادے بغیر ہو جائے یہی اس عمارت کا نقص ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شبہ رہ
جائے تو ثم ارجع البصر کرتین پھر دوبارہ نگاہ کر۔

سوال:۔ یہ نگاہ دوبارہ نہ ہوگی بلکہ تیسری بار کس لیے کہ دو بار اس سے پہلے نظر کر چکا۔ پھر کرتین کا لفظ کیونکر صحیح ہوگا جو کرہ بمعنی بار کا تثنیہ ہے۔

جواب:۔ تثنیہ سے مراد کثرت ہے جس کے معنی ہوں گے بار بار دیکھ یعنی کئی بار نظر کر کہ شبہ نہ رہے اور عرب کی زبان میں تثنیہ کثرت
کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لبیک وسعدیک حنینک وھذادیک **یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَحَسِیْرٌ**۔ کوئی عیب وخلل دکھائی نہ
دے گا بلکہ نگاہ دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی۔ پھر کر آئے گی تیری طرف تیری نگاہ خیرہ اور ماندہ ہو کر۔ خاسئا مبعد امن قولک خسأت القلب
اذا باعدۃ۔ مبرد کہتے ہیں خاسی کے معنی ہیں ڈوکارا ہوا ذلیل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں خاسی وہ ہے جو اپنے مقصود کو نہ دیکھے (حسیر) یہ
حسیر العین بعد المریٔ سے مفعول بھی ہوسکتا ہے اور حسور تکان کے معنی سے فاعل بھی ہوسکتا ہے۔ بہت دیر تک جب کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے تو
آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اندھیرا سا ہو جاتا ہے۔ نگاہ جو اس شے پر بھی ایسی حالت میں وہاں سے لوٹ آتی اور چندھیا جاتی ہے۔

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ[1] وَاَعْتَدْنَا

[1] بعض مفسرین نے وجعلناھا رجوما للشیاطین کے یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان ستاروں سے شیاطین یعنی منجمین مارے جاتے ہیں کہ ان کی تاثیرات
سے احکام لگاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اوروں کو بھی گمراہی میں ڈالتے ہیں ان کے لیے ہم نے عذابِ آتش تیار کر رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝٥

اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کی) قندیلوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا رکھا ہے اور ان کے لیے آتشی عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : الدنیا من الدنو بمعنی القرب فھی صفۃ للسماء ای القربیٰ الی الارض من بقیۃ السماوات وھی التی یراھا الناس مصابیح جمع مصباح اراد بھا الکواکب لانھا تضئ کاضاءۃ السرج ففی الکلام استعارۃ تصریحیۃ لأن حقیقۃ المصابیح السرج۔ والباء یتعلق بزینا وجعلنا عطف علی زینا رجوما مفعول ثان لجعلنا والرجوم جمع رجم بالفتح وھو مصدر یراد بہ المرجوم والضمیر المنصوب فی جعلناھا الی المصابیح واللام فی للشیاطین تتعلق بجعلنا وقیل برجوما واعتدنا عطف علی زینا' السعیر قال مبرد سعرت النار فھی مسعورۃ وسعیر کقولک مقبولۃ وقبیل۔

تفسیر.....تیسرا شاہد: تیسرا شاہد وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ کہ ہم نے نیچے کے آسمان کو (یعنی ساتویں آسمانوں میں جو سب سے نیچے ہے اور جو تم کو دکھائی دیتا ہے) ستاروں کے چراغوں سے رونق دی۔ جب رات کو دیکھتے ہیں تو ہزاروں قندیلیں نظر آتی ہیں، آسمان پر جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ اہلِ ہیئت نے ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جو از خود حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں اور سات ستارے چاند، سورج، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل جو حرکت خود بھی کرتے ہیں ان میں سے صرف چاند تو اول آسمان پر ہی ہے جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔ مگر آسمان صاف اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے اور ثوابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ چھ آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں نقش ونگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم ہوتے ہیں۔

اب غور کریں کہ ان ثوابت وسیارات کا ایسا طلوع وغروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم وقادر کا فعل ہے جس نے ان میں روشنی عطا کی۔ نئی ہیئت والوں کے نزدیک یہ ثوابت وسیارات ابعادِ مختلفہ پر دورہ کرتے ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور ہیں گو فی نفسہٖ وہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس میں دورہ کر رہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے فضا کی وسعت ہے۔ ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضا کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس فضا کا شب میں مختلف قندیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثارِ قدرت وحکمت پر ہے۔

چوتھا شاہد: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ کہ ہم نے تاروں کو شیاطین کے پھینک مارنے کے لیے بھی تیار کر رکھا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرارِ آسمانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں، فرشتے ان کو ان انگاروں سے مارتے ہیں۔ رات کو جو تارہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ یہی رجوم ہیں۔ سورۂ صافات میں بھی آیا ہے۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَّا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ جعلناھا کی ضمیر جنسِ مصابیح کی طرف راجع ہے نہ عین مصابیح کی طرف کس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں۔ (ابن کثیر) لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اور ان اوختہ پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔ یہ جنس ہے اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین مارے جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں، شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ زمین سے جو اوختہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرۂ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ

جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار سے چھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں گو علت یہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ حال کی تحقیقات سے دم دار ستارے اور دیگر چھوٹنے والے ستارے اوختہ ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جو ان کا حیزِ طبعی تھا بلکہ اِدھر اُدھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔ شیاطین کا وجود اور اسرار سماوات کے لیے اوپر جانا کئی بار ہم ثابت کر چکے ہیں۔ مقدمہ دیکھو۔ یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کر رکھے ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١٠ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١١

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے شور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی (اور) جوش کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بے شک ہمارے پاس نذیر تو آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور (فرشتوں سے) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو کاہے کو دوزخیوں میں سے ہوتے پھر وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو پھٹکار ہے دوزخیوں پر۔

ترکیب: عذاب جھنم مبتداء وللذین کفروا خبر مقدم وقریٔ عذاب بالنصب انہ عطف علی عذاب السعیر وللذین علی لھم۔ شھیقا منصوب علی انہ مفعول سمعوا لھا فی محل النصب علی الحال ای کائنا لھا وھی تفور الجملۃ حال من الضمیر فی فیھا۔ تکاد الخ الجملۃ ماحال من فاعل تفور او خبر آخر کلھا استیناف مسوق لبیان حال اھلھا بعد بیان حال نفسھا وقیل حال من ضمیرھا بلی کان یکفی فی الجواب ولکن حباؤا بالجملۃ المجاب بھا مبالغۃ فی الاعتراف قد جاء نا الخ فسحقا قریٔ الجمہور باسکان الحاء وقریٔ بضمھما وھما نعتان مثل الرعب منصوب قال الزجاج وابو علی الفارسی منصوب علی المصدر ای اسحقھم اللہ سحقا وکان القیاس اسحا قا فجاء المصدر علی الحذف والسحق العبد۔

تفسیر: اُن شواہد کے بعد پھر مسئلۂ معاد کو شروع کرتا ہے اور اس کے لیے مناسبت یہ تھی کہ شیاطین کے لیے عذاب السعیر تیار کرنا فرمایا تھا اس مناسبت سے شیاطین کے سوا اور جس قدر کفار ومشرکین ہیں ان کا بھی انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ، کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔ رب کا لفظ مربی اور محسن کے ہم معنی ہے پھر دیکھئے جو اپنے مربی ومحسن کا انکار کرے اس کے لیے عذابِ جہنم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس لفظ نے عجب لطف پیدا کر دیا۔ انکار کرنا ایک تو یہی

معمولی انکار ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانا یا اس کے احکام کو نہ مانا، صفاتِ توحید وتنزیہ کے خلاف اعتقاد کیا۔ انہیں باتوں کے مرتکب کو کافر کہا جاتا تھا شرک بھی اسی میں آ گیا۔ دوسرا سرے سے اس کی ذات کا انکار کرنا کہ خدا تعالیٰ ہی نہیں جیسا کہ دہریہ کہتے ہیں یہ سب لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور گلہ گزاری بھی ایک قسم کا کفر یا کفران ہے ایسے لوگوں کے لیے یہی عذابِ جہنم ہے گو ابدی نہ ہو۔

اس کے بعد اذا القوا سے لے کر فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تک جہنم اور جہنمیوں کے کچھ حالات خوفناک بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب یہ کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو بجائے خیر مقدم ومرحبا واہلاً وسہلاً کے جہنم کی آوازیں سنیں گے جو اس کے جوش سے نکلتی ہوں گی۔ جب آگ زیادہ گرم اور تیز ہوتی ہے تو اس کے شعلوں میں سے ایک مہیب صدا آیا کرتی ہے اسی طرح جہنم کی آواز ہوگی۔ وہ تنور جب زیادہ گرم ہوگا جس کو جوش اور غصہ کرنے اور غصے سے پھٹے پڑنے کو استعارۃً تعبیر کیا ہے تو اس کی دور دراز سے ہیبت ناک آوازیں آئیں گی العیاذ باللہ۔

(۲) كلما[1] ..... جب جہنم میں ایک گروہ داخل ہوگا تو ان سے جہنم کے داروغہ یعنی فرشتے پوچھیں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا اور تم کو اس گمراہی سے نہیں روکا جس کے سبب آج اس بلا میں گرفتار ہوئے؟ (نذیر خدا کا رسول اور اس کی کتاب یا اس کے نائب' علماء' واعظین۔ اور جہاں کہیں یہ نہ آئیں تو وہاں احکامِ شریعہ پر مؤاخذہ نہیں وہاں نذیر عقل وفکر اور آیاتِ قدرت میں غور وفکر ہی نذیر ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتا ہے وہاں صرف توحید ہی کافی ہے۔ اور عمر کا تبدل حوادثِ دہر' موت اقران وامثال بھی خدا کا نذیر ہے جو بندہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے عالمِ جاودانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مگر یہ غفلاتِ شہوات کے ایسے گراں تودوں میں دبا ہوا ہے کہ سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔) کفار فرشتوں کے جواب میں کہیں گے بلیٰ کیوں نہیں قدجاء نا نذیر۔ بے شک ہمارے پاس نذیر آیا۔ فكذبنا لیکن ہم نے جھٹلا دیا۔

فائدہ: ہر نذیر کی تکذیب اسی کے موافق ہے۔ رسول اور کتابوں کی تکذیب ان کو نہ ماننا یا ان کے احکام وہدایات کو قبول نہ کرنا جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ہائے دنیا میں جو ہادی اصلاح کرنے آیا لوگوں نے پھولوں کی جگہ ان کی راہ میں کانٹے بھی ڈالے يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یا ان کے نائبوں حضرات علماء کرام کی تکذیب ان کو نہ ماننا، ان سے تمسخر کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان پر بہتان لگا کر ان کے اعتبار میں فرق ڈالنا وغیرہ۔ نذیر عقل کی تکذیب' آیاتِ الٰہیہ وحوادثِ دہر میں غور وتدبر نہ کرنا اور توحید وخداپرستی پر نہ چلنا، رسوم وشہوات میں پڑا رہنا، بت پرستی وبدکاری سے باز نہ آنا۔ عمر کے تبدل' موت' اقران وانقلاباتِ دہر کے نذیر کی تکذیب عبرت نہ کرنا، عالمِ جاودانی سے غافل رہنا اس حسی اور فانی جہان کی چیزوں پر مفتون ہونا ہے۔ ہائے افسوس اس نذیر کو ہم کس طرح جھٹلا رہے ہیں۔ بیماری یا مصیبت خدا تعالیٰ کا ایک نذیر آیا تھا اس کے بعد پھر ہم انہیں ظلمات میں مبتلا ہو گئے۔ اقارب واحباب سامنے مرتے ہیں، یہ بھی ایک نذیر ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

تمہیں ہے چلنی عدم کی منزل کہ جس میں کھٹکا قدم قدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہی مر گئے اور دنیا میں ان کا نام ونشان مٹ گیا، بھلا ہم کب مرنے والے ہیں۔

وقلنا..... کفار کہیں گے ہم نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ کہ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی نہ

[1] کلما اہل فہما فوج اس سے معلوم ہوا کہ تمام دوزخی ایک بار دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ہر ایک گروہ اور فرقہ ایک ملک کے یا ایک خاندان کے یا ایک مذہب کے یکے بعد دیگرے داخل ہوں گے اور ہر ایک گروہ علیٰ حسبِ مراتب ہر طبقہ میں بند ہوگا اور ان کے شرمندہ کرنے کے لیے ملائکہ یہ سوال کریں گے اور وہ یہ جواب دیں گے۔ ۱۲ منہ

کتاب بھیجی نہ احکام نہ حوادث ومصائب یہ تو فلاں سبب سے ہوا اور موت یوں آئی، افلاس یوں آ گیا تھا۔ اقبال اس لیے جاتا رہا تھا، بیماری اس وجہ سے گئی تھی۔ یہ امور اسباب پر مبنی تھے، خدا نے کیا کیا؟ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ۔ اے جو تم نذیر کہلاتے ہو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ خدا نے کتاب بھیجی، رسول بھیجا، احکام بھیجے، اس کو کیا پڑی تھی جو وہ ایسا کرتا؟ گناہوں سے مصیبت آئی وبا زنا سے بھیجی قحط بھیجا، بیماری بھیجی، اس نے کچھ نہیں بھیجا، یہ پرانے خیالات اور جہالت کی باتیں ہیں۔ اول تو خدا ہی کہاں ہے اور ہے بھی تو وہ اس عالم میں کیا کر سکتا ہے؟ یہاں تک کفار کی گفتگو تھی[1]۔ جو دوزخ میں فرشتوں سے بطور اقرار جرم کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ نذیر واحد ہے مگر ایک نذیر کا بھی وہی مقصد ہے جو دوسرے کا تھا اس لیے انتم جمع کے لفظ سے سب کا انکار تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ۔ دوزخ کے فرشتوں کا ہوگا، کفار کی تقریر سن کر کہ اے بدنصیبو! تم بڑے گمراہی میں تھے۔ یا اب بڑی مصیبت میں پڑے ہو۔ مصیبت وعذاب جو ضلالت کے سبب آتا ہے اس پر بھی ضلال کا لفظ مجازاً محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اول قول قوی ہے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے، کیا تم نے کسی ناصح کی بات نہ سنی، یا تم کو از خود عقل نہ تھی جو خدا کے نذیروں کو جھٹلایا جس کے سبب اس بلا میں پڑے تب کفار کہیں گے۔ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ کہ اگر ہم کسی ناصح کی بات سنتے یا خود عقل کرتے تو آج کاہے کو دوزخیوں میں ہوتے۔

تقلید واجتہاد: انسان کی صلاح کے دو ہی طریق ہیں۔ اول اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے۔ یہ تقلید کا مرتبہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقلِ سلیم سے غور وتدبیر کرے۔ یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے۔

فائدہ: کفار دنیا میں سنتے تھے، عقل بھی رکھتے تھے، ہزاروں ایجاد واختراع کرتے تھے مگر آخرت کے بارے میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں گویا بہرے اور بے عقل تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ کہ قیامت میں یا جہنم میں اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سو پھٹکار اور لعنت ہے دوزخیوں پر۔ دوزخ میں جا کر اقرار کیا۔ پھر اس کا کیا فائدہ؟ دنیا میں کرتے تو لعنت کے بدلے رحمت ہوتی۔

فوائد: اول: ان آیات میں مسئلۂ معاد کی نہایت پر اثر واقعات کے بیان میں تصویر کھینچی بالخصوص معاد کے متعلق ایک گروہِ اشقیا کا حال اور اس کے ٹھکانے کی ہیبت خیز کیفیت بیان فرمائی اور بِئْسَ الْمَصِيْرِ کی پوری توضیح کر دی کہ وہ جگہ ایسی ہے کہ آگ کے شعلوں میں سے ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں گی اور جہنم غصہ کی ماری پھٹی پڑتی ہوگی اور وہاں دوزخ کے فرشتے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو تم کو اس مصیبت سے بچنے کی راہ بتاتا۔ اس ضمن میں مسئلۂ نبوت کی بھی تصریح کر دی کہ دنیا میں اس کام کے لیے آتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے اس کو یہ عذابِ الیم ہمیشہ کے لیے بھگتنا پڑتا ہے اور یوں حسرت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے اور دانت پیسنے پڑتے ہیں۔ نبی کی تصدیق واطاعت کے لیے اس سے بڑھ کر مخاطبین کے واسطے اور کوئی بیان پُر اثر ہو نہیں سکتا۔ کلام میں ان مقاصد کو ملحوظ رکھنا اور دلکش عبارت میں بیان کرنا اعجاز ہے۔

دوم: شروع سورۃ میں بیان کیا گیا تھا کہ اس کے قبضے میں ملک ہے یعنی وہی بادشاہِ حقیقی ہے۔ پھر جس طرح لوازمِ سلطنت میں سے قدرتِ کاملہ اور حیات وممات پر قبضہ سات آسمانوں کا گھر بنانا اور کس خوبی سے بنانا اور پھر اس کو تاروں کی قندیلوں سے روشن کرنا اور اس

[1] آج کل نئی روشنی والوں اور ان کے مرید فرقہ آریہ لوگوں کی یہی گفتگو ہے جس کی غلطی کا اقرار ہمارے سامنے کب کر سکتے ہیں، وہیں دوزخ کے فرشتوں کے سامنے کریں گے۔ ۱۲ منہ

کاخ کے چوروں کو تاروں سے مار کر ہانکنا بیان فرمایا تھا جس میں سراسر رحمت اور برکت کا اظہار تھا۔ اسی طرح شیاطین اور ان کے بعد بنی آدم کے کفار و منکرین کا جہنم کے قید خانے میں ڈالنا بیان فرما کر جو سراسر جبروت واقتدارِ شاہانہ کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرمانبرداروں کے اعزاز واکرام بیان فرماوے گا۔ بقولہ وَلِلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ الخ۔ اس تمامی بیان سے بہت سے مذاہب اور عقائد فاسدہ کی اصلاح ورد ہے۔ کس لیے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے ہیں یا اس کی خدائی میں حصے دار ٹھہراتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور خدائی کمیٹی کا تیسرا رکن قرار دیتے ہیں اور جس طرح کہ ہنود اپنے اوتاروں کو خدا اور قادرِ مطلق سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ملائکہ و دیگر ارواحِ طیبات کو اس درجے پر مانتے ہیں ان کا ملک میں کون سا حصہ ہے؟ کس نے آسمان وزمین بنانے میں مدد کی ہے اور کس کا موت و حیات پر قبضہ ہے اور کون قادرِ مطلق ہے؟ ان کے یہ الٰہ دنیا میں بہت باتوں میں عاجز[1] تھے اور اسی طرح آخرت میں کسی کا کیا حصہ ہے۔ کون اس کے قید خانے سے زبردستی چھڑا سکتا ہے، کون وہاں انعام واکرام دے سکتا ہے؟ یہ سب دلائل و براہین توحیدِ خالص کے لیے ایسے ہیں کہ جن میں کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہیں اور اسی طرح جو لوگ کواکب و نیرات کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی تاثیر سے سعادت ونحوست، موت وحیات سمجھتے ہیں جیسا کہ مجوس اور فرقۂ صابیہ ان کی بھی کمال تسلی ہے کہ تمہارے معبود ہمارے بنائے ہوئے مسخر ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ الغرض مسئلۂ معاد نبوت میں بھی الٹ پھیر کر پھر مسئلۂ توحید کو ثابت کر دیا۔ اور نیز دنیا کے مغروروں، متکبروں کو بھی سمجھا دیا کہ تم اپنی شاہی اور حکومت پر ناز کر کے ہم سے سرکشی نہ کرو، تمہاری بادشاہی ہمارے مقابلہ میں کیا چیز ہے، تم کو قدرت کیا ہے۔ تم موت وحیات کے کیا مالک ہو، تم نے آسمان وستارے کہاں بنائے ہیں، علویات پر تمہاری کیا حکومت ہے؟ لہٰذا ہماری طرف رجوع کرو، سرِ نیاز جھکاؤ ورنہ جہنم کا قید خانہ تیار ہے۔

سوم: مسلمانوں کا فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ وللذین کفروا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں کفار ہی جائیں گے، مومن نہ جائیں گے، خواہ وہ کیسے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ ایمان کے بعد کوئی عملِ بد جہنم میں نہیں لے جا سکتا۔ یہ عیسائیوں کے عقیدے کے قریب قریب ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کس لیے کہ کفروا کا لفظ بڑا وسیع ہے، کفارِ شرعی کو بھی شامل ہے اور جو ایماندار ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں ان کو بھی گو ان کو ابدی جہنم نہ ہوگا ایمان کی بدولت۔ اور نیز دیگر آیات واحادیث میں تصریح ہے کہ ایماندار گنہگاروں کو بھی بقدرِ گناہ عذاب ہے لیکن عذابِ دائمی نہیں اور یہ مسئلہ علمِ کلام میں نہایت صراحت سے مذکور ہے جو چاہے وہاں دیکھے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ع ۱۲

وہ جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں ان کے لیے بڑی بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو بے شک وہ تو دلوں کی بات کو بھی (خوب) جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین (اور بڑا) خبردار ہے۔

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے، سولی پر لٹکانے گئے، وہاں بہت روئے پیٹے کہ اے خدا! مجھے چھڑا اگر نہ چھوٹ سکے پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، کھانا کھاتے، سوتے جاگتے تھے۔ الغرض تمام خصائص بشریہ میں جکڑے ہوئے تھے جو عجز وحدوث کے آثار ہیں اسی طرح ہنود کے اوتار اور جمیع مذاہب کے معبودوں کا حال ہے خواہ علویات میں سے ہوں خواہ سفلیات میں سے پتھر، مٹی، تانبے، سونے چاندی کے بت ہوں یا ارواحِ طیبات وملائکہ ہوں سب مخلوق ہیں، صفتِ الوہیت میں کسی کو بھی حصہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الذین موصول یخشون الجملۃ صلۃ بالغیب متعلق یخشون ویمکن ان یکون حالا من ضمیر یخشون ای غائبین مغفرۃ مبتداء واجر کبیر معطوف علیہ لھم خبر مقدم والجملۃ خبر ان والموصول والصلۃ اسمھا۔ واسروا الخ جملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان تساوی الاسرار والجھر بالنسبۃ الی علم اللہ تعالیٰ انہ الجملۃ تعلیل وتقریر لما قبلھا۔ من خلق من فی موضع رفع فاعل یعلم والمفعول محذوف ای الا یعلم الخالق خلقہ وقیل الفاعل مضمر ومن مفعولہ ای الا یعلم اللہ المخلوق الذی خلقہ وھو اللطیف الخبیر حال من فاعل یعلم۔

تفسیر : مسئلہ معاد کی بابت گروہِ اشقیاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ۔ کہ وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں یعنی دنیا میں یہاں آخرت کا عذاب وثواب ان کی آنکھوں سے غائب ہے۔ محض مخبرِ صادق علیہ السلام کے کہنے پر ایمان لا کر آئندہ آنے والی مصیبتوں سے ڈرتے اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ لوگوں کے سامنے تو ہر ایک پرہیزگاری جتلایا کرتا ہے مگر ان کے عیب میں یعنی خلوت میں اللہ سے ڈرنے والے ہی دراصل پرہیزگار ہیں۔ ؎

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آن کارِ دیگر میکنند

خدا سے ڈرنا دراصل پوشیدگی ہی میں ڈرنا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ پوشیدگی میں تو خدا سے ڈرے اور ظاہر میں نہ ڈرے، رندو فاسق بنا رہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔ اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہارِ ندامت کیا گیا تو ان کے لیے مغفرت ہے۔ اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی اور وہاں کے نعیم کو شامل ہے اور وہ بھی کیسا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لیے۔

فائدہ: مقابلہ پہلے گروہ کا یہ چاہتا تھا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُشْكُرُوْنَ رَبَّهُمْ کہتے ہیں جیسا کہ اشقیا کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ان الذین یکفرون ربھم کیونکہ کفر کا مقابلہ شکر ہے نہ ڈرنا۔ اس کی کیا وجہ کہ یخشون کہا یشکرون نہ کہا؟ **جواب** شکر منعم کی نعمت کا اظہار و تعریف یا اس کا بدلہ دینا زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ دل سے۔ اور سورہ کا سیاق اظہارِ شانِ شہنشاہی ہے کہ وہ ایسا اور ایسا شہنشاہِ حقیقی ہے اس کے لیے ڈرنا اور عجز و نیاز سے پیش آنا ہی مناسب ہے اور جو خدا سے ڈرے گا وہ شکر گزاری تو بدرجۂ اولیٰ کرے گا۔ شکر گزاری عبودیت ومحکومیت نہیں ثابت کرتی جیسا کہ ڈرنا اور کانپنا ثابت کرتا ہے شکر گزاری برابر والا بھی اپنے مساوی درجہ کے محسن کی کر سکتا ہے اور اس جگہ عجز و نیاز زیادہ مرغوب ہے جو خشیت میں رکھا ہوا ہے۔ شکر گزاری بھی عمدہ چیز ہے مگر ہر ایک بات کا ایک محل ہے یہاں ڈرنا ہی مناسب مقام ہے۔

فرمایا تھا کہ غائبانہ اس سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ظاہر ڈر اور اطاعت ایسے شخص کی جو امور اور دلی اسرار پر واقف ہو کچھ مفید نہیں اور خدا تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ۔ خواہ تم اس بات کو ظاہر کرو یا پوشیدہ کس لیے کہ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کہ وہ سینوں کی باتیں جانتا ہے اور کیوں نہ جانے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ خالق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضرور ہے اگر علم نہ ہو تو ارادہ واختیار سے پیدا نہ کر سکے اور قطع نظر خالق ہونے کے وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ وہ لطیف ہے مجردات وروحانیات کا علم اسی لیے وسیع ہے کہ جسمانیت کے حجاب عاجز نہیں لیکن وہ ان سے بھی زیادہ لطیف ہے تو اس کے علم کی کیا حد ہے۔ مجردات وروحانیات کی صرف توجہ و التفات معلوم کرنے کے لیے شرط ہے اور وہ توجہ اس قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے۔ برخلاف اس کے کہ وہ الخبیر ہے ہر ذرہ کی طرف التفات وتوجہ رکھتا ہے کس لیے کہ جو مخلوق کے ساتھ اس کے خالق کا رابطہ ہے وہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اشقیا کی سزا واتقیا کی جزا کی بابت کچھ عجیب نہیں کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہو کہ سزا وجزا ہر ایک کے اعمال اور احوال جاننے اور یاد رکھنے

موقوف ہے حالانکہ صدہا کام لوگ مخفی کرتے ہیں، ان کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی پھر وہ کیونکر سزا و جزا دے سکتا ہے؟ اس خیال کے ابطال میں
یہ آیات وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔[1] نہایت اثر رکھتی ہے۔

اور مکے کے کفار اکثر ایسا خیال رکھتے تھے، ان کے ناتربیت یافتہ دماغوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے اوصافِ علم وقدرت محدود تھے۔

فائدہ (۱): من خلق سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ بندہ اور اس کے اعمال سب کا وہی خالق ہے اگر بندہ خالق ہوتا تو اس کو علم بھی ہوتا حالانکہ جس کام کو کرتا ہے اس میں اپنے عضلات کی حرکت وسکون کا بھی اس کو علم نہیں چہ جائے کہ اس کی تمام باریکیوں کی خبر ہو۔ جب خبر نہیں تو بالارادہ خالق بھی نہیں رہا۔ نیک وبد کام کا بدلہ تو محض اختیار وارادے کو نیک وبد کام میں متوجہ کرنے پر ہے اور ارادہ متوجہ کرنے کے بعد وہ کام خدا پیدا کر دیتا ہے۔

فائدہ (۲): غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں پھر یہ جو غیب پر ایمان لانا غیب میں ڈرنا کس کی نسبت ہے؟ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں۔ ہاں بندہ کے لحاظ سے بہت چیزیں غائب ہیں۔ پھر بندوں میں بھی بعض چیزیں بعض کے نزدیک غیب ہیں تو بعض کے نزدیک حاضر اس لیے ہر ایک کا غیب جداگانہ ہے اور غیب الغیب کا خزانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ لطیفہ: بعض کہتے ہیں۔ غیب انسان کا قلب ہے جس کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا تب غیب سے ڈرنے کے یہ معنی کہ دل سے یا دل میں خدا سے ڈرے تاکہ دل میں نور پیدا ہو۔

فائدہ (۳): حکماء نے بدلائل ثابت کیا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جسمانیت کے حجاب علم وادراک سے مانع ہیں اس لیے ملائکہ جسمانی کثافت سے بری ہونے کے سبب اور ان کے بعد روحانیات ان کے بعد جن اور دیگر لطیف اجسام سے مرکب چیزیں ان چیزوں کو خوب جان لیتے ہیں جو ہماری آنکھوں یا حواس سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب میں جب روح کا تعلق جسم سے کسی قدر کم ہو کر دوسری طرف توجہ ہوتی ہے تو ہزاروں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح مکاشفہ ومشاہدہ میں جب ریاضات وافکار سے روح منور ہو جاتی اور جسمانی حجاب کمزور ہو جاتے ہیں تو سینکڑوں چیزیں دور دراز کی دکھائی دے جاتی ہیں۔ اسی طرح بعد مردن تو پردہ ہی کھل جاتا ہے مگر وہ حق سبحانہ لطیف ہے اس کے علم کی تو کچھ انتہا ہی نہیں اس لیے علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جس قدر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا تو اس پر چلا پھرا کرو اور اس کی روزی کھاؤ (پیو) اور اس کے پاس پھر کر جانا ہے۔ کیا تم کو جو آسمان میں ہے خوف نہیں رہا کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ پڑی لرزا کرے کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے ڈر نہیں رہا کہ تم پر پتھر برسا دے۔ پھر تم کو معلوم

---

[1] واسروا قولكم او اجهروا به دلیل ہے بالغیب ڈرنے کے لیے۔ بالغیب کیوں ڈرو کس لیے کہ وہ مخفی اور ظاہر باتیں جانتا ہے پھر اور ترقی کرتا ہے۔ انه علیم بذات الصدور کہ جواہر اور موجود فی الخارج چیزوں کے جاننے پر انحصار نہیں۔ وہ دلی خیالات سے بھی واقف ہے پھر اس پر دلیل لاتا ہے۔ الایعلم من خلق کہ وہ خالق ہے اور خالق کو مخلوق کا علم ہے معلوم ہوا کہ دلی خیالات بھی اس کے مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اور ترقی کرتا ہے۔ وہ لطیف ہے مجردات کو غیب کی سینکڑوں باتیں معلوم ہوتی ہیں چہ جائے کہ لطیف ہو تمام مجردات اس کے آگے کثیف ہیں اور اس پر خبیر بھی ہو۔ ۱۲ منہ

ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ پھر (دیکھا) ہماری ناراضی کا کیسا نتیجہ ہوا؟

ترکیب: الارض مفعول اول لجعل ذلولا مفعول ثان له لکم متعلق لجعل فامشوا الفاء لترتیب الامر بالمشی علی الجعل المذکور والیه النشور جملة مستانفة من فی محل النصب علی انه مفعول إئتم والاستفهام انکاری ان یخسف الجملة بتاویل المصدر بدل اشتمال من الموصول ای من وکذا ان یرسل بدل من۔ الذلول من الذل وهو الانقیاد واللین ومنه یقال۔ دابة ذلول المناکب جمع منکب وهو الجانب ومنه منکب الرجل ومنه الریح الهکباء الاتی من جانب دون جانب تمور من المور وهو التردد فی الجو والذهاب ای التحرک والاضطراب۔ والحاصب ریح فیها حجارة وحصباء کانها تقلع الحصباء لشدتها وقوتها وقیل هو سحاب فیها حجارة۔ النکیر العقاب المنکر وانما اسقط الیاء من نذیری ومن نکیری لتکون مشابهةً لرؤس الائ المتقدمة والمتاخرة الکسرة دلیل علی حذف الیاء۔ وفی کلام العرب کثیراً ما یحذف الیاء والواء والالف من آخر الکلمة فی حالة الوقف۔

تفسیر: اب تک اس بادشاہِ بابرکت کے وہ انعام وافضال بیان ہوئے تھے جو عالمِ بالا سے متعلق تھے جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرتِ تامہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلۂ توحید ونبوت کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالمِ سفلی کے انعام بیان کرتا ہے اور یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جو تمہاری مخفی اور ظاہر باتیں جانتے ہیں اس پر بھی تمہارے لیے ہم نے زمین میں آسائش کے سامان پیدا کر رکھے ہیں اور تمہارے لیے امن کا گھر بنا رکھا ہے۔ پس ہماری مخالفت سے ڈرو اور نعمتوں کا شکریہ ادا کرو ورنہ ہم چاہیں تو اسی زمین کو تمہاری ہلاکت کا باعث کر دیں۔ تم کو اس میں غرق کر دیں یا چاہیں تو اس گھر کی چھت یعنی آسمان سے تم پر پتھراؤ کر دیں جیسا کہ پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فقال هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا۔ کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنا دیا۔ (۱) یعنی اس کو ایسا سخت اور حسن کیا کہ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ (۲) یا یہ کہ اس کو نرم بنایا کہ جس کو کھود سکتے ہیں، مکانات بنا سکتے ہیں، اگر سخت سنگِ خارا ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔ (۳) یا یہ کہ لوہے، پتھر، تانبے، چاندی جیسی ہوتی تو گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہو جاتی۔ نہ کھیتی ہو سکتی، نہ باغ لگتے، رزق وروزی کا سامان مہیا نہ ہوتا۔ (۴) یا یہ کہ اس نے ہمارے لیے مسخر کیا اگر ہلے جلے جاتی تو مسخر نہ ہوتی اس پر چلنا پھرنا محال ہوتا۔ (۵) یا یہ کہ پانی اور ہوا کی طرح خفیف ہوتی تو کوئی اس پر بس نہیں سکتا جب زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تو فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا تو اس کے رستوں میں چلو۔ مناکب میں چلنے کے کئی معنی ہیں۔ (۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔ (۲) قتادہ وضحاک وابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں، زمین کے مناکب پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب (مونڈھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں اس لیے ان کو مناکب الارض کہتے ہیں۔ یہ معنی کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔ (۳) مناکب الارض سے مراد زمین کے رستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں کس لیے کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور رستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔ یہ حسن ومجاہد ومقاتل وکلبی وبروایت عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور فراء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وکلوا من رزقه اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔ رزق کا اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور من کے لفظ سے یہ بھی بتا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں جیسا کہ بعض بلانوشوں کا خیال ہے کہ سور، کتا، شراب، گوہ، گوبر سب چٹ کر جاؤ۔ فامشوا اور کلوا دونوں امر ہیں مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لئے۔ ان دونوں باتوں کے بعد یہ بھی بتا دیا۔ والیه النشور کہ دنیا

میں چلنا پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چندروزہ منزل ہے اور جمع ہونا اسی کے پاس ہے۔ پس دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہیے کہ منزلِ مقصود ہی کو بھول جاؤ، کفر و بدکاری اور شہوت پرستی میں بیہوش پڑے رہو۔

اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور کفر و بدکاریوں کے مستوں کو جو خدا کی زمین میں رہ کر باغی ہو گئے ہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ فقال ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ۔ کہ اے بے خبرو! زمین پر تسلط پا کر کیا تم آسمان والوں سے نڈر ہو گئے اور اس بات سے امن میں ہو گئے کہ تم کو وہ زمین میں دھنسا دے اور یکا یک زمین تمہارے دھنسانے کے لیے ہلنے اور لرزنے لگے جیسا کہ زلزلے کے وقت ہوتا ہے، زمین ہل کر پھٹ جاتی ہے اور آدمی اور بڑے بڑے مکانات اندر سما جاتے ہیں۔ من فی السماء سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر رہا کرتا ہے۔ یہ خیال فاسد ہے کس لیے کہ آسمان حادث ہیں اور وہ قدیم ہے۔ جب آسمان نہ تھے تو بھی تھا۔ دوم وہ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ ہاں احادیثِ صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جہتِ علو ہے اور آسمان مظہرِ تجلیات بارگاہِ قدس ہیں اس لیے ناواقفوں کو اس کا پتا بتانا نا مکانیت ثابت نہیں کرتا اور آیت میں من فی السماء سے بالخصوص خدا پاک نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالمِ بالا سے آتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدا پاک آسمان پر ہے۔ ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتبِ الہامیہ کے محاورہ میں خدا پاک کو آسمانوں سے جہتِ فوقانی اور مظہرِ تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔

دوسری تنبیہ: اور بیان فرماتا ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا۔ کہ کیا تم آسمان والے سے نڈر ہو گئے کہ تم پر پتھراؤ نہ کر سکے گا؟ یعنی زمین میں بھی وہ بالادست دھنسا سکتا ہے اور اوپر سے پتھر بھی برسا سکتا ہے، ہر طرح سے ہلاک کر سکتا ہے۔ اب بھی یہ دونوں بلائیں وقتاً فوقتاً قوموں پر نازل ہوتی ہیں۔ زلزلہ آیا، شہر کے شہر زمین میں سما گئے اور اوپر سے سیر سیر بھر کے اولے اور کہیں ویسے پتھر برسے ہیں۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ اس کے بعد تمہیں اے اہلِ مکہ! جلد معلوم ہو جائے گا کہ نذیر یعنی رسول کیسا تھا، سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے بعد اسی قسم کے گزشتہ واقعات سے عبرت دلاتا ہے۔ وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ قومِ عاد و ثمود وغیرہ نے پھر سن لیا کہ کیسا بڑا عذاب نازل ہوا۔

ان آیات میں مسئلۂ توحید و نبوت و معاد تینوں کا بیان اور ہی اسلوب سے ہوا جیسا کہ عالمِ بالا کے بیان میں ان تینوں مسئلوں کا ثبوت اور پیرایہ میں تھا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ
اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ
دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ
اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ ؕ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرند اڑتے نہیں دیکھے (جو اڑنے میں) پر کھولتے اور بیٹھتے ہیں جن کو رحمٰن کے سوا کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔ بھلا

وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو رحمٰن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ کچھ نہیں کافر تو (محض) دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی بند کر دے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور بدکنے پر اڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب: او للاستفہام والواو للعطف علی مقدر ای اغفلوا ولم ینظروا الی الطیر جمع طائر ویقع علی الواحد والجمع قال ابن الانباری الطیر جمع طائر وتانیثها اکثر من تذکیرها ولا یقال للواحد طیر بل طائر قلما یقال للانثی طائرۃ۔ فوقهم ظرف لصافات او عال وصافات حال من الطیر او من الضمیر فی فوقهم۔ ویقبضن معطوف علی صافات حملاً علی المعنی ای ویقبضن اوصافاتٍ وقابضاتٍ۔ مایمسکهن یجوز ان یکون مستانفا ان یکون حالا من الضمیر فی یقبضن امن قرئ الجمهور بتشدید المیم علی ادغام میم ام فی میم من وام بمعنی بل من الاستفہامیۃ مبتداء هذا خبره الذی موصول یرزقکم صلتها الجمع صفۃ هذا ینصرکم صفت لجندٍ ومن دون الرحمن فی محل النصب علی الحال من فاعل ینصرکم ان امسک رزقه جواب الشرط محذوف لدلالۃ ما قبله علیه ای ان امسک رزقه فمن یرزقکم غیره لجوا من اللجاج هو تمادی الامر مع کثرۃ الصوارن عنه والقتو العناد والطغیان الشرود وقال ابن عباس فی عتوا نفورا ای فی ضلال۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کے ارضی و سماوی عذاب سے نڈر ہو گئے؟ اس کے بعد وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے اس امر پر ایک شہادت کی تھی۔ اب اس پر ایک برہان پیش کرتا تھا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا تصرف آسمان و زمین کے سوا فضا یعنی ہوا میں بھی دکھاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ۔ کہ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں اڑتے نہیں دیکھتے۔ صافات پر کھولے ہوئے ویقبضن اور سمیٹے ہوئے اڑنے میں پرند پروں کو کھول دیتا ہے اور جب اس کو اڑنے میں زور دینا ہوتا ہے تو پروں کو سمیٹ بھی لیتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں اڑتا اور ہوا میں معلق رہتا ہے، نیچے نہیں گرتا۔ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ان کو رحمٰن کے سوا اور کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ اسی نے ہوا کو ان کے اُدھر بھی تھامے رہتا ہے یعنی ان کے اجسام میں (ہر چند چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں) اسی نے ایک ایسا ہلکا پن رکھا ہے جو باوجود پر سمیٹنے کے بھی ہوا میں اڑے چلے جاتے ہیں اور دوسرے اجسام گو ان سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس طرح اِدھر میں نہیں ٹھہر سکتے۔ دیکھو اس کی ہوا اور فضا پر بھی بادشاہت ہے۔

فائدہ (۱): نحاس کہتے ہیں کہ جب پرند اپنے بازو کھول کر اڑتے ہیں تو ان کو صاف کہتے ہیں اور جب سمیٹ لیتے ہیں تو قابضہ کہتے ہیں۔

فائدہ (۲): صافات کا مقابلہ قابضات اسم فاعل کا صیغہ نہیں لایا گیا بلکہ یقبضن مضارع کا استعمال ہوا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پرندوں میں اڑتے وقت پر پھیلائے رہنا اکثر یہ بات ہے اور پر سمیٹ لینا اور پر مارتے اڑنا گاہے گاہے جو مضارع کے تجدد و حدوث سے مفہوم ہوتا ہے برخلاف اس کے اسم فاعل دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ (۳): پھر جو ایسی بوجھل چیزوں کو ہوا میں معلق دوڑانے پر قادر ہے کیا وہ اوپر سے پتھراؤ نہیں کر سکتا؟ یا زمین کے رہنے والوں کو زمین میں نہیں دھنسا سکتا؟ لیکن انه بکل شیءٍ بصیر وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے اور اس کی نگہبانی کر رہا ہے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے۔ اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہو جائے۔ بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں ان کا بھی نگہبان یا گاڈ ہے۔ آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔ دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔ ایک کور باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید و شرک، کفر و اسلام میں یہی فرق ہے۔ کافر اپنے اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنے فتح و نصرت کا لشکر سمجھتا ہے اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو تم کو رحمٰن کے مقابلہ میں مدد دے سکے گا؟ وہ

جب چاہتا ہے ان اسباب میں کھنڈک ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آگبوٹوں کو ڈبو دیتا ہے باوجود صفائی کے وبا کا لشکر بھیج کر ستیاناس کرا دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف وخوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے پھر جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے توپخانے اور آسمانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آسکتا۔

اسباب ظاہریہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یار و مددگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محول کرتے ہیں، کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں، کہیں ٹوٹکوں اور منتروں کے تاثیرات سے مرض و بلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیڑوں سے نجات بخش دیتا ہے۔

کسی کی التجا کرنی اور اس کو پوجنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں، اول دفعِ مضرت کہ ہماری مصیبت کو روک دے گا، سو کفار و مشرکین کا اپنے خیالی معبودوں کی نسبت یہ بھی خیال تھا جس کو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ میں رد کر دیا اور پورا رد کر دیا۔ دوسرا سبب نفع کی امید کہ اس سے یہ فائدہ پہنچے گا، یہ دے گا، وہ دے گا۔ سو کفار و مشرکین کو اپنے الٰہ باطلہ کی نسبت یہ بھی خیال تھا کہ کسی سے رزق روزی مانگتے تھے، کسی سے اولاد، تندرستی طلب کرتے تھے۔ اس خیال کا ابطال اس جملہ میں کرتا ہے۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ[1] اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو رزق روزی یا کچھ بھی دے سکے اگر وہ اپنا رزق یا بخشش روک لے؟ کوئی نہیں کس لیے کہ سب اس کے سوا ممکن ہیں جو اپنی ذات وصفات ہی میں اس کے محتاج ہیں۔ صرف بارش بند کر لے تو معلوم ہو جائے۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ۔ بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لجاج اڑنا، انسان میں دو قوت عمدہ ہیں۔ پہلی عملیہ، دوسری علمیہ۔ پس عتو حرصِ دنیا کے سبب سے ہے جو قوتِ عملیہ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے اور نفور حق کے جہل کے سبب جو بطلانِ قوتِ علمیہ پر دلیل ہے یعنی ان بدنصیبوں نے اپنی دونوں قوتوں کو خراب کر دیا اس لیے ہٹ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

[1] یرزق روزی دیتا ہے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مطلق دینے کے معنی میں بھی خواہ رزق دینا یا اولاد و تندرستی دینا کہتے ہیں۔ رزقنی اللہ اولا داور اموالا رزقہ اللہ صلاحا۔ یہاں یرزقکم عام معنی میں مراد لیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ ۱۲ منہ

سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾

بھلا وہ جو اپنا منہ اوندھا کر کے چلتا ہے وہ زیادہ راہِ راست پر ہے یا جو سیدھے راستے پر چلا جاتا ہے۔ کہہ دو اسی نے تو تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل بھی بنائے ہیں۔ (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کہہ دو اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا (بتاؤ) اگر تم سچے ہو کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جب اس کو دیکھیں گے پاس آلگا ہے تو کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی تو ہے کہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

ترکیب : مکبا حال من ضمیر یمشی علی وجهه توکیدا هدٰی خیرامن والهمزة للاستفهام الفاء لترتیب ذلک علی ماظهر من سوء حالهم والمکب اسم فاعل من اکبَّ اللازم المطاوع لکبه یقال کبه الله فاکب ای سقط وهذا خلاف القیاس لان الهمزة اذا دخلت علی اللازم تصیره متعدیا وهنا قد دخلت علی المتعدی فصیرته لازما۔ هذا قول الواحدی وقال صاحب الکشاف لیس الامر کذلک وماجاء شیء من نباء افعل مطاوع بل تقول اکب معناه دخل فی الکب وصار ذا کب وقس علیه نظائره اقشع وانقض واما مطاوع کب وقشع فهو انکب وانقشع۔ امن یمشی خبر من محذوف لدلالة خبر من الاولی وهو اهدٰی وقیل لا حاجة الی ذلک لان من الثانیة معطوفة علی من الاولی عطف المفرد علی المفرد کقولک ازید قائم ام عمرو والخبر واحد لان ام لاحد الشیئین۔ قلیلًا مانعت لمحذوف ومامزیدة لتاکید التقلیل ای شکرا قلیلا اوزمانا قلیلا۔ ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف اخبرونی فلما الفاء فصیحة معربة عن تقدیر جملتین وترتیب الشرطیة علیهما کانه قیل وقد اتاهم الموعود به فرؤه فلما رؤه الخ زلفة مصدر بمعنی الفاعل ای قریبا او حال من المفعول سیئت الخ جواب لما یقال ساء الشیء یسوء فهو سیء اذا قبح واسود قیل عطف علی سیئت عطف المجهول علی المجهول۔ تدّعون قرأ المجهور بالتشدید فهو اما من الدعاء او من الدعویٰ کما قال الزجاج والمعنی تطلبون وتستعجلون وتمنون وتسألون وقرئ مخففا معناه ظاهر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ عتو اور نفور میں اڑے ہوئے ہیں۔ اب ان دونوں وصفوں کی قباحت بیان فرماتا ہے۔ فقال اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ کہ کیا وہ شخص جو اونچے اونچے رستے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے اس سے زیادہ راستے پر ہے جو صاف اور برابر راستے میں سیدھا چلا جاتا ہے گرتا پڑتا نہیں؟ حالانکہ دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا چہ جائیکہ اس ٹھوکریں کھانے والے اندھے کو جو برے رستے پر چلتا ہے اس سے زیادہ رستے پر اور مقصود کو پہنچنے والا کہے۔ پس وہ جو آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے وہ مومن نیک ہے، ضرور منزلِ مقصود پر پہنچے گا اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے رستے پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے۔ یہی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا، گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر، سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔

کجی و راستی کا بیان: پھر بعض مفسرین کہتے ہیں اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شخصِ خاص کی طرف۔ دونوں مثالوں میں اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں حضرت نبی علیہ السلام اور ابوجہل مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل مراد ہے۔ کجی اور راستی کا بیان۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں کافر و مومن کی روشِ کجی اور راستی کا بیان ہے۔ بعض کہتے ہیں آخرت کے حال کا ذکر ہے کہ کفار آخرت میں اوندھے گرتے ہوئے چلیں گے۔ کما قال ونحشرهم یوم القیامة علی وجوههم اور مومن جنت کی طرف سیدھے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کفر کی تمثیل ہے کہ آخرت میں بھی وہ یوں متمثل ہو کر

سامنے آئے گی۔ یہ بھی مسئلہ نبوت کے متعلق ایک پر اثر بیان ہے۔ اس کے بعد اثباتِ قدرتِ کاملہ پھر ایسے دلائل شروع کرتا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے کس لیے کہ کفارِ عرب حشر کے منکر تھے اور یہ انکار حصولِ حسنات سے روکنے والا اور شہوت پرستی پر جرأت دلانے والا تھا۔

دوسرا شاہد: اول شاہد تو پہلے گزر چکا تھا۔ اب دوسرا شاہد ذکر کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کہ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، نیست سے ہست میں لایا اور اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل بنائے، پر تم کم شکر کرتے ہو۔ پہلی دلیل میں پرندوں کا ہوا میں تھامنا مذکور تھا جو اس کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ یہاں انسان کی پیدائش اور اس کی صفات پیدا کرنا بیان فرماتا ہے جو ایک عجیب حیرت بخش مسئلہ ہے جس میں جس قدر غور کرتے جاؤ ہزاروں اسرارِ قدرت سمجھ میں آتے جائیں گے۔ آخر عقل و ادراک خیرہ ہو کر یہی کہہ دیتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔ اس برہان میں کئی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) یہ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو عقل و ادراک، ہوش و حواس عطا کیا اس کو چھوڑ کر اور کی طرف جھکنا کس قدر ناانصافی ہے۔ (۲) یہ کہ بن مانگے جس نے تم کو یہ جواہر عطا کئے جن میں سے ایک کی بھی قیمت کوئی نہیں دے سکتا نہ وہ کسی طرح مول لیے جا سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہاری رفعِ حاجات و دفعِ بلیات میں تمہارے مانگنے پر کیوں کوتاہی کرنے لگا، پھر اور کی طرف جاتے ہو کیا یہی شکر گزاری ہے؟ (۳) تم نے دنیا میں آنے کا راز نہیں سمجھا حالانکہ ہم نے تم کو کان دیے تھے کہ بزرگوں سے سن کر سمجھتے اور آنکھیں بھی دی تھیں کہ اس کی مخلوقات میں نظر کر کے عبرت حاصل کرتے اور جانتے کہ یہ لوگ اس جہان میں آتے اور چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں، کیا بات ہے؟ آنکھوں سے بھی تم نے کام نہ لیا، دل بھی دیے تھے کہ خود غور کرتے، مراقبہ کر کے سمجھتے مگر ان سے بھی کام نہ لیا۔ ان کو تو حبِ دنیا و حبِ شہوات سے بھر رکھا ہے ہمارے آنے کے لیے جگہ ہی باقی نہ رکھی، پھر ان چیزوں کی یہی شکر گزاری ہے ہیچ ہے قلیلا ماتشکرون۔ (۴) جس نے تم کو اول بار بغیر نمونے کے بنا دیا تمہارے جسم کے اجزاء کن کن غذاؤں سے کیسے جمع کئے پھر کیا وہ بارِ دگر تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟

تیسرا شاہد: اس کے بعد تیسرا شاہد بیان فرماتا ہے جس میں یہاں آنے کے راز کو کسی قدر ظاہر کیا ہے کہ اسی کے پاس جا رہے ہو پھر کچھ کر کے جاؤ۔ فقال هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ کہ اسی نے تم کو زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک نہیں کہ جہاں اولادِ حضرت آدم علیہ السلام نہ ہو تھوڑے دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل دنیا بھر میں پھیل گئی۔ یہ برکت اسی نے عطا کی ہے پھر جس نے پھیلایا وہی تم کو سمیٹ کر اپنے پاس ایک روز جمع کر لے گا۔

واضح ہو کہ یہ دلائل صحت و ثبوتِ حشر و نشر کے لیے تھے تاکہ وہ آزمائش صحیح سمجھی جائے جس کا اول سورہ میں ذکر تھا۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ پھر اس مقصود کے ثابت کرنے کے لیے اپنے کمالِ قدرت پر چند دلائل بیان فرمائے اور ان کو هو الذی ذراکم فی الارض تک تمام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس کو ابتداءً پیدا کرنے کی قدرت ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ والیه تحشرون۔ گویا تمام دلائل کا نتیجہ ہے جس کے ثبوت میں کسی عقلمند کو ذرا بھی کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس جملے کو سن کر منکرینِ حشر کو کوئی حجت باقی نہ رہی مگر صرف تمسخر کے طور پر یہ کہنے لگے۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کو وہ وعدہ یعنی قیامت کب ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی تعیین کرو۔ یہ ایک مہمل سوال ہے کس لیے کہ خواہ وہ کبھی ہو اس کے لیے عاقل کو تیار کرنا چاہیے۔ اس لیے اس کا جواب بھی دوسری طرح سے دیا گیا۔ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں جو ہوں تو تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں، صاف صاف اس کے لیے تعینِ وقت کا علم

کوئی ضروری نہیں ہاں اس کا علم ضروری ہے جو نذیر کے لیے کافی ہے سو وہ مجھے حاصل ہے اور اس کا مجھے کامل یقین ہے پھر جب وہ وقت آئے گا کہ جس کا کوئی تعین نہیں جانے کب آ جائے تو کیا حال ہوگا۔

فقال فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً جبکہ اس وعدے کو دیکھیں گے کہ قریب آ گیا تو سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ منکروں کے منہ بگڑ جائیں گے۔ دہشت اور ہیبت کے مارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ۔ اور اس وقت شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے کہا جائے گا (فرشتے کہیں گے یا ایک دوسرے سے کہے گا) لو یہ ہے وہ وقت کہ جس کی بابت تمہیں دعویٰ تھا کہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا یہ ہے وہ کہ جس کو تم دنیا میں پکارتے اور مانگتے تھے کہ وہ کب اور کیوں نہیں جلد آ چکتا۔

معاذ اللہ مصیبت کا وقت بھی برا وقت ہوتا ہے خصوصاً جس کا کوئی تدارک نہ ہو سکے جب وہ سامنے آتا معلوم ہو جاتا ہے تو ہوش و حواس باقی نہیں رہتے اور رنج و تکلیف، ہیبت و دہشت کے آثار چہرے پر ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ جب ایسی مصیبت آنے والی ہو اور اس کے آنے میں کچھ بھی کلام نہ ہو تو اس سے بے خبر رہ کر حجت بازی کرنا کیسی حماقت اور کیسی بدنصیبی ہے۔

ان آیات میں مسئلۂ حشر کی ہولناک کیفیت بیان کی گئی جو رسالت کا ایک مقصدِ اعظم ہے کس لیے کہ یہی انسان کے شہواتی خیالات کو پست کرنے والی چیز ہے۔

فائدہ: حشرِ حقیقی کا تو ایک وقت معین ہے کہ آسمان و زمین یعنی یہ عالمِ ناسوتی فنا ہو کر عالمِ ملکوتی ظہور کرے گا اور وہاں اس عالم کی ہر چیز اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوگی اور تمام بنی آدم خدا تعالیٰ کے پاس حاضر کئے جائیں گے، جزاء و سزا کے لیے اور یہی راز ہے اس جہان میں آنے کا جس کو پہلے لیبلوکم ایکم احسن عملا میں بیان فرمایا تھا مگر مرنے کے بعد بھی خدا کے پاس ارواح جزاء و سزا کے لیے حاضر کی جاتی ہیں اور اس کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور کیا سچا قول ہے۔ من مات فقد قامت قیامته کہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی۔ یہ قیامتِ کبریٰ کا دروازہ ہے اور یہ بھی مبہم رکھی گئی ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ آئے اور زیرک ہر وقت ہوشیار رہے، پھر یہ کبھی فراڈی فراڈی ہوتی ہے اور کبھی کوئی آسمانی حادثہ یکا یک آ پڑتا ہے کہ جس سے ہزاروں لاکھوں یکبارگی ملکِ عدم میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں کی طرف بھی والیه تحشرون میں اشارہ تھا کہ کفار و مشرکین کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں خراب ہو چکی تھیں وہ اس کی بابت بھی وقت کی تعیین پوچھتے تھے کہ وہ حادثہ جس کو ہم محض خدا کی طرف سے اپنے کفر و بت پرستی کی سزا میں سمجھیں، کب آئے گا۔ یہ بڑا گستاخانہ سوال ہے۔ اس عالم میں سینکڑوں حوادث پہلے گزر چکے جن کے آثار تمہارے سامنے ہیں اور بہت سے گزر رہے ہیں۔ پھر ان کی بابت سوال کرنا کہ وہ کب ہوں گے، بڑی بیہودہ بات ہے جس کا جواب یہی ہے کہ جب اس کو سامنے آتے دیکھیں گے تو منہ بگڑ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی کرے پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ کہہ دو وہی

رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسا بھی کر رکھا ہے۔ پھر تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح گمراہی میں پڑا ہے۔ کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا؟

ترکیب : ارء یتم بمعنی اخبرونی کما قال اکثر المفسرین والجملۃ الشرطیۃ ان اھلکنی اللہ الخ سدت مسد المفعولین فمن یجیر الکافرین الخ جواب الشرط امنابہ وعلیہ توکلنا صفۃ الرحمٰن وقیل ھوضمیر الشان امنابہ خبر الرحمٰن من استفہامیہ فی محل النصب علی انہ مفعول تعلمون ان اصبح شرط غورا خبر اصبح والغور مصدر فی معنی الغایر ویقال غار الماء غورا ای نضب فمن یاتیکم الجملۃ جواب الشرط معین ظاہر تراہ العیون وقیل ھومن مَعَنَ الماء اذا کثر وقال قتادۃ والضحاک ای جار۔

تفسیر : ان امورِ آخرت کو سن کر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کرتے تھے کہ کیا ہم پر قحط، وبا وغیرہ کا عذاب آئے گا تو تم بچ جاؤ گے؟ یہ بھی ایک نامعقول گفتگو تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِىَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِىَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ اے نبی! ان سے کہہ دے کہ بتاؤ اگر مجھے اور میرے ساتھ والوں ایمانداروں کو اللہ ہلاک کر دے یا اپنی مہربانی سے بچا لے جو کچھ ہو مگر تم عذابِ الیم سے جو تمہارے کفر کا بدلہ ہے کس طرح بچ سکتے ہو، اپنی فکر کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے، یہ جلد ہلاک و برباد ہوں گے۔ اس کے در جواب یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلاک کرے، چاہے بچا لے مگر تم کو تمہارے معبود عذابِ الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔ ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ کا مہربانی پر بھروسائے کامل تھا اور آپ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح کی گفتگو کی جایا کرتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا کہ ان سے کہہ دے وہ رحمان یعنی نہایت مہر کرنے والا ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسا ہے۔ بے شک وہ اپنے اوپر بھروسا کرنے والوں، ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔ تمہارے بت ہمارا کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تم ایسے بیہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہو ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں عنقریب تم پر آنے والیاں ہیں چنانچہ قحط آیا مقہور ہوئے۔ یا یہ مراد کہ خدا پاک نورِ ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے، ابھی تم کو بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، قیامت کے دن گو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ۔ کہ ان سے کہہ بھلا بتاؤ تو سہی خدا اگر تمہارے پانی کو (یعنی کنوؤں کے یا نہروں کے پانی کو) سکھا دے تو پھر وہ کون ہے جو کثرت سے پانی تمہارے پاس لے آئے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ بس میرا بادشاہِ بابرکت جس نے برکت کے یہ سامان کئے اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادرِ نافع وضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے تمہارے معبودوں کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ! کس موقع پر کلام تمام کیا ہے کہ جس کو اول واوسط سے کمال ارتباط ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جملے کے بعد مستحب ہے کہ اللہ رب العالمین کہے جس کا یہ مطلب کہ اللہ پانی لائے گا۔ بعض متکبرین نے یہ آیت سن کر کہا کہ ہم کھود کر نکال لائیں گے خدا نے اس کی آنکھوں کا پانی کھو دیا، اللہ سے ڈرتا رہے گستاخی نہ کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۚ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۚ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۚ﴿۸﴾

نون۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانہ نہیں اور آپ کے لیے تو بیشمار اجر ہے اور آپ جو ہیں تو بڑے ہی خوش خلق ہیں۔ سو اب آپ بھی دیکھ لیں اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس آپ جھٹلانے والوں کی نہ مانیں۔

ترکیب : ن۔ قرئ بادغام النون الثانیۃ من ہجائھا فی الواوقرئ بالاظہار وبالفتح وبالکسر وبالضم اما الفتح فبا ضمار فعل والفتح علی اضمار القسم اولالتقاء الساکنین والضم علی النباء۔ والقلم الواو للقسم وما موصولۃ یسطرون صلۃ والعائد محذوف والجملۃ معطوفۃ علی القلم ما انت الجملۃ جواب القسم وان لك الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ وانک ایضا معطوفۃ علیھا والجملات الثلاث جواب القسم۔ بایکم المفتون الباء زائدۃ ویمکن ان یکون المفتون مصدرا مثل المعقول والمیسور ای بایکم الجنون۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔ حسن وعکرمہ وعطاء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سب سے اول اقرء نازل ہوئی۔ پھر سورۂ نون، پھر مزمل، پھر مدثر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورۃ مکے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۃ قلم بھی کہتے ہیں اور سورۃ ن بھی۔ کس لیے کہ نون بھی اس کے اول میں ہے اور قلم بھی ہے۔

اس سورۃ میں بھی بلحاظِ تقدم نزول کے مسئلۂ نبوت پر دلچسپ بحث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں جو مخالفینِ نبوت اپنے خیالاتِ فاسدہ سے عیب ثابت کرتے تھے کہ آپ دیوانے ہیں اور ناحق دنیا سے لڑتے جھگڑتے ہیں، بدخلق ہیں، ان کی بدلائل تو یہ نفی کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی نہ مستبعد کس لیے کہ ملکِ عرب اور اس کا مکہ شہر گمراہی اور ہلاکت کی اندھیریوں میں پڑا ہوا تھا ایسے وقت خدائے پاک کی توحید وعظمت بیان کرنا اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینا اور ان بری باتوں کی ممانعت کرنا جو ان کی طبیعت میں خمیر ہو گئی تھیں اور صدیوں سے باپ دادا کو انہیں پر چلتے دیکھتے آئے تھے ایک نہایت حیرت خیز بات تھی جس کے قائل کو دیوانہ کہنا کچھ بڑی بات نہ تھی اور جا بجا پُر درد الفاظ میں منادی کرنا اور دردمندی سے ان ڈوبتوں کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی طبیعت کے برخلاف کام تھا جس کو بدخلقی اور تعصب کہتے تھے اور آپ کے مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ آپ کے حق میں مہلک خیال کرتے تھے اور آپ کو اس طریقہ سے پھیر کر اپنی طرف لانا آپ کے حق میں بہتر خیال کرتے تھے۔ ان سب باتوں کا ردان آیات میں بڑی تسلی بخش الفاظ میں کیا گیا ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جھوٹی بات پر کم قسم کھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی جھوٹ پر قسم کھائے گا برباد ہو جائے گا اس لیے خدائے پاک اپنے کلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرتا ہے قسم سے شروع کرتا ہے۔ فقال نٓ وَالْقَلَمِ

مَایَسْطُرُوْنَ کہ قسم ہے نون اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی ما انت الخ کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) !فضلِ الٰہی سے دیوانہ نہیں
یسا کہ وہ کہتے ہیں۔

ن سے کیا مراد ہے؟: نون سے کیا مراد ہے؟اس کی پوری بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر الم میں ہم کر آئے ہیں مگر یہاں اس قدر جاں لینا
ئی ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ نون کسی کلمہ کا حرفِ ابتدائی یا اخیر حرف ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔
تدائی حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں یہ ناصر یا نحن نصر کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کفار کے غلبہ وشوکت
راپنے متبعین کے ضعف وقلت کا خیال نہ کر ہم اس دین کی مدد کریں گے اور غلبہ دیں گے۔ چنانچہ غلبہ دیا اور وعدہ سچا کر دکھایا۔بعض کہتے
ں نور[1] کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دنیا ظلمات سے بھر گئی ہے، اللہ نے اپنا نور ظاہر کیا جو تجھے بھیجا اور جہان کو روشن
رنے کے لیے مکے کے پہاڑوں سے آفتابِ ہدایت، کو جلوہ گر کیا جس کی کرنیں تھوڑے سے دنوں میں زمین کے کناروں تک پھیل گئیں اور
ہ کسی کے روکے سے نہ رکیں۔ واللہ متم نورہ۔ اور اخیر حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ ہم رحمان ہیں،
نی رحمتِ کاملہ سے دنیا میں نبی اور کتابیں بھیجی ہیں۔بعض کہتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورہ کی آیات میں اخیر حرف نون
ہے جیسا کہ بلغاء فصحاء اول ہی کہہ دیتے ہیں کہ لام یعنی لام کی ردیف ہوگی۔ان سب صورتوں میں نون حروف میں سے ایک حرفِ تہجی مراد
وگا۔بعض کہتے ہیں کہ نون سے مراد مچھلی ہے۔پھر بعض کہتے ہیں وہ مچھلی کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ کیا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ
ہ مچھلی جس کی پشت پر زمین ہے جس کا نام لہموت یا بلہوت ہے۔پھر اس کی تفصیل میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے آسمان
ر زمین بنائے تو عرش سے فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے مونڈھوں پر اٹھالیا مگر فرشتہ کے پاؤں ٹکنے کی جگہ نہ تھی خدا نے ایک بیل بھیجا
س کے چالیس ہزار سینگ تھے اور چالیس ہزار پاؤں تھے۔بیل کے کوہان پر زمرد کی چوکی رکھی اس پر فرشتہ نے پاؤں رکھے مگر پھر بیل کے
اؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے ایک بڑا پتھر پیدا کیا جس پر وہ بیل کھڑا ہوا اور بیل کے سینگ زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے
تھنے سمندر میں ہیں۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کف بھی پیدا ہوتے ہیں اور جب دم کھینچتا ہے تو پانی سمٹ
تا ہے یعنی مدوجزر اس کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔اور وہ پتھر جس پر بیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور مچھلی پانی پر
ہے اور پانی ہوا پر ہے جس سے اشارہ ہے کہ جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔پھر اس مچھلی اور بیل کی بابت عجائب وغرائب روایات مذکور ہیں۔یہ
وایت ابن المنذر وعبد بن حمید وابن مردویہ نے کی ہیں اور مجاہد وسدی ومقاتل ومرہ ہمدانی وعطا خراسانی کلبی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔یہ
وایات محققینِ محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لیے انہوں نے ان روایاتِ کو اپنی کتابوں میں لکھنا برا سمجھا۔فنِ موضوعات[2] میں آئمہ
رح وتعدیل نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

---

[1] تب اس میں اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جو عنقریب یسعیاہ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کر گئے تھے جس کا کتاب یسعیاہ کے ساٹھویں باب میں ذکر ہے۔بقولہ ''اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا''۔۱۲منہ

[2] یہ ایک حدیث کا فن ہے جس میں محدثین نے تحقیق وتدقیق سے جھوٹی اور لوگوں کی بنائی ہوی حدیثوں کو جداگانہ لکھ دیا ہے جیسا کہ ابن حنان وعقیل وازوری کی تصنیف اور دارقطنی کے افراد اور خطیب کی تاریخ اور حاکم کی اور کامل بن عدی کی اور میزان ذہبی کی۔ان بزرگوں نے ضعاف وموضعات کو چھانٹ لیا ہے اور بعض علماء نے خاص موضوعات کے لیے تصانیف کی ہیں جیسا کہ موضوعات ابن الجوزی وصفانی وجوزقانی وقزوینی۔ پھر مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کا مختصر اور سخاوی کا مقاصد اور تمییز الطیب من الخبیث ربیع کی اور سیوطی نے ایک رسالہ بنام ذیل لکھا۔ابن جوزی کے موضوعات پر اور دوسرا لآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ۔اور عراقی نے احیاء العلوم پر تخریج لکھی اور طاہر ہندی نے تذکرہ لکھا اور ملا علی قاری نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔پھر ان کے بعد شوکانی نے القوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ایک جامع کتاب لکھی۔۱۲منہ

صوفیۂ کرام کا مذہب: بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ نون سے مراد نفسِ کلیہ اور قلم سے عقلِ کلی ہے۔اول میں کنایہ ہے کلمہ کے اول حرف کے ساتھ اور دوم باب تشبیہ سے ہے کہ نفس میں صورِ موجودات تاثیرِ عقل سے منقش ہو جاتے ہیں جیسا کہ صورِ لوح پر قلم کی تاثیر سے منقش ہوتی ہیں۔وَمَایَسْطُرُوْنَ سے مراد صورِ اشیاء اور ان کی ماہیات اور ان کے احوال جو صادر ہونے والے ہیں اور لکھنے والے عقول متوسط ارواحِ مقدسہ میں گرچہ کاتب ازلی حقیقت میں وہی ہے لیکن ان کی طرف مجازاً اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ذریعہ ہیں۔(از تفسیر علامہ محی الدین بن عربی)۔

بعض کہتے ہیں نون سے ذاتِ باری اور قلم سے صفات مراد ہیں۔وَمَایَسْطُرُوْنَ سے وہ افعال وحالات جو الواحِ تقدیر پر لکھے جاتے ہیں۔(عرائس)

صاف مطلب یہ ہے کہ ن ایک حرف ہے جو شروع کلام میں کسی خاص رمز کے لیے آیا ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے جیسا کہ اور حروف سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔وَالْقَلَمِ وَمَایَسْطُرُوْنَ سے قسم شروع ہوتی ہے کہ ہمیں قلم کی قسم اور اس کی جو لکھتے ہیں۔قلم سے کیا مراد ہے؟اب قلم سے خواہ وہ نورانی قلم مراد لو یعنی اندازۂ الٰہیہ کہ جس نے ازل میں ہر شے کو الواحِ علمیہ پر ثابت کر دیا جیسا کہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے۔جف القلم بما انت لاق رواہ البخاری۔قلم کے خشک ہونے سے کنایہ ہے قلمِ الٰہی سے مقادیر لکھے جانے اور ان سے فارغ ہو جانے سے۔ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ اول خدا نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ پھر جو ہوا اور اب تک ہوگا سب کچھ لکھا گیا۔قلم اور لوح وہی تقدیرِ علمی اور مرتبہ وثبوت فی علم اللہ ہے جو ازل میں تھا جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نوشتۂ ازلی کا ثبوت انجیل متی کے ۲۶، باب ۵۴ جملے سے بھی ہے۔قولہ ''کیا تو نہیں جانتا کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ ثمن سے زیادہ میرے لیے حاضر کر دے گا'' ۵۴۔پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے تب کیونکر پوری ہوگی۔خواہ اس سے مراد وہ قلم اور وہ لکھنا ہو کہ جو ملائکہ انسان کے نیک وبد کام لکھتے ہیں جس میں منکرینِ نبوت کے لیے سرزنش ہے۔خواہ دنیاوی لوگوں کے قلم اور ان کی تحریرات مراد ہوں۔پھر عام ہے کہ ہر معاملہ وانتظامِ دنیا کی بابت ہوں کس لیے کہ یہ بھی انعامِ الٰہی ہے جس پر دنیا کے صدہا انتظام مربوط ہیں۔خواہ علماءِ ربانیین کے قلم اور ان کی تحریر مقدس اور الہامی کتابوں کی بابت ہو جس کو قریش بھی عمدہ اور متبرک سمجھتے تھے یا عام علمی قلمیں اور ان کی تحریریں ہوں جس سے اشارہ ہے کہ اسی دنیا میں پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے منہ کی الہامی باتیں لوگوں نے تحریر کی ہیں اور پھر ان کو بھی اس عہد کے جاہلوں نے دیوانہ بنایا ہے جس پر وہ عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان باتوں کو اہلِ قلم مؤرخین نے لکھا ہے ان سے پوچھو۔دیکھو بہرحال ایک عمدہ اور اعلیٰ چیز کی قسم ہے کفار کے ابطال کے لیے کہ وہ نبوتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔اس بات کا رد کرنے میں نون اور قلم اور تحریر کی قسم سے ایک عمدہ مناسبت ہے۔کس لیے کہ نبوت علوم کا سرچشمہ ہے جو ایک اعلیٰ ترین نور ہے جس کی فیوضات بعد میں یا اس کے روبرو مبارک ہاتھ لکھا کرتے ہیں اور مقدس صحائف میں درج ہیں اور وہ دنیا کی اصلاح وفلاح کا عمدہ ذریعہ ہوتے ہیں مگر جاہل دماغ جب ان باتوں کو قبول نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دیوانہ کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح ہر معنی سے قسم اور مقسم بہ میں مناسبت ہے۔

اور پھر ان چیزوں کی قسم پہلی سورۃ تبارک سے کمال مناسبت رکھتی ہے کس لیے کہ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کا اظہار کیا تھا اور اس کے متعلق آسمانوں وزمین کا بلند اور وسیع مکان بنانا اور مطیع اور سرکشوں کے لیے دارالانعام اور جہنم کا قید خانہ وغیرہ امور ذکر فرمائے تھے مگر دفترِ شاہانہ کا ذکر نہ آیا تھا اس لیے یہاں نون اور قلم اور تحریر سے وہ بات بھی ثابت کر دی۔قلم کے فضائل یعنی علم کی خوبیاں اور قلم سے نبوت کی مناسبت کہ قلم جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں مجبور ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تابعِ الہام ہیں، آپ سے کچھ نہیں فرماتے وماینطق عن الھوٰی پر علماء نے بہت کچھ بیان کئے ہیں۔

کس لیے مجنون کہتے تھے؟ : تین چیزوں کی قسم کھائی، ن، قلم، تحریر کی اور قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ کہ تو اے نبی! اپنے رب کی نعمت یعنی عنایت سے دیوانہ نہیں اور جملہ کو اسمیہ اور ما سے مؤکد کیا جو عین مقتضائے بلاغت تھا کس لیے کہ وہ آپ کو مجنوں بھی بڑے زور سے کہتے تھے اور وجہ مجنون کہنے کی وہی تعلیمِ توحید و مکارمِ اخلاق تھی مگر نیا ایک سبب اور بھی پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوت کے بعد کہ جس سے تمام مکے میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی لونڈی اور زید رضی اللہ عنہ آپ کے متبنّٰی ایمان لائے تو آپ نے ان کو وضو اور نماز کے طریقے سکھائے جس سے اور بھی اہلِ مکہ کو نئی بات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ کو دیوانہ کہنا شروع کر دیا اور لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد دانائی کے نبوت سے پہلے نہ صرف قریشِ مکہ بلکہ اور اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے اور آپ کی زیرکی ضرب المثل تھی۔

(۲) وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کہ آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ یہ گویا دلیل ہے پہلے جملے کی۔ کس لیے کہ دیوانے کی کوئی بات قابلِ مدح اور سببِ اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعیِ جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا؟ بے انتہا کس لیے کہ دنیا میں توحید و خدا پرستی اور مکارمِ اخلاق کے (ان کے ہٹ جانے کے بعد) آپ ہی مروج اور معلوم ہیں جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا اور ہر ایک نیک کام کے بانی اور مروج کو بعد میں اجر ملا کرتا ہے۔ یہ اس کے باقیات الصاحات میں شمار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں گویا ایسے آدمی زندہ رہ کر نیک کام میں حصہ لینے والے شمار ہوتے ہیں اور زندہ تصور کیے جاتے ہیں۔

فائدہ: ممنون مقطوع کہتے ہیں منت الحبل اذا قطعتہ غیر ممنون غیر مقطوع کہ وہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور یہی معنی ہیں۔

(۳) وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔ یہ بھی اسی جملے کی ایک دلیلِ قوی ہے۔ کس لیے کہ مجنون کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے کہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ کے وہ بھی بالاتفاق قائل تھے پھر دیوانہ کہنا دیوانہ پن ہے۔

خُلق کیا ہے: خلق ایک نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام بآسانی کر سکتا ہے، اچھے کام کرنا اور بات ہے اور ان کو آسانی سے کرنا اور بات ہے۔ پس وہ حالت جس کی وجہ سے بسہولت نیک کاموں کو کر سکے اس کو خُلق کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق آتی ہے۔ خلق خلق بالضم و بالضمتین خوئے (صراح) خلق بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنا اور لوگوں سے معاملات میں نرمی، درگزر، مروت، سیر چشمی سے پیش آنا، انتقام سے درگزر کرنا، اقارب و احباب کے ساتھ سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا، کینہ اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔ حیا و شرم کرنا، سخت کلامی اور فحش گوئی اور طعنہ بازی سے بچنا اس کا ایک جز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں یہ سب باتیں فطری طور پر خمیر کر دی گئی تھیں۔ ان باتوں کو بتکلف عمل میں لانے کی حاجت نہ تھی بلکہ بے تکلف خود بخود آپ سے سرزد ہوتی تھیں۔ خلقِ محمدی دنیا میں مشہور ہے۔ حضرت ﷺ کی روحِ پاک میں معارفِ الٰہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی تھی اور بری باتوں، غلط عقائد کے قبول کرنے کی مطلقاً استعداد نہ تھی اس لیے یہ ملکہ آپ میں تھا جس کو خلق سے تعبیر کیا۔

ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے خلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا، فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا جس سے وہ راضی اس سے آپ راضی، جس سے وہ ناخوش اس سے آپ ناخوش تھے۔ (اخرجہ البیہقی فی الدلائل وابن مردویہ وابن المنذر) اس قسم کی ایک روایت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مسلم و ابن المنذر و حاکم وغیرہم نے نقل کی ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ﷺ کا نفسِ مقدس بالطبع عالمِ قدس کی طرف مائل اور اس کے ساتھ جس قدر چیزیں متعلق ہیں ان کی طرف راغب تھا اور لذاتِ بدنیہ اور سعادتِ

دنیویہ سے بالطبع آپ کو سخت نفرت تھی۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں آپ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا، جب کسی نے بلایا تو آپ نے یہ فرمایا، لبیک یعنی حاضر۔ نہ عمر بھر کسی کو مارانہ گالی دی، نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں حضرت ﷺ کی خدمت میں رہا، آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا؟ کتبِ شمائل اور سیر میں اس سے زیادہ آپ کے مکارمِ اخلاق مذکور ہیں۔

آج کل پھکڑ بازی اور فحش گوئی اور بے جا دل لگی اور ہنسی کا نام خلق رکھا ہے۔ افسوس!

فائدہ: علی کا لفظ استعلاء کے لیے عرب میں مستعمل ہوتا ہے۔ علی خلق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ان اخلاقِ حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی معنی میں وسعت پیدا کر دی کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے انبیاء علیہم السلام کے اقتداء و اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ بقولہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ اور یہ ظاہر کہ معرفتِ الٰہی اور احکامِ شرائع میں یہ اقتداء نہیں تو لامحالہ ان کے اخلاق میں اقتداء کرنا ہے تو جو ہر ایک نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے ان سب کا مجموعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوا اس لیے آپ کا خلقِ عظیم تھا۔ کیا خوب کہا ہے خسرو علیہ الرحمہ نے ؎

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ تین باتیں تین چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمائیں جن میں سے ہر ایک کو دوسری سے مناسبتِ تامہ ہے اور پھر ہر ایک کو ہر ایک چیز سے کہ جس کی قسم کھائی ہے عجب مناسبت ہے۔ اور مجموعہ کو مجموعہ سے مناسبت ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں جدا جدا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں اور مجموع مرکب ہو کر بھی جس کی تقریر اذہانِ صافیہ پر چھوڑتا ہے۔

پیشین گوئی: اس برہانِ قاطع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا آئندہ آنے والی نشانی سے پورا اطمینان دلاتا ہے اور ایک پیشین گوئی کرتا ہے جس کو اہلِ مکہ نے بہت جلد آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فقال فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ابھی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا دیکھ لیں گے؟ بعض علماء کہتے ہیں دنیا کی سزا جو بدر کے دن اور ایک قحطِ عظیم سے قریش کو ملی جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں، یہ عذابِ آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں بایکم المفتون۔ یبصرون کا مفعول ہے بذریعہ تب یہ معنی ہوئے کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کون فتنے میں پڑا ہے، دیوانہ یا معتبر ہے چنانچہ چند برسوں کے بعد جب آفتابِ ہدایت اور بلند ہوا تو تمام عرب نے جان لیا کہ ہم گمراہی میں تھے ناحق پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ لونڈیاں اور غلام، بوڑھے اور بچے، شریف و وضیع سب کی آنکھوں میں ان کی وہ پہلی حالت جو بت پرستی اور ہر قسم کی بدکاری تھی مبتذل ہو گئی۔ یہ کوئی تھوڑی بات نہیں، کوئی شخص جو دراصل خدائے تعالیٰ کا فرستادہ نہ ہو اور اس کو اپنے نورِ باطن و تاثیرِ بے حد کا پورا بھروسا نہ ہو ایسی جاہل، بت پرست، مغرور، بدکار قوم کی نسبت یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ایسی جلد کایا پلٹ دینے کا بیڑا اٹھایا اور نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس اعجاز سے بڑھ کر دنیا میں کسی نبی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ کہ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے بچلا ہوا اور کون راستے پر ہے؟ جو گمراہ ہے اور گمراہی کو ہدایت جانتا ہے اس سے بڑھ کر کون دیوانہ ہے اور ہدایت پانے والے سے جو سیدھی راہ چلا جا رہا ہے کون عقلمند ہے؟ اس میں اشارہ ہے کہ وہی گمراہ ہیں اور وہی دیوانے ہیں۔ ان کے دیوانہ پن کی دلیل ان کی گمراہی ہے اور آپ اور آپ کے متبعین کے عاقل ہونے کی دلیل ہدایت پر ہونا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ جو اپنے آپ کو عاقل اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں جھوٹے ہیں۔ کس لیے کہ تو ہدایت پر اور وہ گمراہی پر ہیں۔ اور امتیاز جو ہدایت و گمراہی سے حاصل

ہو وہ اس امتیاز سے بہتر ہے جو عقل وجنون سے حاصل ہو۔ کس لیے کہ وہ سعادت وشقاوتِ ابدیہ کا ثمرہ ہے اور یہ سعادت وشقاوتِ دنیویہ کا نتیجہ ہے۔ پھر جب یہ دیوانے ہیں اور دیوانگی سے جھٹلاتے ہیں تو فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ ان جھٹلانے والوں کا کہا نہ مان کیونکہ وہ تجھے اسی حالتِ خراب کی طرف بلا رہے ہیں جس میں وہ خود مبتلا ہیں۔ دنیا میں جو مذہب وملت کا جھگڑا اور لڑائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہدایت پانے والا دوسرے گمراہ بھائی کو دیکھ رہا ہے کہ یہ ڈوبا جاتا ہے اس لیے اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس کو ڈوبتا جان کر اس کے برخلاف کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ایک فریق کو دوسرے سے رفتہ رفتہ رنج وعداوت بھی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ جنگ وجدال ہوتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶

وہ چاہتے ہیں آپ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور (اے رسول!) آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آ جانا جو بری قسمیں کھاتا ہے۔ ذلیل' طعنہ باز' چغل خور بھی ہے۔ بھلی باتوں سے روکنے والا' ظالم' بدکار' سرکش اس پر بداصل بھی ہے اس سبب سے کہ وہ مال واولاد والا بھی ہے جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں (آپ دیکھیں) عنقریب ہم اس کے ناکڑے پر داغ لگاتے ہیں۔

ترکیب: فیدهنون عطف علی تدهن داخل فی حیزاو وھو مبتداء محذوف ای فھم یدھنون و جواب لومحذوف وکذا مفعول ودّوا ای ودوا ادھانک لوتدھن فیدھنون ویمکن ان یکون فیدھنون مع المبتداء المحذوف جواب لوو الشرط والجزاء الجملۃ مفعول ودوا وفی بعض المصاحف فیدھنوا بحذف النون علی انہ جواب التمنی المفھوم من ودوا ان کان الخ بالفتح مصدریۃ متعلق بقولہ ولاتطع ای لاتطع من ھذہ مثالبہ لان کان متمولا مستظہرا بالبنین۔ ھذا قول الفراء والزجاج وقرئ ان بالکسر علی الشرط وجواب الشرط محذوف دل علیہ اذاتتلی ای ان کان ذومال یکفر اولاتطع ایھا المخاطب کل حلاف شارطا یسارہ اذا شرط قال جوابہ۔

تفسیر: اول بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اطاعت سے منع کیا تھا۔ بقولہ فلاتطع المکذبین اب اسی بات کو اور مؤکد کرتا ہے۔ فقال ودوا کہ وہ کفار چاہتے ہیں لوتدھن کہ اگر آپ مداہنت کر جائیں، حق سے چشم پوشی کر جائیں اور بت پرستی کی برائی نہ کریں تو فیدھنون وہ بھی آپ سے تشدد نہ کریں۔ گول گول باتیں کہنے میں کچھ ممانعت نہ کریں۔ مفسرین نے ان آیات کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابوجہل اسود بن عبد یغوث واخنس بن شریق وغیرہ مکے کے رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند ونصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش وعشرت میسر آئے تو آپ فرمائیں' اگر عورتوں سے رغبت ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپ کے لیے حاضر کریں اور آپ جس سے فرمائیں نکاح کرا دیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال اور مواشی حاضر کریں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو آپ ہماری قوم میں عالی نسب عقلمند ہیں، ہم آپ کو سردار بنا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں میں سے کوئی مطلوب نہیں، صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا آج تو آپ عبادت کیا کریں مگر بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں۔ ہم بھی آپ پر طعن وتشنیع نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ودوا الوتدھن الخ۔

مگر ان سب کفار میں ولید بن المغیرہ بڑا بدذات تھا اس کی بدذاتی یہ تھی کہ جھوٹا، بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور، نیک کاموں سے روکنے والا، بدمزاج، سرکش حرامی تھا۔ مال واولاد کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی امارت وریاست کے نشہ میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں، عدول حکمی نہ کریں۔ اس توحید وخدا پرستی سے باز آ جائیں اس لیے بالخصوص اس کی اطاعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا۔ آپ خود بھی اس کی اطاعت کرنے والے نہیں تھے مگر تاکیداً حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا۔ اس کے اوصافِ رذیلہ بیان کر دیے تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور ترک کریں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے۔ فقال وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ کہ آپ ہر ایک بہت قسمیں کھانے والے کی نہ مانیں، بات بات پر قسمیں کھانا رذالت وکاذب ہونے کی دلیل ہے۔ مھین ذلیل حقیر' دنیاوی باتوں پر جھوٹ بولنا۔ قسمیں کھانا ذلیل کر دیتا ہے جس سے اس کی پست ہمتی اور ہلکا پن ثابت ہوتا ہے۔ اس کے سوا وہ موذی بھی ہو۔ ھماز طعن کرنے والا، لوگوں کو برا کہنے والا، لوگوں کے حسب ونسب، اخلاق' صورت' سیرت میں طعنہ کر کے لوگوں کو ایذا دینے والا۔ مشاء بنمیم چغل خور ایک کو دوسرے سے لڑا دینے والا۔ مناع للخیر نیکی سے منع کرنے والا، اگر اس کی اولاد یا نوکروں میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو وہ دھمکاتا کہ کھانا بند کر دوں گا۔ معتد، ظالم، لوگوں کے حقوق تلف کرنے والا۔ مزدور سے کام لیا، مار پیٹ کر نکال دیا۔ اثیم بدکار شراب پینے والا، زنا لواطت کرنے والا، عتل سرکش' اڑیل' بدمزاج' کسی کی بات خود پسندی سے نہ ماننے والا۔ بعدذلك ان سب عیبوں کے بعد زنیم ولدالزنا۔ حرام کا نطفہ بیشتر اخلاقِ رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر وبرکت شجاعت وحمیت کم ہوتی ہے۔ جن والیانِ ملک نے بیشمار عورتیں گھر میں ڈال کر حرامی اولاد جنوائی نہ ان میں شجاعت وعفت دکھائی دیتی ہے نہ ریاست وسیاست کی غیرت باقی ہے۔ مرد چھچھورے' بدکار، کمینہ پرست، عورتیں فاحشہ خاندان برباد ہوا۔ نطفے میں ضرور ایک نیک وبد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت ومرضِ جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ زنیم کے معنی شعبی نے شریر کے بھی بیان کئے ہیں۔ عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا اور لغت میں زنمہ کے معنی زیادہ کے ہیں اور بکری کے کان چیر ڈالتے ہیں اور وہ سوکھ کر لٹک جاتے ہیں تو ان کو زنمۃ الشاۃ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابلِ نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی! چہ جائیکہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ۔ اس لیے کہ وہ مال اور لڑکوں والا ہے مغرور اور نافرمان ہوا ہے اور اس نالائقی پر یہ نعمت پا کر شکرگزاری نہیں کرتا۔ بلکہ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں کہ سن کر اپنے اخلاق درست کرے، ہماری طرف رجوع ہو وہ سن کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، کلامِ الٰہی نہیں۔ اس لیے اس ناشکر کے لیے دنیا میں ہی ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر وغرور کو مٹا دے۔ وہ کیا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ کہ ہم ابھی اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر چرکا لگا۔ مکے میں آ کر اس پر پھایا لگایا اچھا ہی نہ ہوا ایک داغ ہو گیا اور آخر اسی مرض میں سخت تلخی اٹھا کر سیدھا جہنم میں گیا۔

فوائد: (۱)۔ اس بدبخت نے نبی علیہ السلام کو دیوانہ کہا تھا جس سے مقصود نبوت کا ابطال تھا۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بڑے واضح دلائل سے ثابت کی اور دلائل میں آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور اجرِ آخرت ثابت کر کے نہ صرف جنون کی نفی کی بلکہ نبوت کی اور آپ کے خلقِ عظیم کے مقابلہ میں اس بدبخت کے دس عیب بیان فرمائے جس سے بالمقابل اخلاقِ حمیدہ کی شرح بھی

ہوگئی اور آسمانی حکم کے مقابلہ کرنے والے کی دنیا وآخرت کی بربادی وخرابی کی توہین بھی کی گئی تا کہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عیب لگانے والے کے دس عیب واقعی بیان کئے گئے تو حضرت ﷺ کے ساتھ سلوک اور حسن خدمت سے پیش آنے والے کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک بھلائی کرنے والے کو دس بھلائیاں دنیا اور آخرت میں ملتی ہیں اور کم از کم دس پشتوں تک اس کا صلہ ملتا ہے جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانفشانیاں ہیں کہ ان کو بہت جلد سرسبز ملکوں کا مالک کر دیا اور ابد تک وہ اور ان کی نسلیں برگزیدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس برکت بھیجے گا۔ **اللھم صلی علی سیدنا محمد وآلہ وبارك وسلم۔**

(۳) اس متکبر کو اور بھی سزا دے سکتا تھا، ناک پر داغ لگانے کی سزا کیوں تجویز فرمائی گئی؟ ناک ہی غرور وخود بینی کا نشان ہے اور عرف میں ناک عزت وآبرو کو بھی کہتے ہیں اس لیے اس غرور وخود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا خداوندِ جہان کے ساتھ سرتابی، سرکشی کی مناسب سزا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں کنایہ ہے اس کی عزتِ دنیا وہ بیہ بگاڑ دینے سے۔

(۴) کیا ولید کی ناک بڑی اور سونڈ جیسی تھی؟ مگر متکبر اور مغرور اپنی ناک بڑھایا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ناک بڑھانا بلندی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ پستی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کو سونڈ سے تعبیر کیا۔ اور ممکن ہے کہ دراصل اس بد بخت کی ناک ظاہری لمبی اور جھکی ہوئی ہو اد بار وہلاکت کا نشان ہے اور ایسے کریہہ المنظر مغرور کی ناک کو خرطوم کہنا جو ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی پوری اہانت بھی ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نے اصحاب الفیل کا واقعہ دیکھا تھا ان کی لمبی ناک کا جو مآل کار ہوا اسے خیال کر کے باز آئے۔

(۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کو باوجود علم اور خلق کے کبھی ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ مخالف سرکش کو سخت الفاظ سے یاد کریں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو سانپوں کا بچہ کہہ دیا تھا اور قرآن مجید نے تو کسی کا نام نہیں لیا۔ ایک اوصافِ رذیلہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اب اتفاق سے وہ اوصافِ رذیلہ ولید میں ہوں یا کسی اور میں۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا
يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ
كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ
مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿۲۶﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾
قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُونَ ﴿۳۰﴾
قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طٰغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ أَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ

وقف لازم ۔ ع

إِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ ۘ لَوْ
كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

ہم نے ان باغ والوں کی طرح آزمائش کی ہے جبکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح کو اس کا میوہ توڑ ہی لیں گے اور انشاء اللہ نہیں کہتے تھے پھر تو اس پر رات ہی میں آپ کے رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا حالانکہ وہ سوتے ہی پڑے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ کٹا ہوا ہوتا ہے پھر وہ صبح کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو پھل توڑنے (کاٹنے) ہیں تو سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو۔ پھر وہ باہم چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ تمہارے باغ میں کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور وہ سویرے ہی اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے پھر جب (جلا ہوا) اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ پھر ان میں کے اچھے شخص نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کس لیے اس کی تسبیح نہیں کرتے۔ تب وہ بھی کہنے لگے ہمارے رب کی پاک ذات ہے (دراصل) ہم ہی خطاوار تھے۔ پھر تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے ہائے رے بے شک ہم ہی سرکش تھے! شاید ہمارا رب ہم کو اس سے بہتر (باغ) دے کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے یوں (آتی) ہے مصیبت اور آخرت کی مصیبت تو بڑھ کر ہے کاش وہ جانیں بھی تو۔

ترکیب: اذ تعلیلیة اوظرفیة بنوع تسمح لان الانقسام کان قبل ابتلائہم لیصرمنها جواب القسم مصبحین حال من الفاعل فی یصرمنها ولا یستثنون جملة مستانفة لبیان ماوقع منهم وقیل حال فتنادوا معطوف علی اقسموا بینهما اعتراض لبیان مانزل بتلک الجنة ان اغدوا ان مفسرة لان فی التنادی معنی القول اومصدریة ای اخرجوا غدوةً ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف فاغدوا وهم یتخافتون الجملة حال من فاعل فانطلقوا ان لایدخلنها ان مفسرة للتخافت المذکور لما فیه من معنی القول علی حرد یتعلق بقادرین وقادرین حال وقیل خبر غدوا لانها حملت علی الصحوا۔

تفسیر: اہلِ مکہ خصوص ولید وغیرہ ثروت وحشمت پر نازاں ہو کر کہتے تھے کہ ہم پر خدا کی نظرِ عنایت ہے جو دنیا میں ایسا دیا۔ وہ آخرت میں بھی اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ایسے خیالات اکثر بے دین متمولوں کے دل میں گزرا کرتے ہیں اور دیندار مساکین کی دل شکنی اور شبہ کا باعث ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس تمول وشوکت کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ کہ ہم نے جو ان کو یہ فراخ دستی اور عیش وآرام دے رکھے ہیں یہ ان کی آزمائش ہے۔ بدکار، منافق، فاجر کافر، بت پرستوں کو دنیا میں نعمتیں دی جاتی ہیں، آزمائش کے لیے، ان پر پھولنا نہیں چاہیے۔ یہ اور بھی ان کی غفلت وگمراہی وسرکشی کا سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت میں سوال ہوگا کہ کیا شکر گزاری کی تھی؟ اور نیز یہ نعمتیں فانیہ ہیں۔ یہ اور بھی ان کے دلوں کو فنا کے بعد صدمہ کا باعث ہوتی ہیں۔ کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔

قصۂ اصحاب الجنۃ: باغ والے کون تھے اور کب تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اور مکے کے کفار کے روبرو ان کا ذکر کیوں کیا گیا، کیا وہ اس بات سے واقف تھے؟

(۱) باغ کی نسبت مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ملکِ یمن میں شہر صنعاء سے دو کوس کے قریب ایک شخص کا باغ تھا جس کا مالک بڑا باخدا شخص تھا۔ آمدنی میں سے فقراء ومساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے۔ باغ کے میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور اس کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی حصے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے۔ پھر جب وہ مردِ باخدا مر گیا تو اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے۔ ان کی نیت میں فرق آ گیا۔ کہنے لگے ہم عیال دار ہیں، اگر باپ کی طرح لٹائیں گے تو کیا ٹھیک لگے گا۔ یہ شیطانی وساوس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز ٹھہری کہ بڑے تڑکے اٹھ کر پھل توڑ کر گھر میں لے آؤ۔ فقراء کے آنے سے پہلے مگر ان میں ایک بھائی خدا ترس بھی تھا، اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقراء ومساکین کو للہ دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدبیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کرتا ہے، وہی بگاڑ دیتا ہے۔ آخر اس کی بات نہ مانی اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آ گئی۔ کوئی لوکا ایسا جھونکا چلا کہ جس نے جلا کر برباد کر دیا۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ میں آ نکلے۔ ہمارا باغ تو شاداب و تر و تازہ ہے یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے۔ اس پر آسمانی مصیبت آ پڑی۔ پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی۔ وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس مردِ باخدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح و تقدیس کو نہ بھولو۔ پھر کہنے لگے بے شک ہم خطاوار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے۔ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ ابو خالد یمانی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک خوشہ انگور کا ایسا تھا کہ جیسا سیاہ[1] آدمی کھڑا ہو۔

(۲) اور آزمائش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے اس نعمت کا شکر نہ کیا۔ نیت میں فتور آیا اس لیے اس پر بلا آ گئی اور جب توبہ کی، نادم ہوئے تو خدا نے پھر اس سے بہتر دیا اور کذٰلك العذاب کا فقرہ کہہ رہا ہے کہ جو کوئی خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کرے گا اور اس کو اس کے موقع پر صرف نہ کرے گا اس پر بلائے آسمانی کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ پڑے گی۔ عمر اور جوانی اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے۔ اس کو بیکار اور ناشائستہ افعال میں صرف کرنے والے آخر ایک روز مصیبت کا منہ دیکھتے ہیں۔ بیماری اور بے وقت پیری اور پست ہمتی وغیرہ کس قدر مصائب ان پر آ پڑتی ہیں۔ کہیں آتشک میں سڑے پڑے ہیں، کہیں کثرتِ مے نوشی سے بدن میں رعشہ پڑ گیا، دانت گر گئے۔ تیس برس کے اندر ہی اندر نکمے ہو گئے۔ گردن ہلنے لگی، بال پک گئے، چہرے کی تازگی جاتی رہی، ضعفِ معدہ، دردِ گردہ، سلسل البول، دمہ، ضعفِ بصارت، کیا کیا آفات ہم اس وقت کے عیاش لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے۔ مال اور ملک بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے۔ اس میں عدل و انصاف ملحوظ نہ رکھنا، غرباء فقراء کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، بلکہ عیاشی اور فضول خرچی میں اڑانا، حقداروں کو محروم کر کے رنڈیوں، بھانڈوں، مسخروں کو دینا بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں خزانہ خالی، ملک میں ابتری، لشکر میں بے دلی اور ہر طرح کی بے امنی پیدا ہو جاتی ہے۔ موقع پا کر دشمن کھڑے ہو جاتے ہیں آخر ایک روز سب دولت و ملک چھوڑنا پڑتا ہے اور چہرہ پر برائیوں کا سیاہ داغ ابد تک باقی رہ جاتا ہے۔ دیکھو پچھلے عیاش بادشاہوں کو۔

(۳) مکے کے کفار اس قصے کو بخوبی جانتے تھے کس لیے کہ گرمی و سردی میں شام اور یمن جایا کرتے تھے اس کے سوا اس مضمون کو ان کے دل تسلیم کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں دینا نیک پھل لاتا ہے اور سرکشی اور بخل برے نتائج دکھاتا ہے کیونکہ وہ دہریے نہ تھے جو خدا کو اور اس کی قدرتوں کو نہ مانتے ہوں وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں کو مانتے تھے مگر اپنے خیالِ فاسد میں اور لوگوں کو بھی ان امور میں شریک سمجھتے تھے کہ اس نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ولید اور مکے کے اور سردار اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ السلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقراء سے بے رحمی کرتے تھے۔ اس کے بدلے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے۔ کتوں کو بھون بھون کر کھانے کی نوبت آئی اور پھر جب اسلام لائے اور توبہ کی تو خدا نے ان کو ملکوں کا مالک کر دیا۔ یہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ کی شرح ہوئی۔

اب ہم الفاظِ قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہیں۔ لیصرمنها یہ صرم یصرم کا مضارع ہے جمع مذکر غائب بانون ثقیلہ۔ اور ہا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ صرم پھلوں اور کھیتی کا کاٹنا۔ انصرام انقطاع اصرام پھلوں کے کٹنے کا وقت آنا، اور مفلس ہو جانا اور تلوار کو صارم اسی لیے کہتے

[1] انگور کا خوشہ لمبا ہوتا ہے پھر بعض سیاہ انگور کا خوشہ گز سوا گز کا بھی ہوتا ہے لٹکا ہوا دور سے سیاہ آدمی کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہیں کہ وہ زیادہ کاٹنے والی ہے۔ صریم شب تاریک، وصبح، فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ، یعنی جل کر سیاہ ہو گیا۔ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ انشاء اللہ نہ کہتے تھے اور کسی آیندہ کام کرنے کا اظہار کرنا اور انشاء اللہ نہ کہنا بے برکتی کا باعث ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی کہ مساکین و فقراء کو مستثنیٰ نہ کرتے تھے محرومی سے۔ طائف اسم فاعل ہے طیف سے یا طوف سے۔ علی الادل طائف کے معنی رات میں آنے والی چیز۔ یہاں مراد ہے، لوکا جھونکا جس نے جلا کر باغ کو سیاہ کر دیا۔ حرثکم حرث کھیتی۔ اس سے مراد پھل اور کھیتی اور انگور سب ہیں کس لیے کہ باغ میں صرف ایک ہی چیز نہ تھی مگر پھلوں کا توڑنا زیادہ مقصود تھا اس لیے صَارِمِيْنَ فرمایا۔ حرد آہنگ کردن وعع ف ا ک ۲ (صراح) یعنی صبح کو اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے اور اس کے معنی منع کرنے کے بھی ہیں کہ صبح کو مساکین کے منع کرنے کے لیے قادر ہو کر چلے۔ بعض کہتے ہیں حرد اس باغ کا نام تھا کہ اس باغ پر چلے، قادر ہو کر۔ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ یہ اول بار دیکھ کر کہا جبکہ باغ پہچانا نہ گیا۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ جب کہا کہ جب پہچان گئے کہ تقدیر پھوٹ گئی۔ باغ تو وہی ہے۔ اوسطهم سے مراد منجھلا نہیں بلکہ ان میں سے پہلا (ای اعدلهم وافضلهم وبینا وجهه تفسیر قوله امةٌ وسطاً) کبیر۔ لولا تسبحون۔ کیوں نہیں تسبیح کرتے یعنی اپنے رب کی پاکی نہیں بیان کرتے تھے ان ناپاک خیالات سے کہ ''اگر ہم دیں گے تو محتاج ہو جائیں گے پھر کون دیتا ہے خدا بدلہ اور برکت کیوں دینے لگا اور جو نہ دے تو ہم کیا کریں۔'' ان خیالات سے روکنے کو تسبیح کرنے سے تعبیر کیا۔ نہ یہ مراد کہ زبانی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے کس لیے کہ اس سے مساکین کو کیا فائدہ تھا؟

جب مصیبت دیکھ چکے تو قالوا سبحان ربنا کہنے لگے کہ پاک ذات ہے ہمارے رب کی اس کے وعدے سچے ہیں۔ انا کنا ظالمین۔ ہماری بدگمانی بری تھی ہم نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرا منها اناالی ربنا راغبون چونکہ خدا پرست کے بیٹے تھے اور خود بھی اچھے تھے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ آ گیا تھا جس کے سبب مصیبت آ پڑی مگر پھر سمجھ گئے اور تائب ہوئے اور امید خیر کی اللہ سے رکھی اور ہر مصیبت کے بعد اگر اللہ کی طرف رجوع و رغبت کی جاتی ہے تو وہ راحت اور اس تلف شدہ چیز کا بدلہ دیتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے تاکہ دنیا یا آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

اس تمام قصے کے بعد فرماتا ہے وكذلك العذاب کہ یوں آ پڑا کرتی ہے مصیبت اس سے کبھی نڈر نہ رہیے۔ لیکن عذابِ آخرت اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر یہ لوگ جانتے نہیں۔ اگر وہاں آنے والی مصیبت کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر کریں جب کچھ بھی فکر نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی یقین نہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾
أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَأْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ پھر کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا

تمہارے لیے کوئی نوشتہ ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہو کہ تمہارے لیے وہی ہے جس کو تم پسند کرو کیا تمہارے لیے ہم نے قسم کھالی ہیں جو قیامت تک چلی جائیں گی کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کس کو یقین ہے کیا ان کے معبود ہیں پھر اپنے معبودوں کو تو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

ترکیب : جنات النعیم اسم ان للمتقین خبرھاعندربھم یجوزان یکون ظرفالالا ستقراروان یکون حالامن جنات افنجعل الھمزۃ للانکاروالفاءللعطف علیٰ مقدرتقیضیہ القام ای الحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالکافرین ام منقطعۃ کتاب موصوف فیہ تدرسون الجملۃ صفۃ لکتاب ان قراء الجمہور بالکسر علی انھا معمولۃ لتدرسون ای تدرسون فی الکتاب ان لکم فیہ لماتخیرون۔ وقیل تم الکلام عندقولہ تدرسون ثم ابتداء فقال ان لکم الخ بالفتۃ بالرفع نعت لایمان وبالنصب علی الحال والعامل فیھا الظرف الی یوم القیامۃ بالمقدرفی لکم ای ثابتۃ لکم الیٰ یوم القیامۃ اوببالغۃ ای ایمان تبلغ ذلک الیوم۔

تفسیر : گروہِ اشقیا کا حال پہلے مجملاً بیان فرمایا تھا کہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اب سعداء کے گروہ کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ کہ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یعنی دارِ آخرت میں نعمت وعیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کدورت وکلفت نہیں برخلاف دنیا کے باغوں کے۔ مقاتل کہتے ہیں اس آیت کو سن کر کفارِ مکہ کہتے تھے جب دنیا میں خدا نے ہم کو مسلمانوں سے مال اور دولت میں بہتر کیا تو آخرت میں کیا بڑھ کر نہیں کرے گا اور بڑھ کر نہیں برابر تو ضرور ہی کرے گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے یا یوں کہو اس آیت پر کفار کو یہ خیال گزرنے والا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کہا۔ اس کے رد میں بھی یہ آیت آئی۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کہ کیا ہم فرمانبرداروں، پرہیزگاروں کو نافرمانوں، کفار وبدکاروں جیسا کر دیں گے؟ یعنی نہیں کریں گے، دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ہرگز نہیں۔ اب ان کے لیے ضرور جنات النعیم ہیں جن میں کفار کو حصہ بھی نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟ پھر اس بات کو مؤکد کرتا ہے۔ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ کہ اس خیال کو عقل سے تو کچھ بھی مدد اور ثبوت نہیں ملتا پھر کیا کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہے یعنی کوئی کتاب آسمانی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہے کہ جو تم پسند کرو گے اور چاہو گے قیامت میں تمہیں وہی ملے گا؟ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ ہو پھر کس لیے کہتے ہو۔ اب ایک اور بات ہے کہ خدا نے تمہارے لیے عہد اور ذمہ داری کر لی ہو اور قسم مؤکد کھائی ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ وہی کرے گا سو یہ بھی نہیں۔ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ کہ کیا تمہارے لیے ہم پر عہد اور قسم ہیں قیامت تک یعنی مستحکم جو کبھی نہ ٹوٹے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جو تم کہتے ہو۔ ایسے غلط خیال اکثر مذاہب باطلہ میں لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ یہود کو بھی تھا اور ہند میں برہمنوں کو بھی ہے اور جاہل مسلمانوں بزرگوں کی اولاد میں بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں ہم پر آگ حرام ہے اس لیے فرماتا ہے: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ۔ کہ ان سے پوچھ کہ کون اس کا دعویدار ہے۔ جب خدا کی طرف سے یہ نہیں تو کیا اپنے معبودوں کے گھمنڈ پر ایسا کہتے ہو کہ وہ ایسا کر دیں گے ہم ان کو پوجتے، نذر بھینٹ چڑھاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔ کہ کیا ان کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کارمختار جان کر پوجتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں وہ ایسا کر دیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کہلا تو دو اگر سچے ہیں۔ یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۴۲
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝۴۳ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۴ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝۴۵ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝۴۶ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝۴۷

جس دن پردہ کھل جائے اور وہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی ہوگی اور وہ پہلے (دنیا میں) سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ بھلے چنگے تھے۔ مجھے اور اس کو جھٹلانے والوں کو چھوڑ دو ابھی رفتہ رفتہ انہیں پکڑے لیتے ہیں ایسا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو اور (اے نبی!) ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں بے شک ہمارا ارادہ پکا ہے کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں کہ جس کے تاوان کا ان پر بوجھ پڑ رہا ہے[1] کیا ان کے پاس غیب (کا دفتر) ہے کہ وہ لکھا کرتے ہیں۔

ترکیب : یوم منصوب اما بقولہ فلیاتوا واما باذکرویدعون معطوف علی یکشف۔ فلایستطیعون جواب یوم یکشف خاشعۃ بالنصب علی انھا حال من ضمیر یدعون ابصارھم مرفوع علی انہ فاعل خاشعۃ ونسبۃ الخشوع الی الابصار بظھور اثرہ فیھاوھم سالمون الجملۃ حال من فی یدعون ومن منصوب محلا عطفا علی الضمیر المنصوب فی ذرنی۔

تفسیر : اس کے بعد قیامت کا ہولناک واقعہ بیان فرماتا ہے کہ اس روز ان کے افتراء اور خیالی ڈھکوسلوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ فقال يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کہ جس دن پردہ کھل جائے گا اور وہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

ساق کیا ہے : ساق کے لغوی معنی پنڈلی کے ہیں پھر کیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا کنایہ ہے؟ اول احتمال کی طرف فرقہ مشبہ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روز دراصل خدا تعالیٰ بندوں پر تجلی کرے گا اور پوری تجلی دیکھنے کی کسی کو قدرت نہ ہوگی اس لیے صرف پنڈلی کھل جائے گی جو ادنیٰ تجلی ہوگی۔ گو وہ پنڈلی ہماری جیسی پنڈلی نہ ہو لیکن اس کی ذات کے مناسب تب سجدے کے لیے حکم ہوگا پس جو لوگ دنیا میں اس کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی پشت تختہ کی طرف ہو جائے گی۔ یہ مضمون اکثر احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اور اہلِ ظاہر کا اسی طرف رجحان ہے مگر اہلِ حق کہتے ہیں استعارہ مراد ہے کس لیے کہ لفظ حقیقی معنی پر محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ مراد شدت وکرب ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس کے معنی دریافت کئے، آپ نے یہی بیان فرمائے اور فرمایا جب تم کو کسی لفظِ قرآنی کے معنی معلوم نہ ہوا کریں تو شعرائے عرب کے اشعار کو دیکھا کرو۔ پھر آپ نے اس معنی کی سند میں یہ شعر پڑھا:

سن لنا قومك ضرب الاعناق
وقامت الحرب بنا علی ساق

اور اسی طرح مجاہد نے بھی اس معنی کے ثبوت میں ابوعبیدہ اور جریر وغیرہ کے چند اشعار پڑھے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام پر زور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پائچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھل جاتی ہے اس لیے شدت کے موقع پر کہا کرتے ہیں کشف عن ساقہ۔ دوم ابی سعید، ضریر وغیرہ کا قول ہے وہ یہ کہ کشفِ ساق سے مراد پردہ اور اصل کھل جانا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ اور ساق ہر شے میں اس کی اصل اور جڑ ہے کہ جس پر وہ کھڑی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ساق الشجر وساق الانسان۔ تب یہ معنی ہوئے کہ جس روز حقائق

[1] کہ جس کے تاوان میں وہ دیے جاتے ہیں۔

الاشیاء اوران کے اصول ظاہر ہو جائیں گے یعنی قیامت کے دن کہ یہ پردہ کھل جائے گا جیسا کہ سورۂ ق میں فرمایا تھا، لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ کہ ''تو اے انسان! اس سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیرا پردہ کھول دیا پس تیری آنکھیں آج تیز ہیں''۔ اس عالم میں پردۂ حسی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اس پر شہوات ولذات حُبِّ دنیا کے اور بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت الامر منکشف نہیں ہونے دیتے اس لیے ادیان ومذاہب میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کوئی کچھ بے تک کہہ رہا ہے جس طرح کہ مکے کے کفار واہی تباہی منصوبے بیان کرتے تھے۔

سِرّ : یہی قول بہت درست ہے اور سرّ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تو ذات ہے کہ جس کا ادراک محال ہے اور وہ مستقل محض ہے۔ دوسرے صفاتِ کمال ہیں کہ جو جدا جدا عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتے۔ علم بغیر قدرت کے اور قدرت بغیر علم کے اور دونوں بغیر حیات کے پائے نہیں جاتے اور صفات تابع محض ہیں ذات کے ان میں بغیر ذات کے کچھ بھی استقلال نہیں۔ سوم جہاتِ کمال کو جن کو حقائقِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں اور وہ بین بین ہیں۔ نہ صفات کی طرح محض غیر مستقل، نہ ذات کی طرح محض مستقل اور ان جہاتِ کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ پوری مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء ہاتھ، پاؤں، پنڈلی، منہ وغیرہ نہ اس کے صفات کی طرح محض غیر مستقل اور نہ ذاتِ انسان کی طرح مستقل ہیں اور انسان کے کمالات کا مظاہر بھی ہیں۔ شرع شریف میں ان حقائق کی چند چیزوں کے ساتھ تفصیل واقع ہوئی ہے اور یہ چیزیں ان حقائق کی تمثیل وتشبیہ ہیں نہ عین اور وہ یہ ہیں۔ وجہ، عین، ید یمین، اصابع حقو یعنی کمر، ساق، قدم (منہ آنکھ ہاتھ داہنا ہاتھ انگلیاں کمر پنڈلی قدم) اب جس طرح ساق اور قدم اور وجہ وغیرہ کو جو حقائقِ الٰہیہ ہیں اور ان الفاظ میں ایک استعارہ کے طور پر بیان ہوئی ہیں خود بھی پنڈلی اور پاؤں اور منہ سمجھ لینا غلطی اور تشبیہ ہے جیسا کہ مشبہ واہلِ ظواہر کا مذہب ہے۔ اسی طرح ان کی تاویل وانکار کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں محض غلطی ہے۔ اہلِ سنت اس افراط وتفریط دونوں سے بری ہیں اور اہلِ سنت کے اس عقیدے کو بخاری ومسلم وغیرہما کی وہ حدیث بھی مخالف نہیں کہ جو ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ساق کھولے گا تو تمام ایماندار مرد اور عورت سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح اکڑ جائے گی سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اور صحیح مسلم میں ان سے بھی زیادہ مشرح روایت ہے کس لیے کہ ان روایات میں بھی کشفِ ساق سے اسی جہتِ کمالیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے جس کو استعارہ کے طور پر ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الحاصل محشر میں رب العزت کی ایک تجلی خاص ہوگی جس کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے آگے کفار ومشرکین سجدہ نہ کر سکیں گے اور اس کے سوا اس نورانی تجلی کی طرف نظر بھی نہ کر سکیں گے۔ خاشعةً ابصارهم۔ بلکہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی وترهقهم ذلة۔ اور ان پر ذلت ورسوائی چڑھے گی کیونکہ انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کر کے اس کے نامِ پاک کی توہین وتذلیل کی تھی۔ مظاہر کو پوجا تھا اور یہ سجدہ اور جمالِ باکمال پر نظر کیوں نہ کر سکیں گے؟ اس لیے کہ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ۔ دنیا میں انہوں نے اس مادۂ غیبیہ کو جو انسان میں خداوندِ عالم نے ودیعت رکھا ہے اور وہی اس کو اس کا مشتاقِ دیدار اور مطیع بناتا ہے نافرمانی اور سرکشی کر کے ضائع کر دیا تھا۔ اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں ان کو سجدے کے لیے اس وقت میں بلایا جاتا تھا کہ وہ سالم تھے ان کی فطرت اور اصلی مادہ میں کوئی نقصان نہیں آیا تھا پھر انہوں نے انکار وسرکشی کی اور رفتہ رفتہ اس کو برباد کر دیا۔ آج اس تجلی کے میدان میں سب کو کھڑا کر کے تجلیِ نورانی کا دکھایا جائے گا تا کہ شقی وسعید کا پورا امتیاز ہو جائے۔ پھر وہ جو دنیا میں اس کے آگے جھکتے تھے۔ سر کے بل اسی کے آگے عاجزی کرتے ہوئے گرتے تھے دل بھی اسی کے آگے جھکے ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں وہ اشتیاق ومحبت کا شعلہ تھا جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ فوراً اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں گے انہیں کہاں تاب رہے گی اور اس کے دیدارِ فیض آثار سے سرفرازی حاصل کریں گے۔

اس وقت مشتاقانِ جمالِ کبریائی کی عجیب حالت ہوگی اور بدلوگ نہ کر سکیں گے۔ وہ جنت میں یہ جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔

ابراہیم تیمی کہتے ہیں یہ معنی کہ وہ اذان وتکبیر کی آوازوں سے بلائے جاتے تھے پر نہ آتے تھے۔ سعید بھی جبیر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں حی علی الفلاح سنتے تھے اور نہ آتے تھے۔ کعب احبار کہتے ہیں یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مگر ان لوگوں کے لیے جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں وہ کفار دنیا میں بلائے جاتے تھے اور وہ امن کی حالت میں تھے پھر آج بلائے جائیں گے اور وہ خائف ہوں گے۔

ابی مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت میں قیامت کا معاملہ مراد نہیں کیونکہ اس روز عبادت وسجدہ نہیں وہاں تو یہیں کے اعمال کا بدلہ ملے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان کے وقتِ اخیر کا معاملہ ہے۔ اس وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور پہلے تو لوگ اس کو نماز وعبادت کے لیے بلاتے تھے نہیں آتا تھا اب بجز حسرت کے اور کچھ نہیں یا بڑھاپے یا مرض کا واقعہ ہے کہ جوانی اور تندرستی میں جو سلامتی کا وقت تھا خدا تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تھے، لوگ بلاتے تھے نہیں آتے تھے اور نشے میں چور تھے۔ اب بڑھاپا اور بیماری آئی، خود اس کی طرف جھکنے اور عبادت ونماز ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ یہ مراد بھی ممکن ہے مگر یہ کہنا کہ آخرت میں سجدہ نہیں ٹھیک نہیں کس لیے کہ وہاں سجدہ بطور تکلیف کے نہیں مگر بطور امتحان وسرزنش کے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیان میں وہ سخت تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے اس سے آپ کو کمال رنج ان کی بدنصیبی اور سرکشی پر ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔ فقال فذرنی ومن یکذب بهذا الحدیث کو چھوڑ مجھے اور اسے جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے یعنی آپ کچھ رنج وفکر نہ کریں میں آپ سمجھ لوں گا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ میں رفتہ رفتہ انہیں ابھی پکڑے لیتا ہوں اس طرح سے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ استدراج، جلدی نہ کرنا، اور اس کے اصلی معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا کہتے ہیں۔ استدرج فلان فلانا ای استخرج ما عنده قلیلا قلیلا اور اسی سے مدرج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استدراج بندہ کے لیے یہ ہے کہ نعمت پر نعمت، مراد پر مراد ملے جائے اور یہ بدکاری اور ناشکری اور کفر میں پڑا ہوا ہو یہاں تک کہ کشتی بھر جائے، جلد ڈوب جائے، عذابِ الٰہی نازل ہو جائے، یکایک موت آ جائے یا کوئی ایسی مصیبت آئے کہ سر بھی نہ اٹھا سکے، توبہ اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی مہلت بھی نہ ملے۔ یہ ہے کہ عیش ونشاط میں پڑا ہوا مگن ہے اور اپنی بدکاری کے عمدہ پھل سمجھ رہا ہے۔ ادھر مصیبت ہے کہ چپکے چپکے اس کے پاس آن لگی ہے اور اس کمبخت کو خبر بھی نہیں۔ آج کن شادمانیوں کے ساتھ فاحشہ عورتوں کو لیے مے نوشی کر رہا ہے، شام کو مر گئے کل اسی وقت گور کے تنگ اور اندھیرے گڑھے میں پڑنے اعمال کو بھگت رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا استدراج جس سے بندہ واقف نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی استدراج ہے کہ انسان کی عمر گرانمایہ آناً فاناً کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر صبح آفتاب کی جگمگاہٹ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ہر رات اس کی بہار لیتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ یہ میرے سفر کے منازل ہیں جو بے اختیار طے ہو رہے ہیں۔ پھر یکبارگی منزل پر پہنچ گیا۔ اب آنکھ کھل گئی، رونے پیٹنے لگا مگر اب کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ۔ کہ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں، میرا داؤ بڑا مضبوط ہے کہ جس سے رستگاری ممکن نہیں اور کیونکر رستگاری ہو سکے جبکہ اس کا داؤ انسان کے جمیع قوائے ادراکیہ کو احاطہ کئے ہو اور بری بات کو بھلی سمجھا ہو۔ جیسا کہ کفارِ مکہ کہ تو ان کو علوم نافعہ بتا رہا ہے اور آبِ حیات پلا رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں سرکشی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی اس سے کوئی غرضِ دنیاوی نہیں۔ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ کہ کیا آپ ان سے کوئی اجر یا مزدوری مانگتے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں جس لیے آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ اور جب آپ سے استفادہ نہیں کرتے تو پھر ان کے پاس غیب ہے یعنی انہیں امورِ غیبیہ، احکامِ الٰہیہ ومنافع و

تِ آخرت کا بطور کشف والہام علم ہے کہ جس کو وہ لکھتے ہیں یا اپنے دلوں کے ورقوں پر لکھے بیٹھے ہیں۔ پھر جب یہ دونوں باتیں
تو قطعاً جان لینا چاہیے کہ وہ کیدِ الٰہی میں گرفتار ہیں کہ ان کو کسی طرح فکر وتامل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور کسی طرح ان کے دلوں
ہیں پہنچ سکتا۔

صْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾
لَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰىهُ
بُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ
بْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ بہت ہی غمگین تھا۔ اگر اس کے رب کی رحمت اسے
سنبھال لیتی تو وہ برے حال سے چٹیل میدان میں پھینکا جاتا پھر اس کو رب نے برگزیدہ کیا سو اس کو نیک بندوں میں شامل کر لیا اور کافر تو آپ کو گھور گھور کر ڈگمگا
دینے ہی لگے تھے جبکہ انہوں نے قرآن سنا تھا اور وہ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے اور حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا کے لیے صرف نصیحت ہے۔

کیب : اذ العامل فیھا معنی قولہ کصاحب الحوت یرید لاتکن کصاحب الحوت حال ندائہ وذلک لانہ فی ذلک الوقت کان
ظو ما فکانہ قیل لاتکن مکظو ماً۔ وھومکظوم الجملۃ حال من ضمیر نادٰی وعلیھا یدور النھی لاعلی النداء لانہ امر مستحسن۔ تدارک فعل ماض مذکر
صل علی معنی النعمۃ لان تانیث النعمۃ غیر حقیقی موصوف من ربہ صفۃ والمجموع فاعل تدارک والضمیر فی تدارکہ مفعولہ۔ ھذا قراۃ الجمھور
قرئ بتشدید الدال تدارکہ وھو مضارع ادغمت التاء فی الدال والاصل تتدارک بتائین وقرئ تدارکتہ بتاء التانیث لنبذ جواب لولا تقدیر
آیۃ لولاھذہ النعمۃ لنبذ بالعرا مع وصف المذمومیۃ فلما حصلت ھذہ لنعمۃ لم یوجد النبذ بالعراء مع ھذا الوصف لانہ لما فقد ھذا الوصف فقد
مجموع وان ھی المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لیزلقونک دلیل علیھا۔ قراء الجمھور بضم الیاء وقراء نافع واھل المدینۃ بفتحھا والاول من ازلق
الثانی من زلق ومعناھما واحد وھو التنحی من موضع (لغزش) بابصارھم والباء اما للتعدیۃ واما للسببیۃ لما سمعوا الذکر ولما ظرفیۃ منصوبۃ
یزلقونک وقیل ھی حرف وجوابھا محذوف ای لما سمعوا الذکر کادوا یزلقونک وما ھو الخ الجملۃ مستانفۃ او فی محل نصب علی الحال من فاعل
یقولون ای والحال انہ تذکیر۔

تفسیر: کفار کے طریق کی مذمت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر واستقلال کی تاکید کرتا ہے اور ضمناً ایک نبی کی جلد بازی پر
عتاب ہونے کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ فقال فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَاتَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر کہ انجام ان
کفار کا کیا ہوتا ہے۔ ان پر عذاب آنے کے لیے جلدی نہ کر جیسا کہ مچھلی والے نے کی تھی یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے ان کا نام نہ لیا
مچھلی والا کہہ کر یہ بتا دیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ مچھلی کے پیٹ میں جانا ہوا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کا مختصراً تذکرہ کرتا ہے۔ اِذْ نَادٰى وَهُوَ
مَكْظُوْمٌ کہ اس نے اپنے رب کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا، نہایت غم والم کی حالت میں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ

الظّٰلِمِيْنَ کہا (مکظوم مشتق ہے کظم سے جس کے معنی ہیں برتن کے بھر دینے کے کہتے ہیں کظم السقاء اذا ملاہ۔ جب رنج وغم سے بھر جاتا
ہے تو اس کو بھی کاظم کہتے ہیں اور مکظوم بھی اور اسی طرح غصے سے بھرے ہوئے کو بھی)۔

فائدہ: ان کا قصہ کئی جگہ بیان ہوا چکا ہے کہ شہر نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم پر عذاب آئے گا۔
لوگوں نے یقین کر کے رونا اور توبہ کرنا شروع کیا جس لیے وہ آتا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ ہوا کہ میں جھوٹا ہوا
اس لیے نینوی شہر چھوڑ کر کہیں کو چل دیے۔ ایک کشتی پر سوار ہوئے، دریا میں ڈالے گئے، مچھلی نے لقمہ کر لیا اس لیے پیٹ میں آپ نے پھر
اپنے رب کو پکارا تو مچھلی نے ایک کنارے پر جا کر اگل دیا۔ اللہ نے وہاں کدو کے پتوں سے ان پر سایہ کیا اور پھر ان کو سمجھایا کہ ہم کو اپنی مخلوق
پر رحم ہے ہم ایسا جلد انہیں کیونکر ہلاک کر دیتے؟ پھر خدائے پاک میں اور ان میں مصالحت وصفائی ہوئی اور شہر نینوی کی طرف بھیجے گئے۔
اس بات کو مجملاً بیان فرماتا ہے۔ لولا ان تدارکہ۔ کہ اگر رحمتِ الٰہی اس کے لیے دستگیر نہ ہوتی تو میدان میں مچھلی کے پیٹ سے برے
حال میں ڈالے جاتے یا وہیں مر جاتے۔ پھر قیامت کے دن میدان میں برے حال میں لائے جاتے مگر اس کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا یعنی نواز
دیا۔ اس سے درگزر کی اور پھر نینوی کی طرف بھیجا پھر وہ بہت صلاحیت پر آ گیا، وہ تیزی جاتی رہی (ورنہ نیک تو پہلے سے تھے کس لیے) نبی تھے
اور اجتباء کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کو نوازا۔ ان کی جلد بازی سے درگزر گیا پھر اسی نبوت کے کام پر بھیجے گئے کس لیے کہ وہ اول سے نبی تھے
یہ نہیں کہ بعد میں ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا حال بیان فرما کر پھر آپ کی وہ حالت بیان فرماتے ہیں کہ جو قوم کے ہاتھوں پیش آ رہی تھی اور جس سے آپ
کا جلدی کرنا اور یونس علیہ السلام کی طرح دل میں پیچ وتاب لانا ممکن تھا۔ فقال وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ۔ کہ تحقیق نزدیک تر تھا کہ کافر تجھ کو اپنی آنکھوں سے ڈگمگا دیں، صبر واستقلال کے مقام سے کہ ان کی تیز تیز نگاہیں دیکھ
کر آپ کو بھی غصہ آ جائے اور مضطرب ہو کر یونس علیہ السلام کی طرح قبل از وقت ان کے لیے دعائے بد کریں اور نزولِ عذاب کے منتظر ہو
جائیں اور یہ کب کرتے ہیں۔ لما سمعوا الذکر جبکہ قرآن مجید سنتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ عین نصیحت کے وقت جو سراسر خیر خواہی کا وقت
ہوتا ہے، ایسی سخت مخالفت ناصح کو جوش میں لے آتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت محبوب تھا
اور اپنی برائی سننے سے اس قدر غصہ نہیں آتا جس قدر کہ محبوب کی تحقیر سن کر آتا ہے۔ یہ ان کی ایک بات ہے جو آنکھوں سے متعلق ہے اس پر
بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ اور کہتے ہیں تحقیق یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ ہے۔
حالانکہ کوئی جنون اور دیوانگی کی بات آپ میں یا آپ کے کلام میں نہیں پاتے۔ کس لیے کہ جو کلام کہ آپ لوگوں کو سناتے ہیں وَمَا هُوَ
اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وہ نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سودمند ہے بلکہ تمام جہان کے لیے۔ کس لیے کہ اس
عہد میں تمام جہان بت پرستی وبدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا اور قرآن مجید میں تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اس کے علاوہ
مکارمِ اخلاق واصولِ حسنات وارکانِ سعادتِ دارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔ پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت
وسعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تھا تو تمام جہان کے ناصح اور مسلّم سعادت کو کیونکر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیونکر دیوانہ ہو سکتا ہے۔

---

۱ معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام خدائے پاک پر کیا غصہ ہوتے اور کون اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے مگر اس کے خاصوں میں اور اس میں محبت کے گلے اور
شکایات اور رنج وغصہ بھی ہوا کرتے ہیں اس حالت کا مبدل ہونا باہمی صلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی حضرت یونس علیہ السلام پر طعن نہ
کرے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے یونس علیہ السلام پر تفضیل نہ دو اس سے یہی غرض ہے ورنہ آپ کو جمیع انبیاء علیہم السلام پر خدا نے فضیلت دی
ہے یہ آپ کی کسرِ نفسی اور دوسرے نبی کی توقیر ہے یہ نہیں کہ اپنے سے تمام اگلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور راہزن کہہ دیا جیسا کہ انجیل میں ہے۔ ۱۲ منہ

اکثر مفسرین لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ کے یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ تیز تیز اور غصہ بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتے تھے اور اس سے آپ کو مقامِ صبر واستقلال سے پھسلانا چاہتے تھے اور کلامِ عرب میں اس قسم کی تیز اور غصہ بھری نگاہ کو گرا دینے والی، کھا لینے والی کہتے ہیں۔ من قولھم نظرا الیّ نظرًا یکادیصرعنی ویکادیاکلنی کہتے ہیں۔ ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ مجھے کھا جائے گا یا گرا دے گا۔ ایک شعر میں یہ مضمون آیا ہے۔

یتقارضون اذا التقوا فی موطن
نظر ایزل موطئ الاقدام

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسے محل پر ایک شعر پڑھا ہے۔

نظروا الی باعین محمرۃ
نظر التیوس الی شفار الجاذر

(کبیر)

مگر اہلِ روایت کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کفارِ مکہ نے دیکھا کہ آپ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظرِ بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے! تو اس میں فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپ قرآنِ مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا، واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے مگر آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ ان آیات میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے۔

اب قابلِ بحث یہ بات ہے کہ آیا دراصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو اصابۃ العین کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں نہیں کس لیے کہ ایک جسم کا اثر دوسرے تک بغیر مماستہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں۔ پھر محض توہم باطل ہے جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔ محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماستہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول کر لیتے ہیں جس کی نظیر عملِ مسمریزم ہے۔ روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں۔ روحِ طیبات کے آثار معجزات وکرامات ہیں۔ ارواحِ خبیثہ کا اثر ویسا ہی خبیث ہوتا ہے۔ پھر اس اثر کی علت گفتگو ہے کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں جو شعاعِ بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔ اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔ احادیث سے بھی نظرِ بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امام بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں آیات وان یکاد الخ کا پڑھ کر دم کرنا بہت سریع الاثر علاج ہے۔ اور جس کی نظرِ بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء دھلا کر پانی سے مریضِ نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔ کہیں نظر والے کے پاؤں کی مٹی بھی لے کر آگ میں ڈالتے ہیں، کہیں سرخ مرچیں آگ میں جلاتے ہیں۔ ہندوستانی خیالات نے اس کو از حد ترقی دی ہے۔ پھر کہیں نظر کے لیے گنڈا ڈالتے ہیں، کہیں فال کھولتے ہیں، کہیں سیاہ ٹیکے لگاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔ جاہل قوموں میں بقدرِ جہل اس کا زیادہ چرچا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ

بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ
صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى
الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ
مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸

ہونے والی، کیا ہی ہے ہونے والی اور آپ کیا جانے کیا ہے ہونے والی (یعنی قیامت)۔ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کو جھٹلایا تھا پھر ثمود تو کڑک سے ہلاک کیے گئے اور عاد تو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو زناٹے کا طوفان تھا۔ وہ ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار چلا کی۔ (اے مخاطب!) تو اس قوم کو اس حادثہ میں اس طرح پچھڑے ہوئے دیکھ رہا ہے گویا کھجور کے کھوکھلے ٹنڈ پڑے ہیں پھر تو ان میں سے کسی کو بھی بچا ہوا دیکھتا ہے۔

ترکیب: الحاقة ای الساعۃ والحالۃ التی یحق فیھا الامور مبتداء ما الحاقة خبرھا واصلہ ماھی فوضع الظاہر موضع المضمر للتھویل وما مبتداء ادراك جاوزت الحد وھی صیحۃ جبرئیل وقیل الرجفۃ ای لزلزتہ صرصر الشدید الصوت لھا صرصرۃ عاتیۃ من العتو فقیل عتت الریح علی الخزان فلم یکن لھم علیھا سبیل وقیل عتت علی عاد فما قدروا واعلیٰ ردھا بحیلۃ من استناد وبناء او استنادالی جبل وقیل لیس من العتو بمعنی العصیاں بل بمعنی بلوغ الشیء وانتہا بہ کما فی قولہ تعالیٰ (وقد بلغت من الکبر عتیا) عاتیۃ ای بالغۃ منتھاھا فی القوۃ والشدۃ سخرھا جملہ مستانفۃ لبیان کیفۃ اہلاکھم ویجوز ان تکون صفۃ لریح۔ وان تکون حالا منھا وثمانیۃ ایام معطوف علی سبع لیال وھما منصوبان علی انھما ظرف لسخر حسوما الحسوم جمع حاسم کشھود وقعود والحسم فی اللغۃ القطع بالاستیصال ومنہ الحسام السیف ومعناہ فی الآیۃ التتابع لان تلک الریاح لما کانت متتابعۃ ماسکنت سائمۃ کانھا قطعت القوم واستاصلتھم فعلی ھذا القول انتصابہ علی لغت لسبع لیال الخ ای متتابعات وھذا قول الاکثرین۔ وقیل الحسوم مصدر کالشکور والکفور فعلی ھذا انتصابہ اما بفعل مضمر والتقدیر تحسم حسوما واما لکونہ مفعولا لہ ای مسخرھا علیھم الاستیصال وقیل حال من الریح ای مستاصلۃ وصرعی جمع صریع یعنی موتی ھو حال کانھم الخ حال من القوم او جملۃ مستانفۃ۔ والنخل یذکر ویؤنث۔ ھذا اخبار عن عظم اجسامھم۔

تفسیر: قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ حاقہ اور اس کی مثل اور سورہ پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورۃ نون سے یہ ہے کہ انسان کی بدکرداری وکفر پر جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے جو دراصل اسی کے افعالِ بد کا نتیجہ یا ایک اثرِ غیر منفک ہوتا ہے اس کی دو قسم ہیں۔ قسم اول: قسم اول کو ابتلاء کہتے ہیں جو محض اس کی سرزنش اور تنبیہ کے لیے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے کردارِ بد سے باز آجائے اور اسی کو امتحان وآزمائش بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قحط، وبا، بدامنی، باہمی نفاق وقتال وجدال، جبار بادشاہوں کا تسلط، زلزلہ، ژالہ باری، کثرتِ امراض، طوفانِ ہوا، طوفانِ آب وغیرہ یہ مصیبت ایک حیثیت سے قہر تو دوسری حیثیت سے (کہ یہ زاجر ہے اس کے سبب سے باز آئیں گے) مہر بھی ہے اس لیے اس میں بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے ہیں تاکہ نیکوں کو تنبیہ ہو جو امر معروف میں ان سے کوتاہی صادر ہوئی تھی کچھ اس سستی کا خمیازہ یہ بھی تو اٹھائیں یا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یا رفع درجاتِ اخرویہ کا سلسلہ ہو جائے اور ان کا امتحان بھی ہے کہ ایسی حالت میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔

اب اس کلیہ کو آپ اس کے سینکڑوں امثال پر مطابق کر لیجئے۔ طوفانِ نوح، سدوم وغیرہ بستیوں کی بربادی، بنی اسرائیل پر دبا اور غیر بادشاہوں کا تسلط جس میں سینکڑوں تہِ تیغ ہو گئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی قیدیوں میں بابل پہنچے۔ انہیں نظائر کو قرآنِ مجید نے بار بار بندوں کو یاد دلایا ہے کہ ان پر پڑی تھی تم سن کر باز آجاؤ اور پہلی کتابوں میں بھی ان ہولناک وقائع کو یاد دلایا ہے۔

قسم دوم: قسم دوم انتقام جو ابتلاء کے بعد بھی نہ سمجھے۔ اور اس سزا کو حاقہ کہتے ہیں جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور یہ انتقامِ الٰہی اخیر پر ہوتا ہے جہاں نہ توبہ کی مہلت نہ استغفار کی فرصت ملتی ہے اور اس کے بعد دنیا سے رحلت ہو کر عالمِ برزخ کا قید خانہ ہوتا ہے یا قیامت کا تازیانہ۔ اس میں نیک لوگ شامل نہیں ہوتے ان کو خدائے پاک بہر طور محفوظ ہی رکھتا ہے جو اس کی عدالت کا عین مقتضی ہے۔

سورۂ نون میں کفارِ مکہ کو ابتلاء سے ڈرایا گیا تھا اور باغ والوں کا قصہ بھی یاد دلایا تھا اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ جو ان کی گستاخی کی سزا تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے جیسا کہ اصحاب الجنۃ کی بدنیتی کی سزا ان کو ملی تھی مگر مکے کے کفار جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی تھی اس ابتلا کو جو سات برس کا قحط تھا اور اور بھی مصائب تھے کب خاطر میں لانے والے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ ایسے ہی سخت دل رہے اور ڈھٹائی سے سخت عذاب آنے کے خواستگار ہوئے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حاقہ عذاب بیان فرماتا ہے جو بیشتر قیامت میں ہوگا اور کبھی غیرتِ الٰہی دنیا میں بھی نازل کر دیتی ہے اور پہلی اُمتوں پر جو دنیا میں حاقہ نازل ہوا اس کی ان کے مسلمہ واقعات سے نظیر دیتا ہے۔

فقال اَلْحَآقَّةُ مَا الْحَآقَّةُ کیا ہی حاقہ ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا جملہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ کہ تو کیا جانے کیا ہے حاقہ؟ حاقہ کی عظمتِ شان کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں زید مازید کہ زید کیا زید ہے۔ مفسرین کہتے ہیں الحاقہ سے مراد یہاں قیامت ہے۔ پھر اس کے لفظی معنی میں چند اقوال ہیں۔ اوّل حاقہ حق بمعنی ثابت سے ہے پھر حاقہ کے معنی ہیں الساعۃ الواجبۃ الثابتہ۔ دوم یہ وہ ساعت ہے کہ جس میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی اور بھی اقوال ہیں۔ وماادراك میں مخاطب بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر مخاطب۔ وہ حاقہ کی حقیقت سے بے شک واقف نہ تھے اس لیے ماادراك کہنا بے جا نہیں اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب ہوں تو وہ بھی حاقہ کی کنہ نہیں جانتے تھے علم بالکنہ کی نفی ہے نہ علم بالوجہ وبوجہ کی اس لیے آپ کی نسبت بھی ماادراك کہنا روا نہیں۔

فائدہ: یحییٰ بن سلام کہتے ہیں قرآنِ مجید میں جہاں کہیں ماادراك ماضی کے صیغہ میں آیا ہے آخر اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا ہے اور جہاں کہیں مایدریك کے صیغہ سے آیا ہے وہاں وہ بات آپ سے بھی مخفی رکھی گئی ہے۔ وفیہ مافیہ۔

اب اس کے بعد چند نظائرِ حاقہ کے بیان فرماتا ہے جو اگلی قوموں پر دنیا میں نازل ہوئیں۔ (۱) عاد و ثمود کی ہلاکت جو عرب کے ملک میں ہوئی اور وہ ایک متواتر روایت تھی جس کا کوئی عرب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ قارعہ کا بیان: فقال كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ کہ قومِ ثمود نے جو عرب کے شمال وغرب کے حصے میں آباد تھی جن کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے گھر اب تک یادگار ہیں اور اسی طرح ان سے پہلے قومِ عاد نے جو یمن میں رہتے تھے قارعہ یعنی قیامت کو جھٹلایا اگرچہ جھٹلایا تو رسولوں اور ان کی تمام باتوں کو بھی تھا مگر قیامت کی تکذیب ایک ایسا فعلِ بد ہے جو انسان کو دلیر بنا کر تمام اصولِ سعادت سے روک دیتا ہے۔ اس لیے بالخصوص اس کا نام لیا گیا۔ اور قیامت کو قارعہ اس لیے کہا کہ قرع ٹھوکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور قیامت بھی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہے کہ دلوں کو اپنی ہول و دہشت سے ہلا دے گا اس لیے اس کی ہولناک حالت یاد دلانے کے لیے القارعۃ کے لفظ سے تعبیر کیا اور حاقہ اور قارعہ رؤس آیات میں ایک وزنِ خاص بھی رکھتے ہیں جو نظمِ قرآنیہ کو اور بھی لطف دے رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القارعہ سے مراد خاص قیامت نہیں بلکہ عموماً زواجر اور گناہوں سے روکنے والی اور دل کو ہلا دینے والی باتیں ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام حضرت صالح وحضرت ہود علیہما السلام نے بیان

فرمائیں تھیں۔

قومِ ثمود کی ہلاکت: دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں۔ ہر چند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب نہ مانا تو انتقامِ الٰہی کا وقت آ گیا۔ پھر آگے ہر فرقے کی ہلاکت بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ کہ قومِ ثمود طاغیۃ سے ہلاک ہوئی۔ طاغیہ کا بیان: یہ زلزلہ کی سخت اور حد سے متجاوز آواز تھی جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ انا ارسلنا علیھم صیحۃ واحدۃ فکانوا کھشیم المحتظر۔ بعض کہتے ہیں بجلی کی کڑک تھی۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ مصدر ہے جیسا کہ کاذبہ وعاقبتہ اس کے یہ معنی کہ وہ سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ سے مراد وہ بدنہاد شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور ت مذکر کے لیے بھی آ جاتی ہے جیسا کہ نسابہ وراویۃ میں ہے۔ اگر طاغیہ سے مراد وہ فاحشہ عورت لی جائے جس کے کہنے سے اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اور بھی انسب لیکن قولِ اول قوی ہے۔

فائدہ: ثمود کا واقعہ بہ نسبت عاد کے واقعہ کے زمانے میں قریب تھا اس لیے اول اس کو ذکر کیا کیونکہ قریب زمانے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ قومِ عاد کی ہلاکت: اس کے بعد عاد کے واقعہ کو جو اس سے پہلے گزرا تھا۔ فقال واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ۔ لیکن عاد سو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو صرصر یعنی زناٹے کی تھی اور عاتیۃ بہت تیز وتند تھی کسی کے بس کی نہ تھی۔ سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما۔ اس کو ان پر سات رات آٹھ دن پے در پے مسلط کیا تھا۔ برابر چلتی رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا، نہ مکان۔ قومِ عاد ہلاک ہو گئی۔ ہوا بدھ کے روز صبح سے شروع ہوئی تھی پھر اگلے بدھ کی شام کو تھمی۔ ان ایام کو عرب عجوز کہتے ہیں۔ سردی بھی سخت تھی۔ اور سردی کا اخیر موسم تھا، عرب میں اس موسم کے یہ نام ہیں، صن، صنبر وبر، آمر، موتمر، معلل، مطفی، الجمر، مکفی، الظعن۔ سخرھا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے مسخر ومسلط کیا تھا اس کو کوئی موسم وکواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے کس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سببِ ظاہری پر منحصر کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہ نگاہیں مسبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔ عاد قوم کے لوگ بڑے قد آور تھے، ہوا کے بعد فترى القوم فيها صرعى ہر ایک لاش میدان میں زخمی ہوئی ایسی بڑی دکھائی دیتی تھی جیسا کہ کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ كانهم اعجاز نخل خاوية کھوکھلے ٹھونڈوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نور ومعرفت کچھ نہ تھا یا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لمبے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

فھل ترى لھم من باقيۃ۔ پھر آپ کو اے دیکھنے والے! ان میں سے کوئی بھی باقی دکھائی دیا؟ کوئی نہیں سب مر کر رہ گئے۔ لیکن حضرت ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔ بڑے مالدار بڑے زور آور تھے۔

عاد وثمود کے قصے کی پوری شرح مؤرخانہ طور پر ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، وہاں دیکھو۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں والے گناہ کے مرتکب ہوئے سو ہر ایک نے اپنے رسولِ خدا کی نافرمانی کی تھی ان کو خوب ہی پکڑا۔ بے شک ہم نے جب پانی حد سے گزر گیا تھا تو تم کو کشتی میں سوار کر لیا تھا تا کہ ہم اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور (یہ بات) یاد رکھنے والے کانوں میں پڑی رہے۔

ترکیب : من موصلة قبله قراءالجمهور بفتح القاف وسكون الباء اى ومن حقد ومن الامم وقراء ابوعمرو وعاصم والكسائى بكسر القاف وفتح الباء معناه من جهة وطرفه وعلى الوجهين هوصلة والمجموع معطوف على فرعون وهو فاعل جاءو۔ المؤتفكات معطوف عليه بالخاطئة مفعول جاءُ والباء للتعدية والخاطئة امامصدر كالخطاء واما الفعلة الخاطئة اى بالفعلة الخاطئة رسول ربهم مفعول عصوا اى عصىٰ كلواحد رسول ربه اخذةً مفعول مطلق رابيةً صفة من ربا الشىء اذا زاد وانا مبتداء حملنا كم خبره فى الجارية حال من مفعوله اذفى متعلقة بمحذوف ليست بصلة تحمل لماطغا الماء ظرف لحملنا دخلت بين المبتداء وخبره لنجعلها واللام متعلقة بمحذوف اى فعلنا والضمير المنصوب فى نجعلها للفعلة انجاء المومنين واهلاك الكافرين وهى معلومة وان كانت غير مذكورة قال الفراء الضمير للسفينة ۔ وتعيها معطوف على نجعل اى ولتعيها وهى بكسر العين عند القراء السبعة وقرئ اسكان العين كما فى فخذ وكبد وانما فعل ذلك لان حرف المضارعة لاينفصل من الفعل فاشبه ما هو من نفس الكلمة وصار كقول من قال هو وهى ومثل ذلك قوله ويتقه فى قراءة من سكن القاف (الكبير) والوعى ان تحفظ الشىء فى نفسك والايعاء ان تحفظ فى غيرك (البيضاوى)۔

تفسیر.....فرعون اور اس سے پہلے والوں کی ہلاکت : (۲) فرعون کا قصہ۔ (۳) وہ جو اس سے پہلے گزرے ہیں ان کا واقعہ۔ حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے فرعون کے عہد تک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں بھی بہت انبیاء آئے اور ان کی امتوں پر نافرمانی سے بلائیں نازل ہوئیں اور وہ غارت کردیے گئے۔ ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ یامن قبله سے فرعونی لوگ مراد ہیں یعنی فرعون اور اس کے لوگوں کا قصہ کہ وہ اپنی بدکاری کی وجہ سے قلزم میں غرق ہوئے۔ الٹی ہوئی بستیوں کی ہلاکت : (۴) مؤتفكة الٹی ہوئی بستیاں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں۔ سدوم عامورا وغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی وسرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں۔ فرماتا ہے ان سب لوگوں نے جو خطائی گناہوں میں پڑ گئے، پھر سب کے قصے کو مختصر کرتا ہے۔ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ۔ نہ صرف گناہ ہی کئے تھے بلکہ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہوگئے تھے۔ جس لیے خداوند تعالیٰ کے رسولوں کی نافرمانی کی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ علی ہذا القیاس اس سے پہلے لوگوں نے یا اس کے بعد لوگوں نے اور سدوم وغیرہ بستیوں کے رہنے والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی کمی نہ کی۔ فاخذهم اخذة رابية پھر تو ان سب کو اللہ قادر نے انتقام میں زور سے پکڑا۔ ہر ایک مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے غارت کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم بدکو قلزم میں ڈبویا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔ قوم نوح کی ہلاکت : (۵) اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ یہ پانچویں نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہے۔ گرچہ من قبلہ میں اجمالی طور پر داخل تھی مگر ایک بڑا عبرتناک واقعہ تھا۔ اس واقعہ میں سے صرف ان باقی رہ جانے والوں پر کشتی میں سوار کر لینے کا احسان یاد دلاتا ہے کہ جن کی اولاد نے پھر بدکاری پر بدکاری اور بت پرستی پر بت پرستی کی۔ یہ فرعون اور قوم لوط اور مکے کے کفار کون ہیں انہیں کی اولاد کہ اے سرکشو! جب پانی کی طغیانی ہوئی تو تم کو (تمہارے باپ دادا کو جن کی پشتوں میں تم نالائق نمک حرام تھے) ہم نے کشتی پر اٹھالیا تاکہ یہ ہمارا فعل آیندہ نسلوں میں یادگار رہے مگر تم بھول گئے اور تاکہ اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں۔ تم سنتے ہو مگر تمہارے کان اس کو پھینک دیتے ہیں محفوظ نہیں رکھتے۔ یہاں اجمالی بیان ہر ایک قوم کا کافی تھا اس لیے اسی پر بس کی گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا
دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ
وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ

ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾
فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ
بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ
سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

پھر جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اٹھا کر ایک ہی بار پٹک دیا جائے گا تو اس روز ہونے والی ہو پڑے گی (قیامت آجائے گی) اور اس روز آسمان پھٹ کر شکستہ ہو جائیں گے اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کا تخت اس روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم حاضر کئے جاؤ گے تم میں سے کسی کا راز چھپ نہ سکے گا۔ پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا اجی لینا میرا اعمال نامہ تو پڑھنا! میں تو سمجھا ہوا تھا کہ (ایک دن) مجھے میرا حساب ملنا ہے سو وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا بلند بہشت میں کہ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے۔ کہا جائے گا لو چین سے کھاؤ پیو، ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے پھر جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو کہے گا اے کاش میرا اعمال نامہ نہ ملتا اور مجھے اپنے حساب کی کیا خبر تھی۔ ہائے[1] کہیں (موت) فیصلہ کر دینے والی آجائے میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہوگا) اس کو پکڑو پھر اس کو طوق پہناؤ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈالو پھر اس کو ستر گز کی زنجیر میں جکڑو کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتا تھا۔ پھر اس کا بھی آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ کھانا ہے مگر زخموں کا دھوون جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔

ترکیب : نفخة واحدة بالرفع على انها مفعول مالم يسم فاعله من نفخ المجهول وانما حسن تذكير الفعل للفصل اوان التانيث غير حقيقى وقرئ بالنصب ان فى الصور مفعول مالم يسم فاعله ثم نصب نفخة على انها مفعول مطلق واحدة تاكيد لها۔ وحملت الارض الخ بالتخفيف وقرئ

[1] والقطوف قطف وهوالمقطوع اى الثمر ما اسلفتم اى قدمتم من اعمالكم الصالحة الاسلاف تقديم ماترجوان يعود عليك بخير فهو كالاقراض ومنه يقال اسلف فى كذا اذا قدم فيه ماله ذرعها الخ صفة لسلسلة

[2] يالیتها الضمير يعود الى الموتة الاولى فانها كالمذكور اوالى الحالة التى شاهدها يالیت هذه الحالة كانت الموتة التى قضيت على ۔۱۲ منه

[3] غسلين فعلين من الغسل هو ماء يسيل من الجروح بعد الغسل من صديد وقيح دوم ۱۲ منه

مشد دواعطف علی نفخ فدکتا ای جملۃ الارض وجملۃ الجبال من الدک (کوفتن وریزہ کردن وہموار کردن صراح) والدک ابلغ من الدق۔ ناقۃ وکاء لاسنام لھا ومنہ الدکۃ بالفتح (چبوترہ) والدکان بالضم دکۃ واحدۃ قال الفراء لایجوز ھنا الا النصب لارتفاع الضمیر فی دکتا ولم یقل فدککن لانہ جعل الجبال کالواحدۃ والارض کالواحدۃ کما قال ان السمٰوات والارض کانتا رتقا ولم یقل کن۔ فیومیذٍ ظرف لوقعت وانشقت معطوف علیٰ وقعت یومئذ ظرف لواہیۃ فیومئذ ومابعدھا جواب اذا نفخ قال الزجاج یقال لکل ماضعف جدًا وھی فھو واہ ارجاءھا ای اطرافھا جوانبھا جمع رجی مقصور یقال رجا ورجوان والجمع الارجاء ثمانیۃ بالرفع علی انہ فاعل یحمل فوقھم ای فوق الملائکۃ الذین علی الارجاء وقیل ان الحملۃ یحملون العرش فوق رؤسھم والضمیر قبل الذکر جائز کقولہ۔ فی بیتہ یؤتی الحکم۔ فوقھم ویومئذ منصوبان بیحمل علی انھما ظرفان لہ ھاءہ من اسماء الفعل۔ ھا بمعنی خذ یقال ہاء یافتی ومعناہ تناول ویفتحون المیم ۃ للذکر کما لکاف فی ہاک ویقال للاثنین ھاء ما الجمع ھاء وا وھاؤم والمیم فی ھذہ الموضع کالمیم فی انتما وانتم والضم فی ھاء م انما ھی ضمۃ میم الجمع ویقال للانثی ھاء یا امرۃ وھاء مایا امرءتان وھاؤن یانسوۃ مفعول ھاء م محذوف وکتابیہ مفعول اقراء والانہ اقرب العاملین ولانہ لوکان مفعول ہاء م لقیل اقراءوہ اذ الاولیٰ اضمارہ حیث امکن والھاء فی کتابیہ وحسابیہ ومالیہ ھی ھاء السکت وحق ھذہ الھاآت ان تثبت فی الوقف وتسقط فی الوصل ولما کانت مثبتۃ فی الام ای مصحف عثمان رضی اللہ عنہ استحبوا الوقف علیھا وقرء ابن حصین باسکان الیاء بغیر ہاء وقرء جماعۃ باثبات الھاء فی الوصل والوقف جمیعا الاتباع المصحف۔

تفسیر: دنیاوی حاقہ کے نظائر بیان فرما کر ایک سخت حاقہ کا ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا۔ پھر اس کی تمام کیفیت ہولناک بیان فرماتا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ ایک ہی بار کے پھونکنے میں اول زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر اس کے بعد علویات فنا ہوں گے، آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو آسمانوں میں سے تھے نکل کر اس کے کناروں پر آ جائیں گے۔ اس طرح کہ جب کوئی مکان گرتا ہو تو اس کے رہنے والے چھوڑ کر اس کے گرد ہو جاتے ہیں اس کے بعد جبکہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ تو بارِ دیگر صور پھنکے گا جس کی کیفیت سورۂ زمر میں بیان ہوئی تو تمام چیزیں بارِ دگر پیدا ہوں گی، مردے زندہ ہوں گے، عدالت کے لیے تختِ رب العالمین لاکر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے (اور ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کی جماعت ہوگی) پھر بنی آدم خدا تعالیٰ کے حضور میں لائے جائیں گے، کوئی شخص مخفی نہ رہ سکے گا نہ کوئی بات اس سے مخفی رہے گی۔ پھر جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا جو نیک ہونے کی علامت ہے تو وہ خوشی میں آ کر لوگوں سے یا خدا کی طرف سے نامۂ اعمال دیکھنے والوں کو کہے گا۔ لو میرا نامۂ اعمال دیکھو اور میں پہلے سے سمجھا ہوا تھا کہ حساب لیا جائے گا اس لیے دنیا میں نیک کام کرتا اور بدیوں سے بچتا رہا۔ پھر وہ عمدہ عیش میں ہوگا۔ یعنی حیاتِ جاودانی عطا ہوگی اور سعادتِ باقیہ ملے گی، بلند یا بیش قیمت باغوں میں رہے گا جس کے میوے جھکے ہوں گے یعنی پختگی پر میوے جھکے جاتے ہیں یا اس کے لیے قریب ہوں گے توڑنے میں دقت نہ ہوگی۔ ہاتھ بڑھایا اور توڑ لیا، ان کو سنا دیا جائے گا، کھاؤ پیو، مزے کرو۔ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم نے کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افسوس وحسرت سے کہے گا کیا ہوتا جو میرا اعمال نامہ مجھے نہ ملتا اور میرا حساب مجھے نہ بتلایا جاتا پھر وہاں کی سختی اور عذاب اور طرح طرح کی رسوائی دیکھ کر موت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں مر جاؤں تو اس بلا سے چھوٹ جاؤں مگر وہاں پھر موت کہاں؟ وہاں دنیا کی نعمتیں یاد کر کے روئے گا کہ آج میرا مال کچھ کام نہیں آیا نہ کوئی رشوت لیتا ہے نہ مالدار سمجھ کر لحاظ وعزت کرتا ہے یا یہ کہ دنیا میں نیک کاموں میں صرف کرتا تو یہاں کام آتا جیسا کہ اوروں کے کام آ رہا ہے اس کے بدلے میں اس کی سزائیں کم ہو رہی ہیں، اجر مل رہے ہیں اور نہ آج میری عزت وحشمت وشوکت کچھ کام آئی۔ یہاں بادشاہ وفقیر دونوں برابر ہیں نہ کوئی خاندان کو پوچھتا ہے نہ حسب ونسب دریافت کرتا ہے یا یہ کہ میری حجت ودلیل باطل ہوگئی جو دنیا میں باطل مذہب اور بیہودہ باتوں کے برحق ثابت کرنے میں کیا کرتا تھا اور بڑی زبان چلایا کرتا تھا۔ پھر اس کے لیے حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں

طوق پہناؤ (وہ اس کے اعمالِ بد ہوں گے) اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو اور ستر گز کی زنجیر میں جکڑو یہ اس لیے کہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا نہ اس کے اعمال اچھے تھے، مالی عبادت سے بھی دور تھا کس لیے کہ فقراء کو آپ کھلانا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا تھا۔ یہ آیات کا خلاصۂ مطلب تھا۔ اب ان کے متعلق کچھ فوائد ہیں جو خالی از لطف نہ ہوں گے۔ وہی ہذہ۔

فائدہ (۱): پہلے نفخہ پر تمام عالم خراب وبرباد ہو جائے گا اس کے بعد جب بارِ دگر نفخہ صور ہوگا اور ہر چیز بارِ دگر زندہ ہو گی تب عدالت کے لیے لوگ خدائے پاک کے روبرو لائے جائیں گے حالانکہ آیت میں وانشقت السماء کے بعد عرش اٹھانے کا ذکر کر کے کہہ دیا آج کے روز پسپا کئے جاؤ گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یومئذ تعرضون سے مراد وہی دن نہیں کہ جس روز خراب عالم کے لیے نفخۂ صور ہوگا بلکہ اور دن، یا یوں کہو یوم سے مراد زمانہ ہے جس میں نفخۂ اولیٰ وثانیہ وصعقہ ونشور وحساب ووقوف سب کچھ ہوگا۔ یوم زمانہ اور وقت کے لیے کلامِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔

فائدہ (۲): وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا ملک سے ایک فرشتہ مراد نہیں بلکہ جنس۔ یہ عالم کے برباد ہونے کی کسی گھر کے برباد ہونے سے تمثیل ہے کہ جب وہ گھر گرنے کو ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ نکل کر باہر کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں گو بعد میں وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور جو ہلاک نہ مانے جائیں تو بھی ممکن ہے کس لیے کہ ایک جگہ آیا ہے الا من شاء اللہ پس ممکن ہے کہ ملائکہ مستثنیٰ ہوں۔

فائدہ (۳): وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ایسا ہی مضمون سورۂ زمر کی اس آیت میں ہے۔ وترى الملائكة حافين من حول العرش۔ اب کلام یہ ہے کہ تختِ رب العالمین کے سر پر اٹھانے سے کیا مطلب؟ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تمثیل ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے۔ دنیا میں بادشاہوں کے دربار اور ان کے تختِ عدالت سے کہ جس کو خدام کی جماعۃ عزت واحترام سے دربار میں لاکر رکھتے ہیں تا کہ وہ اس پر بیٹھ کر عدالت کرے۔

بعض علماء اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک کوئی تاویل اور توجیہ آیات واحادیث میں جائز نہیں ہر ایک کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا دراصل قرآن واحادیث کا ماننا کہتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی کا یہی مقتضا ہے مگر جب اسلوبِ کلام میں غور کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قرآنِ مجید اعلیٰ درجہ کی بلاغت وفصاحت کے قوالب میں ڈھلا ہوا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ بلغا کے کلام میں مجاز، استعارہ، تمثیل وتشبیہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ محاوراتِ زبان اور عرف کا بہت خیال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ سب باتیں موجود ہیں پھر جس طرح معتزلہ کا یہ قول تفریط ہے کہ مہما امکن حقیقی معنی ہونے پر بھی وہ تاویل کرتے ہیں اور اس طرح کی تاویلات کا دروازہ کھولنا متکلم کی مراد کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ انہیں کی تقلید سے آج کل کے تعلیم یافتہ قرآن کو خیالاتِ مغربیہ پر تاویلات کے ذریعہ سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اسی کو مغزِ سخن تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کی لیاقتِ سخن فہمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بالکل تاویل وتوجیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز، تمثیل کا دروازہ بند کر کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سخت افراط ہے جو کلام کو مہمل اور بے نمک بلکہ غلط بنا دینے کا پورا ذریعہ ہے۔ اب اپنے قاعدے کے موافق ہر فریق قرآنِ مجید کے ایسے مواقع میں تفسیر کرتا ہے مگر حق وہی بات ہے کہ جس کو اہلِ سنت والجماعۃ کے علماء ربانیین اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری معنی مراد لیے جا سکتے ہوں تو کلام کو ضرور حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور جہاں تعذر ہو خواہ عقلِ سلیم کے فتویٰ سے خواہ اصولِ اسلامیہ ودیگر آیات واحادیثِ صریحہ کی وجہ سے تو وہاں ضرور مجاز پر محمول کرنا پڑے گا مگر مجازی معنی کی زمام بھی ہر ایک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علماءِ راسخین کے۔

آیاتِ مذکورہ میں معتزلہ تاویل کرتے ہیں کہ عرش وکرسی کے معنی مجازی مراد ہیں۔ تسلط وحکومت وغیرہ اور فرشتوں کے سر پر اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہے۔ اہلِ سنت میں سے بیضاوی وغیرہ علماءِ کلام فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے کس لیے کہ خدائے

پاک مجسم نہیں جو کسی تخت پر بیٹھے یا اس کے لیے کوئی جگہ معین کی جائے۔ یہ چیزیں اس کے لیے حدوث اور نقصان کا باعث ہیں۔ اسی طرح صوفیہ کرام بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ عرش مجید صورتِ جہانداری حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے یعنی اس کی جہانداری اور بادشاہت کو عرش سے تعبیر کیا ہے اور قیامت میں وہ بصورتِ عرش یعنی تختِ شاہی ظہور کرے گی اور اس کی جہانداری دنیا میں چار صفت سے ہے کہ موجودات میں کوئی ذرہ بھی ان سے خالی نہیں وہ سب کو محیط ہیں۔ اول علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت، آخرت میں ان چاروں صفتوں کے ساتھ چار صفات اور زیادہ ہوں گی تا کہ دونوں جہانداریوں میں امتیازِ کلی ہو جائے اور وہ چار یہ ہیں۔

اول ظہورِ انکشافِ تام کہ اس عالم میں ہر چیز کی اصل حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائے گی۔ دھوکا اور شبہ اور غلطی نہ رہے گی وہاں جاہل و عالم کافر و مومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظہور ہوں گے۔ اس بات پر قرآنِ مجید میں بھی کئی ایک جگہ اشارہ ہے۔ از انجملہ یوم تبلی السرائر و اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید۔ دوم کمالِ بلوغ کہ ہر چیز مرتبۂ نقصان سے اپنے موافق مرتبۂ کمال پر پہنچ جائے گی۔ استعداد و قابلیت کا مرتبہ فعلیت پر آ جائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں لنگڑے لولے، اندھے، زخمی بیمار مرے تھے صحیح و سالم اٹھیں گے اور اسی طرح قوائے باطنیہ کا حال ہوگا۔ خلود و بقائے غیر متناہی بھی اسی صفت کی وجہ سے ہوگی جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ ان الدار الآخرة لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ سوم تقدس کہ کدورات والواث سے ہر شے دور ہو جائے گی کس لیے کہ عالمِ حدثی کا چھلکا دور ہو کر عالمِ باقی وصافی کا جوہر نکل آئے گا۔ چہارم صفتِ عدل و ابقائے حق کہ جس کے سبب پورا پورا انصاف ہوگا۔ ہر ایک کو اسی کے پیمانے سے تول کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس عالم میں جہانداری کے ساتھ جس کو عرش کہا گیا یہ چار صفات اور مل گئیں تو گرانی اور وزن بڑھ گیا اور اس عرشِ معنوی کو عرشِ صوری کے ساتھ ایک خاص مشابہت ہے۔ دنیا میں یہ عرشِ جہانداری چار فرشتوں پر تھا جو ان چار صفتوں کے مظاہر تھے آخرت میں اس گرانباری کی وجہ سے چار اور بڑھائے جائیں گے جو ان چار صفتوں کے مظاہر ہوں گے۔ یہ معنی ہیں قیامت میں آٹھ فرشتوں کے تختِ رب العالمین اٹھانے کے۔

بعض فرماتے ہیں عرشِ رب العالمین سے مراد انسان کا قلب ہے آج اس کو چار صفات اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت میں آٹھ اٹھائیں گی اور اٹھانا عبارت ہے ان صفات کے استیلاء سے۔ پھر ان صفات میں کلامِ طویل ہے۔

فائدہ (۴): عرش ربك سے وہ عرش مراد ہے جس کو سب آسمانوں کے اوپر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہی عرش قیامت میں دربارِ عدالت کے لیے لا کر رکھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں وہ اور ہوگا۔

قریب الفہم وہی قول ہے جو بیضاوی نے فرمایا ہے کس لیے کہ انسان اس عالمِ ناسوت میں کسی معنی کو صور و اشکال سے مجرد کر کے بمشکل سمجھتا ہے اور ہر ایک معنی کی اپنے مشاہد صور میں تصویر کھینچتا ہے۔ اب صرف فرمانا تو یہ مقصود تھا کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے عدالت کرے گا اور خیالِ انسانی اس عدالت کی تصویر تمام شاہانہ تجملات میں کھینچتا ہے کہ تخت ہوگا اور اس کے گرد ایسے خدام و سپاہ ہوں گے جیسا کہ اوالوالعزم شاہوں کے دربار میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسانی ادراک سے بھی بہت دور تر ہے۔ اس کے دربار اور اس کی عدالت کی اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہ الفاظ ہیں اور نہ اذہانِ انسانیہ تیار ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اس کے مشابہ تصویر میں بیان فرمانا پورا اظہار ہے اس لیے تخت لایا جانا اور تخت پر جلوس فرمانا اور تخت کے اردگرد ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور مجرموں اور نیکوں کا پیش ہونا اور اپنے ایمان اور نیک اعمال کی جزا اور کفر و بدکاری کی سزا حیاتِ جاودانی یا رنج و عذابِ دائمی پانا اور ان کا مسرت کرنا اور ان کا حسرت و افسوس کرنا ایک سچے واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے۔ نہ محض ترغیب و ترہیب ہے جیسا کہ کوڑھ مغز اور تنگ دماغ خیال کرتے ہیں۔

فائدہ (۵): یومئذ تعرضون سے لے کر اخیر تک اس عدالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب حاضر ہوں گے کوئی بات مخفی نہ رہے

گی۔ پھر آگے جزاء و سزا کی تشریح کرتا ہے کہ جس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال جو دنیا میں کراماً کاتبین نے اس کے نامۂ اعمال کا روزنامچہ لکھا تھا اور وہ ایک عالمِ غیب کا فوٹو ہے ہماری قلموں اور ہمارے کاغذوں کا لکھا ہوا دفتر نہیں) اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ خوش ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی وہ روئے پیٹے گا، داہنا ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اقویٰ سے جو عقل و نور و غلبۂ ایمان کی جانب ہے اور بایاں ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اضعفِ نفسانی حیوانی کی طرف۔

فائدہ (۶) ھنیئاً ہنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بے مشقت ملے (قاموس) ہن، گوارا شدن طعام و شراب ہنی گوارندہ ھنیئاً منصوب ہے یا اس لیے کہ مفعولِ مطلق کی صفت ہے ای اکلا و شربا ہنیئاً صفت ہے مصدر کے قائم مقام کی گئی ہے اے ہنئتم ہنیا۔ ہنی بروزن فعیل والمصدر ہن۔ اس کے بعد جہنمیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا خذوہ کہ اس کو پکڑو قہر و عذاب میں فغلوہ پھر اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھو غل بالضم گردن بند جمعہ اغلال۔ صراح۔ یہ اس لیے کہ اس نے دنیا میں فراخ دستی کی نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا تھا اور کارِ خیر میں ہاتھ نہ کھولے تھے۔ ثم پھر حکم ہوگا الجحیم صلوہ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو یعنی باندھ کر ڈالو کہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکے۔ ثم پھر حکم ہوگا فاسلکوہ کہ ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو کہ پڑا پڑا جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے بعض علماء کہتے ہیں ستر گز سے تعداد مقصود نہیں بلکہ طول مراد ہے جیسا فی سلسلة ذر عھا سبعون ذراعا جیسا کہ اس آیت میں ان تستغفر لھم سبعین مرة مراد مراتِ کثیرہ ہیں۔ لمبی زنجیر اشارہ ہے اس کے حرص و ہوا و طولِ املِ دنیا کی طرف کہ بڑی بڑی لمبی زنجیروں میں دنیا کی بندھا ہوا تھا جن کا اس کے خیال میں کہیں سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ یوں ہوگا اور یوں ہوگا۔ اس میں خدا تعالیٰ سے غافل رہا کہ موت آ گئی۔ جس کو وہاں کی زنجیر سے بچنا ہو یہاں کی زنجیر سے نکلے۔ شہوات و لذات کی لمبی زنجیریں اس کو جکڑے ہوئے ہیں اور طوق بھی گلے میں بدکاری اور اخلاقِ رذیلہ کے پڑے ہوئے ہیں اور شہوت و حرص کی دہکتی آگ میں ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ مردانِ خدا ہی ان بیڑیوں اور اس آگ سے نکل بھاگے ہیں دنیا کے کاروبار کرتے ہیں، بیاہ شادی کرتے ہیں مگر دل نہیں لگاتے۔ لیکن بقدرِ ضرورت۔ پھر آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان فرماتا ہے کہ جس کے سبب وہ آج اس جرم میں گرفتار ہوئے فقال انه کان کہ تسلسلِ حوادث کا قائل تھا اور اسباب کی زنجیروں میں بندھا۔ ہر حادثہ کو اس کے سبب کی طرف منسوب کرتا تھا۔ مسبب الاسباب تک نظر نہیں پہنچتی تھی اس لیے لایؤمن باللہ العظیم وہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ اس کی قوۃِ نظریہ باطل ہو چکی تھی۔ وہ احمق ان پتلیوں کو آپ سے حرکت کرنے والا سمجھا ہوا تھا۔ یہ نہیں جانتا کہ پسِ پردہ کوئی اور حرکت دے رہا ہے۔ ایک خدائے بزرگِ برتر کو چھوڑ کر سینکڑوں اسباب کی طرف دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور اپنی طمع اور خام خیالی سے بہت چیزوں کو قضاء و قدر کا مالک و مختار جان کر ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔ الغرض یہ کافر و مشرک تھا توحید و ایمان کی روشنی نصیب نہ تھی اس کے سوا قوۃِ عملیہ بھی باطل ہو گئی تھی۔ ولایحض علیٰ طعام المسکین کس لیے کہ عملی کاموں میں عبادت کے بعد نفعِ خلائق اعلیٰ درجہ کی نیکوکاری ہے۔ پھر یہ بدبخت خدائے بزرگ پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا تھا کہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کھانا کھلانے کا بدلہ دنیا اور آخرت میں خدا پاک دے گا اس کی رضامندی ہمارے لیے کام آئے گی۔ پھر آپ مسکین غریب کو روپیہ پیسہ دینا کپڑا پہنانا، راحت پہنچانا تو درکنار معمولی کھانا بھی نہیں دیتا تھا اور دینا تو درکنار اوروں کو بھی اس طرف رغبت نہیں دلاتا تھا بلکہ اس کام کو عبث اور فضول جانتا تھا۔ کبھی یہ حیلہ کرتا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، کبھی یہ کہ ان کا ہمارے اوپر کیا حق ہے۔ اور ان لوگوں کو دینا بے ہمتی، بے غیرتی، گداگری سکھانا ہے۔ یہ گفتگو ان درماندوں کے حق میں کہ جو دراصل قابلِ ترحم ہیں محض بخل اور اندرونی خباثت پر مبنی ہے۔

ایسی تنگی اور مصیبت کے ٹالنے یا کم کرنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تسلی دلاسا دینے والا اور چارہ گری کرنے والا ہو۔ دوم یہ کہ ایسی درماندگی کے وقت کھانا کھلایا جائے اور اسی لیے اہلِ مصیبت کے ساتھ تعزیت میں یہ دونوں باتیں برتی جاتی ہیں۔ تسلی دلاسا بھی

دلایا جاتا ہے، کھانا بھی کھلایا جاتا ہے سو اس کے لیے یہ دونوں نہ ہوں گے۔ فلیس له الیوم ههنا حمیم کہ آج اس کا یہاں کوئی دوست حمایتی نہ ہوگا جو اس کو چھڑاوے۔ یہ اس لیے کہ بڑا حمایت کرنے والا اللہ ہے اور اس کی حمایت کا پرتو اوروں کے دلوں پر پڑتا ہے جو حمایت پر کمر باندھتے ہیں سو اللہ پر تو اس کا ایمان ہی نہ تھا اس سے بگاڑ رکھی تھی۔ ولاطعام اور نہ کھانا ہے کس لیے کہ دنیا میں یہ کسی کو نہیں کھلاتا تھا۔ الامن غسلین ہاں وہ جو لوگوں کے دل دکھاتا تھا اب ان زخمیوں کا دھوون ضرور پینے کو ملے گا جو خطا کاروں کا کھانا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّهٗ
لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهٗ
لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

پھر جس کو تم دیکھتے ہو اور جس کو تم نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کے قول کا کلام ہے اور نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر کوئی بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو روکنے والا بھی نہ تھا اور بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور بے شک قرآن کافروں کے لیے حسرت اور یہ یقین کرنے کے قابل ہے۔ پس اپنے رب کے نام کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو جو بلند شان ہے۔

ترکیب: فلااقسم قیل لامزیدۃ اوفلا رد لانکارھم البعث ثم اقسم وقیل نافیۃ للقسم کانہ قال لا اقسم علی ان القرآن قول رسول کریم لظھور الامر واستغنائہ عن التحقیق بالقسم انه لقول الخ جواب القسم مؤکد بان واللام والاسمیۃ۔ وماھو الخ الجملۃ تاکید لقولہ انه لقول رسول کریم قلیلا ما زائدۃ للتاکید ولا بقول کاھن عطف علی قولہ بقول شاعر۔ تنزیل خبر مبتدء ھو تنزیل تقول قرء الجمھور مبنیاً للفاعل والتقول تکلف القول والافتراء والاقاویل جمع اقوال جمع قول کالابیت جمع بیت والاقوال المفتراۃ اقاویل تحقیر الھالاخذنا جواب لوحاجزین وصف لاحد فانه عام لکونہ نکرۃ واقعۃ فی سیاق النفی۔ حق الیقین من اضافۃ الصفۃ للموصوف ای للیقین الحق وقیل ھو کقولک محض الیقین۔

تفسیر: یہاں تک امورِ حاقہ کا بیان شواہد اور اخیر حاقہ قیامت کا مفصل بیان تھا کہ اس طرح سے ہوگی اور اس کے بعد نیکوں کی یہ حالت اور بدوں کی یہ صورت ہوگی۔ اس بیان میں دو مسئلہ ثابت کیے گئے، توحیدِ باری تعالیٰ کہ اس کی نافرمانی کی سزا کوئی دوسرا روک نہیں سکتا۔ عاد و ثمود و نوح علیہ السلام کی قوموں پر جو کچھ حوادث آئے، دنیا نے آنکھ سے دیکھے، محفوظ کانوں سے سن کر یاد رکھے۔ یہ اس کی توحید کی پوری دلیل ہے۔ کس لیے کہ اگر کوئی دوسرا بھی اس کا شریک ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور اسی لیے وہ اس کی پرستش کرتے تھے تو ایسے مواقع پر ان

کی مدد کرتا، عذابِ الٰہی کو ٹال دیتا۔ دوسرا مسئلہ معاد کا' قیامت برپا ہوگی اور وہاں یہ ہوگا۔ اس کے بعد اب تیسرے مسئلۂ نبوت کو ثابت کرتا ہے جس پر دونوں مسئلوں کی بنیاد ہے۔ کس لیے کہ پچھلے واقعات گو محسوس تھے مگر ان کو جاہل اسباب پر مبنی کرتے تھے۔ اس کے بعد قیامت کا واقعہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہے اب زیادہ دارومدار نقل پر رہا ہے اس لیے نقل کا استحکام ضرور ہوا۔ فَقَالَ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ کہ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی کہ جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ مفسرین نے اسباب میں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بما تبصرون سے مراد عالمِ شہادۃ محسوسات' آسمان و زمین وغیرہ اور مالا تبصرون سے عالمِ روحانیات و عالمِ جن و ملائکہ۔ اب دونوں کو ملا کر سب چیزیں آگئیں، خالق و مخلوق دنیا و آخرت اجسام و ارواح انس و جن نعما بہ ظاہرہ و باطنیہ۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد واقعاتِ گزشتہ کہ جن کے آثار اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ومالا تبصرون سے مراد قیامت کا واقعہ جو نظروں سے غائب ہے۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کفار کے سامنے تھے اور مالا تبصرون سے مراد جبرئیل علیہ السلام جو ان کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ قرآن شریف کے آنے میں یہی دو واسطے ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھا کر جو اللہ کے نزدیک محترم تھے۔ یہ بیان فرماتا ہے انه لقول رسول کریم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں فلا اقسم میں لانفی کے لیے ہے حق سبحانہ' فرماتا ہے کہ مجھے ان چیزوں کی قسم کھانے کی حاجت نہیں کس لیے کہ بات ظاہر ہے وہ کیا کہ انه لقول الخ کہ یہ قرآن کریم کا قول ہے۔ رسول کریم سے یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو کافر شاعر و کاہن کہتے تھے نہ جبرئیل۔ کس لیے کہ ان کی نسبت وہ یہ نہیں کہتے تھے البتہ سورہ اذا الشمس کورت میں انه لقول رسول کریم سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ کس لیے کہ اس کے بعد ہے وماھو بقول شیطان رجیم کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ملک کریم کا کلام ہے نہ شیطان رجیم کا۔ اسی طرح اس جگہ فرماتا ہے وماھو بقول شاعر کہ یہ شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ ابوجہل کہتا ہے۔ کس لیے کہ اول تو شعراء کو وزن و بحر لازم ہے اور قرآنِ مجید میں یہ بات نہیں۔ دوم شعراء تخیلاتِ بے اصل مبالغہ کو دخل دیتے ہیں قرآن مجید میں یہ بالکل نہیں بلکہ قرآن میں حقائق و معارف بدلائل ثابت کیے گئے ہیں۔ دونوں کلاموں میں بدیہی فرق ہے لیکن قلیلا ما تؤمنون تم بہت کم مانتے ہو محض ہٹ دھرمی کر رہے ہو۔ ولا بقول کاہن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔

کاہنِ عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑیلوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواحِ خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالمِ محسوس کے واقعاتِ مقفی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے، اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے۔ وغیر ذلک جیسا کہ ہندوستان میں بعض لوگ بھتنیوں وغیرہ کے زور سے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ کوئی شیخ سدو سے پوچھا کرتا ہے کسی کے سر پر میراں آتے ہیں، کسی کے زین خان، کسی کے بھیروں، کسی کے ہنومان۔

قرآنِ مجید میں اور ایسے کلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول تو ایسے لوگ مکارمِ اخلاق و اصلاحِ معاش و معاد کے قوانین کی تعلیم کیا جانیں' نہ ان کو عالم آخرۃ کے احوال سے خبر' نہ واقعاتِ گزشتہ کی صحیح صحیح خبر نہ روح کو منور کرنے والے علوم، نہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہ سب باتیں ہیں۔ دوم وہ بھوت و جن اپنی نذر و نیاز کی تاکید کرتے ہیں اور جو نہیں مانتا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآنِ مجید میں ان باتوں کی برائی اور بت پرستی اور ان خبائث کی مذمت ہے۔ پھر کیا یہ خبائث اپنی برائی آپ کرتے ہیں! ذرا غور کرو لیکن قلیلا ما تذکرون۔ تم کم غور کرتے ہو، بہت کم سمجھتے ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کم ایمان لاتے ہو، کم سمجھتے ہو کے معنی ہیں کہ بالکل نہیں لاتے، بالکل نہیں سمجھتے کس لیے کہ محاورہ ہے جب کوئی نہیں آتا تو اس کو کہتے ہیں تم کم آتے ہو۔ اسی طرح عرب کا یہ محاورہ ہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآنِ مجید تو اللہ کا کلام ہے جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے: تنزیل من رب العالمین کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی شان خود بیان کر دیتا ہے۔ شہوت پرستوں، عیاشوں کا کلام ویسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے کلام میں شان وشوکت نمایاں ہوتی ہے۔ حکیموں کے کلام میں حکمت کے انوار چمکا کرتے ہیں۔ اب قرآن کا شان وانداز کہے دیتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کو اسی شانِ ربوبیت سے مامور کرتا ہے۔ بلالحاظ شرافتِ خاندانی و دولتمندی ہر ایک کو انہیں بزرگی بھرے لفظوں سے مغفرت کا وعدہ اور سزا کی خبر دیتا ہے۔ پھر جب یہ اللہ کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام کا کلام کیونکر کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابستہ اور تھوڑا سا علاقہ بھی کافی ہوتا ہے۔ خود بادشاہ نوکر سے کہہ دیا کرتا ہے، تم اپنے ملک میں ایسا کرو، اپنے گھوڑوں کو یوں رکھو حالانکہ ملک اور گھوڑے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید دراصل کلامِ الٰہی ہے مگر عالمِ ملکوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے میں جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں اس لیے ان کا کلام کہہ دینا ٹھیک ہے۔ وہی اپنی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے امت کو سناتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہہ دینا بھی بے جا نہیں۔

ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے رسول اپنی طرف سے بھی کچھ اس کلام میں جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا ہے ملا دیتے ہوں، اس کو دفع کرتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ الخ کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بھی بناتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب مجرم کو قتل کرتے تھے تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ پھر اس کی گردن مار دیتے تھے۔ اس طریقے کے موافق رسول کی نسبت کلام کیا گیا۔ (ابن جریر) قراء وابن قتیبہ ومبرد وزجاج کہتے ہیں یمین کے معنی ہیں قوۃ کے یعنی ہم اس کو مضبوطی سے پکڑتے کہ سرکنے نہ پاتا اور ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ کے معنی بھی ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہیں کہ ہلاک کر دیتے، خاص گردن مار دینا مراد نہیں۔ وتین ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ دل کی رگ ہے۔ بعض کہتے ہیں شاہ رگ مراد ہے جو گردن میں نمایاں ہے۔ حلقوم کے قریب اس کے کٹ جانے سے آدمی بچ نہیں سکتا۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچا نہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ کہتے اور ہماری طرف منسوب کرتے جیسا کہ منکرینِ نبوت کا شبہ ہے تو ہم اپنے قدیم قانون کے موافق جس کا کہ ہم نے توریت میں بھی ذکر کیا ہے ضرور ہلاک کر دیتے، سرسبز نہ ہونے دیتے۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت پر دوسری دلیل: یہ ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ہے جس کی طرف توریت میں ایماء ہے۔ توریت سفر استثنا کے اٹھارہویں باب میں ۲۰ فقرہ یہ ہے ''لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے''۔ دنیاوی بادشاہ فرامین اور احکامِ شاہی میں جعل کرنے والے یا جھوٹے مدعی کو بنظرِ انتظامِ مملکت نہیں چھوڑتے تو پھر خداوندِ عالم نبوۃ کے باب میں جھوٹے مدعی کو کب سلامت چھوڑتے اور اس کو سرسبز بھی ہونے دیتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوۃ کے بعد سرسبز ہوتے گئے، روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ ان کے خلفاء کے عہد میں عرب کے ریگستان سے نکل کر مشرق ومغرب میں کس شان وشوکت اور آسمانی برکت کے ساتھ اسلام پھیلا اور جاہل وحشی قوموں پر سایہ افگن ہوا۔ اور جس نے اس کو نہیں مانا بہت جلد خوار وذلیل یا دل میں پشیمان ہوا۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے وانه لتذكرة للمتقين کہ یہ قرآن پرہیزگاروں، خدا ترس لوگوں کے لیے نصیحت وپند ہے۔ اس میں کہانت اور شاعری اور شہوانی کون سی بات ہے۔

جو قومیں سخت وحشی اور درندہ تھیں پھر جو وہ جھٹ پٹ کایا پلٹ ہو گئیں۔ مہذب، خدا پرست، باخدا، راستباز، رحمدل، محنتی، اولوالعزم، ذوفہم، سلیم بن گئیں ان کے لیے اس پندنامہ کے سوا اور کون سی کتاب تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے عرب کے ایامِ جاہلیت کی سیر کیجئے۔ اس کے

بعد اسلامی دنیا دیکھئے پھر یہ رات دن کا فرق آپ کو حیرت میں نہ ڈال دے گا جبکہ آپ قرآن مجید کو تذکرۃ تسلیم کر لیں گے۔ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اے کفارِ قریش! تم میں سے بعض تو ذاتی مکذب یعنی جھٹلانے والے ہیں جو کبھی بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ان کا کفر ہی پر خاتمہ ہوگا۔ ان کو بے شک اس قرآن سے کچھ نفع نہیں بلکہ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بلکہ وہ ان کے لیے حسرۃ وافسوس کا باعث ہے۔ دنیا میں غلبہ وشوکتِ اسلام کے وقت آخرۃ میں عذاب کے وقت کہ ہائے ہم نے اس کو کیوں نہ مانا اور یہ شک و شبہ جو لوگ پیدا کرتے ہیں انہیں کی ناپاکی اور کجیِ باطن کے سبب سے ہے ورنہ قرآن تو لحق الیقین سراپا یقین کرنے کے قابل ہے۔ کوئی بات شبہ وانکار کی نہیں۔ ان تینوں مباحث کو پورا کر کے کلام کو اپنی تقدیس وتسبیح کرنے پر تمام کرتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کہ اپنے رب کی پاکی بیان کر جس نے قرآن بندوں کی بہتری کے لیے نازل کیا۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات پر عمل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم۔ وسبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اور پھر ہر نماز میں یہی طریقہ مسنون ہو گیا کہ رکوع وسجود میں بجز تسبیح کے اور کوئی چیز نہیں اور یہی مذہب ہے فقہاء ومحدثین کا۔ ولہ الحمد علی الاتمام حمدا کثیرا اسبحانک اللھم وبحمدک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ
ذِي الْمَعَارِجِ ۭ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾
وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝﴿۷﴾

کسی سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں کو ہونے والا ہے جس کو اللہ ذی مراتب کی طرف سے کوئی دفع نہیں کر سکتا فرشتے اور روح اس کی طرف اس دن چڑھے ہوں گے کہ جس کی درازی پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ (اے نبی!) آپ اچھی طرح سے صبر کئے رہو وہ تو اس کو بہت دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔

ترکیب: سأل قرء الجمهور بالهمزة من السوال وهو متضمن بمعنى الدعاء ولذا عدى بالباء وقرئ بغير همزة وهو اما من باب التخفيف والمعنى واحد او من السيلان والمعنى سال واد فى جهنم يقال له سائل كما قال زيد بن ثابت وبؤيده قرأة ابن عباس سال سيل اى اندفع واد **بعذاب واقع** بعذاب والباء بمعنى عن كقوله فاسئل به خبيرا وهو مفعول ثان لسال والمفعول الاول محذوف اى الله او النبى سال يتعدى الى مفعولين ويجوز الاقتصاء على احدهما قاله ابو على الفارسى **للكافرين** الجاء متعلق بواقع ويمكن ان يتعلق بثالث ويكون صفة اخرى بعذاب والاولى **واقع ليس له** الخ صفة اخرى لعذاب او حال منه او متانفة **من الله** متعلق بواقع اى بواقع ويمكن ان يتعلق بثابت ويكون صفة اخرى بعذاب والاولى واقع ليس له الخ صفة اخرى بعذاب او حال منه او متانفة من الله متعلق بواقع اى واقع من جهت سبحانه او متعلق **بدافع** اى ليس له دافع من جهته تعالى **ذى المعارج** صفت الله تعالى جمع معرج بفتح الميم وهو موضع الصعود تعرج الملائكة استيناف لبيان ارتفاع تلك المعارج على التمثيل والتخييل **فى يوم** متعلق بعرج وقيل بواقع وقيل بسال اذ اجعل من السيلان والضمير فى يرونه ونراه للعذاب او يوم القيامة۔

تفسیر: قرطبی کہتے ہیں یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور مضامین بھی اسی کے مؤید ہیں۔

شانِ نزول: نسائی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ عذاب کا سوال کرنے والا نضر بن حارث بن کلدہ کافر تھا۔ سورۃ الحاقہ سن کر اس سنگدل نے تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگا اگر یہ حق ہے تو یہ ضرور ہم پر عذاب آئے اور اسی طرح سے اور سیاہ باطن لوگ بھی تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ ان کے فکر میں قیامت کا آنا ایک امرِ محال تھا اس لیے انکار کے طور پر سوال کرتے تھے۔ اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں اس دن کی ہیبت ناک کیفیت اور اس عذاب کا آنا مذکور ہے جو کسی تدبیر سے ٹالے نہیں ٹلے گا۔

مناسبت: اور مناسبت کی وجہ بھی سورۃ الحاقہ سے ظاہر ہے۔ کس لیے کہ اس سورہ میں اسی حاقہ کی تفصیل وتاکید ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ حاقہ ایسا ہے کہ جس کے دن کی درازی پچاس ہزار برس کی ہے۔ اور یہ بھی کہ حاقہ یعنی قیامت کا سر بھی اسی سورہ میں بیان کر دیا گیا کہ دراصل وہ دن ملائکہ اور ارواح کے عالمِ اجسام سے فراغت پا کر اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کا دن ہے۔ وہ اس دن اس کی طرف چڑھیں گے۔

تعرج الملائکة الخ گویا اس عالم کی بناءِ تعمیر وبقا وتدابیر میں جو مصروف تھے (کوئی فرشتہ ابر سے، کوئی ہوا سے، کوئی پانی سے متعلق تھا۔ پھر جمادات، نباتات، حیوانات پر، ارواحِ مجردہ معین تھے کہ وہ ان کی تولید وتغذیہ وغیرہ کا بندوست کرتے تھے کراتِ افلاک وآفتاب وسیارات کو حرکت دے رہے تھے جن کو حکما نفوسِ فلکیہ وغیرہ کہتے ہیں) اس دن یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور وہ سب فارغ ہو جاویں گے اور چونکہ وہ نورانی ہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی طرف عروج وصعود کر جاویں گے اور بھی وجوہِ مناسبت ہیں جو غور وفکر کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

فقال سال سائل بعذاب واقع کہ کسی سوال کرنے والے یعنی درخواست کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی جو پڑنے والا ہے۔ سائل نضر بن حارث تھا۔ مگر اس ذلیل کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی عادت نہیں کہ مصائب میں کسی کا نام لیا جائے اور نیز یہ بھی ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا ہے اور اب تعمیم ہے تاکہ ہر ایک ایسی بات کا خواستگار جو کمال حماقت اور دلیری کر کے ایک آنے والی مصیبت کو بلاتا ہے اور اس کی خبر دینے والے کی شکر گزاری کی جگہ تضحیک کرنا چاہتا ہے اس آیت کا مصداق سمجھا جاوے سال کے بعد فاعل سائل کا اظہار کیا لطف دے رہا ہے جس کو بلغاء پسند کرتے ہیں۔ اور اس مانگنے والے نے کیا مانگا؟ عذاب اور عذاب بھی کیسا واقع جو قطعاً آنے والا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سوال کرنے وا۔ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ آپ ﷺ کو جب کفار کی تکذیب وتمسخر سے رنج ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا الٰہی ان پر عذاب کا تازیانہ نازل کرتا کہ ان کی سرکشی ٹوٹے۔ دعا آپ ﷺ کی قبول ہوئی اور قریش پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط پڑا کہ ہڈیوں اور مردار تک کھانے کی نوبت آئی اور چلا اٹھے اس لیے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے **فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا** دعا کے اثر ظاہر ہونے میں جلدی نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اس میں قدرے تنبیہ بھی ہے کہ ایذا کی برداشت کرو بددعا نہ کیا کرو جب ناصح مشفق ناامید ہو جاتا ہے اور اس کو بے حد ایذائیں پہنچتی ہیں تو وہ اس ناپاک قوم کے لیے بددعا بھی کر دیا کرتا ہے۔ یہ بھی ایک انسانی خاصیت ہے اور اس میں مصلحت بھی ہوتی ہے کہ یہ بے ثمر درخت کٹ جائیں تو اور عمدہ ثمردار پیدا ہوں۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی عذاب کی درخواست کی تھی جس پر طوفان آیا اور دنیا غرقاب ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لیے بددعا کی تھی۔ اس تقدیر پر سائل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تنکیر تعظیم کے لیے ہی اور لفظ واقع میں اور اسی طرح اس کے بعد کے جملوں میں للکافرین اور لیس لہ دافع میں کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور **مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ** میں کہ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو بڑا بلند مرتبہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجابت کی تسلی بھی ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا جس میں عذابِ دنیا کی طرف اور عذابِ آخرت کی طرف

اشارہ ہے۔ دنیا میں قحط آیا، بدر میں مارے گئے، مسلمانوں کے ہاتھ میں مسخر ہوئے۔ آخرت کا عذاب **تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ** میں بتایا گیا اور پھر آپ کو تنبیہ اور جلد عذاب نہ آنے پر دلاسا بھی دیتا ہے **فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا** کہ خوب اور عمدہ طور پر صبر کر یہ جو کچھ بھی کہیں کہنے دے۔ اور اگر سائل نضر بن حارث قرار دیا جائے تو عذاب واقع الخ میں عذاب آنے کا قطعی اشارہ کر کے **فاصبر صبرا جمیلا** میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر سال سوال کے معنی میں لیے جانے پر تھی جیسا کہ جمہور کا قول ہے خواہ سال کو ہمزہ کے اظہار سے پڑھیں یا تخفیف کر کے مگر بعض نے سال کو سیلان کے معنی میں لیا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے لیے عذاب واقع ہونے والا بہ پڑا دریا کی طرح امڈا آ رہا ہے۔ پھر آگے اس کی تشریح ہے **واقع للکافرین** کہ وہ عذاب کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ کفر باعث اس عذاب کا ہے کوئی کافر کیوں نہ ہو سب کو وہ عذاب پیش آنے والا ہے **لیس لہ دافع** اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں **من اللہ ذی المعارج** اور وہ عذاب کس کی طرف سے ہوگا جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا؟ اللہ کی طرف سے جو رتبوں والا ہے معارج معرج کی جمع چڑھنے کی جگہ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ومعارج علیہا یظہرون مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سماوات اور ان کو معارج اس لیے کہا کہ ان میں فرشتے چڑھا کرتے ہیں۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں فضائل ونعماء کو کہ یہ لوگوں کی طرف مختلف طور پر پہنچتے ہیں۔

(۳) معارج سے درجات مراد ہیں جو دنیا وآخرت میں لوگوں کو مختلف طور پر عطا ہوئے اور ہوں گے۔

(۴) بعض کہتے ہیں بندوں کے اعمال وادراکات ہیں کہ ان کے سبب اس کے بندے مراتبِ درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ متفاوت ہیں اور مراتب قربِ حق بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو عارفانِ راہِ حق طے کر جاتے ہیں۔ انسانی بقا وفنا بھی معارج ہیں جن کو طے کرتے کرتے مقصود تک پہونچتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی رتبہ اور فضائل عطا کرنے والا ہے آخرت میں اور دنیا میں بھی ایمانداروں کو اور یہ کہ عالم میں اس کا فیضان وسائل سے پہنچتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے **فالمقسمات امرا فالمدبرات امرا۔** پس ذی المعارج میں ان ارواحِ مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو ارتفاعِ مراتبِ حاجات کے لیے اس عالم میں بمنزلہ سیڑھیوں کے ہیں اور نزولِ آثارِ رحمت کے لیے بمنزلہ منازل کے ہیں اور اللہ کو ذی المعارج اس لیے کہا کہ یہ درجات اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے اور یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے، بہت بلند شان ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ایمان واعمال وخلوص کی سیڑھیاں درکار ہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے **تعرج الملائکة والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة** کہ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھیں گے اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔ روح سے مراد بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کی عظمت کے لیے ان کو ملائکہ سے جداگانہ بلفظ روح بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں **تنزل الملائکة والروح** وقول تعالیٰ **یوم یقوم الروح والملٰٓئکة صفا** اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح درجۂ نزول میں اول اور صعود میں آخر ہے اور اسی جگہ بعض اہلِ کشف نے کہا ہے کہ روح نورِ عظیم ہے اور وہ جمیع انوار سے جلالِ الٰہی کے قریب تر ہے اور اسی سے تمام ارواحِ ملائکہ اور ارواحِ بشریہ جو تمام ارواح سے اخیر درجہ میں ہیں پھیلتی ہیں اور دونوں طرفوں کے درمیان معارجِ مراتب ارواحِ ملکیہ ومدارجِ منازل انوارِ قدسیہ کے ہیں اور ان کی مقدار حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں روح سے مراد ایک اور چیز ہے یعنی نورِ عظیم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعض کہتے ارواحِ بشریہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں جمیع ارواحِ حیوانیہ ونباتیہ وفلکیہ وغیرہ۔ **تعرج** سے مراد اوپر چڑھنا جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ بعض کہتے ہیں عروجِ حسی مراد نہیں بلکہ عروج رتبۃً یعنی اسرارِ ملائکہ اور روح کو خداوند کے نزدیک عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ **فی یوم** سے مراد جمہور کے نزدیک قیامت کا دن

ہے۔بعض کہتے ہیں دنیا کا دن ہے مقدارہ خمسین الف سنة پچاس ہزار برس کی درازی جمہور کے نزدیک دراصل ہوگی لیکن ایمانداروں کے حق میں نہ ہوگی۔دلیل اس پر آیت اصحاب الجنة یومئذ خیر مستقرا و احسن مقیلا ہے اور یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت پچاس ہزار برس کی درازی اس دن کی بڑی درازی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن پر بہت کم ہوگا۔یہاں تک کہ وہ دن نماز پڑھنے کے وقت کے برابر ہوگا۔(اخرجہ احمد وابویعلیٰ وابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی البعث) لیکن اس کی سند میں وراج اور ابی الہیثم دوراوی ضعیف ہیں۔اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس دن کی درازی مومن پر اس قدر ہوگی کہ جس قدر عصر اور ظہر کا وقت ہے (اخرجہ ابن ابی حاتم والحاکم والبیہقی) بعض کہتے ہیں عدد حقیقۃ مراد نہیں بلکہ درازی اس تقدیر پر اس آیت اور اس آیت سورہ سجدہ میں یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدره الف سنة مما تعدون کچھ بھی منافات نہیں کس لیے کہ اسی درازی کو کبھی ہزار برس سے کبھی زیادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اول تقدیر پر مطابقت یوں ہوگی کہ دنیا سے لے کر اول آسمان تک مقدارِ رفعت ہزار برس ہے اور اسفل عالم سے لے کر انتہا عرش تک پچاس ہزار۔پس سورۂ سجدہ میں اول رفعت بیان ہوئی اور اس سورہ میں دوسری کچھ بھی منافات نہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کثرتِ اندوہ ورنج مراد ہے اور رنج واندوہ کے دن کی درازی محاورہ میں بہت بڑی بیان کی جاتی ہے۔شبِ فراق اور روزِ جدائی وایامِ مصیبت کی درازی ہزاروں برسوں کی بیان کرنا کمالِ بلاغت اور قوم کی بول چال کی رعایت ہے نہ جھوٹ نہ مبالغہ۔

(۱) ان اقوال پر لحاظ کر کے آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ملائکہ اور ارواح (جو اس عالم کی تدبیر وتصرف میں مصروف و معین تھے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ تھا کس لیے کہ ہر چیز عالم کے ساتھ ایک فرشتہ اور روح مدبرِ حق سبحانہ کی طرف سے معین ہے۔وہی اس مادہ کو اس قوالب میں ڈھال رہے ہیں اور وہ بحکمِ الٰہی ان کے نمو اور بقا اور استکمال وتولید وتناسل وتوالد کے محافظ ہیں)۔سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نور ہیں۔اپنے حیزِ اصلی نور الانوار حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس تک چڑھیں گے اور وہ بارگاہِ عالمِ ناسوتی سے بہت بلند ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تیز رفتار چڑھ کر جائے تو پچاس ہزار برس میں بھی وہاں تک نہ پہنچے۔اور یہ کس دن ہوگا قیامت کے دن جو بڑا مصیبت کا دن ہوگا۔اس تقدیر پر فی یوم تعرج کے متعلق ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس روز جو بڑے سے بڑا عاقل اور ذکی فیصلہ کرنے بیٹھے تو پچاس ہزار برس میں بھی فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ایام دنیا کے آدھے دن میں کر دے گا۔اور اس دن ملائکہ اور روح اپنے اپنے مواضع ومواقعِ رفعت میں بہت جلد عروج کر جائیں گے۔اگر اور کوئی وہاں تک چڑھے تو پچاس ہزار برس میں چڑھ سکے۔یہ وہب اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(۳) ابی مسلم[1] کہتے ہیں یہ دنیا کا تمام دن ہے جس کی ابتداء اول آفرینش اور انتہا آخر فنا ہے۔پھر حق سبحانہ نے بیان فرما دیا کہ دنیا کے دن میں ملائکہ کا عروج ونزول ضرور ہے اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم کو قیامت کا دن وقت معلوم ہو جائے کس لیے کہ نہیں معلوم کہ اس دن میں سے کس قدر گزر گیا اور کس قدر باقی رہا۔تفسیر کبیر

(۴) صاحب عرائس فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور روح کے عالمِ ملکوت میں مقامات معینہ ہیں پھر جب کوئی فرشتہ موقعِ نزول سے مرتبۂ معلومہ کی طرف چڑھتا ہے تو ایک ایسے دن بھر میں چڑھتا ہے کہ جس کی مقدار ہمارے نزدیک پچاس ہزار برس کے مساوی ہے اور وہ تو ایک ساعت سے بھی کم میں چڑھ جاتے ہیں اور حق کے لیے کوئی مکان اور منتہی نہیں کہ جہاں مخلوق چڑھ کر جاتی ہو بلکہ اس کی عزت وجلال کا ظہور

[1] یعنی ابتداءِ آفرینش سے لے کر فنا تک تمام ایامِ دنیا کو ایک دن سمجھے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔۱۲ منہ

ہزارہ سے عیاں ہے پھر جب قرب وبعدِ مسافت نہیں اور افہام اور اوہام اٹھا دے تو روح کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ وصال میں کچھ دیر نہیں۔اس کے بعد فرماتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ اے نبی! عمدہ صبر کر تیرے جھٹلانے والوں کو عذاب مقرر ہے۔سہل فرماتے ہیں، صبرِ جمیل رضا ہے بغیر شکوے کے انهم یرونه بعیدا کس لیے کہ وہ اس کے معتقد نہیں ونراه قریبا کس لیے کہ وہ دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ
حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ
بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

جس دن کہ آسمان (پگھل کر) تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو دیکھ کر بھی نہ پوچھے گا۔گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کہ زمین پر ہے سب کچھ دے دے پھر چھوٹ جائے۔ہرگز نہ ہوگا اور بہت تیز آگ ہے دماغ تک کو کھینچ لے گی جس نے (دین سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا (راہِ خدا میں نہ دیا) اس کو پکارے گی۔

ترکیب: یوم ناصبہ قریبا والتقدیر ونراہ قریبا یوم یکون کذا ویمکن ان یکون بدلا عن فی یوم ان علق به ولا یسئل قراء الجمہور مبنیا للفاعل فالمفعول الثانی محذوف ای لا یسئل حمیم حمیما نصرہ ولا شفاعتہ وقرئ مبنیا للمفعول علی اسقاط حرف الجر ای لا یسئل حمیم عن حمیم این حمیمک وکیف حالہ الحمیم القریب یبصرونهم یقال بصرت به ابصر ویقال بصرت ازید بکذا فاذا حذفت الجار قلت بصرنی زید کذا۔استیناف اوحال وجمع الضمیرین لعموم الحمیم لکونہ واقعا فی سیاق النفی ولو یفتدی (بمعنی ان والجملة مفعول یود المجرم فاعلہ ومن معطوف علی بنیه والجملة حال من احد الضمیرین فی یبصرونهم اواستیناف ثم ینجیه عطف علی یفتدی ای یود لو یفتدی ثم ینجیه الافتداء والعطف ثم الاستبعاد کلا ردع للمجرم انها الضمیر للنار او مهم یسفره نطی وهو خبر او بدل اوالقصة نزاعة قرء الجمہور بالرفع علی انها خبر ثان لان اوخبر مبتداء محذوف اوتکون نطی بدلا من الضمیر المنصوب ونزاعة خبران وقرئ بالنصب علی الحال والشوی الاطراف اوجمع شواة کنوی ونواة وہی جلدة الراس۔

تفسیر: اس دن کی درازی بیان فرما کر اس کی اور تشریح ہولناک حالات سے کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا جاتا ہے کہ آج جو اس دن کے منکر ہیں اور دنیا ہی پر دلدادہ اور فریفتہ ہیں اس روز ان کی یہ حالت ہوگی گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔فقال: (۱) يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ کہ جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسے ہو جائیں گے۔عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں مہل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔سماوات پر جب فساد طاری ہوگا تو ان کا مادہ ایسی رنگتوں میں آ جائے گا۔پہلے اس گھر کی چھت آسمان توڑے جائیں گے پھر نیچے کی نوبت آئے گی۔ (۲) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ اور پہاڑ رنگی ہوئی پشم کی طرح ہو کر اڑتے پھریں گے۔پہاڑ بعض سیاہ بعض سرخ، بعض سفید ہیں جب ان کے ریزے ریزے ہو کر باہم مل جائیں گے تو رنگین نظر آئیں گے اس لیے عہن سے پوری تشبیہ ہے۔اپنی اپنی پڑی ہوگی (۳) يبصرونهم باہم دیکھ کر کوئی التفات نہ کرے گا۔بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کی طرف رجوع ہے کہ ملائکہ ہر ایک نیک

وبدکو دیکھیں گے کوئی چھپ نہ سکے گا، دوست کا دوست کو پوچھنا تو درکنار بلکہ (۴) یَوَدُّ الْمُجْرِمُ الخ گنہگار آرزو کرے گا کہ کاش مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلہ میں میری اولاد اور بیوی اور بھائیوں اور کنبے کو جو اس کے مددگار دنیا میں تھے اور جو کچھ مال وحشمت دنیا پر ہے سب لے لے۔ انہیں لوگوں کے لیے تو دنیا جمع کرتا اور خدا سے غافل تھا مگر نہ چھوٹے گا کس لیے کہ انھا جہنم کی آگ شعلہ مارتی ہوگی، جھلستی ہوگی، زبانِ حال سے وہ خود یا اس کے داروغہ پکاریں گے ان دو گروہوں کو (۱) من ادبر و تولیٰ جس نے خدا سے منہ پھیرا اور نبی علیہ السلام سے پھر گیا۔ (۲) وَجَمَعَ فَاَوْعٰی مال جمع کیا کہ کسی حقدار کا حق نہ دیا بلکہ سمیٹ کر رکھ لیا اور جمع کرنے میں حلال وحرام کی بھی کچھ پروانہ کی۔ معاذ اللہ ایک کفرِ روگردانی اس پر یہ طمع وحرص ومردم آزاری یہ ہے مجرم۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي
أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ
الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ
أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ
وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾ ع

آدمی کنگک بنایا گیا ہے جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو چلا اٹھتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو کنجوس ہو جاتا ہے مگر نمازی وہ جو اپنی نمازوں میں ہمیشہ لگے ہوئے ہیں وہ جو ان کے مالوں میں حصہ معین ہے سائل اور غیر سائل کے لیے اور وہ جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے کہ ان کے رب کے عذاب کا خطرہ لگا ہوا ہے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کس لیے کہ اس میں ان پر کچھ بھی الزام نہیں پھر جس نے اس کے سوا اور کچھ چاہا تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں وہی لوگ باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔

ترکیب: هلوعا حال مقدرة من الانسان الهلع اشد الحرص يقال هلع الرجل يهلع هلعا وهلاعا فهو هالع وهلوع وكذا جزوعا ومنوعا حالان و اذا الاولى ظرف لجزوعا والاخرى لمنوعا الا المصلين استثناء من الجنس والمستثنى منه الانسان وهو جنس فى جنات ظرف لمكرومون۔

تفسیر: اور یہ مال جمع کرنا اور کنجوسی کرنا اس لیے ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ انسان (بعض کہتے ہیں اس سے مراد کفار ہیں) فطرتی

طور پر لالچی اور بے صبر پیدا ہوا ہے۔ اس کمبخت کی دور اندیشی اور اس کی زیرکی (جو خداوندِ عالم کی طرف سے بہ نسبت اور حیوانات کے زیادہ ملی تھی) اس کو بخل اور لالچ پر آمادہ کرتی ہے اور بڑے بڑے خیالات اور امیدیں بندھاتی ہے کہ سینکڑوں برسوں کا انتظام کرتا ہے اور اپنی عمرِ رواں کی بے ثباتی سے بے خبر ہو کر دنیا ہی میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ حالت آخرت اور حق سبحانہ سے غافل کرنے والی ہے۔ اس سے باز رہنے کو یہ اس کی جبلت بیان فرمائی جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے ہلوع کے معنی دریافت کئے فرمایا آپ ہی حق سبحانہٗ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اذا مسہ الشر جزوعا الخ جب اس کو برائی پہنچتی ہے، بیماری، تنگدستی، زن وفرزند واقارب کی موت یا کسی مقصود میں ناکامی جنگ اور خصومتِ عدالتی میں شکست، مال وجاہ کا زوال وغیرہ کوئی بات پیش آجاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے، صبر وشکیبائی کو کھو بیٹھتا ہے، کفر کے کلمات اور خدا کا گلہ وشکوہ کا آغاز کرتا ہے۔ الغرض خدا پاک سے امید کی رسی کو کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ بھی بری حالت ہے جو اس کے ضعفِ ایمان اور خدائے ذوالجلال پر توکل نہ کرنے کی دلیل ہے۔ واذامسہ الخیر منوعا اور جب خیر تندرستی اولاد، مال وجاہ وعزت میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کہ بس اب ہی نعمت حاصل ہو گئی، اتفاقی بات تھی روز روز کہاں حاصل ہوتی ہے۔ اس کو روک کر رکھو۔ اس میں سے حقداروں کا حق ادا نہ کرو۔ گویا یہ اس نعمت کو خدائے پاک کا عطیہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنی محنت وکوشش اور بخت واتفاق کی یاوری خیال کرتا ہے۔ یہ بھی نامحمود حالت ہے جس کو ایمان کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس مکروہ حالت سے آٹھ گروہ مستثنیٰ ہیں اور ان کو جہنم نہ بلائے گی۔ فقال: (۱) اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ مگر نمازی۔ صرف ایک بار یا دو بار نماز پڑھنا کافی نہیں بلکہ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وہ جو اپنی نمازیں ہمیشہ ادا کئے چلے جاتے ہیں، کبھی ترک نہیں کرتے۔ یہ فرقہ سب فرقوں سے اول ذکر ہوا اور یہ ہے بھی اول اور یہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ نماز بندے اور خداوند تعالیٰ میں ایک اعلیٰ رابطہ ہے جو اس کو پنجگانہ اس کی بارگاہ تک باریابی کا موقع دیتی ہے۔ بھلا جو پانچ وقت دن رات میں حضورِ قلب اور دلی نیاز سے اس کے سامنے جائے گا اس کی روح پر اس کے انوار کا پرتو کیونکر نہ پڑے گا اور اس کی یہ ظلمت کیونکر دور نہ ہوگی اور اس کا سختی ونرمی میں سے اپنے قادرِ مطلق پر کیونکر توکل نہ ہوگا؟ اور جو پنجگانہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے اس پر اس کی کیونکر رحمت نہ ہوگی۔ وہ ضرور آخرت کی بلاؤں سے اس کی برکت سے نجات پائے گا۔ (۲) وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ جن کے مال میں سائل اور محروم یعنی بے سوال کا جو نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ حق ہے اور حق بھی کیسا معلوم کہ اس نے کھول دیا ہے کہ اس قدر دیا کروں گا یہ نہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا بلکہ ایک حصہ معین کر دیا۔ قتادہ ومحمد بن سیرین وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ[1] ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ومعین کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زکوٰۃ کے بعد اگر اور نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔ مجاہد اور عطاء ونخعی وغیرہ فرماتے ہیں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ خیر وخیرات مراد ہے کس لیے کہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ وصدقات کے مصارف بیان فرما دیے گئے ہیں اور اس کا مصرف سائل ومحروم بیان فرمایا۔ فی اموالهم جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ سب مالوں میں خیرات جاری رہے۔ زراعت میں سے، مواشی میں سے، تجارت میں سے، نقد میں سے جس طرح ممکن ہو نفع پہنچاتے ہیں۔ مکان ہیں تو مفت ان میں مساکین وغرباء کو رہنے دیتے ہیں، مہمان اتارتے ہیں۔ ان کی گاڑی اور گھوڑوں کو حاجت والے مانگ کر لے جاتے ہیں۔ ان کے کپڑوں اور ہتھیاروں اور کتابوں اور دیگر اشیاء سے نفع اٹھاتے ہیں۔ یہ کریم النفس دریغ نہیں کرتے۔ حق کا لفظ کہہ رہا ہے کہ ایسے درماندوں کا ان کے مال میں بڑا زور ہے اور حصہ معین ہے جیسا شریکوں کا ہوتا ہے ان کے دامن ہمیشہ مسکینوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں۔

سائل تو معلوم ہوتا ہے مگر محروم کے معنی میں علماء کے متعدد قول ہے۔ (۱) تو وہی جو ہم نے پہلے بیان کیا بے زبان منہ بند۔

[1] صدقۃ الفطر اور نفقاتِ واجبہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) بعض کہتے ہیں محروم بے زبان جانور ہیں، کچھ نہیں کہتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔ان پر رحم کرنا اوران کو اپنی کھیتی، پانی یانقد مال سے نفع پہنچانا چاہیے (اس سے یہ مراد نہیں کہ گائے بیل کی پرستش کی جائے)۔ (۳) بعض کہتے ہیں محروم وہ مصیبت زدہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو دینا زیادہ ثواب ہے کس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لقمہ یا دو لقمہ یا ایک چھوارا یا دو چھوارے مانگ کر لے جائے بلکہ وہ جو حاجتمند ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا۔ باوجود اس کے سائل کو مقدم اس لیے کیا کہ یہ نفس الامر میں ہر جگہ پہلے پہنچا کرتا ہے۔افسوس ہے ان سائلوں پر کہ جنہوں نے اس کو دائمی پیشہ بنالیا ہے اور اس کے ساتھ اظہارِ کرامت و ولایت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔افسوس صد افسوس۔ فائدہ: نماز بدنی وروحانی عبادت تھی اس کے بعد مالی عبادت بھی ضرور ہے اس لیے اس دوسرے جملہ کو اس کے بعد بیان فرما کر جتلا دیا کہ نری نماز کافی نہیں، مال میں سے خیرات وصدقات بھی دیا کرو ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکمِ خبر

(۳) وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ وہ جو جزا کے دن کو سچا جانتے ہیں اس میں سب نیکیوں کی طرف اشارہ ہے اور ہر قسم کی بدی سے بچنے کی طرف ایماء ہے۔کس لیے کہ جو شخص کہ جزا کے دن کا معتقد ہوگا وہ جو نیکی کرے گا، دل کھول کر کرے گا۔غرباء کو دینا، اقارب و ضعفاء پر رحم کرنا یہ جملہ اوراس کے بعد کا جملہ پہلے اور آیندہ احکام کے لیے تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔ (۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے ان عذاب ربهم **غیر مامون** ان کے رب کے عذاب کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کب اور کس وقت نازل ہو جائے، اس سے نڈر رہنا نہ چاہیے۔پہلا جملہ عذاب اور ثوابِ آخرت کے خوف وامید کی وجہ سے نیکی پر ابھارنے والا بدی سے روکنے والا تھا۔مگر انسانی حرص وطمع وشہوت کبھی اس قدر دور دراز کی سزا یا جزا سے غافل کر کے بدی میں ڈال دیتے ہیں مگر جب اس کو برے کام پر دنیا ہی میں تازیانے پڑنے کا خوف دلایا جاتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا ہی میں ایسے بدکاموں کی سزا مل جاتی ہے (بیماری، تنگدستی، بے عزتی، کوئی ناگہانی مصیبت، ارضی وسماوی، عامہ یا خاصہ، قحط وباء، تسلطِ حکامِ ظالم وغلبۂ اعداء یا موتِ لخت جگر وخانہ خرابی وغیرہ) تو بہت جلد متنبہ ہو جاتا ہے۔اس لیے اس کے بعد اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ بھی سنا دیا اور دنیا میں اعمالِ بد پر سزا آنا یقینی بات ہے۔بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ کوئی کور باطن اس سزا کو من اللہ نہ سمجھے اور اسباب کی طرف منسوب کرے مگر عاقل جب غور کر کے دیکھے گا تو اسباب کا سلسلہ بھی اسی مسبب الاسباب کے ہاتھ میں دیکھے گا۔ یہاں تک یہ چار اوصاف ذکر ہوئے ان میں دو پہلے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے تھے اور چونکہ مقصود تر تھے اس لیے ان کو مقدم کیا اور یہ دونوں اخیر قوتِ نظریہ کی تکمیل کے لیے ہیں اور یہ دونوں ان دونوں کے لیے محرک ہیں۔

اس کے بعد چار فریق اور بیان فرماتا ہے۔جن میں چار صفات حقوق العباد کے ملحوظ رکھنے اور تمدن اور نظامِ عالم کے قائم رکھنے کے لیے بیان فرمائے اور ان چاروں میں اخیر جملہ تہذیبِ روحانی کے لیے بھی ایک رکنِ اعظم ہے اور اسی پر صفات کا اتمام ہے فقال (۱) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ کہ وہ جو اپنے سترِ خاص کو محفوظ رکھتے ہیں کسی پر نہیں کھولتے یعنی جماع نہیں کرتے مگر اسی قدر پر بس کرنا انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ دھرنا تھا۔کس لیے کہ انسان میں یہ ایک ایسی قوۃ رکھی ہے کہ اس کو مجبور ومقہور کر دیتی ہے اور اس کے حواس وعقل میں اپنے غلبہ کے وقت فتور ڈال دیتی ہے اور اسی لیے یہ تجرد اسلام میں کوئی عمدہ بات نہیں۔گو عیسائیوں کے راہبوں اور ہنود کے گشائیوں جوگیوں میں عمدہ عبادت اور نفس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مقابلہ ہے۔اس لیے اس کے بعد اس حکیمِ مطلق نے دو جگہ کے لیے اجازت دیدی۔ (۱) اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اول بیوی کے لیے۔مرد کو اپنی بیوی سے جماع درست ہے کس لیے کہ بیوی کو زوج اس کا جوڑا کہتے ہیں جو دونوں کے ملنے سے امورِ خانہ داری سرانجام سر پاتے ہیں اس کے اندر بھی

خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے۔اگر مرد اس پر ازار نہ کھولے تو اس کی حاجت روا نہ ہو اس کے لیے فتنے میں پڑنے کا خوف ہے پھر باہم اتحاد قائم نہ رہے۔دوم مرد وعورت کی محبت باہمی کا جس پر تمام خانہ داری موقوف ہے بیشتر اسی اختلاط پر مدار ہے۔بیوی کون ہے اور کیا شرطیں ہیں۔اس کو عرف پر چھوڑ دیا اور قرآن میں متعدد جگہ بتلایا گیا۔سوم نسلِ انسانی کا بقاء منشاءِ خداوندی ہے اور وہ بجز اس کے عادتاً ہو نہیں سکتا۔

(۲) اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لونڈیوں پر جو مردوں کے ہاتھ کا مال ہیں یہاں بھی جماع کرنا ممنوع نہیں۔لونڈی غلام بنانے کا دستور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی پایا جاتا ہے۔توریت موجودہ میں لونڈی غلاموں کے احکام مذکور ہیں۔دیکھو کتاب استثنیٰ کا ۲۱ باب ۱۰ اور س میں کتاب مذکور ۲ باب کا ۱۳ اور س ''اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر''۔(۴) ''مگر عورتیں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے''۔کتاب مذکور کا ۱۵ باب ۱۲ تا ۱۷ جملہ جس میں غلام لونڈیوں کے رکھنے اور آزاد کرنے کا صاف حکم ہے اور ۲۱ باب میں صحبت کرنے کی اجازت ہے۔

آج کل کی عیسائی قومیں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اہلِ اسلام پر عیب لگاتی ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ اسلام میں لونڈی غلاموں کے حقوق عیسائی آزاد رعیت سے زیادہ ملحوظ ہیں۔لونڈی جب مرد کا مال ہے اور گھر میں رہ کر کاروبار کرتی ہے اگر اس کا کسی سے نکاح نہیں کیا گیا تو اس کے ساتھ ہم بستری بھی اس پر ترحم اور اولاد کی ماں کہلانے کے لیے عزت دینا ہے۔

متعہ کی حرمت: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ جوان دونوں طریقوں کے سوا قضاءِ شہوت کے لیے اور طریقہ عمل میں لائے وہ حد سے تجاوز کرنے والا سرکش اور خدا کا باغی ہے۔متعہ کی ہوئی عورت بھی اس آیت سے حرام ثابت ہوتی ہے۔کس لیے کہ وہ نہ بیوی ہے کوئی حقِ زوجیت، میراث ونان وپارچہ وغیرہ اس کے لیے ثابت نہیں نہ لونڈی ہے اور اسی طرح وطی فی الدبر بھی ممنوع ہے (خواہ وہ لڑکے سے ہو خواہ غیر عورت سے ہو خواہ اپنی بیوی یا لونڈی سے ہو) کس لیے کہ وہ بیوی ہے نہ لونڈی اور حلق لگانا اور عورت کو عورت سے مساحقت کرنا اور عورت کو اس کام کے لیے نوکر رکھنا یا مخفی آشنائی کرنا یا اجرت دے کر یہ فعل کرنا سب ممنوع ہیں۔ (۲) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں۔امانت کی کئی قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے عطا کردہ قویٰ اور احوال ہیں ان کو بے جا صرف نہ کرنا چاہیے۔(۲) بات کی امانت۔آقا اور میاں کے مال کی امانت۔(۳) علماء کے پاس علم امانت ہے، اس کو نہ چھپائیں۔اسی طرح عہد بھی کئی قسم کا ہے۔خدا کا عہد کہ اسی کی عبادت کریں گے، باہمی بندوں کے جائز عہد خاوند و بیوی کا باہمی مودت وحسن معاشرت کا عہد جو لفظ نکاح سے قائم ہوتا ہے، سب کی رعایت لازم ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ وہ جو اپنی گواہی پر قائم ہیں یعنی گواہی ادا کرنے میں نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں اس سے انتظامِ عالم کا قیام اور حقوقِ عباد کا تحفظِ تام ہے۔لفظ قائم بتلا رہا ہے کہ نہ تو گواہی چھپائی جائے کہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور نہ حیلہ بہانے سے کنارہ کشی کرے۔دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔کس لیے کہ اس میں حقوق العباد تلف ہوتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے۔حقوق العباد کی شہادت کی سوا توحید ورسالت کی گواہی بھی ہر ایماندار پر واجب ہے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہمیشہ پڑھنا جو پہلے مذکور ہوا تھا اور بات ہے اور محافظت رکھنا جو یہاں مذکور ہے اور بات ہے۔کس لیے کہ محافظت کے معنی شرائط وارکان کی بجا آوری اور مفسدات ومکروہات سے بچنا ہے اور اہتمام کرنا اور حضورِ قلب سے ادا کرنا۔ جن میں یہ آٹھ صفات ہیں اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ وہی لوگ مرنے کے بعد دوسرے جہان میں باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔وہاں کی عزت اور وہاں کے دائمی عیش اور آیات میں مفصل مذکور ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا
خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ان کافروں کو کیا ہوا جو آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں دائیں اور بائیں (جانب) سے پرا باندھے ہوئے کیا ان میں سے ہر ایک طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے کہ جس کو وہ بھی جانتے ہیں پھر ہم مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتے ہیں (یعنی اپنی ذات کی) کہ ہم ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آسکتے ہیں اور ہم عاجز بھی نہیں ہیں پھر انہیں چھوڑو باتیں بنانے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں آنکھیں نیچی کئے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ترکیب: مهطعين المسرع وقيل المادعنقه هو حال من الذين كفروا قبلك حولك معمول مهطعين عزين جمع عزة وهي العصبة من الناس وقيل اصلها عزوة من العز وكان كل فرقة تعتزي اي تنسب الى غير من تعتزي اليه الاخرى في الصحاح العزة الفرقة من الناس والهاء عوض عن الياء والجمع عزى وعزون عن تتعلق بعزين ويجوز ان تكون حالا ان يدخل الجملة مفعول يطمع انا لقادر دن جواب القسم وما نحن اما جواب آخر للقسم او حال عن القادرون يخوضوا ويلعبوا مجزومان على انهما جواب الامر يوم بدل من يومهم سراعا جمع سريع والاجداث جمع جدث وهو القبر هو حال من فاعل يخرجون وكذا كانهم نصب عند الجمهور بفتح النون وسكون الصاد بمعنى العلم وقرئ بضم النون والصاد جمع نصب كاسد واسد الايفاض الاسراع في القاموس وفض يفض وفضا بالسكون وبالتحريك عدا واسرع خاشعة منصوب على الحال من ضمير يوفضون ابصارهم مرفوع على انها فاعل خاشعة ترهقهم من الرهق يقال رهقه بالكسر يرهقه رهقا غشيه ومنه المراهق اذا غشيه الاحتلام والجملة مستانفة او حال من فاعل يوفضون او يخرجون ذلك مبتدأ اليوم الخ خبره او الجموع مبتداء والخبر محذوف۔

تفسیر: اہلِ جنت کا اعزاز و اکرام سن کر مشرکینِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمسخر کی راہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ کا فرمانا حق ہے کہ دارِ آخرت میں یوں نعمتیں ملیں گی تو ان ذلیل و خوار لوگوں سے جو آپ کے تابع ہو گئے ہیں ہم اشراف ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے ہم زیادہ عزت و شوکت و حشمت والے ہیں۔ پھر وہاں ان بیچاروں کو تو ہم دھکے دے کر نکال دیں گے اور آپ جا بیٹھیں گے۔ ان کے خیالات کا رد ان آیات میں کیا گیا (کبیر) کہ ان منکروں کو کیا ہوا جو تیرے آس پاس پرا باندھے دوڑے چلے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ جنت النعیم میں داخل کیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہم نے ان کو

جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ بھی جانتے ہیں یعنی منی سے جو نہایت حقیر ہے۔ پھر اس عالمِ قدس میں بغیر اس کے کہ اس ناپاکی کے آثارِ بہیمیہ قوائے روحانیہ و ملکوتیہ کو ایمان و اعمالِ صالحہ سے جلا دے کر مٹا دے، کس طرح سے جا سکتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان آیات کے اس طور سے معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو جماعتیں کی جماعتیں تیرے پاس سے معجزات دیکھ کر بھاگے چلے جاتے ہیں، ذرا نہیں ٹھہرتے اور کان لگا کر نہیں سنتے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: فَمَالهم عن التذكرة معرضين كانهم حمر مستنفرة فرت من قسورة اور پھر اس کی تائید میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ سچ ہے انسان گندہ جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرے محض مال دنیاوی حشمت و شوکت کی وجہ سے اس عالمِ قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔ امام احمد و ابن ماجہ و بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت فمال الذين الخ مما يعلمون تک پڑھی پھر اپنے ہاتھ پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم، کیا تو مجھے عاجز کر دے گا حالانکہ میں نے تجھے ایسی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ تیرے ہاتھ پاؤں بنائے تو کپڑے پہن کر پھرنے لگا۔ زمین کا ایک روز تجھے پیوند ہونا ہے، جمع کرتا جاتا رکھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ گلے میں دم آ گیا تو کہنے لگا مجھے صدقہ دینے کی مہلت دی جائے۔ انسان نسب و مال عارضی چیز کا کیا فخر کرتا ہے سب کی ایک ماں ایک باپ ہے۔ ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب ایک راہ سے آئے ہیں، سب خاک ہو جائیں گے۔ اس میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس کی تجلی سے جو صفائی حاصل ہوئی ہے البتہ وہ ایک امتیاز کی چیز ہے۔

مکہ کے کفار حشر کے منکر تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے تھے اس لیے ان کو سنایا جاتا ہے۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ[1] وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ الخ کہ مشارق و مغارب کے رب کی یعنی اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے بہتر لوگ پیدا کر دینے پر قادر ہیں۔ ہم بدل سکتے ہیں اور اس سے عاجز نہیں تم کو غارت کر کے اور آئندہ نسلیں عمدہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے۔ فسياتي الله بقوم الخ بعض مفسرین کہتے ہیں، خدا نے تھوڑے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان بدکاروں کے ہلاک و برباد ہو جانے کے بعد) ایسی مطیع اور نیک قوم عطا کی جو دنیا بھر میں راستی پھیلانے کے لیے آمادہ ہو گئی اور خدا تعالیٰ کے دینِ مرضی کے وہی حامل و معین ہوئے۔ ان کو جس طرح اخلاقی و روحانی سلطنتیں ملی تھیں اسی طرح ظاہری سلطنتیں بھی عطا کی گئیں جیسا کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان ناہنجاروں سے روگردانی کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا کہ ان کو چھوڑ باتیں بنانے دے یا ہر قسم کی بدکاری میں گھسنے دے۔ ويلعبوا اور کھیلنے دے۔ اولاد و مال وزن و فرزند سب ایک کھیل و تماشا ہے جو انسان کو اس کے منزلِ مقصود سے روکتا ہے یہاں تک کہ اپنے موعودوں کو پالیں یعنی قیامت کو اور اس سے پہلے موت کو پھر قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر تختِ رب العالمین کی طرف اسی طرح دوڑے چلے آئیں گے جیسا کہ کوئی شرط میں نشان گڑے ہوئے تک جلد جلد دوڑتا ہے۔ یا یہ کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں بحکمِ قدیر تختِ رب العالمین کی طرف دوڑیں گے، آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچی

[1] مشارق مشرق کی جمع آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مشرق اور مغرب کی گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے جو آفتاب برآمد و غائب ہوتا ہے دو مشرق اور دو مغرب کہہ سکتے ہیں۔ جاڑے میں جنوب کی طرف سے گرمی میں شمال کے رخ مائل ہو کر آفتاب نکلتا ہے اسی طرح غروب ہوتا ہے۔ رب المشرقين ورب المغربين آیا ہے لیکن ہر روز آفتاب کا طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے اس لیے مشارق و مغارب کہے جاتے ہیں۔ ان کا مالک جس کے حکم سے یہ ہو رہا ہے رب المشارق والمغارب ہے جو کمالِ قدرت رکھتا ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کی صفت یاد دلا کر قسم کھانا اپنی کمالِ قدرت دکھانا اور جتلانا ہے۔ ابو محمد عبد الحق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ
وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ
اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ
لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝۵ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ
لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷

وقف لازم

ہوں گی، مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوگی پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو اس دن سے پہلے کہ ان پر سخت عذاب آئے متنبہ کردو۔ نوح نے کہا اے قوم! میں تم کو صاف صاف ڈرسنانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور میرے کہنے پر چلو تا کہ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو ایک معین وقت تک مہلت دے۔ کس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو وہ ڈھیل نہیں دیتا اگر تم جانتے ہو (تو مانو)۔ نوح نے کہا اے رب! میں اپنی قوم کو رات دن بلایا کیا پھر تو وہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے ان کو بتایا کہ تو انہیں بخش دے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگے اور کپڑے ڈھانکنے لگے اور ضد کرنے لگے اور بڑا غرور کرنے لگے۔

ترکیب: ان انذر ان معنی ای ویجوز ان یکون مصدریۃ' من قبل متعلق بانذر قال یاقوم قوم بکسر المیم اصلہ قومی حذفت الیاء والکسرۃ دلیل علیھا والجملۃ مستانفۃ ان اعبدوا اللہ ان تفسیریۃ لتنذیر او ھی مصدریۃ یغفر مجزوم علی انہ جواب الاوامر الثلاثۃ ومن للتبعیض وقال الاخفش زائدۃ ویؤخر معطوف علی یغفر لیلا ونھارا ظرفان لدعوت لافادۃ الاستثناء مفرغ۔ لتغفر واللام للسببیۃ جعلوا جواب کلھا۔

تفسیر: یہ سورۂ مبارکہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش کی سرکشی اور اخیر نبی علیہ السلام کی ہدایتوں پر تمسخر اور وعدوں کی تکذیب اور تکبر حد کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی مثل سرکش اور نافرمان قوم کا عبرتناک واقعہ سنایا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام پیغمبر کی نبوۃ میں گزرا جس سے قریش کے کان بھی آشنا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے اور وہ متوشلخ کا بیٹا اور وہ حنوک کا اور وہ یارو کا اور وہ محلل ایل کا اور وہ قینان کا اور وہ آنوس کا اور وہ شیث کا اور وہ آدم علیہ السلام کا۔ آدم علیہ السلام سے تخمیناً سولہ سو برس گزرے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں بہت پھیل گئی تھی اور زمین بدکاری اور ظلم سے بھر گئی تھی۔

توریت یا اور کسی صحیفہ سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس ملک میں اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟ مگر اکثر

مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت نوح آرمینا و کردستان وغیرہ ایشیاءِ کوچک میں پیدا ہوئے تھے اور اس شہر اور گاؤں کا نام معلوم نہیں کہ کیا تھا جہاں حضرت رہا کرتے تھے اور طوفان کے بعد جو بارِ دگر دنیا آباد ہوئی تو سب سے پہلا یہی ملک بنی آدم کا وطن معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اطراف میں وہ برج بنایا گیا تھا جو طوفان کے بعد آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے لوگوں نے بنایا تھا۔ اس کے نشان اب تک بغداد کے نواح میں سیاحوں کو دکھائی دیتے ہیں اور شہر بابل اور نینوا بھی یہیں بسے تھے جو اب خاک کے تودے اور ڈھئی ہوئی عمارات کے نشان کچھ کچھ معلوم ہوتے ہیں اور کھودنے سے بڑی بڑی اینٹیں اور حیرت انگیز بنیادیں نکلتی ہیں اور بابل کی اینٹوں سے۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹
فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱
وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲

پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا پھر میں نے ان کو خبردار بھی کردیا اور چپکے چپکے بھی کہا۔ سو میں نے کہہ دیا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے تا کہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے اور تمہارے لیے باغ تیار کردے اور تمہارے لیے نہریں جاری کردے۔

ترکیب: جھارا منصوب علی المصدریۃ لان الدعاء یکون جھارا وغیر جھار فالجھار احد نوعیہ ویجوز ان یکون مصدرا فی موضع الحال ای مجاھرا اوذا جھارا وصفۃ مصدر محذوف بمعنی دعاء جھارا ای مجاھرا بہ اسرارا مفعول مطلق من اسررت یرسل وکذا ما بعدہ یمدد یجعل مجزوم علی انہ جواب الامر ای استغفروا والمدار الدرور ھو التحلب بالمطر وانتصابہ اما علی الحال من السماء ولم یؤنث لان مفعالا یذکر ویونث او انہ نعت لمصدر محذوف ای ارسالا مدرارا۔

تفسیر.....: کسریٰ نے مدائن میں طاق بنایا اور خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں بغداد شہر کی عمارات چنی گئیں اور کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوا تھا۔ الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور مکاری سے منع کرنا شروع کیا اور توحید اور مکارمِ اخلاق اور خدا پرستی کی تعلیم کی۔ لوگوں کی زندگی کے ایام پورے ہو چکنے کو تھے۔ نہ مانا اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا بھیجنا اور قوم کو ڈرسنانا اور قوم کا نہ ماننا اور پھر نوح علیہ السلام کا حق سبحانہٗ سے بطور شکایتِ قوم یہ عرض کرنا کہ میں نے ان کو یوں سمجھایا یا میرا کہا انہوں نے نہ مانا بیان فرماتا ہے، فقال اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحاً اِلٰی قَوْمِہٖ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کس لیے کہ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کہ اپنی قوم کو عذاب الیم (دنیا کا غرق' آخرت کا جہنم) کے آنے سے پہلے ڈرا اور خبردار کرتا کہ وہ اپنی بدکرداری سے باز آئیں قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ نوح نے حسب الامر قوم سے کہا اے قوم میں تمہارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کوئی مخفی اور مبہم اور معما کی بات نہیں۔ ایسی قوم جو دریائے نکبت میں ڈوب رہی ہو اس کے ناصح کو مناسب یہی ہے صاف صاف کہے۔ ابہام اور معما میں گول گول باتیں نہ کہے کہ وہ سودمند نہیں ہوتیں۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اول یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کی پابندی چھوڑ دو اسی کے ہاتھ میں موت وحیات، نفع ونقصان ہے۔ معلوم ہوا کہ قوم بت پرست تھی۔ اس لیے پہلے توحید کا حکم دیا کیونکہ تمام مکارمِ اخلاق کی بنیاد توحید پرستی ہے۔ (۲) واتقوہ اور اللہ سے ڈرا بھی کرو، بدکرداری اور جس قدر مکروہ کام ہیں چھوڑو۔ کس لیے کہ ایسے کاموں پر وہ سزا دیتا ہے۔ یہ ہیں اللہ سے ڈرنے کے معنی۔ معلوم ہوا کہ قوم بڑی بدکار تھی، زمین کو ان کی بدکاری اور گندے کاموں نے گندہ کر رکھا تھا۔ (۳) واطیعون اور معاملات اور اصلاحِ رسم و

رواج اور درستیِ اخلاق وامورِ تمدن ومعاشرت وطریقِ عبادت میں میرا کہنا مانو، جس راہ میں تم کو لے چلوں چلو۔ کس لیے کہ سعادت کے پرخطر رستہ کا ہادی نبی ہوتا ہے جو قوم اس کے قدم بقدم چلے گی سعادتِ دارین تک پہنچے گی اور جس نے اپنے رسول کو چھوڑ دیا وہ پرخار اور عمیق گھاٹیوں میں ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے، دین ودنیا کے بادشاہ ہو گئے۔ آج کل اکثر مسلمانوں نے اپنے ہادیِ برحق کا رستہ چھوڑ رکھا ہے اس لیے دین ودنیا کی رسوائیاں اور ذلتیں ان پر سوار ہیں۔

اس حکم برداری کا یہ ثمرہ ہوگا (۱) يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں من تبعیض کے لیے ہے۔ تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ گناہ بخش دے گا یعنی حقوق العباد معاف نہ ہوں گے، وہ ادا کرنے سے یا ان کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ (۲) وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور تم کو ایک معین مدت تک دنیا میں رہنے آرام کرنے دے گا، غارت وبرباد نہ کرے گا جیسا معتوب لوگ کیے جاتے ہیں اور آخر کار یہ بھی کیے گئے مدتِ معین تک۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں ٹھہرتا اور نہ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا مقام ہے۔ کس لیے کہ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ اللہ کا وعدہ جب آتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ یعنی موت کا وقتِ معہود نہیں ٹلتا، باقی عقاب وعذاب میں گرفتار ہو کر فنا ہونا جو گناہوں پر ہوتا ہے نیکوکاری سے ٹل جاتا ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کو خبر ہے تو میری اطاعت کرو ایمان لاؤ، یا یہ کہ کاش وہ جانتے مگر وہ بدنصیب قوم برسوں بلکہ سینکڑوں برسوں کے سمجھانے پر بھی نہ مانی اور اس قدر عرصے میں عذاب نہ آنے سے اور بھی دلیر ہو گئی۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بطور مناجات عرض کرنا شروع کیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا کہ اے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہدایت کی طرف بلایا، وعظ وپند کیا، اس کام میں کوئی کمی نہیں کی مگر وہ اس سے اور بھی بھاگنے لگے۔ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے یعنی تیری طرف معافی کے لیے بلانا چاہا تو انہوں نے (۱) اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ کہیں میری بات سننے میں نہ آئے اور اسی پر بس نہیں کیا (۲) بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیا، منہ چھپا لیے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں یا یہ عداوت کرنے سے کنایہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے دشمن کا جامہ پہن لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس لیے کپڑا ڈالتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کو پیغمبر نہ بلائے۔ (۳) اور اپنے کفر وبدکاری پر اڑ گئے ہرگز توبہ وندامت نہیں کرتے۔ (۴) اور بڑا غرور کرنے لگے اس پر بھی میں نے بس نہیں کی بلکہ ثم انی دعوتھم جھارا اس کے بعد بھی میں نے بآوازِ بلند ان کو بلایا۔ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ پھر میں نے ان کو خبردار بھی کیا اور جتا دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغام لایا ہوں۔ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اور مخفی طور پر بھی سمجھا دیا یعنی ہر طور سے بلایا اور نصیحت کی۔

استغفار کے فوائد: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ تم اور کسی سے نہیں بلکہ اپنے پرورش کرنے والے محسن اور مربی سے معافی مانگو۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وہ (۱) تم پر بارش برسا دے گا، قحط وگرانی کے عذاب سے نجات دے گا۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا سماء سے مراد بادل ہے۔ (۲) وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اولاد نہ کہا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کس لیے کہ لڑکیوں کی پیدائش سے وہ ناخوش ہوتے تھے اس لیے بنین کہا یعنی لڑکے دے گا۔ (۳) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے گا خوب میوے کھاؤ گے۔ (۴) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے نہریں تیار کر دے گا۔ ان دنیا کی چیزوں کی طرف طبائع عامہ کی رغبت ہوتی ہے اور وہ قوم بھی انہیں پر فریفتہ تھی اس لیے معافی مانگنے پر ان چیزوں کا وعدہ دیا اور یہ وعدہ سچا تھا، طمعِ خام نہ تھی۔ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز ونیاز سے اپنے رب العالمین سے معافی مانگتا رہے گا اس کے مال واولاد میں برکت ہوگی، قحط

سالی رفع ہوگی، زمین کی پیداوار زیادہ ہوگی مجرب بات ہے۔

روایت: روایت ہے کسی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے قحط سالی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کر۔ ایک نے تنگدستی کا گلہ کیا، کسی اور نے نسل کی قلت کا شکوہ کیا۔ ایک اور نے کہا زمین کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ سب کو آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ ربیع بن صبیح نے کہا آپ سے لوگوں نے مختلف اغراض بیان کیے اور جدا جدا چیزیں چاہیں آپ نے سب کو استغفار کا ہی حکم دیا۔ حسن نے یہ آیت پڑھی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آئے اور دل سے اور زبان کو پاک رکھے اور عجز ونیاز اور خلوصِ دل سے استغفار کرے۔ دنیا میں اس کی یہ برکتیں ہیں آخرت میں جنت ہے۔ کس لیے کہ اہلِ جنت کی شان میں آیا ہے۔ وبالاسحار ھم یستغفرون کہ صبح کے وقت خدا سے معافی مانگا کرتے تھے اور احادیثِ صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف بھی ہر صبح استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھا کرتا ہے۔ مگر واہ رے بدنصیب قوم! اس پر بھی نوح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا جس پر ناچار ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ
خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ
سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا
وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا
مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی عظمت نہیں سمجھتے حالانکہ اس نے تم کو رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سات آسمان اوپر تلے (کیسے) بنائے ہیں اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا اور آفتاب کو چراغ بنا دیا اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اگایا لہلہاتا ہوا اگایا پھر وہ اسی میں تم کو لوٹا کر لے جائے گا اور اسی میں سے (پھر) باہر نکال لے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا کر دیا تا کہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلا کرو۔

ترکیب: الوقار بمعنی التوقیر ترجون بمعنی تعتقدون وانما عبر عن الاعتقاد بالرجاء التابع لاو فی الظن مبالغۃ ولله اللام للتبین بیان للموقر ویمکن ان یکون صلۃ للوقار وقد خلقکم الجملۃ حال من الضمیر فی لکم اطوارا مختلفین حال من ضمیر فی خلقکم وقیل مفعول ثان لخلق بمعنی جعل قال اللیث الطور التارۃ یعنی حال بعد حال وقال ابن الانباری الطور الحال والھیئۃ وجمعۃ اطوار طباقا انتصابہ علی المصدریۃ یقال طابقہ طباقا ومطابقۃ او حال بمعنی ذات طباق فحذف ذات واقیم طباقا مقامہ نباتا منصوب علی انہ مفعول مطلق ولم یقل انباتا کما یقتضیہ الظاہر للدقیقۃ اللطیفۃ وھی انہ لو قال ابناتا کان صفۃ للہ تعالیٰ وھم لا یعتقدونہ بل اکثر المادین بل کلھم یقولون اللہ لا ینبتنا ولما قال نباتا صار صفۃ للنبات والنبات العجیب مشاہد محسوس یستدل بہ علی وجود الباری تعالیٰ شانہ فنباتا اما مصدر علی حذف الزوائد ویسمی اسم المصدر ویجوز ان یکون مصدر المنبتم مقدر تقدیرہ انبتکم فنبتم نباتا حسنا فیکون منصوبا بالمطاوع المقدر وعند الخلیل والزجاج ھو مصدر محمول علی المعنی لان معنی انبتکم جعلکم تنبتون نباتا وقیل المعنی اللہ انبت لکم من الارض النبات فعلی ھذا ھو مفعول بہ وعلی لا اول معنی انبتکم انشاءکم فاستعیر الانبات للانشاء لانہ اول علی

الحدوث والتکون من الارض۔ فجاجا جمع فج وھوالطریق الواسع' سبلا جمع سبیل وھومفعول فیہ۔

تفسیر: مَالَكُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا کہ تمہیں کیا ہوگیا جوتم اللہ سے عزت وحرمت کی امید نہیں رکھتے، اپنے بتوں سے رکھتے ہو کہ فلاں عزت دے گا، فلاں مال دے گا۔ یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ تمہیں کیا ہوگیا جوتم اللہ کی توقیر وعزت نہیں خیال کرتے اور دل میں نہیں لاتے اوروں کی عزت وحرمت دل میں ہے مگر ہائے اللہ کی نہیں۔ جس لیے ان سے ڈرتے اوران کی نذرونیاز کرتے ہو۔ دلیل توحید: نوح علیہ السلام نے اول توحید کا حکم دیا اس کے بعد اس کے ثبوت میں چند دلائل بیان فرمائے۔ پہلی دلیل: (۱) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا کہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا، تم اول نطفہ تھے' پھر علقہ ہوئے' پھر مضغہ ہوئے' پھر انسان بنے یا یہ کہ کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو خوبصورت، کسی کو بدصورت بنایا۔ پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادۂ بے شعور کا کام ہے نہ طبیعت کی کاریگری ہے۔ آخر کوئی علیم وخبیر ہے کہ جس نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ یہ بڑی مستحکم دلیل ہے جوانسان ہی کے حالات سے متعلق ہے اپنے آپ ہی میں غور کرے گا تو سینکڑوں نشانِ قدرت پائے گا۔ دلائلِ انفس کے بعد اب دلائلِ آفاق شروع کرتا ہے۔

دوسری دلیل: (۱) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کیسے سات آسمان اوپر تلے بنائے؟ آسمانوں کے وجود پر کئی بار بحث ہوچکی ہے۔ سماوات اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہیں۔ (۲) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا کہ اس نے آسمانوں میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا۔ آفتاب وماہتاب کا فرق دہریوں اور مادیوں کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور ناچار ایک حکیم علیم وقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

سوال ۱: چاند پہلے آسمان پر ہے، ساتوں میں نور ہونا کیونکر فرمادیا؟

جواب: کبھی ایک چیز کو جو ایک جز خاص میں ہوتی ہے اس کا مجموعہ میں ہونا عرفاً بیان کردیا جاتا ہے کہتے ہیں بادشاہ ہندوستان میں ہے حالانکہ وہ اس کے ایک خاص جزو میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بیان فرمایا گیا۔

سوال ۲: چاند نہ روشنی میں بڑھ کر ہے نہ جسم میں پھر اس کو تو نور فرمایا جو بڑھ کر بات ہے اور آفتاب کو چراغ اس میں کیا رمز ہے؟

جواب: (۱) آفتاب کی روشنی میں گرمی ہے جس طرح چراغ کی۔ اس لیے اس کو چراغ کہا۔ اور چاند میں یہ بات نہیں اس کو محض نور کہہ دیا۔ (۲) ضوء جس کو چمک کہتے ہیں نور یعنی روشنی سے بڑھ کر ہے اس لیے آفتاب جو چمکتا ہوا ہے اس کو ضیاء[1] اور سراج کہا کیونکہ چراغ میں چمک ہے اور اس چمک سے روشنی پیدا ہوتی ہے اس لیے ماہتاب کو روشنی فرمایا جو آفتاب کی چمک سے ہے۔ تیسری دلیل: پھر اول دلیل کی تشریح کرتے ہیں جو ایک طور سے نئی دلیل ہے۔ فقال وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اگایا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اگانا ان کی اولاد کا اگانا یوں کہو کہ انسان منی سے بنتا ہے اور منی زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذائیں زمین سے اگتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کو خاک سے اگایا مگر نباتا کے لفظ میں اس اگنے کی دلکش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔ اول کیسے پودے لہلہاتے ہوئے اگتے ہیں۔ لڑکپن کا نشوونما' جوانی کی بہاریں کیا دلکش نظارہ ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ کس طرح سوکھتے جاتے ہیں اور پھر خاک میں جا ملتے ہیں۔ ان باتوں کو وہ خود بھی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جب اس قدیر کی یہ قدرتِ کاملہ ثابت ہوگئی تو گویا حشر کے دن قبروں سے نکالنے پر قادر ہونا بھی ثابت کردیا۔ ان کے مقابلہ میں یہ کہنا بھی صحیح ہوگیا کہ حشر کے دن وہ پھر تم کو اس خاک میں سے نکالے گا اور لفظ اخراجا میں اس کی کیفیتِ خاص کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دلیل میں انسان کی ابتداء اور انتہاء اور اس کی بے ثباتی سب کچھ بیان کردی اور

[1] هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا

مسئلہ مبدء ومعاد پورا ثبوت کردیا جو نبوت کا اہم کام تھا۔ چوتھی دلیل: (۴) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنادیا۔ نہ زیادہ سخت کیا نہ زیادہ نرم بلکہ رہنے ٹھہرنے' چلنے پھرنے کے قابل۔ نہ یہ مادہ کا کام ہے نہ طبیعتِ اجسام کا نہ کسی اور کا بلکہ اس علیم وحکیم کا تَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تاکہ تم کشادہ رستوں میں چلا کرو۔ اول دنیا کے گھر کے باشندے بیان فرمائے یعنی انسان اوران کا بنانا بھی بتایا کہ کس طرح اور کس چیز سے پیدا ہوئے اور کب تک یہاں رہیں گے، آخر کیا ہوجائیں گے۔ پھر اس گھر کی چھت سبع سماوات بیان فرمائی کہ کس صناع نے کس حکمتِ کاملہ سے اس کو بنایا اور اس کو چاند وسورج سے منور کیا۔ رات میں ماہتاب اور دن میں آفتاب روشنی دیتے ہیں۔ کیسی عمدہ قندیلیں اس حکیم نے روشن کی ہیں اوران میں نور کا کیا مادہ ڈالا ہے جو ہزاروں برسوں سے اسی طرح چلا آتا ہے اس کے بعد زمین کی کیفیت بیان فرمائی جو اس گھر کا فرش ہے جس سے یہ مقصود کہ دنیا کا گھر فرش اور چھت اور اس کے رہنے والے اسی نے بنائے ہیں پھر اور کسی کا کیا حق اور کون سا حصہ ہے جو اس کو بھی اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ سبلا فجاجا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر وبدکاری کے رستے تنگ اور پرخار اور پرخطر ہیں ان پر نہ چلو، توحید وخدا پرستی کا وسیع رستہ ہے اس پر چلو تاکہ منزلِ سعادت کو پہنچو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اوراس کو مانا کہ جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑا فریب کیا اور قوم نے (آپس میں) کہا اپنے معبودوں کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق ونسر کو حالانکہ وہ بہت کو گمراہ کرچکے ہیں (وہ بت) ستمگاروں کو تباہی کے سوائے اور کچھ فائدہ نہیں دیا کرتے۔

ترکیب: انهم الجملة مفعول قال' من مفعول اتبعوا والضمیر فاعله قرئ ولده بفتح الواو واللام وبضم الواو وسکون اللام وهما سبعی یتان وقرئ بفتح الاول وسکون الثانی وهی نعة وقیل جمع الولد۔ کبارا قرء الجمهور بالتشد یدای کبیرا عظیما کقراء وحمّال قال المبرد الفعال للمبالغة وقرئ بکسرا الکاف وتخفیف الباء هو جمع کبیر ودقرء الجمهور بفتح الواو وقرئ بضمهما قال اللیث بضم الواو صنم لقریش وبفتحها صنم کان لقوم نوح و فی الصحاح الود بالفتح الوتد فی لغة اهل نجد کانهم سکنوا التاء وادغموها فی الدال سواعاً هما منصرفان یغوث ویعوق عند الجمهور غیر منصرفین فان کان عربیین فللعلمیة ووزن الفعل وان کان عجمیین فللعجمة والعلمیة وقرئ منصرفین للتناسب بما قبلها۔ ولاتزد الظالمین معطوف علی رب انهم عصونی وقال ابوحیان انه معطوف علی قد اضلوا ومعنی الضلال الخسران والعذاب۔

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل بھی قائم کئے پھر بھی اس کم بخت قوم نے خدا پاک کی طرف رجوع نہ کیا اور کوئی امید ان کی ہدایت کی باقی نہ رہی تب ناامید ہوکر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کرنے لگے قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ کہ یارب ان لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اوران ناپاک اور گمراہوں کے تابع ہوگئے کہ جن کے مال اور اولاد نے بجائے فائدۂ آخرت کے ان کو اور نقصان دیا آل اور اولاد کی افزائش سے اور بھی سرکشی وگمراہی میں پڑ گئے اور اترا گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم جس طریقے پر ہیں وہی برحق ہے کس لیے کہ اگر برحق نہ ہوتا تو پھلتے پھولتے نہیں یہ شخص ناحق کی بک بک کیا کرتا ہے۔

فائدہ ۱: خدا کی پناہ انسان بدکاری پر بدکاری و بت پرستی کرے اور خدا کی طرف سے اس کو کوئی روکنے والی سزا نہ ملے اور وہ افزائش مال اور اولاد میں ترقی کرتا جائے پھر وہ تو اپنے طریقہ کو کبھی برا نہیں سمجھے گا بلکہ اور بھی دل کھول کر کرے گا اور مغرور ہوتا جائے گا۔ یہ بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بت پرست و بدکار قومیں کس طرح سے پھولتی پھیلتی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سخت عذاب تیار ہے۔ ومکروا مکرا کبارا اور بڑے مکر وفریب کیے۔ کہیں ان بتوں اور ہیاکل کی پرستش کی عجیب دلیلیں بنا رکھی تھیں اور بحث میں ہارتے نہ تھے۔ کمینوں اور لچوں شہدوں کو لالچ دے کر حضرت نوح علیہ السلام کی توہین وایذا پر آمادہ کیا اور انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ اور بڑی دلیری سے ان کے سرداروں نے کہہ دیا کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے کہنے سے نہ چھوڑنا۔ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا خصوصاً ان پانچ معبودوں کو تو ہرگز نہ چھوڑنا، ود کو، سواع کو، یغوث کو، یعوق کو، نسر کو۔[1]

فائدہ ۲: دنیا میں جب حضرت آدم علیہ السلام آئے اور ان کی اولاد پھیلی اس کے ساتھ ہی شیطان نے بھی قابو پایا۔ تھوڑے ہی زمانے بعد حضرت کی اولاد میں بدکاری اور جور و جفا نے رواج پانا شروع کیا۔ قوتِ بہیمیہ اور قوتِ غضبیہ نے اپنا جلوہ دکھایا اور فرشتوں کا من یفسد فیها ویسفك الدماء کہنا صادق آیا۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا۔ شیطان کا اثر اول انہیں دونوں قوتوں پر ہوا کرتا ہے اس کے بعد قوتِ عملیہ میں بھی ان کے ظلمات سے خلل ڈال دیتا ہے۔ پھر سینکڑوں توہماتِ باطلہ علمی حقیقی قرار پا جاتے ہیں۔ صابیہ کا حدوث: شدہ شدہ توہمات وتخیلات کی پرستش بھی شروع ہوگئی اور اس وادیِ جہالت میں ٹکریں مارتے مارتے ایک باقاعدہ مخلوق پرستی بھی شروع ہوئی اور ایک جدید مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو صابیہ[2] کے نام سے مشہور تھا۔ یہ فرقہ بقول بعض مؤرخین طہمورث کے اول سال جلوس میں پیدا ہوا ان

---

[1] مشہور یہ ہے کہ پانچ نیک آدمی تھے جو آدم ونوح علیہم السلام کے وسطی حصہ میں تھے بوجہ ان کی نیک بختی کے عامۃ الناس ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے بت بنا کر پرستش شروع کر دی۔ صاحب مواہب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ود مرد کی صورت کا بت تھا اور سواع عورت کی صورت اور یغوث بصورت بیل اور یعوق بصورت گھوڑا اور نسر بصورت گدھ۔ طوفان میں یہ سب بت غرق ہو گئے تھے مگر ابلیس نے ان بتوں کو نکال کر عرب کو ان کی پرستش پر مامور کیا۔ چنانچہ عرب کی پانچ جماعتیں ہوگئیں اور ہر ایک جماعت نے ایک بت اپنے لیے خاص کر لیا چنانچہ قضاعہ نے ود اختیار کیا اور ہذیل نے سواع اور قبیلہ اعلیٰ وادنیٰ نے یغوث کی پرستش شروع کی اور ہمدان نے یعوق کی اور حمیر نے نسر کی یہاں تک تمام عالم پر ظلمت کی گہری گھٹائیں چھا رہی تھیں کہ فاران کی چوٹیوں سے اس نورِ محمدی کا ظہور فرمایا اور ایک عالم کو مشرق سے مغرب تک روشن ومنور کیا۔ ۱۲ منہ

[2] یقال صبا الرجل اذا مال وزاغ فیزیغهم عن طریق الحق یقال لهم الصابیة وقد یقال صبا الرجل اذا عشق وهوا۔ یہ فرقہ اپنے تئیں عاذیمون وہرمس (ادریس علیہ السلام) کا پیرو کہتا تھا اس کا حدوث عہدِ طہمورث میں بیان کرتے ہیں۔ طہمورث ہوشنگ کا جانشین ہے اور ہوشنگ کیومرث کا جس کو پارسی آدم علیہ السلام کہتے ہیں۔ یہ فرقہ ایشیائے کوچک اور شام اور عراق میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ ہمیشہ سے فریقِ انبیاء کا منکر تھا اور فریق متبع انبیاء علیہ السلام حنفیہ اور اس کے پیرو حنفا کہلاتے تھے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف اس فرقہ صابیہ کے مقابلہ میں کہا گیا اور قرآنِ مجید میں اکثر جا اس لفظ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد بت پرستی سے یکسو ہونا ہے اور بت پرستی فریقِ صابیہ کے اصول میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فریق صابیہ کا عراق میں بہت زور تھا اور انہیں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ۱۲

ان کا یہ مذہب تھا کہ بے شک اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو تمام حدوث کے دھبوں سے پاک ہے اور وہ حکیم بھی ہے اور ہم اس کے جلال تک بغیر واسطے کے پہنچ نہیں سکتے اس لیے ہم کو ان وسائط سے کام پڑا جو اس کے ہاں مقرب ہیں اور وہ روحانیات ہیں (اس لیے اس فریق کو اصحاب الروحانیات بھی کہتے ہیں) اور وہ اپنے جوہر اور افعال وحالت میں پاک ہیں جوہر میں۔ اس لیے کہ وہ موادِ جسمانیہ وقوائے جسدانیہ وحرکاتِ مکانیہ وتغیراتِ زمانیہ سے پاک ہیں وہ طہارت پر مجبول اور تسبیح وتقدیسِ الٰہی پر مفطور ہیں۔ پس یہ ہمارے رب اور سفارشی ہیں وہ رب الارباب ہے یہی ہماری حاجات کا پورا سامان ←

کے دو فریق تھے۔ ایک اصحاب ہیاکل یعنی ستاروں کی شکل وصورت کو ان کی روحانیت کا مظہر جان کر پرستش کرتے تھے۔ دوسرے اصحاب اشخاص جو ان چیزوں کی مورتیں پوجا کرتے تھے۔ یہ پانچ بت بھی اسی قسم سے تھے۔

فائدہ ۳: دنیا میں بت پرستی کا ایک تو یہی سبب ہے جو بیان ہوا اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایک مجسم چیز تصور کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ملائکہ اس کے تخت کے اردگرد کھڑے ہیں اسی خیالِ باطل کے مطابق انہوں نے حق سبحانہٗ کی بلند مورت بنائی اور چھوٹی چھوٹی ملائکہ کی اور اس کا دھیان دھرنے کے حیلہ سے انہیں مورتوں کو پوجنے لگے۔ ازانجملہ یہ کہ جو دنیا میں نیک اور نامور یا صاحب کرامات لوگ گزرے ہیں ان کی یادگار میں پہلے لوگوں نے تانبے پیتل لوہے پتھر کے بت ان کی شبیہ پر تراشے۔ بعد میں جہل بڑھتا گیا، انہیں کو پوجنے لگے اور ان کے نام کی من گھڑت مورتیں بنانی شروع کر دیں۔ شبیہ کا بھی قاعدہ ملحوظ نہ رہا۔ ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو محبوس اشکال میں ایک مناسبت خاصہ سے ڈھالا اس لیے ہر ایک صفت کی جدا مورت بنائی اور بابرکت اور اہلِ قدرت اشخاص کی نسبت کہ جن کو اپنی فہم میں معمولی درجے کی قدرت وطاقت سے زیادہ سمجھتے تھے یہ خیال کیا کہ ان میں خدا تعالیٰ گھس گیا اور ان بے چون و بے چگوں نے اس پیکرِ انسانی یا نباتی یا حیوانی یا علوی میں ظہور کیا تو اسی کو معبودِ حقیقی سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔ ہنود کا اوتاروں اور عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی اعتقاد ہے اور اس لیے انہوں نے ان اوتاروں کی مورتیں بنائیں اور پوجنے لگے اور کہنے لگے ان مورتوں کی پرستش

← کرتے ہیں اور افعال میں یوں کہ ایجاد واختراع میں اور تبدلِ حالات میں اور مخلوقات کو کمال تک پہنچانے میں یہی واسطہ ہیں۔ حق سبحانہٗ کی طرف سے قوت حاصل کر کے موجوداتِ سفلیہ تک پہنچاتے ہیں پھر کچھ ان روحانیات میں سے سات ستاروں کے مدبر ہیں اور یہ ستارے ان کے لیے ہیکل ہیں جیسا کہ ارواح انسانیہ کے لیے ان کے ابدان اور ہر ایک روحانی کے لیے ایک ہیکل ہے اور ہر ہیکل ایک آسمان میں ہے اور کچھ روحانیات کے آثار علویہ کے مدبر ہیں جو زمین اور آسمان کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ان قوتوں پر مؤکل ہیں جو تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ہدایت کے لیے اور کچھ ہلاکت کے لیے۔ غرض ہر کام کے لیے وہی وسائط ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی میں خوش وخرم ہیں۔ ان کا کھانا پینا تسبیح وتقدیس ہے۔ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں ہے۔ وہ جو حق سبحانہٗ فرماتا ہے وہی کرتے ہیں۔ طریقِ عبادت ان کا یہ ہے ستاروں اور بتوں کی پرستش کرنا، نذر ونیاز چڑھانا، بخور جلانا، کروہ منتر وعزائم پڑھنا جن میں ان ستاروں آفتاب، ماہتاب، زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور بتوں کی بے حد مدح اور اپنی عاجزی ہوتی ہے اور پھر ہر ایک ستارہ کی پرستش کے بڑے بڑے دستورات ہیں۔ پھر صابیہ کے دو فریق ہو گئے اصحاب الہیاکل یعنی ستاروں کے پوجنے والے، ہر ستارہ کا مندر اس کے اوقاتِ مخصوصہ میں مع رعایتِ اقلیم ودیگر شروط بنا رکھے تھے رومیوں نے جو پیٹر کا مندر یعنی مشتری کا اور اسی طرح ڈینس یعنی زہرہ کا بنایا تھا۔ دوسرے اصحاب الاشخاص کہ انہوں نے ستاروں کے خواص وآثار کے لحاظ سے مورتیں بنائیں، کسی کی بہادری کے لحاظ سے شیر کی، خوبصورتی کے لحاظ سے حسین عورت کی اور وہ پھر ان مورتوں کو پوجنے لگے اور نیز ان مورتوں کے جواہر میں بھی ستاروں کی رعایت ہوتی تھی، کسی کو لوہے کا کسی کو تانبے کا کسی کو پیتل کا ڈھالتے تھے۔ یہ بت جو قومِ نوح علیہ السلام میں تھے غالباً انہیں سیارات کے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں پھر اس فرقہ کا زور ہو گیا تھا پھر پارسیوں اور اہلِ ہند ویونان وروم میں بھی صابیت نے زور کیا اور ہر ملک میں اس پر نئی قلعی چڑھی۔ اگر گوید کے حصہ اول کو ملاحظہ کریں گے تو اس میں انہیں ارواح اور عناصر اور جنوں کی مدح کے منتر پائیں گے اور پھر ان کی پرستش اور پاٹ کے طریقے ہیں اور کچھ ان کے پوجنے والوں کے لیے جو جو مدیں پہنچیں ان کے جھوٹے سچے مبالغہ آمیز قصے ہیں۔ اسی طرح دساتیر میں ستاروں کی پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں۔ ستاروں کی پابندی اور ان سے سعادت ونحوست کا تعلق اور نیز نجات وشعبدے اور فال گنڈے اور دیگر توہماتِ باطلہ اسی فرقہ کے آثار ہیں۔ عرب میں بھی صابیت آئی تھی گو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے سبب صابیت کو برا جانتے تھے۔ حنفاء کا طریق جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہے ہمیشہ صابیت کا رد کرتا آیا ہے اور یہ بتلاتا رہا ہے کہ گو ملائکہ عالم کے تدبیر وتصرف میں اس کے حکم سے مصروف ہیں مگر وہ یا اور کوئی سیارہ وغیرہ جز حق سبحانہٗ کے نفع وضرر نہیں دے سکتا ہر حال میں اسی کی پرستش، اسی کی نذر ونیاز، اسی سے مدد مانگنا، اسی کو پکارنا لازم ہے اور دوسرے کو اس کے اقتدارِ الوہیت میں ملانا شرک ہے۔ جو اکبر الکبائر ہے۔ محمدیت کا اصل منشاء توحید ہے۔ مگر افسوس تابعِ انبیاء میں بھی اجنبیوں کی صحبت سے صابیت نے اثر کر لیا۔ ۱۲ منہ

دراصل ان کی پرستش ہے کہ جن کی یہ مورتیں ہیں اور ان کی پرستش عین حق تعالیٰ کی پرستش اور باعثِ نجات ہے۔ یہ قوتِ متوہمہ کا ضلال مبین ہے۔ برہما بشن، مہادیو کو اس کی صفت کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح عناصر و سیارات و نباتات و حیوانات میں سے اہلِ ہند نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ اس کو پوجتے نہ ہوں۔

فائدہ ۴: وہ یہ محبت و خواہش کا بت تھا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا اور اسی کو تمام کائنات کا باعثِ ایجاد جانتے تھے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت و خواہش ہوئی کہ میں ظاہر ہوں اس لیے اس نے دنیا پیدا کی اور مرد کی صورت اس لیے بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت و رغبت ہوتی ہے اور ہندو اس مظہر کو برہما کہتے ہیں۔ سواع کے معنی قائم کرنے اور ٹھہرنے کے ہیں شرع میں اس کو صفتِ قیومیت کہتے ہیں۔ یہی صفت بقائِ عالم کا باعث ہے اس معنی کو عورت کی شکل میں متشکل کیا۔ اس لیے کہ خانہ داری و انتظامِ خانگی سب عورت کی ذات سے ہے۔ ہندو اس صفت کو بشن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہوں نے بھی اس کو ایک صورت و مورت بنا رکھی ہے۔ یغوث (غوث بمعنی مدد کے) حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کا بت گھوڑے کی تصویر میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے کہ گھوڑا جلد دوڑ کر آتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد آتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔ یعوق عوق روکنے اور مصائب و اعدا کے دفع کرنے کی صفت اس کا بت بشکل شیر بنا رکھا تھا کہ یہ بہادر جانور دشمنوں پر بڑا حملہ کرتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔ نسر گدھ یہ صفت سرمدیت کا بت بشکل گدھ اس لحاظ سے بنایا تھا کہ گدھ کی بھی بڑی عمر ہے۔ اور بھی ہر ایک خیال سے بت اور آلہ باطلہ تھے مگر ان پانچوں پر تو مٹے ہوئے تھے اس لیے بالخصوص ان کی بابت تاکید کی کہ ان کو نہ چھوڑنا۔ اور بت پرستی کی یہ تو جیہات جیسا کہ ہنود کرتے ہیں مکرِ عظیم تھا جس کے سبب قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈال دیا تھا۔ خدا پاک کو چھوڑ کر انہیں مظاہر کی پرستش میں اٹک کر رہ گئے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

فائدہ ۵: طوفان کے بعد یہی پانچوں بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پجتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تک قبائل عرب میں بھی پجتے تھے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قومِ نوح کے بت عرب میں بھی پوجے جایا کرتے تھے۔ ودد دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا بت تھا اور سواع ہذیل کا یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر آل ذی الکلاع کا بت تھا۔ یہ اس قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ مر گئے تو شیطان کے کہنے سے ان کے نام کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ ان کے علاوہ عرب کے اور بھی بت تھے۔ لات بنی ثقیف کا اور عزیٰ بنی سلیم و بنی غطفان و بنی نظر و بنی سعد و بنی بکر کا بت تھا اور منات اہل قدید و مشلل کا بت تھا اور اہلِ مدینہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اساف و نائلہ و ہبل اہلِ مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجرِ اسود کے سامنے کوہِ صفا پر کھڑا کر رکھا تھا اور نائلہ کو رکنِ یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبہ کے اندر۔ یہ بڑا قد آور آٹھ گز کا اونچا بت تھا۔ جنگ کے وقت اسی کا نام پکارتے تھے۔ ابوسفیان نے احد کی لڑائی میں پکارا تھا۔ اعل ہبل جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اعز و اجل۔

جب حضرت نوح علیہ السلام بالکل ناامید ہو گئے تو اس ناپاک قوم کی نسبت یہ بددعا کی۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا کہ یہ ظالم اور بھی گمراہی میں بڑھیں کہ جلد عذاب آ کر تمام ہو جائیں یا یہ معنی کہ ان پر عذاب نازل ہو کس لیے کہ ضلال کے معنی ہلاکت و تباہی کے بھی ہیں۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ
دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا

كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع النصف

اپنے بعض گناہوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کیے گئے پھر انہوں نے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہ پایا اور نوح نے کہا اے رب! زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نسل بھی جو ہوگی تو فاجر و کافر ہوگی۔ اے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور اس کو بھی جو میرے گھر (کشتی) میں مومن ہو کر آ گیا ہے اور ایماندار مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور ظالموں کو تو بربادی کے سوا اور کچھ زیادہ نہ کرنا۔

ترکیب: مما ما مزیدۃ لتاکید والمعنی من۔ خطیئتھم قرء الجمہور علی جمع السلامۃ وقری خطایاھم علی جمع التکسیر 'دیارا من یسکن الدیار ویدور فی الارض ولا تستعمل الا فی النفی العام اصلہ دیوار علی وزن فیعال من الدار او الدور فقلبت الواو یاءً وادغمت احدھما فی الاخری قالہ الزجاج والفراء قال ابن قتیبہ مابھا دیارا ای نازل دار لا فعال والا لکان دوارا۔ البیضاوی۔ مؤمنا حال لمن دخل۔ تبارا۔ ہلاکا۔

تفسیر: اس کشمکش میں حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو برس گزر گئے اور سوائے چند شخصوں کے کوئی بھی ہدایت پر نہ آیا تب ان حضرت کی بددعا کے سبب عذاب آیا کہ آسمان سے بے انتہا پانی برسا اور زمین نے بھی اپنی سوتیں کھول دیں، تمام قوم غرق ہوئی مگر مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب۔ اور غرق ہو کر بھی چھٹکارا نہ ہوا بلکہ اُدْخِلُوْا نَارًا مرنے کے بعد آگ یعنی جہنم میں داخل کیے گئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں بتلائے عذاب ہوئے۔ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا اور ان کے ان معبودوں میں سے ان کے کوئی بھی کام نہ آیا، کسی نے مدد نہ کی کوئی بچا نہ سکا۔ یہ برہانِ قاطع مذہب صابیہ اور بت پرستی کے ابطال کے لیے ہے اور طلسم و نجوم فال گنڈے بھی اس سے باطل ٹھہرتے ہیں۔ کس لیے کہ اس وقت کچھ بھی کوئی ٹوٹکا شعبدہ و ستارہ دیوتا کام نہ آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ معبودِ حق وہی ایک ہے اسی کی عبادت اسی کی اطاعت فرض ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ حضرات انبیاء محض اس رستہ کے رہنما ہیں۔

ثبوتِ عذابِ قبر: فادخلوا کی فائ اور صیغۂ ماضی سے اہلِ سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان سے ملتا ہے اور عالمِ قبر اور عالمِ برزخ اسی کو کہتے ہیں۔ کس لیے کہ مرنے سے روح نہیں مر جاتی وہ ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد بدلہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ڈبوئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کیے گئے۔ معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی آگ میں داخل ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے۔ النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعونی صبح و شام آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں اور قیامت کو سخت عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہوگا اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بھی اس کا ثبوت بہت کچھ ہے۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے عذاب و ثواب کا کچھ ثبوت نہیں۔

وقال نوح اور جب قوم غرق ہونے لگی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس پُر خار کھیتی کو کٹتے ہوئے دیکھ کر اسی قہرِ الٰہی کی تجلی میں حق سبحانہٗ سے یہ عرض کیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو بسنے کے لیے نہ چھوڑ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا کس لیے کہ اگر آپ نے کسی کو چھوڑا تو یہ جبلی گمراہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان کا خبیث مرض اوروں تک نہ پہنچ جائے، ان سے دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے اور ان کی گمراہی اور کجی جس کا میں نے سینکڑوں برس تجربہ کیا ہے ان کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ اصلی فطرت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اس لیے اگر ان کی نسل سے اولاد بھی ہو گئی تو گندی بوٹی کا گندہ شور بابدکار اور کافر ہی پیدا ہوں گے نہ ان میں ہدایت پانے کا مادہ باقی رہا نہ ان کی نسلوں میں پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ایسے

خاردار ناپاک پیڑ سے باغِ دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے۔

سوال:۔ کبھی کافروں بدوں کے گھر نیک اور نیکوں کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں وہاں نطفہ کا اثر کیوں بدل جایا کرتا ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کافر و فاجر ایسے ہوتے ہیں کہ ہنوز ان کی اصلی فطرت سالم ہوتی ہے اس لیے کبھی وہ خود بھی ہدایت پا جاتے ہیں اور بوقتِ مقاربت کبھی فطرت کا نور ان پر غالب ہو جاتا ہے۔ حالتِ کفر و فجور کی ظلمت کم ہو جاتی ہے اس لیے اس نطفہ سے نیک اور باخدا لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے تخم میں وہ زہر اثر نہیں کر گیا ہے۔ برعکس اس کے کبھی نیک اور باخدا لوگوں پر بعض گناہوں یا ترکِ اولیٰ وغیرہ امور یا حالتِ قبض سے ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ فضلات کے ذریعہ سے جسم میں سے جلد خروج کرنا چاہتی ہے اس وقت کے نطفے سے بدکردار، ناہنجار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک وجہ ہے ورنہ وہ فاعلِ حقیقی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رات میں سے دن اور دن میں سے رات، نور میں سے ظلمت اور ظلمت میں سے نور، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اسباب کی رسیوں میں جکڑا ہوا نہیں فافھم فانہ من سوانح الوقت العزیز۔

اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام نے جب قہرِ الٰہی کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شانِ کبریائی اور بے پروائی سے ڈرے اور ڈرنا چاہیے بھی اور یہی کمالِ ایمان بھی ہے تو اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے یہ دعا کرنے لگے۔ رب اغفرلی کہ الٰہی مجھے بخش دے جو کوئی بشریت سے چوک ہو گئی ہے اس کا انتقام نہ لے، ولوالدی اور میرے ماں باپ کو بھی، اولاد پر حق ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے خیر کرے۔ پہلے آپ مغفور ہو لے کہ دعا مستجاب ہو اور آپ کے والدین مواحد اور باخدا تھے۔ ولمن دخل بیتی مؤمنا اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر میں آ جائے یعنی کشتی میں۔ کس لیے کہ یہ تیری پناہ کی جگہ ہے اور ان کے سوا للمؤمنین والمؤمنات اور جس قدر ایمان دار مرد اور عورت ہوں کہیں ہوں اور کسی زمانے میں ہوں سب کو معاف کر۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا مگر ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال یہ بدبخت نہ بچیں۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر جس طرح ان کی بددعا کفار پر پڑی کوئی نہ بچا اور مقبول ہو گئی تو دعائے خیر کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے لیکن مومن ہونا چاہیے۔ اول ان پانچ ظاہری بتوں سے بچے مگر خانۂ دل میں بھی یہ پانچوں بت موجود ہیں ان سے بھی دور رہے۔ ودتن پروری لذاتِ خسیسہ کی محبت ہے۔ سواع نفس کی معشوقہ ہے جس کے لیے لذات وعیش وآرام میں غرق ہے اس لیے تکلیف ورنج سے بھاگتا اور تقویٰ واطاعت میں قصور کرتا ہے۔ یغوث اس کے اقارب مادر و پدر و فرزند برادر ہیں جن کی مدد پر بھولا ہوا ہے جن کی دلجوئی میں حکمِ خدا اور رسول کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ برادری کی رسم پر مٹا ہوا ہے۔ یعوق اس کا مال واسباب ہے کہ اس کو زکوٰۃ وصدقات سے روک رہا ہے اور بوقتِ ضرورت مال کی مدد پر بڑا بھروسہ ہے اور خدا سے غافل ہو رہا ہے۔ نسر اس کا شیطان ہے جو حرص وغصہ کے دونوں بازوؤں سے دفعۃً اڑ کر آتا ہے اور نیک و بد کی امتیاز کو کھو دیتا ہے اور وسواس اور خیالاتِ فاسدہ اس کے دل میں ڈال کر ہزاروں برسوں کے اہتمام وانتظام میں لگا کر خدا سے دور پھینکتا ہے۔ ان پانچوں بتوں سے بھی بچنا چاہیے تا کہ ایمان کامل ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے حصہ ملے۔

طوفان تمام دنیا پر آیا تھا نہ کہ بعض جگہ : فائدہ: اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ طوفان تمام دنیا پر آیا تھا کس لیے کہ اس وقت دنیا میں یہی بدکاری پھیلی ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا دنیا میں اور کوئی نسل باقی نہیں رہی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ اور نیز قرآنِ مجید کی انہی آیات میں وَلَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا آیا ہے کہ زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ اور نیز کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا لینا بھی اسی کی دلیل ہے کس لیے کہ طوفان اگر تمام دنیا پر نہ تھا تو ان چیزوں کی نسل منقطع ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا پھر کشتی میں لینے سے کیا

فائدہ تھا؟

رہا یہ شبہ کہ اور ملکوں کے لوگوں کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کس لیے کہ وہ خاص ایک ملک میں رہے جہان میں پھر کر منادی کرنا ثابت نہیں پھر جب دعوت نہیں پہنچی تو بحکمِ آیت وَمَا کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ ان کا ہلاک کرنا منافیِ انصاف و عدالت ہے اور اگر اور قوموں میں بھی نبی آئے تھے تو ان کا کشتی میں سوار ہونا ثابت نہیں پھر وہ کیوں ہلاک ہوئے اور کشتی کے سوا اور کوئی چیز پناہ کے لیے نہ تھی۔ بقولہ ساوی الیٰ جبل یعصمنی من الماء الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اور ملکوں میں رسولِ عقل توحید ومکارمِ اخلاق کا معلم ضرور آیا تھا اور نیز اس زمانے میں ایسی دور دراز جگہوں میں بنی آدم پھیلے ہوئے بھی نہیں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی سینکڑوں برس کی منادی ان تک پہنچنا خیال میں آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ ان ایمانداروں میں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے آپ کی طرف سے ان ممالیک میں گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صرف آرمینا وغیرہ بلادِ ایشیاءِ کوچک میں طوفان آیا تھا یا اس کے آس پاس کے ملکوں میں۔

مگر عام اہلِ اسلام اور یہود وعیسائی سب طوفان کے قائل ہیں لیکن بعض بت پرست قومیں انکار کرتی ہیں۔ ان کا انکار محض قیاسی بات ہے کسی دلیل وحجت پر مبنی نہیں۔ اور اہلِ ہند کی بعض کتابوں سے بھی طوفان کا پتا چلتا ہے۔ جس کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

خدا تعالیٰ مجھے اور میرے والدین اور جمیع ایمانداروں کو اپنے غضب وقہر کے طوفان سے دنیا وآخرت میں بچائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں پناہ دیتا رہے۔ آمین آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾
یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی
جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی
اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾

(اے رسول!) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے) سن گئے ہیں پھر انہوں نے جا کر کہہ دیا (اپنی قوم سے) کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتلا رہا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بلند ہے نہ وہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بیوقوف (ایسے بھی گزرے) ہیں جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم سمجھے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹی بات نہیں بنایا کرتے (اس لیے ہم ان کی باتوں کو مانتے تھے)۔

ترکیب : اوحی من الایحاء ھو القاء المعنی الی النفس فی خفاء کالالھام وانزال الملک ویکون ذلک فی سرعۃ انہ بالفتح الجملۃ فاعل اوحی والضمیر فی انہ للشان ای اخبرت بالوحی من اللہ عجبا مصدر وصف بہ للمبالغۃ۔ یھدی الخ الجملہ صفۃ قرآنا اوحال منہ وانہ تعالیٰ قرء ابن کثیر وغیرہ من اھل البصرۃ بالکسر فی احد عشر موضعا الی قولہ وانہ لما قام عبداللہ الاقولہ وان لو استقاموا وان المساجد وانہ لما قام عبداللہ فانھا من جملۃ الموحی بہ والفتھم نافع وابوبکر الا فی قولہ وانہ لما قام علی انہ استیناف اومقول وجہ الکسرۃ انھا من جملۃ الحکی بعد القول وقرء الباقون بالفتح فی ھذہ المواضع عطفا علی محل الجار والمجر ور فی آمنا بہ کانہ قیل صدقناہ وصدقنا انہ تعالی جد ربنا ای عظمۃ من جد فلاں فی عینی

اذا عظم اوسلطانہ اوغناما اتخذ الجملۃ بیان لتعالی جد ربنا ولیس المراد بالجد اب الاب وانہ کان اسمھا' سفیھنا ویقول خبرہ ویجوزان یکون سفیھنا فاعل یقول والجملۃ خبر کان واسمھا ضمیر یرجع الی الحدیث اوالامر ویجوزان تکون کان زائدۃ واشتطط الغلو فی الکفر وقیل الجور وقیل الکذب واصلہ البعد عن القصد کذبا انتصابہ علی المصدریۃ لانہ فرع من القول اوعلی انہ وصف لمحذوف ای قولا مکذوبا فیہ ومن قرء تقول بالتشدید کیعقوب جعلہ مصدرا لان التقول کذب۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن عباس وعائشہ وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

سورۂ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس وعظ و پند کیا مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئی۔ اب اے قریش! تم جو نہیں مانتے اور عذاب کے خواستگار دلیری سے ہوتے ہو جیسا کہ سورۂ نوح سے پہلے سورۂ سائل میں بیان ہوا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہمارے پیغمبر کی تعلیم میں قصور ہے بلکہ تمہاری استعداد کا فتور ہے ورنہ چند جنوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ مجید سنا باوجودیکہ ایک بار صبح کے وقت نماز میں آپ پڑھ رہے تھے اور جنوں کا گزر ہوا انہوں نے سن لیا، سنتے ہی ایمان لے آئے اور قرآن کی خوبی کے قائل ہو گئے، اپنے عیوب کا اقرار کر لیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام لانے کی ترغیب دی حالانکہ نہ ان کو ہمارے نبی سے صحبت تھی نہ ہم جنس تھے، عادات بھی جنوں کی سخت اور ہٹ کی ہوتی ہیں۔ تم ہم قوم' ہم زبان' ہم صحبت اور انسان ہو کر نہیں مانتے۔ اور لطف یہ کہ تم جنوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے ہو۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا
لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے اس نے تو ان کا اور بھی مغز چلا دیا اور وہ بھی سمجھے ہوئے تھے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے اللہ ہرگز کسی کو (رسول بنا کر) نہ بھیجے گا اور ہم نے آسمانوں کو ٹٹول دیکھا تو مضبوط نگہبانوں اور شہابوں (کہ انگاروں) سے بھرا ہوا پایا اور ہم (پہلے) تو آسمانوں کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے تارا انگارا تاک لگائے پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اسے زمین والوں کے لیے برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان سے کوئی بہتری کرنا چاہا ہے۔

ترکیب : رھقا وعتوا مفعول ثان لزادوا والرھق فی الاصل غشیان الشیء وانھم من کلام الجن بعضھم لبعض اواستیناف من اللہ سبحانہ ومن فتح ان فیھا جعلھما من الموحی بہ ان لن الجملۃ سادمسد مفعولی ظنوا للسمع صلۃ لنقعد اوصفۃ لمقاعد۔

تفسیر : انہوں نے مان لیا جو تمہارے استاد تھے تم نہیں مانتے' افسوس ہے۔ شانِ نزول: اس سورہ کی شانِ نزول میں امام احمد اور ترمذی اور بخاری ومسلم وغیرہ کبار محدثین نے مختلف طرق سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصۂ مطلب مع اس تشریح کے جو کتب سیر میں ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں قریش کو مکہ میں سمجھایا اور ان کی سختیوں کی بڑی استقلال سے برداشت کی اور بجز

چند لوگوں کے ایمان نہ لائے (اسی لیے سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا کر اطمینان دلایا گیا) تو یہ خیال کیا گیا کہ یہ نہیں مانتے چلو باہر کے لوگوں کو نصیحت کریں۔ اس غرض سے پہلے طائف تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل ومسعود وحبیب تین شخص تھے۔ یہ تینوں بدسلوکی سے پیش آئے اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔ تب آپ نے عکاظ کا قصد کیا (یہاں ایک پینٹھ یا منڈی لگا کرتی تھی یہاں عرب کے مختلف ملکوں کے لوگ باہم خرید وفروخت کیا کرتے تھے) آپ رستہ میں بمقام نخلہ ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھانے کھڑے ہوئے۔ شہر نصیبین کے نو جن جو اس تلاش میں نکلے تھے کہ ان پر آسمانی خبریں بند ہونے کا کیا سبب ہے۔ یہاں بھی آ نکلے آپ سے قرآن سن کر ششدر رہ گئے اور کان اور دھیان لگا کر سننے لگے۔ جب سن چکے تو کہنے لگے واللہ یہی چیز ہے جس سے ہم کو اوپر رسائی نہیں ہوتی (اس کی حفاظت کے لیے خدا نے جنوں کو اوپر سے باتیں لا کر کاہنوں سے کہہ دینے سے بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی آیت سن کر اس میں کچھ ملا کر کسی سے نہ کہہ دیں اور وہ لوگ قرآن کے برابر بنانے کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں) یہ خود بھی ایمان لے آئے اور اپنی قوم کو جا کر ہدایت کی۔

اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہے اور سورۂ احقاف میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا بقولہ واذصرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن۔

اس کے بعد پھر ان جنوں کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں آئی اور آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر شب کو جنگل میں گئے اور ان لوگوں کو رات بھر تعلیم وتلقین کرتے رہے۔ پھر ایک بار مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ بخاری ومسلم وغیرہ محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔

فقال قل اوحی الی ان استمع نفر من الجن۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ چند جن قرآن سن گئے۔ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ اور سن کر اپنی قوم سے جا کر کہنے لگے کہ ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے کہ کوئی بشر وجن ایسا کلام بنا نہیں سکتا۔ وہ راہِ حق بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔

فائدہ (۱): جن میں کلام وجودِ جن میں اکثر اختلاف رہا ہے۔ اکثر فلاسفہ انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ کی مخلوقات کا کارخانہ محسوسات میں ہی تمام ہے جس چیز کو وہ حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے ان کے نزدیک محض خیالی چیز ہے۔ اس کا وجود خارج میں نہیں۔ آج کل کا فلسفۂ یورپ بھی اسی کا قائل ہے اور ان کے بعض مقلد مسلمان بھی اسی کے قائل ہیں اور اس قسم کی آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے نزدیک تفسیر دانی اور قرآن فہمی ہے مگر یہ بہت کوتاہ خیال ہے۔ کس لیے کہ ان فلاسفہ کا ایک بڑا گروہ طبعی اور مادی ہے جو خدا تعالیٰ کا قائل نہیں اور عالم کے تمام کائنات کو اکب وآفتاب، نباتات وحیوانات کو مادہ اور اس کی حرکت کے آثار بتلاتے ہیں۔ مذہب آریہ آخر کار اسی طرف بہہ کر آ جاتا ہے لیکن ان سے جب مادہ کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو وہ ایسے اجزاءِ صغار بتلاتے ہیں جو آج تک نہ کسی کہربائی آلہ سے دریافت ہوئے نہ کسی خوردبین سے دیکھے گئے۔ پھر یہ مادہ جو ان کے نزدیک خالق ہے کس حواسِ خمسہ سے محسوس ہوا یا ہو سکتا ہے؟ بعض حکماء غیر محسوس موجودات کے قائل ہوئے ہیں اور قدماء کا ایک گروہِ عظیم وجودِ جن کا قائل ہوا ہے۔ یہ اور اصحابِ روحانیات جن کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ارواحِ سفلیہ جلد قبول کرتی ہیں مگر ضعیف ہیں برخلاف ارواحِ فلکیہ کے کہ وہ دیر میں قبول کرتے ہیں مگر قوی ہیں اسی طرح کل اہلِ مذاہب اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اہلِ اسلام وعیسائی ویہودی بلکہ ہنود وغیرہ جن کے قائل ہیں۔ ہر ایک کی زبان میں جن کا ایک نام ہے۔ انجیل موجود میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جنوں کا مریض میں سے نکالنا مذکور ہے۔

پھر جو وجودِ جن کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔ اول قول یہ کہتے ہیں کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں نہ اجسام میں حلول کئے ہوئے

ہیں بلکہ جواہر میں جو بذاتِ خود موجود ہیں پھر ان کے مختلف انواع واقسام ہیں۔ بعض بزرگ نیکی پسند ہیں اور بعض رذیل خسیس، شر و آفات کو پسند کرنے والے ہیں۔ ان کے بہت اقسام ہیں جن کو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ افعالِ قویہ کر سکتے ہیں، علم رکھتے ہیں، دیکھتے سنتے ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ جن بھی اجسام ہیں مگر اجسامِ لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے مگر وہ خود جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض گندہ اور سرکش اور ناپاک ہوتے ہیں جن پر شیطان کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت ہے اور وہ بعض اوقات بنی انسان سے مجامعت و مجالست بھی کرتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں بنی آدم کی ارواح مرنے کے بعد جو کثافت کی وجہ سے عالمِ قدس تک نہیں پہنچتیں وہ جنوں میں مل جاتی ہیں۔ ایسی ہی ناپاک روحیں لوگوں کے سروں پر آتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی خبریں بھی اپنے نذر و نیاز کرنے والوں کو دیا کرتی ہیں۔

فائدہ (۲): جن کا وجود حیوان اور ملائکہ میں ایک برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ شکل باشکال مختلفہ و تدبیراتِ کلیہ و فہم و شعور، حسن و قبح امورِ دقیقہ کا، ملائکہ کا وصف ان میں ہے اور اسی لیے وہ بھی مکلّف ہیں اور کھانا پینا و جماع و غصہ حیوانات کے اوصاف ان میں ہیں اور اسی لیے ان کی عمرِ طبعی بھی ہوتی ہے، مرتے بھی ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں۔ توالد و تناسل بھی ہوتا ہے۔ جن گویا عالمِ ملائکہ کا سفلی سطح ہے۔ اکثر بنی آدم اس سطحِ سفلانی میں اٹک گئے اور اس پردہ کو پھاڑ کر اوپر تک ان کی عقل کو پرواز نہ ہوئی۔ اسی لیے بنی آدم نے ان میں سے عمدہ جنوں کو اپنا معبود بنا لیا اور ان سے حاجات میں مدد طلب کرنے لگے اور بعض حوادثِ آیندہ کی ان سے خبریں دریافت کرنے لگے۔ اکثر عرب کے جاہل اس اندھیر میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہنود وغیرہ مشرک قومیں اس وادیِ ضلالت میں ٹکریں مارتے رہے ہیں بلکہ بعض جہال مسلمان بھی اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بعض جنوں کا نام سید اور بعض کا پیر اور بعض کا پریاں اور کسی کا شیخ سدو کسی کا زین خان کسی کا ہنومان کسی کا بھیرون رکھ چھوڑا ہے۔ ان کی نذر و نیاز اور پرستش کے طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں، ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں۔ ان سے حاجات طلب کرتے، غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے ہیں اور عرب میں تو رات دن انہیں کے کرشمے پائے جاتے تھے اور وہ جن بھی طرح طرح کی تدابیر اپنی حکومت ثابت کرنے کے لیے کرتے تھے۔ کبھی بتوں کے اندر سے آوازیں دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے، کبھی کسی درخت میں سے بول اٹھتے تھے اور کہیں کسی کے سر پر آ کر دور دراز کی باتیں بتاتے تھے اور کبھی کسی مشکل کام کے لیے وہ لوگ اپنی چوکی چڑھاتے اور بکرا ذبح کرتے تھے۔ خصوصاً دشمنوں کے مقابلے کے وقت اور بیماری یا وبا کے دفع کرنے کے وقت اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ آ کر ہماری اس کام میں مدد کریں گے اور ان کے خیال کے موافق کبھی کچھ ظہور بھی ہوتا تھا اور کبھی ان کے مخالف کو کچھ مضرت بھی پہنچ جایا کرتی تھی۔ وید کے اشلوکوں میں دیوتاؤں کی مدح اور منتر اور ان کے یگ کرنے کے طریقے جو مذکور ہیں خصوصاً فتح و نصرت، ارزانی و بارش و دفعِ مرض و کثرتِ اولاد و مال کے لیے وہ یہی باتیں ہیں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے جنوں کے نام ان کی زبان میں اور تھے اور غیر مرئی ارواح کو جو ہر جزوِ عالم پر مؤکل سمجھتے تھے جن کو شرع میں ملائک کہتے ہیں، پوجتے تھے اور نیز ستاروں اور آفتاب کو بھی۔ اور کبھی وہ جن کاہنوں کے سر پر آ کر کلامِ مسجع میں غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے اور شعراء کے دل پر مضامین کے القاء کرنے میں مدد کرتے تھے۔ الغرض اس طوفانِ بے تمیزی میں دنیا ڈوبی ہوئی تھی اور ارواحِ بشریہ کی ترقیِ روحانی میں یہ پتھر حائل تھا۔ اب خدائے پاک کی رحمت نے جلوہ کیا اور دنیا کو اس ورطۂ ضلالت سے بچانا چاہا تو برِ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کی بعثت سے کسی قدر اول ہی ان جنوں کی بادشاہی چھین لی اور ان کے کرشموں کو روک دیا اور جب آفتاب جلوہ گر ہونے کو ہوتا ہے تو رات کے چور صبح صادق سے پہلے چھپنے لگتے ہیں اس لیے جنوں پر عالمِ بالا کے اسرار بند کیے گئے۔ اب جو اوپر جاتے ہیں شہابِ ثاقب سے مار کر نکالے جاتے ہیں۔ اپنے کاہنوں کو کوئی خبر نہیں لا کر دیتے بلکہ شرمندگی کے مارے ان کے پاس آنا بھی کم کر دیا۔ ادھر جہاں جہاں ان شیاطین کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے

وہاں سے بھی الوداع الوداع کہہ کر چلنے لگے۔ چنانچہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایامِ جاہلیت میں اپنے بتوں کے پاس میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر بت پرگائے ذبح کی جو اس کی نذر کے لیے لایا تھا۔ اس بت کے پیٹ میں سے یہ آواز اس درجہ بلند ہوئی کہ سب نے سنی۔ وہ کہتا تھا یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لا الہ الا اللہ۔ اے مرد قوی ایک بات پیش آئی کہ جس میں کامیابی ہے کہ ایک شخص بآواز بلند کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے، میں وہیں بیٹھا رہا کہ اس آواز کی حقیقت دریافت کروں۔ دوبارہ پھر وہی بلند آواز پیدا ہوئی۔ تیسری بار پھر وہی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ میں حیرت میں تھا کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اس جگہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طرح مجاہد رضی اللہ عنہ نے دوسرے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے سواد ابن قارب کا قصہ نقل کیا ہے کہ ایامِ جاہلیت میں ایک جن میرا یار تھا۔ اخبارِ آیندہ مجھے بتلایا کرتا تھا۔ میں لوگوں سے کہتا اور خوب چڑھاوا آتا تھا۔ ایک رات میرے خواب میں آ کر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس نے یہ چند اشعار پڑھے۔

عجب الجن وارحالھا	وشدھن العیس باحلاسھا	مجھے جنوں کے حال سے اور ان کے اضطراب سے تعجب آتا ہے۔ اور ان کے اونٹوں پر سفر کے لیے کاٹھی باندھنے سے بھی تعجب ہے
تحوی الی مکۃ تبغی الھدیٰ	ما مومنوھا مثل ارجاسھا	مکہ کی طرف جاتے ہیں ہدایت کے لیے۔ ان کے ایماندار ان کے ناپاک لوگوں کے برابر نہیں
فانھض الی صفوۃ من ھاشم	واسم بعینیک الی راسھا	تو اٹھ برگزیدہ نبی ہاشم کی طرف۔ اور اپنی دونوں آنکھیں اس قبیلہ کے سردار کی طرف اٹھا۔[1]

سواد کہتے ہیں برابر تین راتوں مجھے یہی معاملہ پیش آیا۔ آخر میں مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں آ کر مشرف باسلام ہوا اسی طرح اور بھی روایات ہیں۔

فائدہ: جب جنوں پر عالمِ غیب کا رستہ بند ہوا اور وہ اس کی تحقیق میں نکلے اور آپ کا قرآن پڑھنا سن کر ایمان لائے اور اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا ان باتوں کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر کفارِ مکہ اور عرب کے جاہلوں عجائب پرستوں کو آپ کی نبوت کا اطمینان اور ان کے خیالات کا بطلان کرتا ہے بچند وجوہ (۱) یہ کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال اور بدگمانی کرتے تھے کہ ایسا عمدہ کلام جو اس سے صادر ہوتا ہے جس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا اس کو کوئی بڑا فصیح و بلیغ جن تعلیم کرتا ہے کس لیے کہ کاہنوں کو ایسی تعلیم جن کرتے تھے اور مقفّٰی و مسجع کلام میں خبریں دیا کرتے تھے اس لیے آپ کو کاہن کہتے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا گیا کہ جن کیا تعلیم کریں گے وہ تو خود اس کی خوبی پر ایمان لا کر یہ کہتے ہیں۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ اور نیز آگے چل کر جنوں کی ہجو اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کی مذمت اور ان کا مخلوقِ الٰہی ہونا اور اس کے بس میں ہونا وغیرہ وہ باتیں بیان ہیں جو جنوں کے خلاف ہیں پھر اگر آپ کو جن تعلیم کرتا تو کیا جن اپنی برائی اور مذمت آپ کرتا۔ اس لیے یہ شبہ بھی بے اصل ہو گیا کہ ہم کو کیونکر معلوم ہو کہ جن ایمان لائے اور انہوں نے یہ کلام کیا۔ کس لیے کہ اگر یہ کلام بھی جن کا ہے یعنی سورۂ جن تو جن ایسی باتیں اپنی نسبت کہہ نہیں سکتے اور اگر جن کا نہیں تو آپ کاہن نہیں پھر کیا وجہ کہ اس کی مثل بھی تم اور تمہارے مددگار جن نہیں لا سکتے پس ثابت ہوا کہ یہ کلام منزل من اللہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام القا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ جن اسلام لے آیا تھا۔۱۲

(۲) کہ جنوں کی پرستش اوران کی نذر ونیاز سب لغو ہے ان کا کچھ بھی خدائی کارخانہ میں حصہ نہیں خود جن اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ صرف آدمیوں کے لیے ہے بلکہ جن بھی کہ جن کی پرستش اور مدد پر مشرکین نازاں ہیں آپ کی زنجیرِ اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس کے بعد اور جنوں کے کلمات نقل کر کے جن پرستوں کو متنبہ کرتا ہے فقال ولن نشرك بربنا احداً کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جن بھی مشرک تھے بعض کاملوں کو جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض جن بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار اور خدائی میں دخیل سمجھتے تھے اسی لیے اس کے بعد اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا نہ اس نے کسی کو جورو بنایا ہے نہ اولاد۔ کس لیے کہ یہ باتیں عجز وحدوث پر دال ہیں اور اس کی شانِ بلند کے منافی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اعتقاداتِ سابقہ کی (جو لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے) لغویت بیان کرتے ہیں۔ وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا کہ جن کو ہم پہلے عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہٗ کی نسبت زن وفرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اس کو برحق جانتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل وبرہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلیدِ باطل سے بایں طور کہ وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ہم سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی اور کوئی جن خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔ اس اعتقاد اور اس سادہ لوحی نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا اب معلوم ہوا کہ سینکڑوں آدمی اور جن اللہ پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اس سادہ لوحی اور خوش اعتقادی نے دنیا کو شرک وغلطی اور تخیلات پرستی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اگر اب کسی بت پرست وفال وشگن اور ارواحِ غیر مرئیہ کے پوجنے والے سے پوچھیں گے کہ کون سی دلیل اور برہان تمہارے حق پر ہونے کے لیے ہے تو ہر پھر کر آخر کار یہی کہیں گے کہ ہمارے اگلے یوں کرتے اور کہتے آئے ہیں اگر یہ باتیں غلط ہیں تو وہ کیا اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور ایسا ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ آفریں ہے ان صاحبوں پر کہ جن کے دماغ نے ایک صحبتِ ہادیِ برحق سے ایسی ترقی کی اور افسوس ہے ان عقلمند آدمیوں پر کہ وہ اس اندھیرے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس طوفانِ بے تمیزی میں آدمیوں کی پرستش سے جنوں کے مغز چل گئے، خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا کہ بہت سے انسانوں کے مرد (لفظ مرد میں ایک لطیف سی تعریض ہے کہ جب اپنے مثل کو پوجا مردانگی کو کھو دیا مردوں کی یہ باتیں نہیں کہ اپنے مثلوں کے غلام اور بندے ہو جائیں۔ یہ نامردی اور زنانہ پن ہے) جنوں کے مردوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اس نے ان کی اور بھی سرکشی اور غرور ونخوت بڑھا دی۔ اس پناہ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے کئی طریقے عرب میں مروّج تھے۔ اول یہ کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا اس کو جن وپری کی نظرِ بد کا اثر سمجھ کر اس کے لیے کھانا عمدہ پکاتے اور خوشبو شامل کرتے اور بخور جلاتے اور وہاں جا کر رکھتے کہ جہاں جہاں ان کو جنوں کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا تا کہ اس رشوت ونذرانہ میں وہ تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بھی ہند کے جاہل کھانا پکا کر کہیں چوراہوں میں، کہیں دریا پر، کہیں کسی قبر پر، کہیں کسی درخت تلے رکھواتے ہیں جس کو اتارا کہتے ہیں اور ایسے صدقات کے لیے برہمنوں، نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں، ملاؤں، تعویذ گنڈے کرنے والوں کا ارشاد ہوا کرتا ہے۔

دوم یہ کہ مشکل کے وقت ان کے نام کو جپتے اور وظیفہ بنا کر پڑھتے اور نذر ونیاز اور بخور وغیرہ شرائط کو عمل میں لاتے۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مشکل وہ دیوتا آسان کر دے گا۔ بیر اور مؤکلات کے حاضر کرنے کے لیے اب بھی بڑے بڑے ڈبل لوگ بجائے مراقبہ واذکارِ الٰہی کے یا در وائیل ویا رفتمائیل دریا یا جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں بار پڑھتے ہیں اور جو کوئی شیطان حاضر ہو جاتا ہے تو اس کو فوز المرام

جانتے ہیں۔ سوم جب کسی آئندہ آنے والی بات پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو کاہنوں[1] کے پاس جا کر ان کے محامد کے منتر پڑھواتے، نذر ونیاز مینڈھا بکرا چڑھاتے تب وہ ان کاہنوں کے سر پر آ کر وہ باتیں بتلاتا تھا۔ (چہارم) جب کسی سفر میں ہوتے اور کسی جنگل و بیابان میں اترتے تھے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ چاہتے اور یوں بآواز بلند کہتے (اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفھاء قومہ) تا کہ ان کے چھوٹے لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں اور بھی بہت طریقے تھے۔ ان سب باتوں کو اسلام نے ممنوع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ اللہ ہی کی پناہ مانگا کرو، وہی نذر ونیاز کے قابل ہے۔ مالی اور جسمانی عبادتیں اسی کو ہیں اس کے حکم بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر تھوڑے دنوں میں برِّ عرب ان سب اوہام پرستی کی نجاستوں سے پاک وصاف ہو گیا۔ جنوں کا مادہ ناری یا ہوائی ہے اس لیے علو وتکبر ان کی طینت میں داخل ہے۔ ایسے اعمال ونذر ونیاز اور منتروں سے وہ اترا کر ان کے کام کرنے میں کوشش کرتے ہیں تا کہ ہماری عظمت و وقعت بنی آدم کے دلوں سے نہ نکلے اور اسی لیے لوگوں کے ذہنوں میں سینکڑوں مکر وحیلوں سے اپنی عظمت بٹھاتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو اولیاء وانبیاء کی ارواحِ طیبات میں محسوب کرتے ہیں اور ان کے نام بتاتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ ہوں یا فلاں شخص ہوں تا کہ لوگوں کو اعتقاد پیدا ہو اور پھر رفتہ رفتہ اپنی خباثت ظاہر کرتے ہیں اور کبھی کسی مردہ شخص کا نام اپنا نام رکھ کر اس کے گھر کی خبریں بتلاتے ہیں تا کہ ثواب وعقابِ اخروی کا اعتقاد دلوں سے زائل ہو جائے اور جان لیں کہ مر کر یوں ہی اسی دنیا میں سیریں کرتے پھرا کرتے ہیں جس کے سر پر چاہتے ہیں آتے ہیں اسی بات کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اور ان جنوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ اے مخاطب تم نے سمجھ رکھا ہے کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا یعنی حشر ونشر کچھ نہیں۔ یہیں مر کر روحیں پھرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بھی انہیں جنوں کا مقولہ ہے اپنی قوم سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ جیسا تمہارا عقیدہ حشر کی بابت ہے کہ کچھ نہیں ایسا ہی ان جنوں کا بھی تھا جن کو بنی آدم پوجتے اور ان سے پناہ مانگتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کے یہ معنی کہ خدا کسی پیغمبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث نہ کرے گا کہ وہ آ کر ان جاہلانہ خیالات سے پاک کرے ہماری خدائی ہمیشہ یوں ہی بنی رہے گی یہی جہالت کی گھٹائیں بنی آدم پر چھائی رہیں گی۔

یہاں تک تو ان ایماندار جنوں کا کلام اپنی قوم کے سامنے توحید وحشر کے مسئلہ میں تھا اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ایک تمہید بیان کرتے ہیں تا کہ قوم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ فَقَالُوْٓا وَاِنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا کہ ہم نے آسمان جا چھوا یعنی اسرارِ آسمانی کی بہت تلاش کی اور بہت بلند اڑ کر گئے گویا کہ آسمان کو چھو لیا اور وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں بے شمار پہرے، چوکی والے پاسبان پائے جو اسرار آسمان سننے سے منع کرتے ہیں۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور اس سے پہلے تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھتے اور آسمانوں کے ملائکہ کی باتیں سنتے اور کاہنوں کو لا کر دیتے اور اپنی غیب دانی اور خدائی کا سکہ جمایا کرتے تھے۔ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا پھر اب جو کوئی سننے کے لیے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک انگارا تیار اور نگہبان پاتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ حاصل یہ کہ پہلے تو یہ حال تھا کہ عالمِ بالا کے اسرار ہم حاصل کر لاتے تھے اور اب یہ دروازہ بند ہو گیا۔ یہ ایک بڑا حادثہ ہے۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خدا نے اپنے بندوں کی بھلائی چاہی ہے یا برائی۔ اس بات کو فہم مخاطبین پر چھوڑ کر یہ کہلانا منظور ہے کہ خدا نے بندوں کی بہتری چاہی ہے کہ جنوں کے بے جا تسلط اور باطل خدائی کو پست کر کے ایک ایسے شخص کو برپا کیا ہے جو نور وہدایت کی جہاں افروز شمع ہاتھ میں لے کر اٹھا ہے۔ جنوں

[1] کاہن بھوت بڈا حاضرات کرنے والے، چڑیلوں پریوں کو بلانے والے۔ ۱۲ منہ

کے لیے اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اور کوئی دلیل ہو نہیں سکتی کہ انہوں نے آسمانی اسرار کا بند ہونا وغیرہ امور بظہورِ نبوتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دیکھ لیا۔ اور اس کلام میں طریقۂ ادب کہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شر کی نسبت خدا پاک کی طرف نہیں کی بلکہ صیغۂ مجہول بولا گیا اور رشد کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ بندوں کی رہنمائی اور بہتری چاہا کرتا ہے اور شر کے مقابلے میں خیر ہونا چاہیے تھا مگر خیر عام تھی اس کا جو فردِ کامل یہاں مقصود تھا اسی کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ اصل خیر رشد ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ
اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا
الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا
مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾
وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور یہ کہ کچھ تو ہم میں سے نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور (اب) ہم سمجھ گئے کہ ہم اللہ کو زمین پر نہ تھکا سکیں گے اور نہ ہم اللہ سے بھاگ کر جا سکیں گے اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو نہ اس کو نقصان کا ڈر رہے گا اور نہ ظلم کا اور کچھ تو ہم میں سے فرمانبردار ہیں اور کچھ نافرمان پھر جس نے مان لیا تو انہوں نے اچھا رستہ تلاش کر لیا اور جو نافرمان ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ترکیب : القدد القطعة من الشیء وصار القوم قددا اذا تفرقت احوالھم والمعنی کنا ذوی۔ طرائق قددا او کانت طرائقنا طرائق قددا فی الارض ای کائنین فی الارض حال من الفاعل هربا مصدر فی موضع الحال ای ولن نعجزه هاربین فلا یخاف الجملة جواب الشرط ودخلت فالجملة جواب ولولا ذاک لقیل لا یخف۔

تفسیر.....جنوں کی دوسری دلیل آنحضرت ﷺ کی نبوت پر : اب مسئلۂ نبوت کی بابت ایک عمدہ پیرایہ سے تقریر کرتے ہیں۔ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ مختلف طریقوں کے لوگ ہیں پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر بجز نبوت اور الہامِ الٰہی کے کون کر سکتا ہے؟ (۲) وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا کہ ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جن گو قوی اور زبردست اور جاہل دماغ انسانوں پر حکمران ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے، صرف آسمانی راز ہی کے بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا اوپر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر جو تم نے اس کے طریقہ کا خلاف کیا اور ہم پر اس کا قہر نازل ہوا تو ہم اس کے بس سے نہیں نکل سکیں گے۔ اور نہ بھاگ کر کہیں پناہ گزیں ہو سکیں گے اسی لیے نبی آخر الزماں ﷺ کا ماننا ضرور ہوا اب اے قوم! تم مانو یا نہ مانو لیکن وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا پھر جو تم سے بھی کوئی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو دنیا و آخرت میں کسی نقصان کا خوف نہ رہے گا نہ اس کو خداوندی انتقام و سزا کا ڈر باقی رہے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قوم کی حالت یکساں ہے تا کہ عذاب و ثواب میں یکساں سمجھی جائیں سو یہ تو ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ کہ ہم میں سے اس کے فرمانبردار بھی ہیں اور جفا کار بھی ہیں پھر دونوں مساوی کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بہر طور قوم میں سے

ایک گروہ پر مصائبِ دنیا و آخرت کا نازل ہونا یقینی ہے پھر اس کے بچاؤ کا اور اس کی عدالت سے رست گاری کا یہی قانون ہے کہ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا کہ جو ایمان لے آیا اور اس کا حکم بردار ہو گیا تو اس نے دنیا و آخرت کے لیے عمدہ رستہ تلاش کر لیا اور ہر ایک مصیبت سے بچنے کے لیے امنِ الٰہی کا مستحکم قلعہ ڈھونڈ لیا۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور جو جفا کار، بدکار ہے ایمان نہ لائے آخر وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

فائدہ (۱): پہلے جو مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ کہا وہ اسلام سے پہلے کی حالت بیان کی تھی کس لیے کہ اسلام سے پہلے بھی نیک و بد ہو سکتے ہیں کیونکہ ظلم و بدکاری کی برائی عاقل عقل سے بھی دریافت کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ صالحون کے مقابلہ میں دون ذٰلک اشارہ مہذبانہ الفاظ میں کر دیا تا کہ ان بدکاروں کی صراحۃً سے رنج نہ معلوم ہو۔ اب مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں عہدِ نبوت کا ذکر ہے اور بدکاروں کی بدی جہنم سے بچنے کے لیے صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔

فائدہ (۲): قسط عدل مگر جب اس کا استعمال ثلاثی مجرد سے ہو گا تو اس کے معنی ظلم کے ہوں گے اور جب باب افعال میں لائیں گے تو انصاف و عدل کے معنی پیدا ہوں گے اس لیے قاسط ظالم، مقسط عادل نیک۔

فائدہ (۳): یہاں تک ان جنوں کی گفتگو تمام ہو گئی اب بعد کا قصہ بیان نہیں فرمایا کہ قوم ایمان لائے یا نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ لائے اور ان جملوں میں کفارِ مکہ پر تعریض[1] ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ
يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا
تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ
عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

اور یہ بھی (میری طرف وحی کیا گیا) کہ اگر وہ (اہلِ مکہ) سیدھے رستہ پر چلتے تو ہم ان کو پانی کی ریل پیل سے سیراب کر دیتے تا کہ اس (ارزانی) میں ان کا امتحان کریں اور جس نے اپنے رب کی یاد سے منہ موڑا تو وہ اس کو سخت عذاب میں پھنسا دے گا اور یہ بھی وحی کیا گیا کہ سجدہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر جمگھٹا کرنے لگتے ہیں۔

ترکیب : وان لو استقاموا قرء الجمہور بکسر الواؤ من لو لالتقاء الساکنین وقری تشبیھا بواو الضمیر۔ وھذا معطوف علی جملة انہ استمع فیکون من جملة الموحی الیہ ولیس من قول الجن والتقدیر اوحی الی انہ استمع وان لو استقاموا فیکون ھذا ھوا النوع الثانی مما اوحی الیہ وان مخففة من الثقیلة واسمہ ضمیر الشان محذوف ای انہ والشرط والجزاء الجملة خبر ان یسلکہ مجزوم علی انہ جواب الشرط ای من یعرض یسلکہ ای یدخلہ یقال سلکہ واسلکہ وقیل الجار محذوف ای فی عذاب۔ والصعد مصدر یقال صعدا وصعودا وصف بہ العذاب لانہ یصعد طاقة المعذب ای یعلوہ ویغلبہ وان المساجد معطوف علی ان لو استقاموا من جملة الموحی الیہ وھو النوع الثالث والمساجد علی قول الاکثرین المواضع التی بنیت للصلوٰة وذکر

[1] اس لیے کہ جن جنوں کو تم پوجتے مانتے ہو جب ان کا یہ حال اور یہ مقال ہے تو تم ان کے گھمنڈ اور بے جا زوروں پر کیوں تکیہ کر کے گمراہی میں پڑے ہو اور ان کو پکارتے ہو اور پیغمبر پر ایمان نہیں لاتے، توحید کا لباس نہیں پہنتے۔ ۱۲ منہ

اللہ ویدخل فیھا الکنائس والبیع ومساجد المسلمین وقال الحسن البقاع کلھا وقیل الجوارح والاعضاء التی یسجد علیھا العبد وھی القدمان والرکبتان والیدان والجبھۃ والانف فعل ھذا جمع مسجد بکسر الجیم وھوموضع السجود وقال الحسن ایضا المساجد ھی الصلوٰت فعلی ھذا جمع مسجد بفتح الجیم مصدر بمعنی السجود وانہ لما قام معطوف علی ان المساجد ھوا النوع الرابع من الموحی الیہ یدعوہ الجملۃ حال من فاعل قام ای قام موحدُ اللہ کادوا الجملۃ جواب لما لبدا جمع لبدۃ وھو ماتلبد بعضہ علی بعض وارثکم وازوجم بعضہ علی بعض ومنہ اللبود والتی تفرش ویقال لبدۃ الاسد لاتتلبد من الشعر بین کتفیہ وقرئ لبدا بضم اللام وقرئ لبدا جمع لابد کمسجد فی ساجد وقرئ بضم اللام والباء جمع لبود کصبر فی صبور۔ (کبیر)

تفسیر : جنوں کا کلام نقل کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تین اور باتیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دے کہ جس طرح مجھے جنوں کا کلام وحی کے طور پر بتایا گیا یہ باتیں اور بھی وحی کی گئیں ازانجملہ یہ کہ (۱) وَّاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا کہ اگر لوگ سیدھے رستہ پر قائم رہیں تو ہم ان کو بہت پانی پلائیں یعنی مال واولاد، کھیتی باڑی، تندرستی، عافیت عطا کریں۔ (اس کو ماء غدقا سے تعبیر کرنا عرب کا محاورہ ہے) اور جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا ہم سے توڑ کر شیاطین سے جوڑے گا تو ہم اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ جن وانس اطاعتِ الٰہی اور نیک چلنی پر مامور ہیں، نیکی کی جزا بدی کی سزا پاتے ہیں۔ پھر ان میں شانِ معبودیت کیا ہے اور ان کی پرستش محض بے جا ہے۔ استقاموا کے جملہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں جنوں کی طرف ضمیر پھرتی ہے اس لیے کہ انہیں کا ذکر چلا آتا ہے اور انہیں کی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اے مشرکین! تمہارے معبود خود مامور ومحکوم ہیں۔ بعض کہتے ہیں آدمیوں کی طرف کس لیے کہ اہلِ مکہ اس وقت سات برس کے قحط میں مبتلا تھے پانی اور رزق کی تنگی سے جان لبوں پر آرہی تھی۔ ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ تمہاری بت پرستی اور جنوں سے مدد مانگنے اور بدکاری کا نتیجۂ بد ہے اگر تم راستی اختیار کرتے اور ہمارے آگے جھکتے تو ہم تم کو بہت پانی پلاتے اور ارزانی کرتے لیکن یہ بھی تمہاری آزمائش کے لیے کہ شکر یہ کرو نہ کہ اتراؤ، سرکشی کرو۔

ربیع بن انس اور زید بن اسلم اور ابن کیسان وغیرہ کہتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار اگر اپنے اس طریقۂ کفر پر رہتے جس پر کہ ہیں اور سب کفار ہوتے تو ان کی آزمائش کے لیے دنیا میں ان کو فراغدستی دیتا اور پھر آخرت میں عذاب دیتا اور دلیل ان کی یہ آیت ہے۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء وقولہ لولا ان یکون الناس امۃً واحدۃً لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفاً من فضۃٍ الآیہ اور لنفتنھم فیہ قرینہ ہے۔ تیسری بات جو وحی کی گئی ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا کہ سب عبادت گاہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کے سوا ان میں اور کوئی پکارے جانے، عبادت کیے جانے کا مستحق نہیں، اسی کو پکارو۔ مساجد کے کئی معنی ہیں ایک تو مسجدیں عبادت گاہیں، گرجا کنیسہ مسجد اہلِ اسلام سب کو شامل ہے یعنی دنیا میں کوئی عبادت خانہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ (۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں جنوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کس طرح سے مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوا کریں حالانکہ ہم دور دراز رہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر جگہ اس کے لیے عبادت ہوسکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تمام زمین میرے لیے عبادت گاہ بنائی گئی کسی خاص جگہ پر منحصر نہیں۔ (۳) سعید بن المسیب کہتے ہیں مساجد سے مراد وہ اعضا جو سجدے میں کام آتے ہیں، ہاتھ پاؤں، پیشانی، گھٹنے، ناک۔ کہ یہ نعمتِ الٰہی ہیں اور کے لیے نہ جھکنے چاہییں۔ (۴) بعضے کہتے ہیں مساجد سے مراد سجدے ہیں کہ سجدہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لیے ہیں اور کام وہاں نہ ہونے چاہییں جیسا کہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گم شدہ چیز کو ڈھونڈنے آئے تو کہہ دو کہ خدا کرے کہ نہ ملے کس لیے کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ہر ایک معنی آیت میں سے پیدا ہوسکتے ہیں۔

چوتھی بات وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا کہ جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر اژدھام کر لیتے ہیں۔ کون اژدھام کر لیتے ہیں اور کس لیے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کفارِ مکہ جب آپ کو اللہ کی عبادت کرتے اور اسی کو پکارتے دیکھتے تو گرداگرد جمع ہو کر تمسخر کرتے تھے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے کفار کو سنواتا ہے کہ یہ کیسی بات ہے اوروں کی عبادت کرنے والے پر تو یہ اژدھام اور تمسخر نہ ہو اور ہماری عبادت کرنے والے کے لیے یہ ہو، یہ بہت نازیبا اور ناحق شناسی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ جب ہمارا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پکارنے قرآن سنانے جنوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کے لیے ہر طرف سے آکر اژدھام کر لیتے ہیں جیسا اس رات کو ہوا کہ جس رات آپ مکہ سے باہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر جنوں کو قرآن سکھانے گئے تھے مگر اے قریشِ مکہ! تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن سننے سے بھاگتے ہو۔ لبدا کو جمہور بکسر اللام وفتح الباء پڑھتے ہیں۔ لبدا اور بعض نے لام کے ضمہ اور بائے کے فتح سے پڑھا ہے۔ لبدا اور بضم ب ولام وتشدید بائے مفتوحہ بھی پڑھا ہے۔ پہلی قرأۃ پر وہی معنی ہیں اور دوسری پر لبد کے معنی بہت کے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اھلکت مالا لبدا کہ بہت ہو جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جماعتوں کے کہ جماعت پر جماعت آکر گھیرتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

کہہ دو میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا کہہ دو نہ میرے ہاتھ تمہاری برائی ہے اور نہ راہ پر لانا۔ کہہ دو مجھ کو میرے اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ سدا رہا کریں گے۔

ترکیب : قل قراء العامۃ علی الغیبۃ ای قال حملوا ذلک علی ان القوم لما قالوا ذلک اجابھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ انما ادعوا ربی فحکی اللہ ذلک عنہ بقولہ قال او یکون ذاک من مقولات الجن وقرء عاصم وحمزۃ قل بصیغۃ الامر لیکون موافقا لما بعدہ وھو قولہ قل انی لا املک وھو الاظہر والاقوی ملتحدا ملجاوحرائر بمثل السرب الذاھب فی الارض فی القاموس الحد الیہ مال وفی المصباح الملتحد بالفتح اسم الموضع وھو الملجاء۔ الا بلاغاً قال الفراء استثناء من قولہ لا املک فان التبلیغ ارشاد وانفاع وقولہ قل انی لن یجیرنی الخ جملۃ معترضۃ وقعت فی البین لتاکید نفی الاستطاعۃ عنہ وبیان عجز وقیل الا ھنا لیست کلمۃ الاستثناء بل معناہ ان لا ومعناہ ان لا ابلغ بلاغا لم اجد من دونہ ملتحداً فما قبلہ دلیل الجواب ای کلام بدل بلی جواب الشرط وعلی ھذا من اللہ لیس صلۃ للتبلیغ لان صلۃ تکون بعن کقولہ علیہ السلام بلغوا عنی ولو آیۃ۔ انما ھی بمنزلۃ من فی قولہ براءۃ من اللہ ومعناہ بلاغا کائنا من اللہ ورسالۃ عطف علی بلاغا کانہ قال لا املک لکم الا التبلیغ والرسالات خالدین حال من ضمیر من وآلجمع لرعایۃ معنی من والمعنی یدخلونھا مقدارا خلودھم۔

تفسیر : کفارِ مکہ جب آپ کے اردگرد (قرآن پڑھنے اور خالص اللہ کو پکارنے میں) جمگھٹا کرتے تھے تو یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد

(ﷺ)! تو اس بات سے باز آ اور ہمارے الہ کی ہجو نہ کر نہ ان کی پرستش سے منہ موڑ۔ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں پھر آپ میں بھی یہ بات ہے؟ اور ہمارے معبود آپ کو مصائب سے پناہ دیں گے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قل ان کافروں سے کہہ دے انما ادعوا ربی میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور آئندہ بھی اسی کو پکاروں گا۔ ولا اشرك به احدا اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں گا۔ تمہارے معبود خواہ روحانیات ملائکہ ہوں یا جن ہوں خواہ اس کے برگزیدہ لوگ ہوں خواہ ستارے ہوں خواہ خیالی چیزیں ہوں خواہ پتھروں کے تراشیدہ بت ہوں خواہ عناصر ونباتات وحیوانات ہوں کسی کو بھی اس کی خدائی میں کچھ بھی دخل نہیں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ اس کے حکم بغیر نفع وضرر دے سکتا ہے۔ میں باوجودیکہ نبی مرسل ہوں اور مراتب قریب میں اس نے میرے لیے اعلیٰ مرتبہ تجویز کیا ہے مگر میں بھی تمہارے ضرر یعنی گمراہی اور رہنمائی کا مالک نہیں کہ جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ ہاں میرے سبب سے وہ خود جس کو چاہتا ہے گمراہی اور ہدایت دیتا ہے اور اسی لیے دنیا میں مجھے بھیجا ہے اور یہ بھی کہہ دے قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو خود مجھے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر تمہارے معبود تو کیا پناہ دیں گے جن کے بھروسا پر تم گمراہی میں پڑے ہو۔ الغرض میں بھی بشر ہوں اور جمیع مخلوقات خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اس کی ذات و صفات اور قدرت والوہیت میں شریک نہیں ہیں اور جس قدر دنیا میں ہدایت کے لیے اس نے رسول بھیجے ہیں کسی چیز کے مالک نہیں کیے گئے الا بلاغا من الله ورسالاته مگر اللہ کے پیغام واحکام پہنچانے کے لیے۔ ہاں یہ اختیار ان کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبوت تبلیغ من اللہ ہے الوہیت میں نبی کو کوئی شرکت نہیں اس کی ذات پاک سب سے ممتاز ہے۔ بعض مفسرین نے اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر میں حکم پہنچانے میں کوئی کمی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہ ملے گی۔ پھر احکام پہنچانے کے بعد جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کفر وبت پرستی سے باز نہ آئے گا ابداً جہنم میں جلے گا۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۴

یہاں تک کہ جب تک وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تب بہت جلد معلوم کرلیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کم ہے؟ تو کہہ دو کہ مجھے خبر نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت ٹھہراتا ہے۔ وہ غیب جاننے والا ہے اپنے غیب کی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کیا کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو پھر اس کے آگے اور پیچھے پاسبان مقرر کر دیتا ہے (کہ شیطان آمیزش نہ کرنے پائے) تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ نے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی رکھی ہے۔

ترکیب : حتی الشیء الذی جعل مابعد حتی غایة له فیه قولان (الاول) انه متعلق بقوله یکونون علیه لبدا والتقدیر انهم یتظاهرون علیه بالعداوة حتی اذا رأوا مایوعدون من یوم بدر او فتح مبین او یوم القیامة او وقت الموت فحینئذ یعلمون من هو اضعف ناصرا واقل عددا (والثانی) انه متعلق بمحذوف کانه قیل الکفار لایزالون علی ماهم علیه حتی اذا کان کذا وکذا کان کذا ونظیر هذه الآیة آیة فی سورة مریم وهی حتیٰ اذا رأوا مایوعدون اما العذاب واما الساعة اذ اشرطیة فستعلمون جوابها ویفهم من کلام القرطبی ان حتی للجر دالا بتداء من غیر ملاحظة معنی الغایة فتکون جملة مستقلة بالاستفادة۔ عالم الغیب خبر مبتداء محذوف ای هو الجملة مستانفة مقررة لما قبلها من عدم الدرایة والفاء لترتیب عدم الاظهار علی تفرده تعالی بالعلم الغیب علی الاطلاق الا استثناء من احد من رسول بیان لمن فانه تقریر وتحقیق للاظهار المستفاد من الاستثناء وبیان لکیفیة ای فانه یسلک من جمیع جوانب الرسول علیه السلام عند اظهاره علی غیبه حرسا من الملائکة یحرسونه من تعرض الشیاطین لما اظهره علیه من الغیوب لیعلم متعلق بیسلک غایة له من حیث انه مترتب علی الابلاغ المرتب علیه اذ المراد به العلم المتعلق بالابلاغ الموجود بالفعل وان مخففة من الثقیلة واسمها محذوف وهو ضمیر الشان والجملة خبرها واحاط الخ الجملة فی محل النصب علی الحال من فاعل یسلک باضمار قد اوبغیر هو احصی معطوف علی احاط عددا انتصابه علی التمییز محولا من المفعول به ویجوز ان یکون علی المصدریة والله اعلم۔

تفسیر : ان نصائح ودلائل کے بعد بھی کفار مکہ سرکشی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ان کے اردگرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہ آتے تھے اور مسلمانوں کی تھوڑی جماعت پر نظر کر کے اپنی قوت وشوکت کا گھمنڈ کر کے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو ایذائیں دیتے تھے، اس لیے ایمانداروں کی تسلی اور کفار کی تنبیہ کے لیے یہ فرمادیا گیا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا کہ یہ لوگ جب تک نہیں مانیں گے کہ ان کو وہ چیزیں نہ دکھائی جائیں کہ جن کا ان سے وعدہ ہوا ہے (بدر کے دن کا قتل ومغلوب ہونا یا مرنے کے بعد عذاب اور مصائب کا دیکھنا یا قیامت جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من اللہ بار باران سے وعدہ کیا تھا) پھر جب یہ چیزیں دیکھ لیں گے انہیں آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس کی مدد کمزور اور قلیل ہے؟ اس وقت ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر پھر کیا فائدہ ہوگا توبہ اور ایمان لانے کا وقت باقی نہ رہے گا۔ اس کو سن کر کفار مکہ تمسخر کی راہ سے کہنے لگے کہ ان چیزوں کا کہ جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یعنی عذاب ومصائب کون سا وقت ہے اور ٹھیک وقت بتلایئے۔ یہ سوال محض جاہلانہ اور گستاخانہ ہے کس لیے کہ آنے والی مصیبت جبکہ یقینی ہو تو اس کے وقت دریافت کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس سے بچنے کی تدبیر میں مصروف ہونا دلیل سعادت ہے۔ اس لیے وقت نہ بتلایا گیا جو اس سے پہلے ان کے نڈر ہونے کا باعث تھا بلکہ اپنے نبی کو یہ کہہ دیا کہ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا کہ ان سے کہہ دے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا وقت بہت قریب ہے یا میرا رب اس کو دیر میں بھیجے گا۔ یہ جواب سعادت مندوں کے لیے نہایت مستعدی اور سرگرمی کا باعث ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے عالم الغیب وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے ہر آئندہ آنے والی بات کا وقت اسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اس لیے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو واقف نہیں کرتا کیونکہ یہ اسی کا خاصہ ہے۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر جس پسندیدہ اور برگزیدہ رسول کو چاہتا ہے واقف کر دیتا ہے اور اس کو بھی اس احتیاط اور محافظت سے واقف کرتا ہے کہ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا کہ اس رسول کے آگے اور پیچھے یا اس غیب کی بات کے آگے اور پیچھے ملائکہ کی ایک چوکی مقرر کرتا ہے جو اس کو شیاطین کے لے اچکنے سے بچاتے ہیں یعنی خداوندی غیب کا خریطہ جب رسول کے پاس آتا ہے تو اس کے آگے پیچھے فرشتوں کے باڈی گارڈ کا ایک دستہ ہوتا ہے تاکہ کوئی شیطان وجن اس غیب کی بات سے کچھ واقف نہ ہو جائے۔ وہ ملائکہ شیاطین کو مار کر بھگا دیتے ہیں اور یہ کس لیے لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ خدا تعالیٰ معلوم کرلے کہ فرشتوں نے رسول تک بحفاظت اس کے احکام پہنچا دیے۔

فائدہ: خداتعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے مگر شے کے ظہور کے بعد جو علم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے علمِ تفصیلی مراد ہوتا ہے جو بعد وجود اشیاء ہوتا ہے یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اللہ کے پیغام بحفاظت پہنچائے ہیں (سعید بن جبیر)۔ یا یہ معنی کہ رسولوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے احکام و پیغام پہنچا دیے۔ اس تقدیر پر یعلم کا فاعل اللہ، یا محمد یا رسل ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل کلواحد وابلیس وجن بھی ہوسکتا ہے تا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے یا ابلیس کو معلوم ہو جائے یا جنوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے وہ غیب بحفاظت پہنچا دیا۔ اور ابلغوا کا فاعل ان چھ صورتوں میں فرشتے ہیں۔ اب ان چھ صورتوں میں ابلغوا کا فاعل رسولوں کو قرار دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ کا پیغام جوان کے پاس خزانۂ غیب سے آئے تھے اور ان میں کچھ چوری نہ ہوئی تھی بحفاظت لوگوں کو پہنچائے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ اگلے رسولوں نے جو اللہ کے احکام و پیغام پہنچائے وہ ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا لوگوں کو معلوم ہو وقس علی ہذا۔ یہ بارہ احتمال ہیں ہر ایک کی طرف ایک نہ ایک مفسر گیا ہے لیکن اول اقوی ہے۔

علمِ غیب کی تحقیق اور اس کے اقسام: اس کے بعد فرماتا ہے کہ فرشتوں کی چوکی معین کرنا اور بحفاظت اس غیب کا رسولوں تک پہنچنا ایک عادت اللہ کے موافق ہے ورنہ وَاَحَاطَ بِمَالَدَيْهِمْ اس کے احاطۂ علمی میں ہے جو کچھ بندوں کے پاس ہے کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی کیسا علم وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اس نے ہر ایک چیز کو گن رکھا ہے۔ دریا کے قطرے، ریگستان کے ذرے، درختوں کے پتے، ہر ایک کی گنتی اور تعداد اس کو معلوم ہے۔ یہ کمال احاطہ علمی کی علامت ہے۔

فائدہ: غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ اب یہ پوشیدگی کئی قسم کی ہے۔

قسم اول: اضافی کہ ایک چیز ہمارے سامنے ہے اور جو کوس دو کوس دور ہے اس سے غائب اور غیب ہے یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی جمیع چیزیں اگر ایک سے غیب میں ہیں تو دوسرے کے نزدیک موجود ہیں۔ کیا اس قسم کا غیب بھی خاصۂ خدا ہے؟ عقل صافی فوراً کہہ دے گی کہ ہرگز نہیں کس لیے کہ یہ غیب مطلق مگر من وجہ مشہود ہے اس کو ایک جانتا ہے تو دوسرا نہیں جانتا۔ جن اکثر اسی قسم کے غیب کو کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے اور اب بھی بیان کر دیں تو کچھ بات نہیں۔

قسم دوم: عالمِ ناسوتی سے غیب یعنی عالمِ مثالی کی چیزیں عام ہے کہ ابھی اس عالم میں نہیں آئی ہیں بلکہ آنے والی ہیں یا اگر چلی گئی ہیں نہ اب وہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کانوں سے سنی جاسکتی ہیں نہ ان ہاتھوں سے ٹٹولی جاسکتی ہیں نہ ناک سے سونگھی جاسکتی ہیں نہ زبان سے چکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کا غیب اول غیب سے بلند ہے مگر یہ بھی غیب مطلق نہیں جس کو غیب الغیب کہتے ہیں کیونکر یہ چیزیں عالمِ ملکوت کے لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خواب میں جبکہ اس کو کثافتِ جسمانیہ سے نورانیت حاصل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں سے بعض یا کل کو دریافت کر لیتی ہے اور اسی طرح اہلِ کشفِ صادق بحالتِ بیداری اپنی روحانی تجلی میں دریافت کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیثِ کسوف ہے جس میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس عالمِ غیب کی چیزیں دکھائی گئیں[1] اور اس لیے اشراقی اور اہلِ ریاضت بھی کبھی کبھی بعض چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور کاہن اور رمال و جفار اور نجومی بھی کبھی کبھی اپنے قواعد سے کچھ اڑتی ہوئی بات معلوم کر کے اپنی قوتِ متوہمہ سے ایک قالب میں ڈھالتے ہیں مگر خود ان قواعد کی غلطی یا ان سے استنباط کی لغزش اور اسی طرح خوابِ مکاشفہ میں قوتِ وہمیہ کی آمیزش اس علمی مرتبے کو ظن کے مرتبے میں کر دیتی

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیب کی باتوں کو جو بذریعہ الہام ووحی آپ کو خدا پاک نے بتائی تھیں اپنی امت کو بتایا اس لیے بہت سے صحابہ کو آئندہ آنے والے واقعات بتائے جیسا کہ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے۔ پھر ان مغیبات کا انحصار رسول پر نہ ہوا بلکہ افرادِ امت میں بھی اس سے مطلع ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو علمِ تصدیق نبوت سے حاصل ہوا۔ یہ علم استدلالی ہے نہ کہ غیب پر مطلع ہونے سے اس لیے انحصار صحیح ہوا کذا قیل۔ ۱۲ منہ

ہے یعنی بجز کشفِ انبیاء علیہم السلام کے اور جس قدر طریقے ہیں علیٰ قدر اور مراتب ان میں غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اس لیے ان کے جاننے کو علم بمعنی یقینی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کا غیب بھی اس کی طرف سے خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے جس کی یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ آگے اور پیچھے ملائکہ کا پہرہ رہتا ہے تا کہ شیاطین اور قوتِ فکریہ وقوتِ وہمیہ وخیالیہ آگے سے اور عادات وطبائع سامنے سے اس میں کچھ بھی دست اندازی نہ کر سکیں اور بعد کی چوکی سے علومِ مخزونہ عادات واخلاقِ متروکہ اس میں آمیزش کرنے نہیں پاتے۔ رمالوں، جفاروں، نجومیوں، کاہنوں وغیرہ کے غیب میں تو ہزاروں من کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کرام کے مکاشفات میں بھی یہ محافظت نہیں ہوتی۔ قوائے متوہمہ ومتخیلہ کی آمیزش سے امن نہیں اس لیے ان کو بھی آخر الامر کتاب وسنت پر بھروسا کرنا پڑتا ہے جو اقسام وحی کے ہیں اور اسی لیے اور مکلفین کو بھی ان کے الہامات کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ وہ الہامات حجتِ قاطعہ ٹھہرائے گئے۔ یہ بات خاص الہامِ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے کہ جن کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حفاظت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت ان کے قویٰ کو معطل کر دیا جاتا ہے اور بعد میں بھی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب ہی کے پیغام واحکام پہنچائے اس میں کچھ آمیزش اور کمی زیادتی تبدیل وتغیر نہیں ہوئی۔

قسم سوم: تیسری قسم غیب الغیب اور غیبِ مطلق جس کو حق سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کے جاننے کی کسی ممکن میں قدرت ہی نہیں اور یہ ایک بے انتہا غیب ہے۔ لایعلمہ الاھو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو ملائکہ مقربین و حاملانِ عرش جان تو سکتے ہیں مگر نہیں بتلائی جاتیں اور بعض ایسی ہیں کہ کبھی کبھی بتلائی بھی جاتی ہیں اور جب بتلائی جاتی ہیں تو عالمِ ملکوت میں ایک ہیبت اور دہشت ہوتی ہے جس سے مقربین ماتحت کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں۔ اور علی غیبہ میں اضافت اسی غیب کی طرف اشارہ ہے نہ غیب من وجہ کی طرف۔

فائدہ: مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے کیا سب رسول مراد ہیں؟ جمہور اسی کے قائل ہیں کس لیے کہ من رسول میں من بیانیہ ہے نہ تبعیضیہ پھر کیا اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص مراد ہیں یا ملائکہ بھی؟ جمہور کے نزدیک ملائکہ بھی رسول ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں اور ان کو اور ملائکہ پر فوقیت ہے۔ معتزلہ اس سے ابطالِ کراماتِ اولیاء اللہ پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ کسی آئندہ آنے والے واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی نہیں دے سکتے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کس لیے کہ غیبہ یعنی اپنے غیب پر بجز رسول کے اور کسی کو مطلع نہیں کرتا اس طرح سے کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع نہ ہو اور اسی کو اظہارِ غیب کہتے ہیں۔ اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ قسم اول ودوم کے بعض غیوب کا بطریقِ ظن کسی پر اظہار کیا جائے جس کو اظہار الغیب کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ غیبہ سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں اس اعتراض سے اور ان شبہات سے بچنے کے لیے کہ بعض غیب کاہن اور اہلِ خواب بھی جانتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ
نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝٨ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ
إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝٩

ے چادراوڑھنے والے! رات کواٹھا کرو (تمام رات) بلکہ کم آدھی رات[1] یا اس سے کچھ کم کرلیا کرو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھادیا کرو اور قرآن کوخوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا
رو۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کوخوب زیر کرتا ہے۔ اور بات کرنے (یعنی دعا) میں یہی مناسب
ہے بے شک دن میں آپ کے لیے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے الگ ہوکر اسی کی طرف آ رہو (کیونکہ) وہ مشرق ومغرب کا
مالک ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں پھر اسی کو کارساز بنا رکھو۔

کیب : المزمل اصلہ المتزمل ادغمت التاء فی الزاء والتزمل التلفف فی الثوب الا قلیلا ھو استثناء من اللیل ای صل اللیل کلہ الا یسیرا
ردما دون النصف القلیل والمراد بہ ھنا الثلث نصفہ فی انتصابہ وجہان (الاول) ھو بدل من اللیل بدل البعض الا قلیلا استثناء من النصف
الثانی) ھو بدل من قلیلا وقلتہ بالنظر الی الکل وھذا اقوی والضمیر فی منہ وعلیہ یرجع ای النصف ھی اشد الخ خبران وطأ وتمیز من اشد۔
سر الواو بمعنی مواطاۃ بفتحھا ھو اسم المصدر واقوم معطوف علی اشد قیلا بمعنی قولا تمیز منہ سبحا شغلا وتصرفا اسم ان لک فی النھار خبر ھارب
شرق بالجر علی البدل وبالنصب باضمار اعنی او بفعل یفسرہ فاتخذہ وبالرفع علی انہ خبر مبتدء محذوف ای ھو او مبتدء خبرہ لا الہ الا ھو۔

سیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابن مردویہ وغیر محدثین نے ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں
ل ہوئی۔

انِ نزول: اس کی شان نزول میں بزار وطبرانی نے اوسط میں اور ابونعیم نے دلائل میں یوں نقل کیا ہے کہ دارالندوہ[2] میں قریش جمع
ئے اور کہنے لگے اس کا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام تجویز کرو کہ لوگوں کو روکا جائے۔ بعض نے کہا کاہن، بعض نے کہا کاہن نہیں
وں کہو، بعض نے کہا یہ مجنوں نہیں اس کو ساحر کہو، بعض نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں۔ اس کے بعد قریش اٹھ گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ
م کو پہنچی آپ غمگین ہوکر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہ اے جھرمٹی
ے ہوئے کھڑا ہو رات کو نماز پڑھا کر ان کی باتوں سے رنج نہ کر ہم سمجھ لیں گے، ذرا مہلت دے ہمارے پاس ان کے لیے عذاب الیم
ر ہے۔ ان سے منہ موڑ اور حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو اور اسی کو اپنا کارساز بنا۔

ط : ربط اس سورہ کا سورۂ جن سے یہ ہے کہ سورۂ جن میں بتلایا گیا تھا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی جس قدر چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا
رتا ہے اب اس سورۂ مزمل میں اپنے رسول کو علمِ غیب حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کرنا سکھایا۔ وہ کیا رات میں حق سبحانہٗ کی عبادت کرنا
ں میں انسانوں سے غائب ہوکر باطمینانِ قلبی بلاشور وشغب پورا پورا متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے کس لیے کہ جس نے جو کچھ پایا شب
داری میں پایا، زبانی لاف زنی اس راہ میں کارآمد نہیں۔ (۲) اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جن آدمیوں سے غائب ہیں پھر قرآن
ن کر ہدایت پر آگئے، عبادت کرنے لگے۔ آپ ان کے رسول اور ہادی ہیں، آپ کو بھی رات میں عبادت کرنا چاہیے کہ اس وقت آدمی
ضر نہیں ہوتے اور ان سے غیبو بت حاصل ہوتی ہے تاکہ عالمِ غیب آپ پر منکشف ہو اور (۳) قرآن شب میں پڑھنے کا حکم دیا
کہ دن میں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں تو شب میں جن وغیرہ عالمِ غیب کے لوگ بہرہ ور ہوں کس لیے کہ آپ نبی الثقلین ہیں ظہور کا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بڑا شوق تھا مگر خدا پاک جسم کی محافظت رکھنے کے لیے آپ کو تمام رات کے جاگنے سے روکتا ہے۔ ۱۲ منہ
قریش کے مشورہ کرنے کا مکان یا چوپال۔ ۱۲ منہ

وقت جو دن ہے عالمِ ظہور کے لوگوں کے لیے یعنی آدمی کے لیے اور مخفی لوگوں کے لیے مخفی شب کا وقت دیا گیا۔ (۴) اور یہ بھی ہے کہ
ابتداءِ اسلام میں کفار دن میں آپ پر یورش کرتے تھے جیسا کہ فرمایا تھا۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ
لِبَدًا۔ اس لیے مشغولی حق کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا جس میں عبادت وتلاوت کی حلاوت بخوبی حاصل ہو سکے اور لوگوں کے
شور وشغب سے انتشارِ خاطر عاطر نہ ہو۔ اس کے سوا مضامین والفاظ میں بہت کچھ مناسبت ہے اور چونکہ سرِ سورہ پر مزمل کا لفظ تھا اس
لیے اس کا نام سورۂ مزمل ہوا۔

مزمل عرب میں اسے کہتے ہیں جو چادرے میں لپٹا ہو یا چادرہ اوڑھے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ ہاتھ کا لمبا ایک کمبل
تھا۔ تہجد کی نماز اور تلاوت کے لیے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ لیتے تھے تاکہ نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہ ہو، وضو آسان ہو، ہوا سرد سے
محافظت ہو۔ اور نیز اس قسم کی چادر اوڑھنا یا لپیٹ لینا کفن لپیٹنے کی طرف اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت سے آگاہ رہے اور رات کی
اندھیری قبر کی اندھیری اور دنیا کے عدم کی ظلمت سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کا کپڑا اوڑھتے تھے خصوصاً
حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور ہمیشہ سے صلحا کا یہ لباس رہا ہے اور اسی لیے فقراء میں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آتی ہے اور یہ لباس
اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوڑھنے والے نے ترکِ دنیا وعبادتِ مولیٰ کا التزام کرلیا ہے جیسا کہ وردی سپاہیوں کی علامت ہے۔ اس
خرقہ کے لیے سات شرطیں ہیں۔ (۱) شب بیداری ونمازِ تہجد وتلاوتِ قرآن، (۲) دن میں اوقات کو یادِ الٰہی میں مصرف رکھنا۔ (۳) ہمیشہ
ذاکر رہنا۔ (۴) ترک وتجرید، (۵) توکل واعتماد بر کارسازیِ خالق، (۶) خلق کی جفا وظلم پر صبر کرنا، (۷) اہلِ دنیا کی صحبت ترک کرنا اور اس
کے ساتھ ان کی خیر خواہی سے بھی غافل نہ رہنا۔ جس میں یہ سات باتیں ہوں اس پر یہ خرقہ زیبا ہے اور اسی لیے اس خرقہ کی شروط بجالانے
کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کا خطاب عطا ہوا جو بڑا پیارا خطاب ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادا حضرتِ حق کو پسند
آگئی تھی اس لیے فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر اوڑھے ہوئے! اس چادرِ ریاضت کا حق بجالا۔ قم اللیل رات بھر نماز وتلاوت کے لیے
قائم اور مستعد وسرگرم رہ۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مزمل کے معنی ظاہری چادر اوڑھنے والے ہی کے نہیں بلکہ مراد ملتزم وذمہ داری کرنے والے
کے ہیں کہ اے نبوت ورسالت کے ذمہ دار اور کمالاتِ ملکوتی کے حامل اور اسی لیے وہ اس لفظ کو تخفیفِ زائے ودال اور فتح میم مشدہ سے
پڑھتے تھے۔ وہ اس کو زمل سے لیتے ہیں جس کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ کہتے ہیں زمل ھذا الامر ای حملہ۔ قُمِ الَّیْلَ کے معنی پر مفسرین نے
متعدد رائیں ظاہر کی ہیں: قول اول: (۱) جمہور کا قول ہے کہ آپ پر اور آپ کی امت پر ابتداءِ اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے
پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وبیہقی وحاکم وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے اول میں قیام لیل فرض کردیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب برس دن تک ایسا ہی
کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ پھر برس دن کے بعد اس سورہ کا اخیر جملہ نازل ہوا۔ (فاقرؤا ما تیسر امن القرآن) اس
سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا، نفل رہ گیا۔ یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی اور طبرانی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ بعض علماء یوں تشریح
کرتے ہیں کہ اول اس حکم میں اس طور سے تخفیف کی گئی کہ قم اللیل کے بعد اِلَّا قَلِیْلًا فرمایا جس سے آپ رات بھر میں کچھ کچھ ٹھہر جاتے
اور آرام لیتے تھے مگر یہ حکم ایک برس تک رہا۔ پھر نصفہ فرمایا تمام رات کی جگہ پچھلی آدھی رات کی عبادت فرض رہ گئی مگر گھڑی گھنٹے نہ تھے
ٹھیک آدھی رات کا اندازہ مشکل تھا اور اس کے علاوہ ایک طرح کی مقید پابندی بھی تھی اس لیے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ فرمادیا گیا
کہ نصف شب پر کچھ موقوف نہیں اس سے کم زیادہ کرنے کا تمہاری حالتِ صحت ومرض، خواب وبیداری، فرطِ شوق وغیرہ پر محول ہے مگر آدھی
آدمی سے بالکل ہی کم نہ ہو بلکہ کسی قدر بہر حال تہائی رات جاگنا عبادت کرنا ضرور ہے اس میں سردی گرمی کی راتوں کے لحاظ سے بھی ایک

تخفیف ہے۔ پھر اس رات میں کیا کرو؟ آپ ہی بتلاتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا کہ نماز میں قرآن پڑھو عمدہ طور سے۔ ترتیل کے معنی ہیں اچھی طرح سے پڑھنا۔ اس طرح سے پڑھنے سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور جلد جلد پڑھنا گھانس کاٹنا ہے۔ (ان جملوں کی اور اس کے بعد کے جملوں کی ہم بعد میں شرح کریں گے)۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ الخ کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور نصف شب کے قریب اور تہائی کے قریب اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کا ایک گروہ بھی اٹھتا ہے۔ رات کا اندازہ تم ٹھیک نہیں کر سکتے اور رات دن کا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے ابر بادل وغیرہ اسباب سے دو ثلث اور نصف کا اندازہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری حالتِ مرض وسفر پر بھی نظر کر کے یہ حکم دے دیا کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ جس قدر تم سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ یہ اخیر رکوع کا خلاصہ ہے اس سے دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی قید بھی اٹھ گئی جس قدر نشاطِ خاطر سے ہو سکے پھر اس کے بعد پنجگانہ نمازیں فرض ہوئیں جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ الخ امت پر تہجد کی نماز جس کی بارہ رکعت سے لے کر چھ تک (موقع اور فرصت وحالتِ صحت ومرض کے لحاظ سے) ہیں سنت رہ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدستور فرض رہی مگر یہ تخفیف ہوگئی کہ تمام رات یا دو ثلث یا ثلث کی قید باقی نہ رہی اور اخیر عمر تک آپ تہجد کی نماز پڑھتے رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے اور صالحینِ امت کا یہی دستور اور طریق ہوگیا۔ قول دوم: بعض علماء کہتے ہیں شب بیداری نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب وفرض تھی نہ امت پر بلکہ امر ندب کے لیے ہے کہ بہتر ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کہ نمازِ تہجد پڑھ جو تیرے لیے نفل ہے خلاصہ مطلب یہ کہ آپ کو آدھی رات اور اس سے کم ثلث رات اور زائد از نصف کا اختیار دیا تھا کہ اس میں سے جس قدر چاہو شب بیداری کرو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول عرصہ تک شب بیداری نصف رات سے زائد کی جو قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا کا مصداق ہے پھر نصف شب تک پھر کبھی دو ثلث کبھی ایک ثلث رات تک جیسا کہ نِصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ سے سمجھا جاتا ہے اور دلیل اس پر اخیر رکوع ہے جس میں فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ الخ کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ والے دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات میں اٹھتے اور شب بیداری کرتے ہیں۔ اگر اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ کے یہی معنی نہ تھے تو آپ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات میں کیوں اٹھتے اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس دو ثلث ونصف وثلث کی قید بھی جو آنحضرت ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے نفل کے طور لگا رکھی تھی اٹھ گئی اور تہجد گزاروں کے شوق اور فرصت پر چھوڑ دیا۔

ترتیل کے معنی : وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا مبرد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں ثغر رتل جبکہ دانت گنجان نہ ہوں بلکہ جدے جدے ہوں اور کلام مرتل اس کلام کو کہتے ہیں جو باترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں۔ قرآن کی ترتیل اس کے حروف وکلمات کا مخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات ووقوف کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا اگر گننا چاہے تو گن سکے۔ یہ تدبر وتفکر کے لیے ہے کہ مطالب ومعانی پر خوب نظر رہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یعلی بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا حال دریافت کیا۔ فرمایا تم آپ کی نماز کیا پوچھتے ہو آپ کی قرأت بتلائی ایک ایک حرف جدا کر کے (اخرجہ النسائی)۔ اسی طرح بخاری وترمذی وغیرہ محدثین نے روایات نقل کی ہیں۔ شعر کے طور سے پڑھتے تھے اور جلد جلد پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جس سے دلوں کو حرکت ہو اس طرح سے پڑھو۔

فوائدِ تلاوتِ قرآن : یہ پڑھنا بظاہر ہر نمازِ تہجد میں ہے اگر نماز سے فارغ ہو کر یوں بھی کوئی قرآنِ مجید پچھلی رات پڑھتا ہے تو عجب نور وسرور روحانی پیدا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الفاظِ قرآنی اس کے معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی مدتوں کلام نفسی کا مرتبہ علم الٰہی میں حاصل کر چکے ہیں پھر جب وہ معانی ان الفاظ سے کہ جن میں الوہیت وتقدس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور اس عطرِ حقیقی سے معطر ہو

چکے ہیں کان کے رستہ سے دل تک پہنچتے ہیں تو پڑھنے والے کی روح پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور کچھ کلامِ الٰہی پر منحصر نہیں جس کلام کو بار بار پڑھا جائے اور اس کے معانی کا ذہن علی الدوام ملاحظہ کرے گا متکلم کی صفت اور اس کا رنگ اس کے اندر نمودار ہوگا۔ مثنوی شریف اور بزرگوں کے ملفوظات کو دیکھئے اور اسی طرح برے کلاموں کو قیاس کر لیجئے۔ عشق وحسن اور فواحش کے افسانے اور عیاروں بدمعاشوں کی داستانیں ان کے پڑھنے والوں بلکہ سننے والوں پر ایسا ہی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے انوارِ روحانیہ اور قربِ حق میسر آتا ہے اور بندہ کے تمام مدرکات ومشاعر کو انوارِ قربِ الٰہی پُر کر لیتے ہیں اور صفاتِ الٰہی بندہ کی صفات پر اور اس کے افعال اس کے افعال پر غالب آجاتے ہیں اور یہی دنو وتدنی ہے خصوصاً جبکہ اس استحضار والتفات کا دوام ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن اور اس میں غور وتدبر کے تین مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ ہر خطاب وقصہ میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھے۔ دوم یہ کہ بغیر واسطہ اس کلام کو حق سبحانہٗ سے سنے۔ تیسرا مرتبہ جو اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متکلم کی صفات وافعال کا اس میں مشاہدہ کرے۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دینا' ان کو علمِ غیب حاصل کرنے کے لیے تیار کرنا ہے اور وحی کے لیے مشتاق کرنا ہے کس لیے کہ بار بار زبان سے کان تک کلامِ الٰہی کا پہنچنا اور کان سے دل تک جانا صدمۂ وحی میں تخفیف پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یعنی پہلے سے سدھانا ہے کیونکہ نزولِ وحی کے وقت ارواحِ ملکیہ مقامِ متعددہ سے ایک جا مجتمع ہو جاتے تھے اور دفعتاً اس کیفیتِ روحانیہ کا قلب وجوارح تک پہنچنا حواس وقوائے بشریہ کو ایک سخت صدمہ پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آپ پر ایک بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور سرد موسم میں پسینہ آجاتا تھا اور جذبِ روح کی حالت ہو جاتی تھی اس لیے بار بار پہلے سے اس کا مشتاق ہو جانا سہولت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے کے حکم کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا کہ ہم ابھی تجھ پر بھاری بات ڈالیں گے جس سے مراد پے در پے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے جو آپ پر نہایت گراں ہوتا تھا۔ یہ ابتداءِ وحی میں تھا پھر آخر میں یہ ثقل جاتا رہا تھا۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رات کے اٹھنے اور قرآن کے پڑھنے کا آپ کو اس لیے حکم دیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے یعنی قرآن مجید پے در پے نازل کریں گے جو باعتبارِ نزول کے آپ پر بھی بھاری اور عمل کرنے اور عادت ورسومِ کفر چھوڑنے کے لحاظ سے کفار ومشرکین پر بھاری ہے اور خود قرآن بھی ایک وزنی اور گراں بہا ہے۔ اپنی بلاغت اور جمیع وجوہِ اعجاز اور تعلیمِ مکارمِ اخلاق کے لحاظ سے اور اس سبب سے کہ اس کے لیے ظہر وبطن ہے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔ نفسِ امارہ کی شرارتیں توڑنے میں بے نظیر ہے وغیرہ وغیرہ بہت سی خوبیاں اس میں جمع ہیں جس کا مثل بنانا بشر سے ممکن نہیں۔ پس آپ پہلے سے مستعد رہیں اور عبادت وذکر سے نفس کو اشراقِ جلالِ الٰہی کے لیے تیار رکھیں۔ **قولِ ثقیل کے معنی**: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قولِ ثقیل سے مراد کلمۂ توحید ہے جس نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور جس پر ہر طرف سے مار دھاڑ ہوئی اور خویش واقارب تک لڑنے کو تیار ہو گئے اور پھر تکلیف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بعض کہتے ہیں قولِ ثقیل و انذر عشیرتك الاقربین ہے یعنی اقارب تمام بنی آدم کے لیے دینِ حق کی منادی کرنا۔ جس سے بھاری اور کوئی بات کیا ہوگی؟ تمام عالم کے سدھارنے کا بیڑا اٹھانا اس حالت میں کہ دنیا ہلاکت کے عمیق گڑھے میں گر پڑی ہو اور جہالت کی کالی گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کے سدھارنے کے لیے آئے تھے اور انہیں کے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے۔ پھر ان پر مصائب کے جس قدر پہاڑ توڑے گئے اہلِ تواریخ پر مخفی نہیں چہ جائیکہ ایک شخص تمام جہان کے لیے بھیجا جائے ۔

آفریں بر جانِ پاکت آفریں مرحبا بر روحِ پاکت مرحبا

اس لیے آپ کو تقربِ الٰہی کی قوت اور انوار سے جو تہجد گزاری و ذکر و تلاوت کے سبب حاصل ہوتے ہیں پہلے سے قوی و مستعد ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کے ساتھ اس کام کے رفقاء کو بھی شریک کیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو تم سے بڑا کام لینا ہے۔ ؎

دلا بسوز کہ سوزِ تو کار ہا بکند　　دعاءِ نیم شبت دفع صد بلا بکند

یہ تھوڑے سے دنوں میں تمام جہان میں توحید و حق پرستی و پرہیز گاری کی روشنی پھیل گئی۔ اس اندھیری راتوں کے سوز و فغاں کا اثر ہے۔ اے خدا کے پیارے اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے والے! تجھ پر اور تیری پاکباز جماعت پر جنہوں نے خوشی سے اس گرانبار بوجھ کے تلے کندھا دیا اور ڈوبتی کشتیِ بنی آدم کو بھنور سے کھینچ کر کنارہ پر لائے لاکھ لاکھ درود اور کروڑ کروڑ سلام اور جان فدا ہو۔ اے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے فرزندِ ارجمند آپ نے اپنے جدِ بزرگوار کے کام کو پورا کر دیا۔ آپ کا احسان قیامت تک بنی آدم ادا نہیں کر سکیں گے۔ علیک صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

فوائد شب خیزی : اس کے بعد رات کے اٹھنے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا کہ رات کا اٹھنا نفس پر سخت ہے اور بات کہنے میں بہت عمدہ وقت ہے (ناشی پیدا ہونے والا کہتے ہیں نشات تنشاء نشأ فھی ناشیہ والانشاء الاحداث) ناشئۃ اللیل کے دو معنی ہیں۔ (۱) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ناشئۃ اللیل رات کی ساعتوں اور گھڑیوں کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ (۲) جو رات میں پیدا ہوا انسان کا نفس بھی ناشئۃ اللیل ہے جو خواب کے بعد گویا دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور قیامِ لیل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں جب اول رات سو کر اٹھے تو اس کو نشاء کہتے ہیں اور اس سے ناشئۃ اللیل ہے اور شب میں جو بیدار ہونے کے بعد روح پر انوارِ غیبی پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ناشئۃ اللیل ہیں۔ الحاصل رات کا اٹھنا بھی ناشئۃ اللیل ہے۔ وطاً جمہور نے بفتحِ واو و سکونِ ط پڑھا ہے اس کے معنی ثقیل اور سخت کے ہیں بولتے ہیں اشدت علی القوم وطاء السلطان اور اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللھم اشدد وطاک علی مضر یہ مطلب کہ رات کا اٹھنا نفس پر گراں ہے اور یہ واقعی بات ہے پچھلی رات کی میٹھی نیند خصوصاً سردی میں جبکہ لحاف میں لپٹا ہوا اور زنانِ محبوب اور فرزندانِ مرغوب بغل میں ہوں اور اسی طرح گرمی کی راتوں میں جبکہ اول رات گرمی کی شدت اور پسوؤں اور مچھروں کی حدّت کے بعد پچھلے کو آنکھ لگی ہو اٹھنا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہونا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔

تہجد کے فضائل: اس لیے ان اٹھنے والوں کی مدح خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً الخ کہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو طمع و خوف میں پکارتے ہیں اور فرماتا ہے۔ یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔ بعض نے بکسر الواؤ و فتح الطاء بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر اس کے معنی مجاہد و ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے موافقت و مطابقت[1] کے لیے ہیں کہ رات کے اٹھنے میں زبان اور دل اور آنکھ اور کان میں بہت موافقت ہوتی ہے کس لیے کہ انتشار اور شور و شغب کا وقت نہیں ہوتا بلکہ سکون اور تسکین کا وقت ہوتا ہے جو کچھ منہ سے نکلتا ہے، دل سے نکلتا ہے اور کان اس کو دل تک پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ واقوم قیلا اور اس وقت بہت درست اور ٹھیک بات منہ سے نکلتی ہے۔ قتادہ و مجاہد کہتے ہیں قرأتِ قرآن اس وقت بہت ٹھیک ہوتی ہے کس لیے کہ دنیا میں چپ چاپ ہوتی ہے اور عالمِ غیب کے انوار کا بھی روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواحِ بنی آدم کی طرف انجذابِ تام ہوتا ہے اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ینزل ربنا تبارك و تعالیٰ کل لیلة الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر (متفق علیہ) کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات حق سبحانہٗ آسمانِ زیریں کی طرف اتر آتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں قبول کروں؟ جو کوئی مانگے دوں

[1] مواطاۃ بمعنی مطابقہ ہے کما فی قولہ تعالیٰ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ۔ ۱۲ منہ

جو کوئی مغفرت مانگے بخش دوں۔ خدا پاک نزول و صعودِ جسمانی سے پاک ہے اس سے مراد وہی تدنی و دنوں ہے جس کو عرفا تقرب کہتے ہیں۔ نمازِ تہجد کے فضائل اور اس کی تاکید اور اس کے برکات احادیثِ صحیحہ میں بکثرت بیان ہوئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تہجد گزار کے منہ پر ایک عجیب نور نمودار ہوتا ہے اور اس کی قبر میں کبھی اندھیری نہیں ہوتی اور اس کی مشکلات کو خدا آسان کرتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔

فرماتا ہے رات کے اٹھنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا اس لیے کہ دن میں تیرے لیے بڑا کام رہتا ہے (السبح الجری والدوران ومنہ السباحۃ فی الماء تقلبہ بیدیہ ورجلیہ وفرس سابح ای شدید الجری۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما السبح الفراغ للحاجۃ والنوم) یعنی دن میں ہدایت وارشاد و فیصلہ خصومات و تدابیرِ دفعِ اعداء عیادتِ مرضیٰ تدبیرِ خانہ داری وغیرہ کاربار رہتے ہیں۔ تخلیہ مشکل ہے اس لیے رات کا وقت مناجات و تلاوت و نماز کے لیے عمدہ وقت ہے۔ زجاج کہتے ہیں یہ معنی ہیں رات کے جاگنے میں نیند اور آرام حاصل نہ ہو تو دن آپ کے لیے بڑا وسیع ہے اس میں آرام کر لو سو لو۔

رات کی عبادت ہی پر موقوف نہیں کہ دن میں خدا سے غافل ہو جائے دنیا ہی کے دھندے میں پھنسا رہے بلکہ ہر وقت یاد رکھے اس لیے ارشاد فرماتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کہ اپنے رب کو یاد رکھ ہر حال میں اسے نہ بھول کیونکہ جس دم بندہ اس سے غافل ہو جاتا ہے تو سلسلہ انوار کا روح سے منقطع ہو جاتا ہے اور تاریکی بھر جاتی ہے، روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔

ذکر کے اقسام : ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ قلب سے ہو خواہ روح سے خواہ سر سے خواہ خفی ہو خواہ جلی خواہ نفس اور عام ہے کہ اسمِ ذات کا ورد ہو یا کسی اسم صفاتی کا کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور اس کے حال کے موافق ہو۔ حضراتِ صوفیہ کرام نے اجتہاد و استنباط اور تعلیمِ الہامی سے اذکار کے مختلف طریقے مبتدی و منتہی کے مناسب مقرر کیے ہیں اور تجربۂ ثقات نے بتلا دیا ہے کہ ان کا اثر جلد محسوس ہوتا ہے اور تنویرِ قلب و روح میں ان کو ایک عجیب خاصیت ہے اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ منتہی ہر حال میں ذاکر رہتا ہے کوئی شغل اور کوئی حال اس کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کر سکتا مگر مبتدی کے لیے ذکر تبتل کے ساتھ ہو تو جلد اثر بخشتا ہے اس لیے فرماتا ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کہ ماسوی اللہ جس قدر شواغل و علائق ہیں ان کو منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ ہو جا اس کے بعد جو تخلیہ و خلوۃ میں ذکر ہوگا تو اس میں کوئی خطرہ اور وسوسہ سدِ راہ نہ ہوگا ورنہ ہزاروں خطرات کی نجاست کے ساتھ ذکر کچھ مفید نہیں ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر　　ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ذکر مع التبتل : ذکر مع التبتل کی عرفا نے ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ علاقۂ اہلِ دنیا کو منقطع کرے اگر کر سکے ورنہ کم تو ضرور کرے نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی، نہ جھگڑا نہ مطالبہ، نہ کینہ نہ حسد باقی رکھے۔ بقدرِ ضرورت مال سے لباس و مکان پر اکتفا کر کے شب کو کسی گوشہ میں سر ڈھانک کر قبلہ رو باطہارت بیٹھے، استغفار و درود کے بعد ذکر شروع کرے۔ فرائض سنن و نوافل کے بعد کوئی ذکر ہوا گر ذکرِ قلبی ہو تو بہتر اور توجہ تام حق سبحانہٗ کی طرف ہو اس کے بعد اس پر ایک حالت طاری ہوگی کہ جس میں تعدادِ ذکر بھی جاتی رہے گی۔ اس کے بعد ایک جاذبۂ محبت اس پر طاری ہوگا اور اس کو ایک بے خودی ہوگی جس میں اپنے صفات و ذات کے حالات سے بھی فراموشی ہو جائے گی اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں اس کے بعد ذکر بھی ساقط ہو جائے گا اور مذکور ہی مذکور کا شہود باقی رہ جائے گا اس کے بعد ایک اتصالِ بے تکیف و بے قیاس حاصل ہوگا اور اس مرتبے کا نام بقا ہے۔ اس طرح سے مداومت کرے، کم از کم چار چلے تو اس کو عمل کرے پھر دیکھئے کہ عالم کے کس قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں مگر صلاحیت و قابلیت شرط ہے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ذکر مع التبتل کیا کرتے تھے مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر حراء ایک پہاڑ ہے اس کے غار

میں اپنا خلوت خانہ بنا رکھا تھا۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کچھ کھانا پانی آپ کو وہاں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ تک آپ وہاں رہے مگر جب عالمِ غیب کے مشاہدہ کا وقت آ گیا تو ملائکہ سے باتیں ہوتی تھیں آخر جبرئیل امین آئے اور سورۂ اقرء ساتھ لائے اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی اور آپ پر اس قبض سے ایک سخت صدمہ تھا اور اس قبض کا نام ضلال تھا جس کے دفع کی طرف سورۂ الم نشرح میں اشارہ ہے۔ ووجدک ضالاً فھدٰی چھ مہینے کے بعد پھر سورۂ مزمل نازل ہوئی اور پھر پے در پے قرآن نازل ہونے لگا۔ اعلاءِ کلمۂ حق سے مکہ میں ایک شور برپا ہو گیا، ایذاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اس سورہ میں بیشتر انہیں حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ مزمل اور نمازِ تہجد و ذکر و تبتل کا اشارہ ہے جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا بعد میں جلوت کا زمانہ آ گیا تھا جو ارشاد و ہدایت کے لیے ضروری تھا۔[1]

تبتل پر خیالِ بشری یہ اشکال پیدا کر سکتا تھا کہ پھر دنیاوی کام کیونکر چلیں گے۔ کھانا پینا، مرنا جینا، شادی غمی، تندرستی بیماری جو امور تمدنی ہیں ضرور بنی نوع کی طرف حاجت پڑتی ہے پھر سب سے الگ ہو جانا مشکل بات ہے۔ اس لیے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا کہ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی اہلِ مشرق و مغرب کی پرورش کرتا ہے پتھر میں کیڑے کو، گھونسلوں میں پرندوں کو، بیابانوں میں چرندوں کو روزی دیتا ہے۔ مشرق سے دن نکالتا ہے، جہان کو روشن کرتا ہے، تمام کاموں کے سلسلے جاری کر دیتا ہے، مغرب کا رب ہے، اندھیری چھا دیتا ہے، رات میں بسترِ خواب پر جس کو لٹا کر موت کا نمونہ دکھا دیتا ہے پس اسی کو اپنا کارساز بنا رکھ وہ آپ کے یہ کام سرانجام کر دے گا۔

فائدہ: عارف و کامل کے لیے دو باتیں ضرور پیش آتی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور خالق سے ہے۔ دوم یہ کہ جن کا تعلق اوروں سے بھی ہے اس لیے یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور متبعین کے لیے تبعاً قسم اول کی تعلیم تھی کہ ان کو عمل میں لاؤ اور وہ چار باتیں ہیں۔ (۱) قیامِ شب و نمازِ تہجد و قرأتِ قرآن عام ہے کہ آدھی رات سے یا دو ثلث یا ایک ثلث رات سے ہو۔ اس کے ضمن میں قیام شب کے فوائد بھی ارشاد کر دیے تھے کہ ہم تجھ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ عبادت و ریاضت سے اس کے لیے تیار رہ اور نیز رات کا اٹھنا نفس کشی کا بڑا عمدہ آلہ اور قرأت اور مناجات کا خوب وقت ہے۔ (۲) اس کے سوا ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھ۔ تبتل کے معنی: (۳) سب علائق کو توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو رہو۔ علائق توڑنے کے یہی معنی نہیں کہ زن و فرزند، بیع و شراء، کاروبارِ معاش کو معطل کر دو بلکہ تعلقِ خاطر اٹھا لو دل میں جگہ نہ دو اور ان پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دفعُ الوقتی اور ایام گزاری ملحوظ رکھو اور اسلام میں یہی تبتل معتبر ہے نہ رہبانیت کہ لنگوٹا باندھ کر جنگل میں پہاڑوں میں جا بیٹھو اس لیے کہ ایسا حکم انتظامِ عالم کو برہم کرتا ہے ہاں اگر خاص لوگ اپنے مناسبِ حال سمجھیں اور جذبۂ محبت ان کو دنیا سے بالکل الگ کر دے تو ان پر کچھ عتاب بھی نہیں۔ (۴) اس پر توکل کرو تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔ توکل صرف منہ سے کہنے کا نام نہیں بلکہ تدابیر و اسبابِ ظاہریہ کے بعد بھی یقین کامل رہے کہ وہی ہمارے کاروبار کا متکفل ہے وہی مصائب دفع کرتا ہے۔ اور ان حکموں میں عجب ترتیبِ طبعی ملحوظ ہے کس لیے کہ شب بیدار، تہجد گزار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے وہ دن میں بھی اس محبوبِ حقیقی کو نہیں بھولتا بلکہ اس مزہ میں رات کا منتظر رہتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطعِ

[1] اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتداء میں سخت ریاضتیں کی ہیں۔ چالیس روز کے روزے اور صحرانشینی اور رات کو جاگنا اور دعا نماز میں مصروف رہنا اور حواریوں کو تاکید کرنا اور دنیا سے بالکل الگ ہونا اور یہ فرمانا کہ خداوند پرندوں کو کھانا کھلاتا ہے اور سوسن کو جنگل میں سبز لتا پہناتا ہے وغیرہ بہت سی باتیں مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات ہیں اور اقوالِ نصائح میں بھی بالکل ایک ہی پھول کی خوشبو آتی ہے۔ ۱۲ منہ

تعلقات بھی ہو جاتے ہیں کس لیے کہ یہ تعلقات اس محبوبِ حقیقی کے وصال میں موانع اور رقیب ہیں۔ ایک دل میں دو مخالف خواہشیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اس پر تجلی اور شہودِ محبوب ہوتا ہے پھر اس کی آنکھ میں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے اس کے سوا کسی چیز کو ہستی میں نہیں سمجھتا۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم درکشد

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

اور کافروں کی باتوں پر صبر کرو اور عمدگی سے چھوڑ دو اور ہم کو اور جھٹلانے والے دولت مندوں کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو اور ان کو قدرے مہلت دو۔ کس لیے کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم اور گلا گھونٹنے والا کھانا اور سخت عذاب (موجود) ہے۔ جس دن کہ زمین اور پہاڑ لرزیں اور پہاڑ بھربھرے ریت کا ٹیلا ہو جائیں (آپس میں ٹکرا کر)۔

ترکیب: والمکذبین عطف علی المفعول او مفعول معہ اولی النعمۃ صفۃ للمکذبین او بیان او بدل قلیلا زمانا قلیلا یوم ظرف لمافی لدینا من معنی الفعل وقیل لعذاب۔ واصل مھیل مھیول فحذف الواو عند سیبویہ وسکنت الیاء وقیل قلبت الواو یاء۔

تفسیر: اس کے بعد قسم دوم کی باتیں ذکر فرماتا ہے جن کی اپنی آراستگی و درستی کے بعد مخلوق کے لیے ضرورت ہے اور وہ بھی چار ہیں۔ (۱) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کہ ان کی باتوں پر صبر کر۔ کفار کی باتیں کئی قسم کی تھیں۔ اول یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے اور گالیاں دیا کرتے تھے۔ دیوانہ، احمق اور سخت باتیں کہتے تھے جس سے جوش آتا اور درپے انتقام و مقابلہ ہونا ایک فطری بات ہے مگر اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا کس لیے کہ اس سے عداوت قائم ہوتی ہے جس سے ہدایت کا دروازہ بند ہوتا ہے جو کچھ کہیں کہنے دو، برا نہ مانو، اپنا کام عبادت و ہدایت کا کیے جاؤ۔ (دوم) وہ اپنے بتوں کی مدح اور ان کی کرامات کے کرشمے اور دارِ آخرت کا انکار کر کے لوگوں کو توحید اور آخرت کے مفید اعمالِ حسنہ سے روکتے تھے ایسی باتوں پر بھی خدا پرست طبائع کو غصہ آنا معمولی بات ہے مگر ابتداء میں ان کے جواب و مقابلہ سے روکا گیا۔ (۲) وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور ان بیوقوفوں کو اچھی طرح سے چھوڑ دے۔ ہجرِ جمیل یہ ہے کہ کینہ نہ رکھے، ان کو برائی اور ایذا پہنچانے کا قصد نہ کرے، نہ گلہ و شکوہ کرے، ہجو و توہین تو کجا جہاں تک ہو سکے بھلائی اور نصیحت سے بھی درگزر نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جب یہ اخلاقِ حمیدہ کفار سے برتے تو پھر ان کے دلوں پر ایک ایسا اثر ہوا کہ روز بروز سینکڑوں اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ واعظِ اسلام میں یہ باتیں شرط ہیں اگر ایسی طبیعت نہ ہو تو اس کو وعظ و ہدایت کی مسند پر بیٹھنا روا نہیں۔ کس لیے کہ بجائے ہدایت کے اس کے اخلاق درشت اور منتقم طبیعت اور لڑنے والی زبان سے اور بھی عداوت ہو کر لوگوں کو اپنی بری باتوں پر اصرار ہو جائے گا۔ (۳) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ کہ مالدار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دے آپ ان کے لیے بددعا بھی نہ کریں۔ (۴) ومھلھم قلیلا اور ان کو تھوڑی مہلت دیجئے۔ اول تو ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کو جو اپنے خداداد مال و جاہ

کا شکر یہ نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی ملے گی اور یہ چند روزہ مہلت ہے۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں بیڑیاں تیار ہیں اس لیے کہ ان پاؤں سے خدا کی راہ میں چل کر نہیں آتے تھے اور ان پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ فساد اور نفسانی خواہشوں اور ان کے لیے آگ جلانے والی بھی تیار ہے یہ ان کے عشق و محبتِ دنیا کی آگ ہے اور نیز دینِ حق کے مقابلہ کی آگ ہے اور شہوات ولذات کی بھی آگ ہے جو ان کے دلوں میں جلا کرتی تھی اب یہ اس میں جلا کریں اور کھانے میں گلا گھونٹنے والے۔ گلے سے نیچے اترتے ہی نہیں یہ ان کے دنیا میں عمدہ عمدہ کھانوں کا بدلہ ہے جو کھا کر شہوت پرستی اور بدکاری پر بدکاری کرتے تھے اور نیز یہ وہ بزرگانِ دین کی نصیحت بھی ہیں جو ان کے گلے سے نیچے دل میں نہیں اترتی تھیں اوپر ہی اوپر اڑا دیتے تھے اور یہ وہ شادمانیاں اور ناچ ورنگ اور کھیل تماشے بھی ہیں کہ جن میں مسرور اور خدا سے دور تھے۔ آج وہ گلو گیر ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے دردناک عذاب بھی ہیں۔ یہ سامان ان کے لیے تیار ہیں۔ مرنے کی دیر ہے اس چند روزہ زندگی میں جو کچھ کرنا ہے کر لیں اور یہ چیزیں پوری پوری ان کو کس دن ملیں گی يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ کہ جس دن زمین لرزے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ٹیلے ریت کے بن جائیں یعنی قیامت کے روز، اور قیامت سے پہلے بھی مگر کم۔ انجیل لوقا کے ۱۶ باب میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دولت مند کافر اور ایک غریب دیندار کا ذکر کیا ہے جو ناسور اور زخموں سے چور تھا اور کتے اس کے زخم چاٹتے تھے اور دولت کے پس خوردہ ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا تھا۔ قضا دونوں مر گئے العزر کہ جو غریب تھا فرشتوں نے لے جا کر ابراہیم علیہ السلام کی گود میں رکھا اور دولت مند کو دوزخ میں۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور اس کی گود میں العزر کو بھی اور اس نے پکارا کہ اے باپ ابراہیم علیہ السلام! مجھ پر رحم کر اور العزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور العزر بری چیزیں۔ سو اب یہ آرام پاتا ہے تو تڑپتا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک عمیق گڑھا ہے۔ اُدھر کے اِدھر اور اِدھر کے اُدھر نہیں جا سکتے تب دولتمند نے کہا۔ میں منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج میرے پانچ بھائی ہیں ان کو مطلع کرے تا کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ نہ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کے پاس انبیاء ہیں چاہیے کہ ان کی سنیں اس نے کہا اے باپ اگر مردوں میں سے کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب نبیوں کی نہ سنی تو مردوں کی کب سنیں گے۔ آیات کی تفسیر کے بعد ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نمازِ تہجد : اس کا وقت جمہور کے نزدیک آدھی رات ڈھلنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے اور جس کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہونے کا پورا بھروسہ نہ ہو تو وہ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا ہی کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ شب بیداری اور نمازِ تہجد کی حالت سورۂ مزمل کے بعد سے ایک طرزِ خاص پر نہ تھی۔ کبھی آپ عشاء پڑھ کر سو جاتے اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت پڑھتے، ان میں بہت کچھ قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔ سورۂ بقرہ و آل عمران وغیرہ اور یہ دو رکعت بڑی دیر میں تمام کرتے اور تھک جاتے تو لیٹ جاتے تھے۔ پھر اٹھ کر اس طور سے دو رکعت پڑھتے۔ کبھی چھ رکعت پڑھتے کبھی زیادہ دس تک پڑھتے پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے۔ بعض محدثین کے نزدیک چھ رکعت یا آٹھ

۱؎ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں ثواب وعذاب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ایماندار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظلِ عاطفت میں رہتے ہیں اس لیے شرعِ محمدی میں نماز میں ان پر درود وسلام مسنون ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مردے کو اپنے اقارب کا علم اور ان کی ہمدردی باقی رہتی ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں ہے یالیت قومی یعلمون وبما غفرلی ربی اور احادیث میں ان تمام باتوں کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

یا دس رکعت کے بعد متصلا ایک رکعت اور ملا دیتے۔ طاق کرنے کے لیے اور اسی کو وتر کہتے ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا گیا کہ وتر کی ایک رکعت جداگانہ بھی پڑھی ہے۔ صبح صادق کے بعد صبح کی دو رکعت پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے اور پھر نمازِ صبح پڑھاتے اور کبھی صبح صادق تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ تہجد میں بروایت مسلم جو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے تیرہ رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہیں۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں۔ اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر بھی نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور رکوع و سجود کے وقت اٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے تھے۔ کوئی خاص سورہ مقرر نہیں تھی۔ آپ نمازِ تہجد میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور قرآنِ مجید کبھی آواز سے کبھی آہستہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی تہجد میں دو رکعت اول جلدی تمام کرتے بعد کو طول دیتے۔ اور نماز میں اٹھنے سے پہلے بہت دعائیں پڑھتے تھے جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ
إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَٰنَ شِيبًا ﴿١٧﴾ ۝ السَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ
كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ ع ۱۹ ۱۳

ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا ایک رسول اس طرح سے بھیجا ہے کہ جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو وبال میں پکڑ لیا پھر اگر تم نے بھی انکار کر دیا تو تم اس دن کی مصیبت سے کیونکر بچو گے جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس دن پھٹ جائے گا اس کا وعدہ ہو کر رہے گا یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف آنے کا راستہ بنا رکھے۔

ترکیب : شاهدا وصف لرسولا وبیلا قال الاخفش شدیدا وبہ قال ابن عباس ومنہ مطر وابل وطعام وبیل اذا کان لایستمراء۔ یوما مفعول تتقون ای کیف تتقون یوما ان کفرتم وقیل مفعول کفرتم یجعل الجملۃ صفۃ یوم شیبا جمع اشیب والاصل فی شین شیب الضم وکسرت لمجانسۃ الیاء منفطر بہ والباء سببیۃ ویمکن ان تکون بمعنی فی۔ وانما قال منفطر ولم یقل منفطرۃ تنزیل السماء منزلۃ الشیء لتغیرھا عن صفتھا وقال الفراء السماء یذکر ویؤنث۔

تفسیر : قریش اپنے تکبر اور سرکشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوتے تھے اور ان کو فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس بھیجا تھا پھر اس نے سرکشی کی سزا پائی، غرق ہوا پھر تم فرعون سے زیادہ مالدار اور صاحبِ حشمت وشوکت نہیں ہو۔ یا یوں کہو کہ نبوت کے مسئلہ کی ضرورت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جب بدکاری اور بت پرستی ہوئی ہدایت کے لیے نبی آیا جیسا کہ پہلے فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے تھے تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا کیسا رسول! شاہدا علیکم تم پر تمہارے نیک و بدکاروں کی شہادت دینے والا وہ خدا کی طرف سے گواہی دیتا ہے کہ یہ کام برے اور ناپسند ہیں اور یہ کام عمدہ اور قابلِ نجات ہیں۔ یا یہ کہ وہ قیامت میں تمہارے اوپر گواہی دے گا جو کچھ تم نے کیا اور کر رہے ہو وہ سچا گواہ آسمانی عدالت میں تم پر ثابت کر دے گا اور تم کو ملزم ٹھہرائے گا اگر برائی سے باز نہ آؤ گے اور نیک کام اختیار نہ کرو گے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے

رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی توقیدِ فرعون سے نجات پائی۔ شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان وسرکش خوار وذلیل ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے، پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔ اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت منقول ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ انتہی متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔ مگر یہ بشارت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق عبرانی ترجمہ کے ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کرنا فرمایا ہے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت[1] دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہیں گزرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے، ایک فرومانده قوم کو سرکشوں کے پنجوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہیں تھے بلکہ خدا زاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا گئے۔ اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوئے باوجودیکہ آپ کے اقارب واولاد بھی تھی جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتحیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت وحرمت، طہارت و نجاست، قوانینِ عبادت، احکامِ معاملات اور دستورِ عبادات میں بہت مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی نئی شریعت ہی نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئے۔ وہ لوگوں میں صاحبِ شوکت اور ذوو جاہت تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور عاجزانہ پیرایہ میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی مخالف قتل نہ کر سکا اپنی موت سے مرے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ الغرض پیدائش سے لے کر شریعت واحکام اور زیست کے حالات اور موت اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسی مشابہت ہے اس کا سوواں حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر اے قریش! تم ہمارے نبی الرحمۃ کی وجہ سے دنیاوی ہلاکت سے بچ گئے یا جیسا کہ تم ڈھٹائی سے کہتے ہو کہ ہم دنیا

[1] اس تقدیر پر اس بشارت کا مصداق بنی اسماعیل میں سے برپا ہونا چاہیے اور بنی اسماعیل میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ایسا نہیں گزرا۔

میں ہر قسم کی مصیبت اٹھا سکتے ہیں تو کَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْماً یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْباً اس دن سے کیونکر بچو گے (اگر تم کافر رہے اور کفر میں مر گئے) جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی قیامت کا دن علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس دن کی شدت اور درازی سے کہ غم کے مارے لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے یا وہ اس قدر بڑا دن کفار پر ہوگا کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے کس لیے کہ وہ بڑا دراز دن ہوگا۔ بیضاوی فرماتے ہیں ھذا علی الفرض والتمثیل اور فرض کے طور پر ہے کہ اگر لڑکے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ غم والم سے بڑھاپا جلد آتا ہے۔ مطلب یہ کہ بڑا اندوہناک روز ہوگا۔ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ حشر کے وقت کا حال ہے اور اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ فتحۂ اول کا ہے اور دونوں کا ایک ہیبت ناک متصلاً حادثہ ہے سب کو ایک دن (بمعنی وقتِ مصیبت) بیان فرمانا پوری تشریح ہے۔ اور ان باتوں میں اے آدم زاد! کچھ شک وشبہ نہ کر۔ کس لیے کہ کَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا اس کا وعدہ جو اس نے رسول کی معرفت کیا ہے قیامت کے آنے کے بابت اور جزاء وسزا کی بابت ضرور ہو کر رہے گا اب جو تم کو سمجھایا اور ڈرایا جاتا ہے ان هذه تذکرة یہ محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی اور تم کو آگاہی کی جاتی ہے ورنہ اور کچھ غرض نہیں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ہم نے اپنے تک تقرب حاصل کرنے کی راہ بیان فرما دی ہے پھر جو چاہے ہمارے دربارِ لطف میں جگہ پانے اور ہمارے پاس آنے کا رستہ اختیار کر لے وقت ہے ورنہ دوسرے رستہ کا انجام جہنم اور مصیبتِ دائمی ہے ۔

درِ فیضِ الٰہی وا ہے آئے جس کا جی چاہے — خلاف اس کے رہِ دوزخ ہے جائے جس کا جی چاہے

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَ
طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ
تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ
سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ
فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ
مِنْهُ ۙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا
تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ
وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نمازِ تہجد میں) کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ کیا کرتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ تم اس کا تحفظ نہ کر سکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی (نصف وثلث کی قید اٹھا دی) تو جس قدر قرآن (تہجد میں) پڑھا جا سکتا ہے پڑھا کرو اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ لوگ خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں زمین پر سفر بھی کریں گے اور کچھ اللہ کی راہ میں بھی لڑیں گے پھر جو کچھ تمہیں اس میں سے آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے لیے قرضِ حسنہ دیا کرو اور اپنے لیے جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے تو اس کو اللہ کے پاس (جا کر) بہتر اور بڑے اجر کی چیز پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگا کرو بے

شک اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : انك الجملة مفعول **یعلم ونصفه** وثلثه بالنصب عطفا علی ادنیٰ کما قرء به ابن کثیر والکوفیون وبالجر عطفا علی ثلثی اللیل کما قرء الجمهور وطائفة بالرفع عطفا علی الضمیر فی تقوم وجری الفصل مجری التوکیدان لن تحصوه مخففة من الثقیلة واسمها ضمیر الشان محذوف ای انه لن تحصوه وکذا ان سیکون' یبتغون حال من الضمیر فی یضربون وما تقدموا الخ الجملة مبتداء تجدوه خبرا خیرا قرء الجمهور بالنصب علی انه مفعول ثان لتجدوا وهو فصل او بدل اوتاکید وقریٔ بالرفع علی انه خبر هو والجملة فی محل النصب علی انها مفعول ثان لتجدوا اعظم بالنصب عطفا علی خیرا او بالرفع لکونه خبرا ثان لهو او منصوب علی انه تمیز من اعظم۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز میں کبھی آدھی رات کے قریب سے اٹھتے جیسا کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی تہائی رات سے جیسا کہ اَوِانۡقُصۡ مِنۡهُ سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی دو ثلث رات سے اٹھتے تھے جیسا کہ اوزدعلیه سے سمجھا جاتا ہے اور نماز پڑھتے اور نماز میں قرآنِ مجید درد وسوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کمی زیادتی صحت ومرض اور غلبۂ شوق وفرحت اور خواب و بیداری سے تھی۔ اب عام ہے کہ یہ شب بیداری آپ پر اور آپ کے اصحاب پر فرض ہو یا بطور ندب یا آپ پر فرض اور لوگوں پر ندب علی اختلاف اقوال العلماء مگر مدتوں تک آپ اور آپ کے اصحاب اسی شب بیداری کے پابند رہے اور کم از کم ایک ثلث رات شب بیداری کو بہت ہی ضروری سمجھتے رہے۔ اس لیے رات کا اندازہ ستاروں سے کیا کرتے تھے۔ اس حالتِ محمودہ کو خدا تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَعۡلَمُ اِنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ کہ اللہ جانتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور آپ کے ساتھی دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات سے اٹھتے ہیں اور صحیح اندازہ رات دن کا اللہ ہی کرتا ہے کہ دراصل اب آدھی رات رہی یا ثلث یا دو ثلث مگر تم بھی اپنے نزدیک ان اوقات کی پابندی کرتے رہو اور اپنے اندازہ کے موافق دو ثلث ونصف وثلث رات میں اٹھتے رہو۔ اس کے بعد اس پابندی کو بھی اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے کس لیے کہ یہ دو ثلث ونصف وثلث کی پابندی تم سے ہمیشہ نبھ بھی نہ سکے گی کیونکہ بیماری بھی لگی ہوئی ہے اور سفر و جہاد بھی پیش آنے والا ہے پھر بیمار و مسافر اور مجاہدوں کے ہارے تھکے سے رات میں اٹھنا ایک شاق امر ہے اس لیے دو ثلث اور نصف اور ثلث کی قید بھی تمہارے لیے کوئی لازمی بات نہیں بلکہ جس قدر تم سے ہو سکے اتنی رات جاگو اور جس قدر قرآن بآسانی تم سے نماز میں پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔ اس مضمون کو ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ (ضمیر تحصوہ کی قیامِ لیل کی طرف پھرتی ہے) کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس پابندی کو نباہ نہ سکو گے فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ اس نے تم پر مہربانی کی۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ پر بحث: اس لیے حکم دیا کہ فاقرؤا ماتیسر من القرآن کہ جس قدر قرآن پڑھنا تمہیں آسان ہو اتنا پڑھ لیا کرو یا جس قدر نمازِ تہجد تم سے ادا ہو سکے کر لیا کرو (چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرأتِ قرآن سے تعبیر کیا جیسا کہ رکوع وسجود سے کرتے ہیں) اور یہ پابندی کس لیے تم سے اٹھا دی عَلِمَ اَنۡ سَیَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰی وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کہ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کسی کو سفر بھی درپیش ہوگا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے تجارت اور علم سیکھنے اور سکھانے کے لیے اور ہجرت کے لیے بزرگانِ دین سے ملنے کے لیے' غربا و مساکین یا درماندوں کی چارہ جوئی' حاجت براری کے لیے' ہر ایک سفر پر اللہ کے فضل ورحمت کی طلب کا سفر اطلاق ہو سکتا ہے اور نیز جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔ یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اس حکم کی پابندی کہ اس قدر رات سے اٹھو اور اتنا قرآن پڑھو ایک امرِ مشکل ہے اس لیے پھر بارِ دگر تم کو سنایا جاتا ہے کہ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡهُ کہ جس قدر تم سے بآسانی پڑھا جائے اس قدر پڑھو۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ربك یعلم الخ پہلے حکم قم الیل الخ کے ایک برس بعد نازل ہوئی ہیں اس قدر عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی پابندیِ خاص سے شب بیداری کرتے رہے اور راتوں کے جاگنے اور نماز میں کھڑا رہنے سے پاؤں بھی ورم کر آئے تھے جس پر قریش نے طعنہ کے طور پر کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن کیا اترا مصیبت میں پڑ گیا۔ اس کا جواب طورٰہ طٰہٰ میں دیا گیا کہ طٰهٰ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی الخ۔ اس بنا پر یہ آیات اول آیات کی کہ جن میں دو ثلث ونصف وثلث کی پابندی تھی ناسخ ہیں خاص پابندی کے لیے نہ تہجد کے لیے کیونکہ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡهُ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ تہجد میں قرآن پڑھنا ہنوز باقی ہے صرف اس قدر ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے پابندی نہیں۔ اس آیت سے تہجد کو منسوخ قرار دینا تحکم ہے۔ ہاں اگر فاقرؤا سے نفسِ قرآن پڑھنا نماز میں یا نماز کے باہر مراد لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نمازِ تہجد کا بقا نہیں سمجھا جا سکتا مگر فاقرؤا سے یہ تعمیم سیاقِ آیات کی منافی ہے۔ کس لیے کہ اول سے نماز تہجد اور اس میں قرآن پڑھنے کا ذکر چلا آ رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر ان علماء کے اقوال پر اس قرآن پڑھنے کو بھی منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ بعد کی آیت وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ سے بس صاف معنی آیات کے یہی ہیں کہ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی پابندی اٹھا دی ہے اور تہجد گزاروں کے شوق وفرصت پر چھوڑ دیا ہے اور حکمِ تہجد بدستور باقی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور امت پر مندوب۔[1]

اس کے بعد تین حکم اور دیتا ہے فقال وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا کہ نماز قائم کیا کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کو قرضِ حسنہ دو۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت شبِ معراج میں ہوئی اور یہ سورہ شبِ معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس وقت تک زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں آ کر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:

کہ گو پنجگانہ نماز اور زکوٰۃِ معینہ واجب نہیں ہوئی تھی مگر مطلقاً نماز اور زکوٰۃ تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع وسجود وقیام وقعود میں دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت دن میں کفار کا ہجوم رہتا تھا۔ صرف تہجد کی نماز تھی ممکن ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس قدر تم سے قرآن پڑھا جا سکے پڑھو اور نمازِ تہجد ادا کیے جاؤ' پابندی دو ثلث اور ثلث اور نصف کی نہیں اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سو اتوا الزکوٰۃ سے وہی خیراتِ مطلقہ مراد ہے اور اَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا تو اتوا الزکوٰۃ کی تاکید ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ خیرات دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنی کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا اور آخرت میں دے گا گویا وہ تمہارے اس دیے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تاکہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ اور قرضاً حسناً میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ناپاک اور حرام کا مال منظور ومقبول نہیں اور یہ بھی کہ فقیر کو طعنہ نہ دو اور دے کر کسی کو شرمندہ نہ کرو اس لیے حکم ہے کہ مخفی طور پر دے اور خلوصِ نیت سے دے۔ ان سب باتوں کو یہ لفظ شامل ہے اس میں خیرات کے سب آداب کی طرف اشارہ ہے لہٰذا اس کے بعد پھر اطمینان دلاتا ہے فقال وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ کہ جو نیکی تم اپنے لیے کرو گے اور آگے بھیجو گے تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَیۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بڑھ کر پاؤ گے، رائیگاں نہ جائے گی۔ ہم گن گن کر اور جمع کر کے رکھتے ہیں۔ مر کر جب آؤ گے بہتر اور بڑھ کر پاؤ گے ایک پیسہ کے دس پیسے کا ثواب بلکہ زیادہ کا موجود ہے۔ لانفسکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عبادت وخیرات میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں تمہارے ہی لیے فائدہ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور معافی مانگا کرو کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز وخیرات پر غرور نہ کرو اس کے بعد بھی معافی مانگا کرو جو مقتضائے عبودیت ہے اور نماز و

[1] مندوب مستحب ومسنون کریں تو ثواب نہ کریں تو کچھ عذاب نہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ میں جو کوئی قصور وفتور ہو جائے تو معاف کیا جائے آخر کار ہمارے فضل پر مدار ہے۔

فائدہ: علماءِ اصول نے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ پر ایک دلچسپ بحث کی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ما کے لفظ کو عام رکھ کر فرماتے ہیں نماز میں قرأتِ قرآن مطلقاً فرض ہے کوئی آیت اور کوئی سورۃ ہو اور چونکہ سورۂ الحمد کی بابت آ گیا ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ الحمد بغیر نماز نہیں اس لیے الحمد کا پڑھنا اور اس کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیت ملانا جیسا کہ اور احادیث سے ثابت ہے واجب ہے نہ فرض اور دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما تیسر کے عموم سے بقرینہ احادیثِ صحیحہ سورۂ فاتحہ مراد ہے اس لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہی ما تیسر من القرآن ہے۔

فائدہ: اس سورہ میں رسالت اور قیامت اور نیز توحید کا کامل ثبوت عجیب پیرایہ میں کیا گیا اور دارِ آخرت میں کارآمد باتوں کی تاکید اور تعلیم بھی کر دی کہ شب بیداری کرو نماز پڑھو، خیرات دو، یہی باتیں وہاں کارآمد ہیں اور مخالفوں کی ایذا پر صبر اور تحمل کرو کس لیے کہ دنیا کی عافیت اسی میں ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ دین و دنیا میں پھیل کر رہے گا فرعون کی شہ زوری جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی اسی طرح کفارِ عرب کی بھی نہ چلے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

اے کپڑے میں لپٹے ہوئے! کھڑے ہو کر ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بزرگی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور میل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔

ترکیب: المدثر اصلہ المتدثر ادغمت التاء فی الدال للمجانسۃ وقرء الجمہور بالادغام۔ والدثار ما یلبس فوق الشعار والشعار ما یلی الجسد ومنہ قولہ علیہ السلام الانصار شعار والناس دثار۔ فانذر الفاء فیہ وفیما بعدہ لافادۃ معنی الشرط کانہ قال ما یکن من شیء فانذر و کبر۔ وقال ابن جنی ھو کقولک زیدا فاضرب فالفاء زائدۃ وربك و ثیابك والرجز منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ تستکثر بالرفع علی انہ حال وبالجزم علی انہ جواب النھی وبالنصب علی تقدیر لتستکثر وقیل علی تقدیر ان وبقی عملھا۔

تفسیر: بخاری و مسلم وغیرہما نے نقل کیا ہے کہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن نے کہا سب سے پہلے یا ایہا المدثر نازل ہوئی اس پر یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ لوگ سب سے اول اقرء کا نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابوسلمہ نے کہا میں نے بھی یہ بات جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھی تھی تب اس نے کہا میں آپ کو وہی بات سناتا ہوں جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں غارِ حرا میں گوشہ نشین تھا جب نیچے اترا تو آواز آئی میں نے دائیں بائیں پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا تب اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا، آسمان و زمین کے درمیان۔ اس سے مجھے دہشت معلوم ہوئی اور گھر میں آیا اور یہ کہا کہ دثرونی دثرونی کپڑا اوڑھاؤ کپڑا اوڑھاؤ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک۔

علماءِ نے احادیث میں غور کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرء نازل ہوئی۔ مَالَمْ يَعْلَمْ تک اور پھر کچھ دنوں وحی بند رہی پھر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ اس کے بعد مزمل۔ بعض کہتے ہیں مزمل نازل ہونے کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ مگر یہ بالاتفاق ہے کہ یہ سورۃ بھی مکہ میں

نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی توحید وغیرہ کے مطالب ہیں۔

مناسبت اس سورہ کی سورۂ مزمل سے یہ ہے کہ سورۂ مزمل میں اپنے آراستہ کرنے کا حکم تھا کہ رات کی نماز و تلاوت سے پہلے خود کامل ہو جاؤ اس کے بعد اس سورہ میں لوگوں کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بقولہ فانذر۔ کس لیے کہ جب تک آپ کامل نہ ہوں تو دوسروں کی تکمیل کا انذار و تبشیر سے بیڑہ اٹھانا زیبا نہیں اس کے سوا دونوں کے مطالب میں بھی بہت کچھ مناسبت ہے۔ وہاں ابتداء یا ایہا المزمل کے ساتھ تھی یہاں یا ایہا المدثر کے ساتھ ہے اور دونوں کے معنی قریب قریب ہیں وہاں رات میں نماز و تلاوت کا حکم تھا یہاں اس کے شروط کپڑے اور جسم کی پاکی بتائی گئی وہاں بھی قیامت کا ہولناک واقعہ بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو بوڑھا کر دینے والا دن آنے والا ہے۔ یہاں اس کی نسبت فرمایا گیا يَوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ کہ وہ دن بڑا سخت ہے کافروں پر آسان نہیں وہاں خاتمہ میں تھا اللہ غفور رحیم اس سے بخشش مانگو یہاں بھی خاتمہ میں ہے اھل التقویٰ و اھل المغفرۃ کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہ بخشش والا ہے۔

فقال: یاایھا المدثر کہ اے کپڑا اپنے ہوئے۔ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہوا اور اس کے اوپر جو کپڑا ہو اس کو دثار کہتے ہیں اور ایسے کپڑے اوڑھے ہوئے کو مدثر۔ عام مفسرین اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ آپ سردی کی وجہ سے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اسی نام سے پیار سے یاد فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار مٹی پر سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے پیار سے فرمایا قم یا اباتراب۔

وجوہِ مدثر: اب اس کپڑا اوڑھنے کے چند وجوہ علماء نے بیان فرمائے ہیں: (۱) فرشتہ کو دیکھ کر دہشت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی جس لیے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس حالت میں تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور اسی حالت پر محبت سے خطاب کیا گیا۔ (۲) کفارِ قریش نے جمع ہو کر لوگوں کو آپ سے بدگمان کرنے کے لیے لفظ ساحر تجویز کیا اور پکار دیا تو اس سے آپ کو رنج ہوا اور طبعِ مبارک پر کسل طاری ہوا جس لیے کپڑا اوڑھ کر پڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو۔ (۳) آپ کپڑا اوڑھے سو رہے تھے اسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں جتلایا جاتا ہے کہ کپڑا منہ سے اتار اور نیند سے ہوشیار ہو اور منصبِ نبوت پر قائم یعنی آمادہ ہو۔ ایک گروہ علماء کا یہ کہتا ہے کہ ظاہری کپڑا اوڑھنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے۔ (۱) یہ کہ اے نبوت و رسالت کی چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جیسا کہ کہتے ہیں البسہ اللہ لباس التقویٰ وزینہ برداء العلم۔ (۲) یہ کہ کپڑا اوڑھنے سے آدمی مخفی ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے خلوت و گوشہ نشینی کی چادر اوڑھنے والے کب تک مخفی رہے گا کھڑا ہو اور لوگوں کو متنبہ کر۔ کس لیے کہ دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (۳) یہ کہ اے خلقِ عظیم اور رحمتِ عالمین کی چادر اوڑھنے والے اس لباس کو پہن کر چپ کیوں بیٹھے ہو کھڑے ہو اور لوگوں کو متنبہ کرو، دین حق کی منادی کرو۔

قُمْ فَاَنْذِرْ کھڑا ہو یعنی اس مرتبہ پر مستحکم و آمادہ ہو یا خواب گاہ سے اٹھ۔ قم کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر کھڑے ہو کر کیا کر۔ فانذر لوگوں کو ڈر سنا جیسے کہ آپ نذیر تھے، بشیر بھی تھے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا کس لیے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لیے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصولِ حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا۔

اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذابِ آخرت اور مصائبِ دنیا کی خبر دینا (جو بدکاری اور بت پرستی کا ثمرہ ہوتا ہے) بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوندِ عالم کی عظمت و جبروت بیان کی جائے اس لیے حکم ہوا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کہ اپنے رب کی عظمت و شوکت بیان کر اور اس کے آثارِ حیرت و قدرت اظہار کر تا کہ مشرکین کے دلوں سے (اس کی قدرت و یکتائی سن کر) بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نافرمانی پر جو بلا آئے گی اس کو ہمارے معبود دفع نہ کر سکیں گے۔

تکبیر کہنے پر بحث: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کو حق سبحانہٗ نے مرتبۂ نبوت وتبلیغ عطا کیا اس لیے اس خوشی پر تکبیر کہنا فرمایا۔ شادمانی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس لیے آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی نے اور اسی لیے اہلِ اسلام میں یہ عام دستور ہوگیا ہے کہ خوشی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اسی لیے نمازِ عیدین اور حج میں تکبیر باواز بلند کہی جاتی ہے بلکہ دشمنوں کے مقہور کرنے کے لیے اور آفات دور کرنے کے لیے بھی تکبیر اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ عظمت وہیبتِ الٰہی مخالف کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، مصیبت کو دفع کرتی ہے۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد میں اور ہر خوشی کے موقع پر اس آواز کو بلند کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے تحریمہ کے وقت اور رکوع وسجود کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ گو اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت نماز پنجگانہ فرض نہ تھی مگر نوافل تھے انہیں میں تکبیر کہنا مامور بہ تھا۔ ہر ایک معنی چسپاں ہوسکتے ہیں یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

طہارتِ جامہ و بدن فرض ہے : لیکن تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد حکم دیتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ علما کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ (اول) ثیاب اور طہر حقیقی معنی پر محمول کئے جائیں یہ معنی کہ ظاہری کپڑوں کو ظاہری نجاست سے دور رکھ اور جب کپڑوں کو دور رکھنا فرمایا تو بدن کو جو کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے بدرجۂ اولی نجاست سے دور رکھنا اور پاک رکھنا مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناپاک کپڑوں اور ناپاک بدن سے نماز درست نہیں کس لیے کہ نوافل و ذکر میں مومن کو ہمیشہ مشغول رہنا اور عالمِ قدس سے مناسبت پیدا کرنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس جماعت میں شامل ہوجائے اور کپڑے اور بدن کی نجاستِ ظاہری اس مناسبت میں خلل انداز ہے۔ گوہ، موت، منی، قے، خون، خنزیر، شراب، مردار ناپاک چیزیں ہیں اور اسی طرح حیوانات کا گوہ موت بھی ناپاکی ہے اور کتا وغیرہ نجس جانور اور ان کے پس خوردہ چیزیں بھی ان سے ہر وقت دور رہنا چاہیے خصوصاً نماز کے وقت تو فرض ہے۔ یہ حکم آپ کو اس لیے دیا کہ مشرکین اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لیے آپ کو اور آپ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ مشرکینِ مکہ آپ پر نجاست ڈال دیا کرتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ان کی حماقت کا خیال نہ کریں، کپڑے پاک کرلیا کریں۔ (دوم) کپڑے کو حقیقی معنی پر اور طہارت کو مجازی پر معنی باطنی پاکی پر محمول کریں یہ معنی کہ اپنے کپڑوں کو معنوی نجاست سے پاک کریں۔ غصب اور چوری کے کپڑے اسی طرح ناجائز کمائی کے اور وہ کہ جن پر تصاویر ہوں اور اسی طرح دامن نیچا اور ریشمی جو مردوں کے لیے درست نہیں معنوی ناپاکی رکھتے ہیں مسلمان کو دور رہنا چاہیے۔ خصوصاً یادِ الٰہی کے وقت ایسے کپڑے دور پھینک دینے چاہییں۔ اسی طرح مرد کے لیے زنانہ لباس اور زنانہ آرائش اور عورت کے لیے مردانہ لباس بھی معنوی نجاست ہے۔

(سوم) یہ کہ کپڑوں کے مجازی معنی اور طہارت کے حقیقی لیے جائیں، کپڑوں سے آپ کی ذات وصفات واخلاق مراد ہیں کہ آپ ان کی نجاست سے دور رکھیں۔ کپڑا بول کر شخص مراد لینا محاورہ ہے عرب کہتے ہیں الکرم فی بردیہ وطاھر الذیل ونقی الثوب جیسا کہ کہتے ہیں پاک دامن اپنے بدن کو استنجے وغیرہ سے پاک رکھیں اور بول وبراز منی وغیرہ سے پاک رکھیں کیونکہ طہارتِ ظاہری کو طہارتِ قلبی میں بڑا اثر ہے۔

(چہارم) دونوں کے معنی مجازی لیے جائیں تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنے دل کو صفاتِ مذمومہ سے پاک رکھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب کفار نے آپ کو ساحر کا لقب دیا اور آپ کو رنج ہوا تو یہ بدخلقی اور انتقام کا مقتضی تھا جس سے منصبِ انذار میں فرق آجانے کا موقع تھا۔ اس لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی حماقت سے وعظ نہ چھوڑیں اور ان کے اخلاقِ رذیلہ اور کج خلقی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اور یہ حکم اس لیے دیا کہ اول میں آپ کو مدثر فرمایا اور دثار لباس اور کپڑوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ جو جامہ آپ پہنے ہوئے ہیں اس جامۂ نبوت کو ان داغ دھبوں سے پاک رکھیں تاکہ تکبیر کا اثر نمایاں ہو اور تکبیر کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ کس لیے کہ اللہ کی کبریائی کا سب سے اول تکبیر کہنے والے کے دل اور اخلاق پر اثر ہونا چاہیے جس سے اس کا جامۂ انسانیت شہوت ولذات اور غضب وکبر کے دھبوں سے پاک ہوجانا لازمی بات ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ رجز بالکسر عذاب کما فی قولہ رجزا من السماء اور بالضم بمعنی قبیح ومستقذر۔ یہ ثِيَابَكَ

فَطَهِّرْ کا تکملہ ہے اگر اس جگہ بدن اور کپڑے کی ظاہری طہارت مراد تھی تو یہاں طہارتِ باطنی مراد ہے اخلاقِ رذیلہ سے غرض یہ کہ ظاہر و باطن کو پاک رکھ اور منجملہ نجاساتِ قلبیہ کے جو ہادیِ دین کے لیے دھبہ لگانے والی بات ہے طمعِ دنیا ہے۔ اس لیے بالتخصیص اس سے بھی منع کیا۔ فقال وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی قرآن مجید کی تعلیم وتبلیغ احکامِ الٰہی کا کسی پر احسان نہ جتلا کہ تو مریدوں، معتقدوں کی کثرت کرکے مال وجاہ پیدا کرے اور لوگوں سے کچھ حاصل کرے یا کسی کو کچھ دے اور حاجت براری اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے زیادہ دے گا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی طمع ہے بعض اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دے اس کو بہت نہ سمجھ یا یہ کہ کسی پر احسان جتانے کو نہ دے۔ ان سب مکارمِ اخلاق تعلیم کرنے کے بعد اس شخص کے لیے جو مسندِ انذار پر بیٹھے لوگوں کی بدگوئی اور ایذا پر صبر بھی ضرور ہے ورنہ ارشاد و تعلیم کا دروازہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کر۔ اس میں بندوں کی دولت وثروت کا لحاظ نہ کر بلکہ خاص اللہ کی رضامندی کا۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ کے لیے اوامر وفرائض کا بوجھ اٹھا ان پر قائم رہ۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ
يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ
شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ
كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ
قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَ
اسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾
سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ
لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ
وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ
اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ
وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

ع ۱۵

پھر جبکہ صور پھونکا جائے گا تو وہ دن مشکل کا دن ہوگا منکروں پر آسان نہ ہوگا مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے اکیلا پیدا اور اس کو بڑھنے والا مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے ہر قسم کی تیاری کی پھر امید رکھتا ہے کہ اس کو اور بھی دوں گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف رہا ہے میں اس کو بھی جھنڈی[1] پر چڑھاتا ہوں کیونکہ اس نے سوچا اور تجویز کیا پھر غارت ہوا پھر غارت ہو کیسی تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے ہم اس کو ابھی جہنم میں بٹھائیں گے اور تو (اے مخاطب!) کیا جانے کیا ہے جہنم وہ نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے آدمی کو (دور سے) تاکتی[2] ہے اس پر انیس شخص مقرر ہیں اور ہم نے دوزخ پر فرشتہ ہی رکھے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنائی ہے تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کرلیں اور ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہلِ کتاب اور ایماندار شک نہ کریں اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے اور کافر یہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا غرض ہے؟ اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ تو محض لوگوں کی نصیحت ہے۔

ترکیب : فاذا واللبسبیہ کانہ قیل اصبر علی اذاھم فبین ایدیھم یوم ھائل یلقون فیہ عاقبۃ امرھم۔ والعامل فی اذا ماول علیہ قولہ فذلک لانہ اشارۃ الی النقر ای وقت النقر وقیل ماول علیہ عسیرای یعسر نقر **بنفخ** الناقور علی وزن فاعول من النقر بمعنے التصویت فذلک اشارۃ الی وقت النقر مبتداء یومئذ بدل منہ اوظرف بخبرہ یوم عسیر خبرہ غیر یسیر تاکید وقال الانقش اذا مبتداء والخبر فذلک والفاء زائدۃ یومئذ ظرف لذلک وقیل ھوفی موضع رفع بدل من ذلک اومبتداء ویوم عسیر خبرہ والجملۃ خبر ذلک وعلی یتعلق بعسیر اوھی لغت لہ اوحال من الضمیر الذی فیہ ومن مفعول معہ اومعطوف علی الضمیر المنصوب۔ وحیدا حال من الیاء ای ذرنی وحدی معہ فانی اکفیکہ اومن التاء ای ومن خلقتہ وحدی لم یشرکنی فی خلقہ احد ومن العائد المحذوف ای ومن خلقتہ فریدا لامال لہ ولا ولد وھذا ذم فانہ کان ملقباً بہ فسماہ اللہ تعالیٰ بہ تحکماً واستہزاءً اوارادۃ وحید ولکن فی الشرارۃ اوعن ابیہ لانہ کان زنیماً لاتبقی مستانفۃ اوحال من سقر والعامل فیھا معنی التعظیم لواحۃ بالرفع ای ھی لواحۃ وبالنصب مثل لاتبقی اوحال اوعلی الاختصاص۔ تسعۃ عشر مبتداء وھذہ الکلمۃ مرکبۃ وکلا الجزء ان مبنیان علی الفتح وقرئ عشر بالاسکان لتوالی الحرکات وقرئ اعشر جمع عشیر۔ علیھا خبر مقدم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اللہ کے لیے مخالفوں کی بے حد تکالیف پر صبر کیجئے اب اس صبر کا انجام بیان کرتا ہے اور آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ کہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن آنے والا ہے جو کافروں پر سخت ہوگا کچھ آسانی ان کے لیے نہ ہوگی وہ دن وہ ہے کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس روز یہ لوگ اپنے کئے کی سزا پالیں گے اور آپ کو صبر کا بدلہ ملے گا۔

منجملہ ان ایذا دینے والوں کے کہ جن کی ایذاء پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ایک شخص ولید بن المغیرہ تھا چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی اولاد بھی بہت تھی اور بڑا عزت دار کہلاتا تھا۔ اس کو لوگ وحید یعنی یکتا اور یگانہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ اب آیندہ آیات میں اس کی ایذا کا اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اس پر فضل وکرم کیا تھا اس کا ذکر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتا ہے اور عام ایمانداروں کو متنبہ کرتا ہے کہ دنیاوی مال وجاہ واولاد وحشمت اس کا فضل وکرم ہے، اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادوں سے مقابلہ کرے۔ جس کا انجام دنیا کی بربادی اور آخرت کا ابدی جہنم ہے۔ اخیر رکوع تک اسی کا حال ہے اور کچھ جہنم کے

---

[1] جھنڈی پر چڑھانا محاورہ ہے بدنام کرنے اور بلا میں مبتلا کرنے کا۔ ۱۲ منہ

[2] جن میں ذرا بھی آدمیت ہے ان کو بدی کرنے پر یہیں سے جہنم دکھائی دے جاتی ہے وہ بدی کرکے پشیمان ہوتے ہیں اس کی لپٹیں ان کے دل کو جلاتی ہیں اس لیے برے کام نہیں کرتے۔ ۱۲ منہ۔

داروغوں کا جو ملائکہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ولید کو اپنے زور اور اقارب کی حمایت کا بڑا غرور تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے جہنم میں کون عذاب دے سکتا ہے؟ اس لیے بیان کیا گیا کہ وہاں بڑے طاقتور فرشتے متعین ہیں اور وہ انیس[1] ہیں اور ان کی یہ تعداد اس لیے بیان کی گئی کہ اہلِ کتاب کو اور ایمانداروں کو یقینِ کامل ہو اور کافر اور بھی تمسخر کرکے مصیبت اور آزمائش میں پڑیں کس لیے کہ یہ نکتہ ان کی ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خلاصۂ مطلب ہے آیات کا۔ ولید بن المغیرہ کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو کچھ قرآن سنایا جس سے اس کا دل نرم ہوا یہ خبر ابوجہل کافر کو بھی پہنچی۔ تب ولید کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے چچا! آپ کی قوم چندہ کرکے آپ کو دینا چاہتی ہے اس نے کہا قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں۔ تب اس نے کہا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کوئی ایسی بات کہئے جس سے آپ کی قوم کو معلوم ہو کہ آپ ان کے منکر ہیں۔ اس نے کہا میں کیا کہوں مجھ سے زیادہ کوئی شعر سے بھی واقف نہیں۔ ہر قسم کے اشعار سے واقف ہوں۔ جنوں کے اشعار بھی مجھے معلوم ہیں۔ خدا کی قسم! اس کا کلام شعر نہیں بلکہ اس میں شیرینی اور برکت ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم آپ کی قوم ہرگز خوش نہ ہوگی جب تک کہ ان کے حق میں کوئی بری بات نہ کہیں گے۔ تب اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ فکر کرکے تجویز کروں تب اس نے فکر کرکے تجویز کی کہ یہ جادو ہے جو کسی سے سیکھا ہے۔ اس پر یہ آیات ذرنی ومن خلقت وحیداً الخ نازل ہوئیں۔ (اخرجہ حاکم والبیہقی فی الدلائل) ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر روئے سخن تمام ناشکر دولت مندوں کی طرف ہے اور اسی لیے اس کا نام نہیں لیا گیا ولید کی تخصیص نہیں۔

فرماتا ہے چھوڑ مجھے اور اس کو کہ جس کو میں نے خود پیدا کیا نہ اس کے جھوٹے معبودوں نے یا یہ معنی کہ جس کو میں نے یگانہ پیدا کیا۔ اس میں اس پر تعریض بھی ہے کہ جب پیدا ہوا تھا کیا ساتھ لایا تھا، اکیلا تھا، اولاد مال کچھ نہ تھا۔ یہ سب ہم نے دیا۔ یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو وحید کہلاتا ہے اسی لقب سے اس کو استہزاءً یاد کیا کہ آپ بڑے یگانہ اور یکتائے روزگار ہیں۔ اور اس میں یہ بھی تعریض ہے کہ باپ نہیں اکیلا ہے یہ چوٹ ہے اس پر کس لیے کہ قریش میں یہ زنیم یعنی بدنسل مشہور تھا۔ مدتوں تک اس کا باپ کہتا رہا کہ میرا نطفہ نہیں۔ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور اس کو بہت مال دیا۔ زجاج کہتے ہیں مالِ ممدود سے مراد ہے مالِ غیر منقطع مد کے معنی درازی کے ہیں جو بڑھنے سے علاقہ رکھتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ولید کے پاس بہت مال تھا تجارت سے بھی بہت نفع حاصل ہوتا تھا اور طائف میں اس کے باغ اور زمینیں تھیں۔ اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری ہر قسم کا مال تھا۔ ان سے نفع حاصل ہوتا تھا اور ہر ایک میں سے نفع آتا تھا، روز افزوں تھا۔

وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا (یہ مالاً پر عطف ہے بجعلت کا مفعول ہے) کہ میں نے اس کے لیے بیٹے دیے۔ کیسے؟ جو حاضر رہتے تھے دولت کی وجہ سے باہر جانے اور غائب رہنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ مجلسوں میں باپ کے ساتھ جب یہ دیدار و بیٹے آتے تھے تو ایک شوکت مجلس پر نمایاں ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں تیرہ بیٹے تھے، مقاتل کہتے ہیں سات تھے سب لڑکے ہی تھے لڑکی نہ تھی۔ ان میں سے ہشام اور خالد بن ولید اور ولید بن الولید مسلمان ہوگئے تھے۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور ہم نے عزت و مال و جاہ کو اس کے لیے فرش کردیا۔ تمام قریش اس کی عزت کرتے تھے اور اسی لیے اس کو وحید اور ریحانۂ قریش سے ملقب کرتے تھے۔ تمہید کے معنی بچھانے کے ہیں اور اسی سے مہد الصبی ہے۔

ان سب خوبیوں کے بعد باوجود اس کفر وعناد و ناشکری کے پھر بھی امید کرتا ہے۔ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ کہ ہم اس کو دنیا میں یا آخرت میں اور زیادہ دیں گے؟ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو سب سے زیادہ جنت کا میں مستحق ہوں کس لیے کہ سردار اور عزت والا ہوں۔ نہ یہ غریب ومفلس مسلمان۔ فرماتا ہے كَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا کہ وہ ہماری آیاتِ قدرت کا مخالف رہا ہے کبھی ان میں غور نہیں کیا اور اپنے اوپر جو نعمتیں ہیں ان کو بھی اس کا فضل نہیں سمجھا بلکہ اپنے بخت کی یاوری جانتا رہا اور آیاتِ قرآنیہ کا بھی دیدہ ودانستہ

---

[1] انیس شخص یا انیس قسم کے ملائکہ۔ ۱۲ منہ

مخالف رہا ہے۔ کس لیے کہ جب قریش نے اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لیے کون سا لقب تجویز کرنا چاہیے تا کہ ایام حج میں جو لوگ آئیں یہ سن کر اس سے دور رہیں تو اس نے سوچ کر کہا کہ وہ شاعر نہیں کس لیے کہ میں شعر سے واقف ہوں اور نہ مجنوں ہے کس لیے کہ وعظ و پند مجنوں کا کام نہیں اور نہ کاہن ہے کس لیے کہ کاہن کی کوئی بات جھوٹی کوئی سچی ہوتی ہے اس کی تمام باتیں سچ نکلتی ہیں اور جادوگر بھی نہیں کس لیے کہ جادو کے منتر اول تو بیشتر مہمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں یہ انوار اور دلکشی کہاں اور نیز جادوگر طامع ہوتے ہیں اس کو شاہ و گدا کی کوئی پروا نہیں۔ طمع اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور نیز جادوگر ناپاک اور سیاہ باطن ہوتے ہیں اس کے انوارِ باطن اس کے چہرہ پر چمکتے ہیں مگر جب قریش نے اصرار کیا تو سوچ سوچ کر منہ بنا کر کہا لو معلوم ہو گیا وہ جادوگر ہے مگر یہ جادو نہیں بلکہ سحرِ بابل کسی سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے کس لیے کہ یہ جادو ہی کی تاثیر ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے باپ کو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ قرآن مجید کو من اللہ جانتا تھا مگر جان کر اس کے مٹانے میں کوشش کرتا تھا اور ایسے شخص کو عنید کہتے ہیں اس کے عناد کا بدلہ بجائے اس کی طمعِ خام کے اس کو یہ ملے گا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کہ ہم ابھی اس کو مصیبت کے پہاڑ پر چڑھائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ ایک محاورہ ہے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا جیسا کہ اس آیت میں یَسلکه عذابا صعدا بعض کہتے ہیں صعود جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے اس پر چڑھایا جائے گا، اس کی دنیاوی عزت و بلندی کے مقابلہ میں جس کی اس نے شکر گزاری نہ کی تھی۔ جس حدیث میں صعود کو جہنم کا پہاڑ بیان کیا ہے اس کو احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن حبان و حاکم و ابن مردویہ و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے اس کو ابن لہیعہ نے دراج سے روایت کیا ہے اور کسی سے ثابت نہیں۔ اور ابن کثیر ابن جریر کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے عناد کی کیفیت بیان فرماتا ہے اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ کہ اس نے باوجود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے محض قریش کے کہنے سے سوچ اور فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے اس لیے اس کی اس سوچ اور تجویز پر پھٹکار بھیجتا ہے۔ فقال فُقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ لعنت ہو اس پر مارا جائے وہ اس نے کیونکر یہ تجویز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کی۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ پھر اس پر لعنت ہو وہ مارا جائے باوجود عقل و فہم کے اس نے ایسی بیہودہ اور بے اصل بات کیونکر تجویز کی۔ دوبارہ اس کلمہ کو تاکید اور اظہارِ غضب کے لیے استعمال کیا یا اس لیے کہ باوجودیکہ پہلے جان چکا تھا ایک بار اس لیے لعنت کا مستحق ہوا مگر اس لیے کہ اس نے سوچا اور اس کے فکر نے یہ فتویٰ نہ دیا مگر عناد کی وجہ سے جادو کہہ دیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ثُمَّ نَظَرَ اس نے پھر حضرت ﷺ کے حالات میں نظر کی اور کوئی بات جادوگری اور کہانت اور جنون کی نہ پائی اور جب اس کی طبیعت اور ذہن نے اس کو جواب دے دیا اور طعن کا کوئی رستہ نہ ملا ثُمَّ عَبَسَ تو پھر ترش روئی کی وَبَسَرَ اور تیوری چڑھائی ثُمَّ اَدْبَرَ حق اس پر ظاہر ہوا مگر اس نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وَاسْتَكْبَرَ اور سرداری اور مال کے غرور میں آ کر فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یہ کہہ دیا کہ یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے بابل یا عجم سے یا پہلے ساحروں سے سیکھا ہے۔ حال کا جادو نہیں بڑا قدیم جادو ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ بلکہ یہ آدمی کا کلام ہے۔ اس عناد کی سزا یہ ہے کہ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ کہ ہم اس کو ابھی سقر میں داخل کریں گے۔ یہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے جس میں اس قسم کے معاندین ڈالے جائیں گے۔ پھر سقر کی ہولناک حالت بیان کرنے کے لیے جیسا کہ محاورۂ عرب ہے فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! کیا آپ جانتے ہیں کہ سقر کیا ہے پھر اس کی چند صفت بیان فرماتا ہے۔

اول قول۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ کہ کسی جنس کو جو اس میں داخل ہونے کے قابل ہے باقی نہیں چھوڑے گی یا یہ کہ ہڈی اور گوشت پوست کو باقی نہ چھوڑے گی، جلا دے گی اور پھر جلانے سے وہ چھوٹ نہ جائیں گے بارِ دگر جسم تیار ہوگا اور جلے گا ابدالآباد یہی معاملہ رہے گا۔

دوم۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ آدمیوں کو بڑی دور سے دکھائی دینے والی ہے۔ کمافی قولہ وبرزت الجحیم آخرت میں دور سے نظر آئے گی اور جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کو یہیں سے دکھائی دیتی ہے یا یہ معنی کہ جھلس دینے والی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں لاحہ الحر والبرد والحزن والسقم اذا غیرہ۔ (۳) اس کے داروغہ جو اس پر معین کئے گئے ہیں انیس شخص ہیں۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ان انیس فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کی وجہ[1] تو وہی ہے کہ جو آئندہ آیات میں حق سبحانہٗ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کی آزمائش اہلِ کتاب کی تصدیقِ ایمانداروں کے ایمان کا استحکام مگر تعداد میں جو کچھ حکمت ہے اس کی بابت علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دوزخ غضب و قہرِ الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت کا مظہر ہے اور تمام کارخانوں کے انجام کے لیے روحانیات و ملائکہ متعین ہیں۔ عرش، کرسی، سات آسمان چار عنصر آب، آتش، ہوا، خاک اور تین مواليدِ ثلثہ حیوانات نباتات و جمادات اور پھر حیوانات میں سے انسان اشرف ہے اس کی بنیاد اور اجراءِ کار ان تین لطیفوں پر ہے طبع کا محل اس کا جگر ہے قلب کہ فرحت و سرور اور حیات کے کارخانے اس سے متعلق ہیں اور دماغ کہ حس و ادراک اس سے متعلق ہے۔

یہ سب انیس چیزیں ہوئیں ان انیس چیزوں کے موکلات ملائکہ ہیں۔ عذابِ دوزخ کے سرانجام دینے کو بھی وہی انیس ملائکہ موکل ہوں گے۔ ان میں جو موکلِ عرش ہے وہ مالک ہوگا اس کو وہاں کے کارخانہ کا بادشاہ سمجھنا چاہیے اور کرسی کا فرشتہ اس کا دیوان اور اسی طرح ہر آسمان کا فرشتہ ایک ایک خدمت پر معین ہوگا اور اسی طرح عناصر کے فرشتے اپنے اپنے موافق سرانجام دیں گے۔ معدنیات کا فرشتہ لوہے کی زنجیریں ڈالے گا۔ نباتات کا زقوم کا درخت کھانے کو دے گا، حیوانات کا سانپ بچھوؤں کو ڈسنے کے لیے متعین کرے گا، طبع کا موکل پیاس بھوک دے گا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کریں گے۔ قلب کا فرشتہ خوف اور غم اور بے حد رنج دے گا دماغ کا فرشتہ جو عقل کا محل ہے ان کو اس کی گزشتہ خطاؤں پر متنبہ کرے گا اور ان کے خیالاتِ فاسدہ و تخیلاتِ باطلہ کی کہ جس میں وہ گرفتار تھے قلعی کھولے گا جس پر حسرت اور افسوس پر افسوس ہوگا۔

دوسرا قول۔ اربابِ حکمت کا قول ہے کہ نفسِ انسانیہ کا خراب اور درست ہونا اس کے قویٰ کی خرابی و اصلاح پر موقوف ہے اگر اس کے قویٰ نیک اور عمدہ باتوں میں صرف ہوتے ہیں تو نفسِ ناطقہ کمال کو پہنچتا ہے اور بعد مفارقتِ بدن اس کمال کے سبب عالمِ قدس میں آرام پاتا ہے اور اگر برے کاموں میں صرف ہوتے ہیں تو اسفل چیزوں میں داخل ہو کر جہنم میں جاتا ہے کیونکہ اسفل اور خسیس چیزوں کا وہی مقام ہے اور انسان میں انیس قوت ہیں کیونکہ دس تو قوائے حیوانیہ ہیں۔ پانچ ظاہریہ جن کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ آنکھ، ناک، دیکھنا، سونگھنا، ٹٹولنا، سننا، چکھنا اور پانچ باطنیہ ہیں حسِ مشترک وغیرہ اور سات قوائے طبعیہ ہیں۔ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، غاذیہ، نامیہ، مولدۃ اور دو قوت اور ہیں ایک قوتِ غضبیہ دوسری شہویہ سب انیس ہوئیں۔

پس جب منشاء و فساد یہ انیس قوتیں تھیں تو انتقام کے گھر میں ہر ایک قوت کی ناشکری میں ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا تا کہ انیس قسم کا عذاب ہو اور ہر قوۃ کا مزہ چکھے۔ دنیا کے عمدہ نظاروں کے بدلہ ہیبت ناک چیزیں دیکھنی پڑیں، مزیدار اور پُرشہوت نغمات کے بدلہ رنج دہ باتیں سننی پڑیں علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا قول علماءِ کلام کا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہوں گے۔ ایک دروازہ پر کہ جس میں سے مسلمان گناہگار جائیں گے صرف ایک ہی فرشتہ نگہبان ہوگا کس لیے کہ اس نے تین باتوں میں سے صرف ایک ہی ترک کی تھی اور وہ تین یہ ہیں، اعتقاد بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان اور باقی چھ دروازوں پر تین تین فرشتے ہوں گے۔ ہر ایک فرشتہ ایک ایک بات کی پرسش کرے گا عذاب دینے کے لیے، اس لیے انیس ہوئے۔

---

[1] یعنی فرشتوں کی تعداد میں کیا رمز ہے۔

چوتھا قول واعظوں کا ہے وہ کہتے ہیں دن رات کے چوبیس گھنٹے یا گھڑی یا ساعت ہوتی ہیں۔ پنجگانہ نماز کی برکت سے پانچ گھنٹوں کو تو معاف کیا جائے گا باقی ہر ایک گھنٹے کے ضائع کرنے پر ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ اس تعداد پر کفارِ مکہ مضحکہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالاشد نے قریش سے کہا کیا غم ہے قیامت کے دن دس کو دائیں کندھے سے پھینک دوں گا اور نو کو بائیں سے اور ہم نکل کر جنت میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اور ابوجہل نے کہا اے قریش! تمہاری اس قدر جماعت ہے کیا ہم میں سے سو آدمی ایک کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ ان بیہودہ دماغوں کو دوزخ کے داروغوں کی حالت بیان کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا۔ وَمَاجَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً کہ ہم نے دوزخ پر اور کوئی معین نہیں کئے بلکہ فرشتہ جن کی قوت کا بنی آدم کی قوت سے نسبت نہیں۔ ایک فرشتہ لاکھوں کروڑوں کو کافی ہے اور نیز وہ غیر جنس ہیں رعایتِ مروت رحم بھی نہ کریں گے۔ وَمَاجَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا اور ان کی تعداد انیس کافروں کے عذاب کے لیے ہم نے کی تاکہ انیس قسم کا عذاب کریں اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ کافر آزمائش میں پڑیں، ان کی تعداد کو کم سمجھ کر تمسخر کریں اور کفر میں دلیر ہوں تقدیرِ الٰہی میں ان کا گمراہ ہونا بھی ٹھہر چکا ہے۔

اس کے بعد ظاہر کرتا ہے کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں چار فائدے ہیں۔ (اول) لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تاکہ اہلِ کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کامل یقین ہو کس لیے کہ وہ فرشتوں کی طاقت کے قائل تھے۔ سدوم اور عمورہ لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دو فرشتوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ توریت سفر پیدائش کے ۱۹ باب میں یہ واقعہ موجود ہے اور اس کے علاوہ اور بہت واقعات ہیں جن سے فرشتوں کی طاقت معلوم ہوتی ہے اور اس بات کے بھی اہلِ کتاب قائل تھے کہ جہنم میں کفار و بت پرست ڈالے جائیں گے اس بات میں بھی اس آیت سے دارِ آخرت کے معاملہ میں ان کو وثوق اور تعین ہونا ایک معقول بات ہے۔ کس لیے کہ یہود میں دو فرقے تھے۔ ایک قیامت اور وہاں کے عذاب اور حشر بزپا ہونے کا منکر تھا اور ان کو صدوقی کہتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی خاوند والی عورت کی بابت ایک سوال بھی کیا تھا کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو وہ کس کو ملے گی۔ انجیل متی باب ۲۲۔ اور ایک فریق قیامت کا قائل تھا یہ بیان ان کے اعتقاد اور آخرت اور وہاں کے عذاب و ثواب کو قوت دینے والا ہے۔ اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی خدا ترس اہلِ کتاب کو یقین کرنے کا موقع ہے۔ جس نے ایک مختلف فیہ مسئلۂ آخرت کا فیصلہ کر دیا۔

(۲) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا کہ ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو جائے یعنی اور بھی تقویت ہو جائے کس لیے کہ اب تک قرآن میں جہنم کی زیادہ تشریح نہ تھی اس سے ان کے اعتقاد میں اور بھی قوت ہو جائے گی کس لیے کہ اجمال کے بعد تفصیل علم اور یقین کو قوی کرنے کی بات ہے۔ (۳) وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ تاکہ اہلِ کتاب اور ایمانداروں کو آخرت کے بارہ میں شک نہ ہو یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک نہ ہو۔ ان کو شک نہ تھا مگر اور اہلِ شک پر اس میں تعریض ہے۔ اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ (۴) وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا تاکہ جن کے دلوں میں شک ہے اور منکر ہیں یہ کہیں کہ اس مثل یعنی بیان سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی وہ اس میں نکتہ چینی کر کے اور زیادہ گمراہ ہوں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اس کے لیے اسبابِ ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے یا اسبابِ گمراہی پیدا کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے یعنی جس طرح جہنم اور اس کے کارکنوں کے بارے میں کسی کو سمجھ میں آنے اور ایمان لانے سے ہدایت ہوئی اور کسی کو سمجھ میں نہ آنے اور انکار کرنے سے گمراہی ہوئی ہر معاملہ میں ایسا ہی کرتا ہے کسی کو اس بات کے سر سے مطلع کرتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو

نہیں ہوتی اس لیے شک اور تردد میں پڑ کر انکار و تمسخر سے پیش آتے ہیں یہی وہ ضلالِ مبین ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انیس تو سردار ہیں باقی ہر ایک کے متعلق جس قدر تعدادِ کثیر تابع ہے وہ بے شمار ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وہ بیشمار لشکر تیرے رب کے ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان چڑچڑ بولتا ہے اور بولنا چاہیے۔ کس لیے کہ کوئی انگلی دھرنے کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو۔ عالمِ محسوس میں ٹڈیوں اور چیونٹیوں اور مچھر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تعداد پر عقل حیرت میں آجاتی ہے۔ پھر عالمِ روحانی کی وسعت اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد اس کے سوا اور کون جان سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ کہ جہنم انسان کے لیے ایک نصیحت دینے والی چیز ہے کہ اس کے حالات سن کر غضب و قہرِ الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں نہ کہ یہ سن کر انکار کریں اور تمسخر سے پیش آئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں ماھی کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے جو جہنم کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ یہ آیات بشر کے لیے پند و نصیحت ہیں۔

فائدہ: اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت مکہ میں نہ اہلِ کتاب تھے نہ وہاں کوئی منافق تھا کہ جن کے دلوں میں شک کا مرض ہو پھر ان آیات میں اہلِ کتاب کا ذکر آنا تاکہ اہلِ کتاب یقین کریں اور ان کے اور ایمانداروں کے دلوں میں شک نہ پیدا ہو اور اسی طرح منافقوں کا ذکر آنا تاکہ جن کے دل میں شک ہے اور کفار یہ کہیں کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کے اس بیان سے کہ جہنم پر انیس فرشتے ہیں کیا مراد ہے، ایک بے موقع ذکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ دین مکہ کے پہاڑوں ہی میں بند نہ رہے گا بلکہ دنیا میں پھیلے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ نبی علیہ السلام مدینہ میں تشریف لے جائیں گے وہاں منافق بھی ہوں گے اور اہلِ کتاب بھی اور وہ اس سورۂ مبارکہ سے بھی مطلع ہوں گے اس لیے ان کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آگیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے۔ اگر آپ کو منجانب اللہ اس دین اور وحی کے دنیا میں پھیلنے کا کامل وثوق نہیں دلایا گیا تھا تو آپ اس حالت میں کہ مکہ میں بھی آپ کو امن نہ تھا اور وہیں کے سرکشوں کو زیر کرنا مشکل ہو رہا تھا کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اہلِ کتاب اور منافقوں تک بھی اس کی نوبت پہنچے گی؟ خصوصاً فریبی اور متفنی آدمی تو کبھی بھی ایسی حالت میں اپنی کامیابی پر پورا بھروسا نہیں کرسکتا اور نہ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس پر اس کا تمسخر ہو اور لوگ اس کے درپے ہو جائیں، عقلِ سلیم ہرگز ہرگز باور نہیں کرسکتی۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

مع

نہیں نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ ڈھلے اور صبح کی جبکہ وہ روشن ہو جائے البتہ دوزخ ایک بڑی چیزوں میں سے ہے انسان کے ڈرانے کو تم میں سے ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے مگر دائیں طرف والے کہ وہ باغوں میں گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لائی وہ کہیں گے ہم نمازی نہ تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ پہنچی پھر ان کی کسی سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔

ترکیب : کلا ردع لقول الکفار انا نقدر علی معاقبتہ خزنۃ النار والقمر اواو للقسم انھا الخ ھذا الکلام جواب القسم والضمیر الی سقر اوتعلیل لکلا والقسم معترض للتاکید **الکبر** فی الکشاف انہ جمع الکبریٰ جعلت الف التانیث کتاء التانیث فکما جمعت فعلۃ علی فُعَلٍ جمعت فُعْلیٰ علیھا نذیرا بالنصب حال من الضمیر فی انھا قالہ الزجاج وقال الکسائی انہ حال من قولہ قم حال کونک نذیرا للبشر وقال الفراء مصدر بمعنی الانذار منصوب بفعل مقدر وقیل تمیز لاحدی لتضمنھا معنی التعظیم وقیل مفعول لہ ای لاجل انذار البشر وقری بالرفع علی انہ خبرہ بعد خبر او بحذف المبتداء **لمن** شاء بدل من قولہ **للبشر** التقدیر انھا نذیر لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر ونظیرہ قولہ اللہ علی الناس حج البیت من استطاع وقیل ان یتقدم فی محل الرفع بالابتداء **ولمن** شاء خبر مقدم علیہ کقولک لمن توضاء ان یصلی والمعنی التقدم والتاخر مطلقان لمن شاء ھامنکم۔ رھینۃ اسم بمعنی الرھن کالشتیمۃ بمعنی الشتم ولیست بصفۃ الرھینۃ النفس لان وزنھا فعیل یستوی فیہ المذکر والمؤنث فلو کانت صفۃ لقیل رھین الا اصحاب الیمین الاستثناء متصل لان المستثنی المؤمنون الخالصون من الذنوب فی جنات فی محل الرفع علی انہ مبتداء محذوف ای ھم فی جنات والجملۃ مستانفۃ اوحال من اصحاب الیمین ویمکن ان یکون ظرفا لقولہ یتساٰلون حتی غایۃ لامور اربعۃ لم نک الخ۔

تفسیر : کفار کی بیہودہ باتوں کا رد کر کے اب اور دوسرے قسم کے دلائلِ قیامت برپا ہونے اور دنیا میں نبی بھیجنے پر قائم کرتا ہے اور ایک عجیب مؤثر بیان سے اہلِ جہنم کی حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور الفاظ کے اندرونہ پہلو میں جہنم پر ۱۹ فرشتوں کے ہونے کا سر بھی روزمرہ معاملات سے بتاتا ہے۔ ان چند آیات میں مسئلۂ حشر اور وہاں کی کیفیت اور دخولِ نار کے اسباب اور مسئلۂ نبوت اور دنیا کا ابتداء اور انتہا اور انسان کا انجام کار جو اس کے اس دنیا میں آنے کا نتیجہ ہے اور سعادت و شقاوت کے اسباب کن مختصر الفاظ میں بیان فرمائے کہ عقل دنگ ہوتی ہے اور ضمناً مذاہبِ باطلہ کا رد بھی ہے۔

فقال کلا نہیں نہیں ضرور قیامت برپا ہوگی اور ضرور جہنم کے اوپر انیس فرشتے مقرر ہیں اور تمہارا زور کام نہ آئے گا۔ اور تم جو کہتے ہو نبی کی کیا حاجت بھیجنا بیکار ہے نہیں نہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اب ان باتوں کے ثبوت میں چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کرنا عرب کے لیے کافی تھا کس لیے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولتے تھے[1] اور اس کو مصیبت آنے کا سبب تصور کرتے تھے اس لیے فرماتا ہے وَالْقَمَرِ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ تین چیزوں کی ایک چیز ہے کچھ ایسی ویسی بات نہیں جس کو تم ہلکا سمجھ رہے ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب قسم محذوف ہو کس لیے کہ وہی جوابِ قسم ہے جس کی بابت مخاطبین سے ردوبدل ہو رہی ہے اس قرینہ سے اس کو حذف کرنا عین بلاغت ہے اور انھا لاحدی الکبر ان تینوں چیزوں کی بابت ہو کہ جن کی قسم کھائی ہے یعنی ہم ان چیزوں کی اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ یہ بڑی چیزوں میں سے ہیں اور نذیرا للبشر بھی ان تینوں چیزوں کی نسبت کہنا ان کے واقعی حال کو بیان کرنا ہے یا یہ کہ ہم ان کی قسم انسان کے متنبہ کرنے کو کھاتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کے متنبہ کرنے کو بھیجا ہے یا یہ کہ قیامت کا واقعہ انسان کے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کو بیان کیا ہے۔

عرب کے یقین دلانے کو تو صرف ان چیزوں کی قسم کھانا کافی تھا مگر اور لوگوں کے لیے خود ان تین چیزوں میں قیامت اور آنحضرت صلی

[1] کوئی اولاد کی کوئی معشوق کے سر کی کوئی مال کی قسم کھاتا ہے کوئی مخدوم اور معزز کی۔ ۱۲ منہ

اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے گویا یہ اشیاء ان دونوں مسئلوں کے لیے دلائل ہیں۔ ذرا ان کے حالات میں غور کرے تو خود بخود قیامت کا برپا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیِ مرسل ہونا ثابت ہو جائے۔ اب اختیار ہے کہ ان کے حالات کو قضایا بنا کر نتیجہ نکالا جائے یا یوں ہی طبیعتِ صافیہ سمجھ جائے۔ یہ تینوں چیزیں وجودِ قیامت پر اس لیے دلیل ہیں۔ چاند اس لیے کہ اس کے نور کا گھٹنا بڑھنا اس کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور یہ نمونہ ہے دنیا کو آباد کر کے بگاڑنے اور پھر دوسرے بار زندہ کرنے کا۔ چاند رفتہ رفتہ روشنی زیادہ دیتا جاتا ہے آخر جب کامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے نقصان شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر چاند نمودار ہوتا اور اگلے مہینے میں روشنی کا نیا نقشہ جماتا ہے۔ اسی طرح دنیا نے تدریجاً ترقی کی اور کرتی جاتی رہی ہے جب پوری ترقی اور اس کی حد پر پہنچ جائے گی تو رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوگا خوب لوگ اور خوبیاں اٹھتی جائیں گی۔ آخر ایک روز فنا ہو جائے گی اور اس تاریکیِ عدم کے بعد اس کو دوسری زندگانی کا نور بخشا جائے گا جو پھر فنا نہ ہوگا اور اس لیے بھی چاند قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت کے قریب اس کا شق ہونا پہلی کتابوں[1] میں مذکور ہے جیسا کہ فرمایا تھا اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چاند اس لیے دلیل ہے کہ رات کو روشن کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اندھیری ہو رہی تھی اس حکیم نے اپنے فضل سے نبی آخر الزماں بھیجا جو تاریکی دور کرنے والا چاند ہے۔ اور وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ میں تو صاف صاف ایما ہے کہ رات کی اندھیریاں پیٹھ پھیر چلیں ظلمت کا زمانہ رخصت ہوتا چلا ہے اور صبحِ ہدایت روشن ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے حضرت کو کہیں چراغ روشن سے کہیں چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایامِ جاہلیت کو رات سے۔ اور قیامت کی طرف اس لیے اشارہ ہے کہ دنیا مع اپنے چاند اور ستاروں کے تمام ہوا چاہتی ہے۔ اذ ادبر اس کا وجود عارضی اور چند روز ہے اور یہاں کی ہستی کدورتوں اور خلش سے صافی نہیں اس لیے اس کو رات سے تشبیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی صبح ہے اخیر زمانہ اور تنویر کے لحاظ سے۔ اب اس کے بعد آفتاب برآمد ہونے والا ہے جس سے دارِ آخرت اور اس ابدی جہان کی طرف اشارہ ہے وہاں ہر ایک کو اصلی روشنی میں اپنے نیک و بد اور علم و جہل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ جہان رات ہے اس میں جو کچھ نور ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و ارشاد کا نور ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کو اسی قدر روشنی کافی ہے کہ جس قدر چاند سے رات میں پیدا ہوتی ہے مگر انکشافِ کلی قیامت کے دن ہوگا جس کی صبح نمودار ہو چلی۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ یہ ایک بڑی بات ہے۔ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ بشر کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والی ہے۔ جاگو جاگو اے لذات و شہوات کے متوالو! خدا کی طرف بیدار کرنے والا پکار رہا ہے مگر جاگے کون؟ وہی تو بشر ہو مگر جو بشریت سے خارج ہو کر حیوانیت میں داخل ہو گیا ہو جس کو رات دن کھانے پینے، سونے، جماع کرنے یا باہم لڑنے کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔ کیا جاگے گا؟

فرماتا ہے لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اب جو چاہے تم میں سے آگے آئے سعادت کے رستہ میں بڑھ کر قدم رکھے جو چاہے پیچھے ہٹے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ وَقَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ مگر جو پیچھے ہٹے وہ نہ سمجھے کہ میں دارِ آخرت کی داروگیر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میرے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کس لیے کہ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر شخص امیر غریب، شریف و وضیع اپنے اعمال میں گروی ہے چھٹکارا نہیں۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ مگر داہنے والے ماخوذ نہیں۔ داہنے والوں سے مراد وہ گروہ ہے جو قیامت کو تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ان کو ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور روزِ میثاق بھی وہ دائیں طرف تھے۔ اور یمین یمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور بہتری کے ہیں یعنی اہلِ خیر ایماندار و نیکوکار وہ

[1] کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۲۴ باب ورس ۲۳ میں ہے اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ جس وقت رب الافواج کوہ صیحون اور یروشلم پر اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ ۱۲ منہ

اپنے اعمال میں ماخوذ نہ ہوں گے۔ کس لیے کہ ان کے اعمال قابلِ مؤاخذہ ہی نہیں اور وہ اصحاب الیمین اس روزِ روشن میں کہ جس کی صبح نمودار ہونے والی ہے کہاں رہیں گے۔ فِیْ جَنّٰتٍ باغوں میں جہاں اپنے اعمال وایمان کے پھل کھائیں گے۔ اور یہ ان کی اس گرمی ومحنت کا نتیجہ ہے جو خرابۂ دنیا میں انہوں نے اٹھائی تھیں۔ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَاسَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا۔ (فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان باغوں میں رہ کر مجرموں سے پوچھیں گے) اس عالم میں اہلِ جنت کو اہل النار دکھائی دیں گے کیونکہ حجابِ جسمانی جو قرب وبعد کا رؤیت میں فرق پیدا کر دیتا ہے اٹھ جائے گا۔ دوزخی ان کو جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ کہ ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اہلِ صلوٰۃ کی جماعت میں نہ تھے۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ اور نہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے یعنی نہ بدنی وروحانی عبادت کرتے تھے اور نہ مالی عبادت کرتے تھے۔ نماز بدنی وروحانی عبادت ہے کھانا کھلانا مالی۔ اہل دنیا کے نزدیک بدنی خدمت مالی خدمت سے آسان تر ہے۔ اس لیے اول نماز نہ پڑھنا ذکر کیا بعد میں کھانا نہ دینا۔ یہ دونوں کام قوتِ عملیہ کی تکمیل کے رکن ہیں کس لیے کہ تعظیمِ امر اللہ جو نماز میں ہے اور مشقت برخلقِ خدا جو خیرات میں ہے تمام اہلِ عقل ونقل کے نزدیک عمدہ کام ہیں۔ اس کے بعد دو کام قوتِ نظریہ کے فاسد کرنے والے اور بتائے وَكُنَّا نَخُوْضُ مِنَ الْخَآئِضِیْنَ اور خدا رسول کی باتوں میں اور غوطہ لگانے والوں کے ساتھ ہم بھی غوطہ لگاتے تھے۔ غوطہ لگانے سے مراد باتیں چھانٹنا انکار کرنا شک وشبہات پیدا کرنا ہے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ اور ہم روزِ جزا کو بھی جھٹلایا کرتے تھے۔ کہتے تھے قیامت نہ ہوگی اجی وہاں کی کیا خبر ہے کون دیکھ کر آیا ہے۔ اب تو مزے کرلو۔ یہ دونوں باتیں قوتِ نظریہ کے خراب کرنے والی بہت کچھ تھیں۔ اعمال نیک بھی نہ کئے، ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہ بات کب تک رہی حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی اور مرگئے کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ مانا اپنی اسی جہالت پر اڑے رہے۔ موت کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بابت دنیا میں کسی کو بھی شک نہیں۔ ملحد، خدا پرست، جاہل، عالم، بدکار، نیک سب اس کے قائل ہیں اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے وقت وہ پردہ جو اس جہان اور اس جہان میں پڑا ہے اٹھ جاتا ہے پھر وہاں کی ہر بات دکھائی دینے لگتی ہے یقین آ جاتا ہے مگر کیا فائدہ ایمان وعمل کا وقت جاتا رہا اس لیے خود ہی فرماتا ہے۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِیْنَ کہ اس روز سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ آئے گی۔ کس لیے کہ شفاعت یا ایمان واعمالِ صالحہ کرتے ہیں وہ ان کے پاس ہیں نہیں یا حضراتِ انبیاء واولیاء کرتے ہیں ان سے بیزاری پیدا کرلی تھی وہ ان سے بیزار تھے۔ ان آیات میں انسان کا انجام بتایا گیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ دارِ آخرت میں کارآمد یہ باتیں ہیں۔ نماز، خیرات، ایمان، اطاعتِ خدا ورسول اور ان کے برخلاف کرنے میں سقر میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ
قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ یُرِیْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ
بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾
وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع ۲ ۲۵

پھر ان کو کیا ہوگیا جو نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہیں نہیں یہ قرآن ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اس کو یاد رکھے اور کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکتا مگر جبکہ اللہ ہی

چاہے وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : معرضین حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور، فما مبتدء لهم خبره کانهم الجملة حال من الضمیر فی معرضین علی التداخل مستنفرة قراء الجمهور بالکسر یقال نفر واستنفر مثل سخر واستسخر وعجب واستعجب وقرئ بالفتح قال ابوعلی الفارسی الکسرة اولی۔ فرت الخ حال بتقدیر قد والقسورة عند الاکثر الاسد فعولة من القسر وهو القهر والغلبة سمی بذلک لانه یقهر ابساع وقیل جماعة الرماة قال الازهری اسم جمع للرماة لا واحد له من جنسه وقیل ذکر الناس واصواتهم وقیل ظلمة اللیل بل یرید عطف علی مقدر یقتضیه المقام کانه قیل لا یکتفون بتلک التذکرة بل یرید الخ کلا بل لا یخافون اضراب انتقالی لبیان هذا التعنت وقیل کلا بمعنی حقا کلا روع لهم عن اعراضهم عن التذکرة والضمیر فی انه وذکره للتذکرة والمصدر ذ والتاء یذکر ویؤنث۔

تفسیر : جب قیامت کے مصائب کا یہ حال ہے کہ کسی کی سفارش کفار کو کام نہ آئے گی اور وہ دن آنے والا ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَ تو ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے جو اس روز کے لیے کارآمد نصیحتوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور منہ بھی کس طرح پر پھیرتے اور بھاگتے ہیں۔ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا آواز اور شور وغل سن کر بدک کر بھاگتے ہیں۔ نفع ونقصان کچھ نہیں دیکھتے نہ سوچتے ہیں نصیحت اور بھلائی سے منہ پھیرنا کبھی کم فہمی اور بے عقلی سے ہوتا ہے کہ اس کے فوائد اس کی سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ کم عمر بچے تحصیلِ علم سے بھاگتے ہیں اور کبھی طبعی نفرت سے ہوتا ہے باوجودیکہ فوائد معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ بیمار دوا پینے سے اعراض کرتا ہے اور کبھی کسی وہم اور خیالی اندیشہ سے جیسا کہ قصد سے جس میں وہم ہوتا ہے کہ مر نہ جاؤں اور کبھی عادات ورسوم کی پابندی اور خسیس لذت اور الفت امرِ ناقابل سے ہوتا ہے جس لیے اس کے خلاف کسی کی نصیحت سننا نہیں چاہتا جیسا کہ عوام جہال اپنے مالوفات اور رسومِ بد کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتے اور فساق وفجار کی ناپاک خواہش ان کی عقل پر غالب آجاتی ہے وہ شراب، زنا، لواطت اور برے کام نہیں چھوڑتے۔ ان چاروں صورتوں میں عقلِ سلیم مغلوب ہوجاتی ہے اس لیے ان کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دینا اور ناصح مشفق کو شیر سے جس کی نصیحت کو اپنی قوتِ متوہمہ کے سبب مضر اور خطرناک جانتا ہے بہت ٹھیک تشبیہ ہے۔ ایک پانچویں صورت اور بھی اعراض کی ہے کہ اس کا تکبر اور غرور نہیں رخصت دیتا کہ کسی اور سے مستفید ہو حالانکہ اس کی بھلائی سمجھتا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ بَلْ یُرِیْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً بلکہ اس لیے بھی نہیں مانتے کہ ہر ایک ان میں سے بھی چاہتا ہے کہ اس پر آسمان سے بند اور ملفوف نہیں بلکہ فرامینِ شاہانہ کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبیِ مرسل خدا پاک سے ہمکلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں نبی کی ضرورت نہیں ہر ایک کا واسطہ اس کے رب سے کافی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفارِ قریش کہتے تھے کہ ہم آپ کو جب مانیں گے کہ ہر ایک کے پاس آسمان سے ایک فرمان آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے تو محمد (ﷺ) کا کہنا مان۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی ہے کہ حَتّٰى تنزل علینا کتابا نقرءه فرماتا ہے کلا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہر ایک میں اس سے مخاطب ہونے کی قابلیت نہیں کیونکہ نفوسِ انسانیہ کے درجات متفاوت ہیں بعض کو عالمِ علوی سے مناسبت ہے اور بعض کو نہیں، دنیاوی کاروبار میں ایک عمدہ کام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ عالمِ ملکوت کے اسرار پر مطلع ہونے کی۔

یہ تو ان کی خرمستی کی باتیں ہیں بلکہ بات یہ ہے بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ کہ وہ آخرت کے معاملات سے ڈرتے نہیں کس لیے کہ ان کا ان باتوں پر ایمان نہیں۔ اگر ان کو کچھ بھی ان پیش آنے والی مصیبتوں کا خوف واندیشہ ہوتا جیسا کہ دنیاوی امور میں ہوتا ہے اور اس کی چارہ جوئی کے لیے ہر ایک کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تو ضرور ہمارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے دفعیہ کی تدابیر پوچھتے۔

پھر اعادہ کرتا ہے کلا کہ تم جو چاہتے ہو وہ ہرگز نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ یہ قرآن ایک نصیحت ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ جو چاہے اس کو یاد کرے، نصیحت سے مستفید ہو۔ کس لیے کہ اس کا اسی کو نفع ہے اور جو چاہے کہ اور جو چاہے نہ مانے جہنم میں جائے مگر وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اس کو یاد بھی وہی کرتے ہیں جن کو یاد کرانا اللہ چاہتا ہے کس لیے کہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وہی متقی بناتا ہے اور وہی متقی بنا کر بخش دیتا ہے یا یوں کہو وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔ تمام نفع ونقصان کی ڈوریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر جب اس سے کوئی ڈرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے کے قابل ہے۔ اس کے ڈر کے ساتھ بخشش لگی ہوئی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے انا اھل ان اتقیٰ فلا یجعل معه اله فمن اتقانی فلم یجعل معی الٰھاً فانا اھل ان اغفر له۔ (رواہ احمد والدارمی والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ والبزار وابو یعلیٰ) کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ مجھ سے ڈرے پس میرے ساتھ کوئی شریک نہ بنایا جائے۔ پھر جو مجھ سے ڈرے گا میرے ساتھ اور معبود نہ ٹھہرائے گا تب میں اس کو بخش دوں گا۔ (اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ ونسائی وغیرہ محدثوں نے نقل کیا ہے)۔

یعنی یہاں تقویٰ سے اعلیٰ مرتبہ مراد نہیں کہ جس میں تمام صغائر وکبائر سے مجتنب رہنا شرط ہو۔ کس لیے کہ اول تو ہر ایک بندہ سے اس قسم کا تقویٰ مشکل ہے عبدلک لا الٰھا یعنی کون سا تیرا ایسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ (نواب چشتی) دوم ایسے تقویٰ کرنے والے پر مؤاخذہ ہی نہیں بلکہ شرک سے بچنا مراد ہے اور اس سے وہ اس کے دربار میں راہ پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اور باقی گناہوں پر اسی کی طرف رجوع کرنے سے مغفرت ہے یعنی اگر مشرک نہیں تو قابلِ مغفرت ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ اے مدثر! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔ اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا کہ اس سے ہی ڈرنا چاہیے اور انجام کار تیری نصیحت کا تقویٰ ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا ہے اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے حاصل یہ کہ خلعتِ نبوت پہن کر چپ نہ رہ بلکہ متقی بنانے میں کوشش کر اور متقیوں کے لیے میری بخشش تیار ہے۔ ابتداء وانتہاءِ کلام میں ایسی مناسبت رکھنا کمال بلاغت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ
لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨ الْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾

قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے پشیمان ہونے والے شخص کی کیا آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم اس کے جوڑوں کے ٹھیک کر دینے پر قادر ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے کہ کب ہے قیامت کا دن پھر جبکہ نظر چندھیا جائے اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند اکٹھے کئے جائیں اس دن آدمی کہے گا کہاں ہے بھاگ جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ آپ کے رب ہی کی طرف اس دن ٹھکانا ہے اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا چھوڑ آیا بلکہ ہر ایک انسان اپنے حال کو آپ دیکھ رہا ہے پڑا بہانے کیا کرے۔

ترکیب : لااقسم قیل لازائدہ کمازیدت فی قولہ لئلا یعلم۔ وقیل لیست بزائدۃ وحینئذ فی معناھا وجھان احدھما انہ نفی القسم بھا لوضوح القسم محذوف یدل علیہ ھذہ الجملۃ ای لیجمعن العظام۔ بلی ایجاب لما بعد النفی المنسحب الیہ الاستفہام والوقف علیہ حسن۔ ویبتدی الکلام بقولہ قادرین وانتصابہ علی الحال من الفاعل ای نجمعھا قادرین وقیل المعنی بل نجمعھا نقدر قادرین بنان جمع او اسم جمع لبنانۃ لفجر اللام زائدۃ وناصبہ ان مقدرۃ ای ان یکذب امامہ ظرف ای لیکفر فیما یستقبل یسئل تفسیر لیفجر ایان خبر مقدم یوم القیامۃ مبتداء موخر ثم بل یرید عطف علی یحسب فیجوز ان یکون ایضا استفہاما ویجوز ان یکون ایجابا یقول الانسان جواب اذا برق البصر وجمع الشمس والقمر ولم یقل جمعت لان التانیث مجازی قالہ المبرد الیٰ ربک خبر والمبتداء المستقر و یومئذ منصوب بفعل دل علیہ المستقر الانسان مبتداء بصیرۃ خبرہ وعلی متعلقۃ بالخبر والتاء فی بصیرۃ للمبالغۃ کما فی العلامۃ ولو وصلیۃ معاذیرہ قال الواحدی المعاذیر جمع معذرۃ یقال معذرۃ ومعاذر ومعاذیر وقال صاحب الکشاف والمعاذیر لیس جمع معذرۃ وانما ھو اسم جمع لھا کالمناکیر فی المنکر وجمع المعذرۃ معاذر قال المبرد والزجاج المعاذیر السُتور واحدھا معذار۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اور ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی چالیس آیات ہیں اس میں سر سورۃ پر قیامت کی قسم کھائی ہے اور بعد میں بھی قیامت کے حالات مذکور ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ قیامہ ہوا۔

مناسبت اس کی سورۂ مدثر سے یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعات کی ابتداء مذکور تھی۔ بقولہ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ اور انتہا بھی بقولہ سَاُصْلِيْهِ اسقر و كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ الخ اور اس سورہ میں قیامت کے باطنی واقعات کی ابتداء اور انتہا مذکور ہے۔ ابتداء یہ کہ عقل اس روز متحیر ہو جائے گی۔ بقولہ فاذا برق البصر الخ اور انتہا دیدارِ الٰہی یا اس سے محرومی کے بعد سیاہ روئی حسرت وندامت ہے۔ بقولہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ ووجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ۔

اور یہ بھی ہے کہ مدثر کے اخیر میں فرمایا تھا هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کہ وہی ڈرنے اور بخشنے کے قابل ہے۔ یہ اس کی شان ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی معافی دیتا ہے مگر دنیا چند روزہ جو دار العمل ہے اس تقویٰ اور مغفرت کے آثار قویہ ظاہر ہونے کی جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جو ابدی ہے اور اس کی ابتداء قیامت سے ہے اسی لیے قیامت کی قسم کھاتا ہے اور اس کے بعد نفسِ لوامہ کی بھی یعنی اچھے لوگوں کی جان کی بھی جو اپنے برے کاموں پر ملامت کرتے ہیں اور دراصل ایسے ہی لوگ متقی ہیں یہ اس لیے کہ اس روز وہ لوگ مغفرت کے آثار دیکھیں گے۔ اور بھی الفاظ اور معانی میں باہم مناسبتیں ہیں جو غور کرنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں اور صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کے عجیب اذہان صافیہ تھے کہ ترتیبِ سور کے وقت ان پر یہ مناسبات ظاہر تھیں۔

فقال لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت اور نفس لوامہ کی کہ انسان اس روز اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا۔ نفسِ لوامہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اچھے[1] لوگ دنیا میں اپنی تقصیرات پر حسرت وندامت

---

[1] وہ نیکی کر کے بھی ملامت کرتے ہیں کہ کم کی اچھی طرح سے نہیں کی اور بدی کر کے بھی اس لیے کہ کیوں کی۔ بدی کرنے کے بعد ان کے دل کو ایک سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے ہیں کیونکہ ان کو چشمِ بصیرت ہے برے بھلے میں امتیاز کرتے ہیں، نفس کی خواہش سے اگر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو فوراً نادم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان اندھے جاہلوں کی طرح اس پر اڑتے نہیں۔ اسی طرح یہ اندھے اس روز حسرت وندامت کریں گے کیونکہ اس روزِ روشن میں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبصرك اليوم حديد) اس روز روئیں گے، دانت پیسیں گے مگر کیا فائدہ آج اگر روتے اور ندامت کرتے تو فائدہ تھا۔

نفس سے مراد جان یا روحِ انسانی ہے اور وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتسابِ کمالات کے لیے اس کا آلہ یا ہتھیار یا اوزار ہے پھر نفوسِ انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے کئی قسم پر ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام کے نفوسِ قدسیہ مطمئنہ ہیں کہ ان کو حق سبحانہٗ کی قربت سے اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔ (الابذكر الله تطمئن القلوب)۔ ان کے بعد صالحین ہیں ان کے قلوب کو بھی ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہے مگر نہ اتنا اور ان میں اپنی تقصیرات پر ملامت کرنے کی صفت غالب ہے اس لیے ان کے نفس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ (ولم يصروا على مافعلوا وهم نادمون)۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزا در خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

بدکار اور فاسقوں کافروں کا نفس امارہ ہے وہ ہل من مزید کہتا رہتا ہے۔ ہر وقت لذات وشہوات حسد وبغض کینہ وانتقام کا حکم ہی دیتا ہے۔ ندامت وملامت تو درکنار بلکہ وہ ان لائق باتوں پر اصرار کیا کرتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کو تو قیامت کے ہولناک واقعات سے بحکم وهم من فزع يومئذ أمنون اطمینان ہی ہوگا اور امارہ سقر کا ایندھن ہیں البتہ نفسِ لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف ورجاء میں اسی کو تعلق ہے اس لیے قیامت کی قسم کے بعد اس کی قسم کھانا اس کی خوبی اور قیامت کے روز فلاح مندی بتا کر اس کو تسلی دیتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں نفسِ لوامہ وہ نفس اور وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے برے کاموں پر اپنے تئیں ملامت کرے گا اور وہ کفار کا نفس ہے اس لیے وہ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ میں لا کو زائد نہیں کہتے بلکہ نفی کے لیے اور یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت کی اور نہیں قسم کھاتے نفسِ لوامہ کی کس لیے کہ وہ ناپاک اس قابل نہیں۔

کفار منکرینِ قیامت کے مقابلہ میں قیامت کی قسم کھانا بظاہر مصادرہ علی المطلوب تھا مگر قیامت کا آنا ان کے لیے دلائل سے ثابت کر دیا گیا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے شک کو اور بھی رفع کرتا ہے۔ ان کے دو قسم کے شبہات تھے۔ اول جہالت کی وجہ سے وہ قیامت اور حساب کے نام لینے کو بھی مخلِ عیش سمجھتے تھے۔ اول شبہ کو مان کر اس کا رد کرتا ہے فقال اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ کیا انسان (یعنی وہ انسان جو قیامت کے منکر ہیں) یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر جمع نہ کر سکیں گے؟ مشرکینِ مکہ کا قیامت کے بطلان پر کسی دلیل وبرہان پر اعتماد نہ تھا۔ وہ اسی شبہ سے باطل کرتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں انسان مر جاتا ہے اس کی ہڈیاں اور گوشت پوست خاک میں مل جاتا ہے، ہوا اڑا کر لے جاتی ہے، سر کے ذرات ہو کر کہیں اڑ گئے، ہاتھ پاؤں کے ذرے ذرے ہو کر کہیں دور جا پڑے، اب بار دیگر یہ سب کیونکر جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہتے تھے هيهات هيهات لماتوعدون یہ بات کب ہو سکتی ہے اور اسی استبعاد کو ایک شاعرِ جاہلیت نے بھی بیان کیا ہے۔

حیات ثم موت ثم نشر حديث خرافة يا ام عمرو

کہ جی کے مرنا پھر زندہ ہونا ایک لغو بات ہے اے ام عمرو۔ یہ اس شاعر کی بیوی یا معشوقہ ہے جس سے کلام کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بلی ہاں ہم جمع کریں گے۔ پھر فرماتا ہے قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ کہ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کے درست کرنے پر

قادر ہیں۔ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے یہ اس کی تعمیرِ بدن کا خاتمہ ہے اور نیز یہاں گوشت اور چربی ہے اور اس کے اندر عروق وشرائین واوردہ ہیں اور پھر اعصاب ورباطات وعضلات ومفاصل ہیں اور اسی لیے تمام بدن میں حکماء کے نزدیک اس کا مزاج بہ نسبت اور اعضاء کے زیادہ معتدل اور گرمی سردی رطوبت یبوست کے دریافت کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر جب ان کو بار دگر درست اور ٹھیک کر دینا فرمایا تو تمام اعضاء کا بھی بار دگر ٹھیک کر دینا سمجھا گیا۔

آسمان وزمین کی پیدائش اور انسان کا اول بار منی کے قطرے سے بننا وغیرہ ہزاروں اس کی قدرتِ کاملہ کے نمونہ ان لوگوں نے دیکھے تھے اور سب دیکھتے ہیں پھر جو ایسا قادر وحکیم ہے کہ جس نے اول بار اس کو ایسی چیزوں سے پیدا کر دیا وہ بار دگر پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس بات کو عقولِ صافیہ اور اذہانِ سلیمہ کے حوالے کر دیا کہ وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک بڑی قوی دلیل حشر کے برپا ہونے پر ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ یہ انکار وتعجب دراصل کچھ نہیں ہے۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ اس انکار سے اس کی غرض یہ ہے کہ پہلے تو جو کچھ کیا تھا سو کیا تھا آئندہ بھی دل کھول کر بدکاری پر بدکاری کرے۔ کس لیے کہ اب قیامت اور وہاں کی باز پرس کا کھٹکا تو اس نے اس انکار سے نکال ہی دیا۔ اس فسق وفجور کا نشہ اس کو قیامت کا لفظ بھی منہ پر نہیں لانے دیتا اور نہ اس کے دلائل میں غور وفکر کی مہلت دیتا ہے اس لیے دلیر ہو کر پوچھتا ہے يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن؟ یسئل سے یہاں تک دوسرے شبہات کا رد ہے جو شہوات پر مبنی ہے۔

بعض مفسرین امامہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کا انکار کر کے اللہ کے سامنے بدکرداری کرنا چاہتا ہے جو پوچھتا ہے کہ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن۔ یہ انسان کی کمال بے شرمی اور بے حد دلیری ہے کہ اپنے مولا کے روبرو گستاخانہ سوال کرتا ہے کس لیے کہ اس کو ڈرنا اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی طبیب حاذق خبر دے کہ یہ مرض تجھ کو لاحق ہے علاج کر ورنہ مر جائے گا پھر یہ بڑے جاہل کا کام ہے کہ اس سے پوچھے کہ کب اور کس تاریخ مروں گا۔

اس کے بعد قیامت کے علامات وحالات بیان کرتا ہے جس کے سننے سے دل لرزتا ہے۔ فقال فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ یہ اس روز کی تجلیِ نورانی سے ہوگا جبکہ تختِ رب العالمین عدالت کے لیے فرشتے لا کر دھریں گے۔ اس قہر وجبروت کی تجلی کو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی۔ آفتاب کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں پھر وہ تجلی تو اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہوگی جس کے آگے بجلی کی چمک بھی کوئی چیز نہیں جیسا کہ سورۂ زمر میں آیا ہے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قیامتِ صغریٰ موت کے وقت ہوگا جبکہ اس عالمِ ناسوتی پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسرے عالم کا پردہ اٹھ جائے گا تو وہاں کے ہولناک حالات دیکھ کر کافر وفاسق کی آنکھیں حیرت ودہشت کے مارے اوپر چڑھ جائیں گی وہ شہوت کا نشہ جس سے انکارِ قیامت کرتا تھا اتر جائے گا۔ موت کے بعد اس کو قیامتِ کبریٰ کا آپ یقین ہو جائے گا یہیں سے اس کا وقت شروع ہے۔ اور ایماندار نیک لوگوں کی آنکھیں عالمِ ملکوت کی تجلیات دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی اور اولیاءِ کرام و انبیاءِ عظام کی اس کی تجلیِ ذاتی سے جو عین وصال ہے۔ یہ قیامت کی پہلی نشانی تھی۔ اس کے بعد دوسری علامت بیان فرماتا ہے۔ وَخَسَفَ[1] الْقَمَرُ کہ چاند گہنا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا۔ یہ قیامتِ کبریٰ کے قریب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی موت کے وقت ہوگا کس لیے کہ قمر سے مراد قمرِ عقل ہے۔ اس وقت عقل ماری جائے گی۔ (تیسری علامت) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ چاند اور سورج جمع کیے جائیں گے یہ بھی قیامت کے وقت نفخِ صور پر ہوگا کہ دونوں بے نور ہو کر کے عدم کے گھڑے میں ایک جا پھینک دیے جائیں گے اور نفخِ صور دوم پر نیا آسمان نئی زمین نئے چاند اور سورج پیدا ہوں گے۔ جو ان کو بھی علاماتِ موت سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قمر وشمس کے جمع ہونے سے بطور کنایہ کے روح آفتاب اور قمر دل کا جمع ہونا مراد ہے کہ پھر اس وقت دل پر اِدھر اُدھر کے خیالات طاری ہوں گے بلکہ صرف

[1] کتاب یسعیاہ کے ۲۴ باب میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاند اور سورج خداوند کی عدالت کے روز بے نور ہو جائیں گے۔ ۱۲ منہ

حانی یا ذات وصفات کا اجتماع مراد ہے جو دارِ دنیا میں عوارض کے سبب اختلاف تھا ذات کا تقاضا معرفت تھا صفاتِ شہوانیہ وغضبیہ اس کو
چھینکتے تھے اب یہ اختلاف نہ رہے گا۔

اس وقت آدمی کی عجب حالت ہوگی وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ اور کہے گا آج بھاگ کر جانے کی کون سی جگہ ہے کہاں
ؤں جو اس مصیبت سے امن پاؤں۔ فرماتا ہے كَلَّا نہیں نہیں لاوزر کوئی امن اور پناہ کی جگہ اس دن نہ ہوگی جس نے آج پناہ کی جگہ پیدا
ں کی اس کو اس دن نہ ملے گی۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ اس روز تیرے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی۔ مشتاقانِ دیدار خود بخود
ئیں گے اور اشرار و فجار کو بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائیں گے، پھر وہاں حساب و کتاب شروع ہوگا۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس روز آدمی کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کیا نیک کام آج کے دن کے لیے آگے بھیجے تھے یعنی کئے تھے اور کیا نہیں کئے تھے۔
دم سے مراد نیک و بد کام ہیں جو اس نے کئے تھے اور آخر سے وہ نیک و بد باتیں ہیں جو دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا کہ اس کے بعد بھی نیک
موں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے جیسا کہ بناءِ مساجد و مدارس و رسمِ نیک اور بندگانِ خدا کی اصلاح وفلاح کی تدابیر اسی طرح برے کاموں کا
اب ملتا رہتا ہے۔ رسمِ بد چھوڑ آیا تھا یا دنیا کو برباد و ہلاک کرنے والی بات قائم کر آیا تھا یا کسی میں جھگڑے وعداوت کا بیج بو آیا تھا یا قدم
ے وہ اعمال مراد ہیں جو پہلے کئے جاتے ہیں اور آخر سے وہ جو ان کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ فرماتا ہے بتلانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی
ں الزام واکرام مقصود ہوگا ورنہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ آدمی خود اپنے حال اور نیک و بد اعمال سے واقف ہوگا اور اب بھی
صف مزاج واقف ہو سکتے ہیں ولو القیٰ معاذیرہ پڑا حیلے بہانے بنایا کرے یا پڑا پردہ ان پر ڈالے اور چھپائے مگر کچھ بھی نہ چھپا سکے گا نہ
ئی حیلہ بہانہ کام آئے گا۔ وہاں یہ حجتیں اور ابلہ فریب تقریریں کچھ کام نہ آئیں گی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ
فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ
الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾
وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

پ (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ) قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں اپنی زبان نہ چلایا کریں کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارا ذمہ ہے پھر تو آپ
س کے پڑھنے کو سنتے رہیں پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ نہیں نہیں بلکہ تم تو (اے اہل مکہ!) جلد آنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو اور دیر میں آنے والی
آخرت) کو چھوڑتے ہو اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے
کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی مصیبت ڈالی جائے گی۔ نہیں نہیں جبکہ جان گلے تک پہنچ جائے گی اور لوگ کہتے پھریں گے کوئی جھاڑنے والا ہے اور وہ سمجھ چکا ہوگا
جدائی ہے اور ٹانگ سے ٹانگ مرنے والے کی لپٹی پڑی ہوگی اس دن ان کے رب ہی کی طرف روانگی ہوگی۔

ترکیب : جمعه وقرآنه اسم ان علینا خبرها۔ قال الفراء القراءة والقرآن مصدران فاذا شرط قرانا ای اتممنا قرآته علیک فاتبع جواب الشرط ای استمع قرآته وکرر هاو قیل اعمل به کالمروع عن العجلة وقیل کلا بمعنی حقا۔ وجوهٌ مبتداء وجاز الابتداء بالنکرة لمحصول الفائدة ناضرة خبره و یومئذ الظرف للخبر ناضره ناعمة حسنة یقال شجر ناضر ای حسن ناعم ونضارت العیش حسنه وقیل مهیئة مسفرة مشرقة ناظرة خبر بعد خبر الیٰ ربها متعلق به۔ وقیل وجوه مبتداء وناضرة صفة لوجوه ویومئذ ظرف لناضرة وناظرة خبر۔ تظن الجملة صفة باسرة فی الصحاح بسر الرجل وجهه بسورا ای کلح وقیل متغیرة شدید العبوس والباسل ابلغ من الباسر لکنه غلب فی الشجاع اذا اشتد کلوحه[1] فاقرة واهیة تکسر القفار اذا شرط والجواب الیٰ ربك یومئذ المساق التراقی جمع ترقوةٍ وهی فعلوة لاتفعلة وهی عظم بین ثغرة النحر والعاتق یمیناً وشمالاً ولکل انسان ترقوتان ویکنی ببلوغ النفس التراقی عن قرب الموت وقیل هذا و مابعده معطوف علی بلغت من مبتداء راق خبره۔ اصله راق فعلل۔ فهو اسم فاعل[2] اما من رقی یرقی بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع فهو من الرقیة[3] وهی کلام معد للاستشفاء واما من یرقی یرقی بالکسر فی الماضی والفتح فی المضارع فهو من الرُّقی بمعنی الصعود ومنه الترقی۔

تفسیر : پہلے ذکر تھا کہ انسان جلد باز ہے اور یہ جلد بازی خواہ دینی کاموں میں ہو خواہ دنیاوی اس حکمت کے خلاف ہے جو اس نے باوجود ایک دم میں پیدا کر سکنے کے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ کفار قیامت کے بارہ میں جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کہ ایان یوم القیامة اسی طرح بمقتضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وحی سنانا شروع کیا ادھر اس کے ساتھ ساتھ شوق میں آپ بھی پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کبھی بھول نہ جاؤں۔ اور نیز یہ بھی شوق تھا کہ جلد مطلع ہو کر لوگوں کو مطلع کروں اس لیے قیامت کے بیان میں بطور جملہ معترضہ کے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ سے لے کر ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس جلدی سے منع کیا اور تلقی وحی کا ادب و قاعدہ سکھا دیا اور تسلی کر دی کہ آپ کو بھولنے نہ دیں گے اور ہم خود اس کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ اور یہ جملہ معترضہ اس مسلسل بیان میں ایسا ہے کہ جیسا کوئی معلم کسی کو تعلیم کرتا ہے اور اثناءِ درس میں شاگرد ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کو بیچ میں ٹوک دے اور کہہ دے کہ ادھر اُدھر متوجہ نہ ہو۔ پھر کیا اس کے کلام میں بے ربطی کا باعث تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ الزام قائم کرنا معترض کی کم فہمی اور اسلوبِ بلاغت وطرزِ خطاب سے محض بے خبری کی دلیل ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیات میں انسان کے عذرِ بیجا کا دھوکا کس لیے عذرات میں اپنی زبان چلاتا ہے تیرے اعمال ہم نے جمع کرنے اور تجھ کو سنوانے اور پڑھوانے آخرت میں جو بعد میں آئے گی اور تم بعد کی چیزوں کو سامنے کی چیزوں پر ترجیح دیتے ہو۔ بخاری و مسلم وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کے متعلق یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت ایک گرانی معلوم ہوتی تھی اس لیے آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تا کہ بھول نہ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ آپ قرآن سیکھنے میں جلدی کر کے زبان نہ ہلائیں بلکہ متوجہ ہو کر تمام وحی سن لیا کریں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں یہی مضمون آیا ہے لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ من قبل ان یقضٰی الیك وحیه الآیة کس لیے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ کہ ہمارا ذمہ ہے اس کا تیرے دل میں جمع کرنا یہاں تک کہ آپ کے سینہ سے کچھ بھی فراموش نہ ہوگا اور اس بات کا بھی ذمہ ہے قرآنہ کہ تیری زبان سے پڑھوائیں یا یہ معنی کہ اس متفرق کلام کو جمع کر دیں سب ایک جا مجتمع ہو جائے تب قرآن بمعنی قرأت نہ ہوگا بلکہ بمعنی قرآن فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پھر جب ہم آپ کو جبرئیل کے ذریعہ سے پڑھ کر سنا دیں تو فاتبع

[1] ترش روئی۔ ۱۲ منہ
[2] وقیل صیغة الماضی۔ ۱۲ منہ
[3] منتر جھاڑ۔ ۱۲ منہ

قرآنہ آپ اس کو چپ ہو کر سنیں یا یہ معنی کہ اس پر چلیں اور اس کے تابع ہوں اس کے موافق عمل کریں اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ثم ان علینا بیانہ پھر یہ بھی ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ سے بیان بھی کرا دیں گے یا یہ کہ آپ اس کے اشکالات اثناءِ وحی میں نہ پوچھیں بعد میں خود ہم آپ کو الہامی طور پر بتا دیں گے۔

فائدہ: اس جگہ سے علماء کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ بوقتِ خطاب کسی مجمل بات کا بیان اگر بعد میں کر دیا جائے تو درست ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض کہتے ہیں نہیں۔ فائدہ: فقال کہتے ہیں ان آیات کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن جن کا ذکر چلا آتا ہے انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال بتلاتے ہوئے اور اس کے عذاب کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال پڑھ پھر جب وہ پڑھنے لگے گا تو زبان لڑکھڑائے گی جلدی جلدی پڑھے گا تب حکم ہوگا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کر۔ کس لیے کہ اپنی حکمت سے یا اپنے وعدہ کے موافق ہم نے ذمہ کر لیا ہے کہ تیرے اعمال جمع کریں اور تجھ سے پڑھوائیں یا تجھ کو سنوا دیں پھر جب سنائیں تو سن اور اس کے تابع ہو یعنی اقرار کر کہ پھر ہم اس عقوبت کی شرح اور اس کے اسرار بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر تمام کلام مسلسل ہے۔

فائدہ: خدا پاک نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا۔ قرآن مجید کو ایک جگہ مجتمع بھی کرا دیا کس لیے کہ ٹکڑے ٹکڑے اور سورتیں سورتیں ہو کر نازل ہوا ہے اب سب ایک جا بترتیب موجود ہے اور آپ کے سینہ میں بھی جمع کرا دیا اور تمام قرآن مجید کے حافظ تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حافظ تھے اور بعدہ امت میں بھی اب تک لاکھوں حافظ ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر و زیر پر حاوی ہیں۔ یہ عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کسی مذہبی کتاب کی بابت نہ دیکھا گیا، نہ سنا گیا اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا انشاء اللہ۔ اور یہ کھلا ہوا معجزہ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے، کان ہوں سنے، دل ہو سمجھے۔ اس کے بعد پھر قیامت اور اس کی نسبت انسانی طبیعت کا تعلق بیان فرما کر خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ فقال کلا نہیں ہرگز نہیں جلدی نہ کر۔ مگر کیا کیجئے انسان جلد باز ہے جس لیے تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اے بنی آدم تم جلدی کی بابت پسند کرتے ہو دیر اور بعد میں آنے والی چیز کو چھوڑتے ہو۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے اور نیز یہ یہی آئندہ بیانِ آخرت کی تمہید بھی ہے اور سلسلہ وار کفار سے کلام بھی ہے کیونکہ وہ جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کب ہے قیامت کا دن؟ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو ٹھہرو وہ دن بھی آتا ہے۔ اور نیز انسان غفلت شعار کو اس کی ناعاقبت اندیشی پر ملامت بھی ہے خصوصاً کفار کو جو عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش و نشاطِ فانی کو پسند کرتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہو کر آخرۃ پیچھے آنے والی یعنی قیامت یا موت کو چھوڑ بیٹھے اس کا سامان اور سرانجام کچھ نہیں کرتے حال کا سبز باغ دیکھ کر آدمی فریفتہ ہے انجام نہیں سوچتا۔

اب لو اس آخرت کا کچھ حال سن لو جس کو دنیا پر فریفتہ ہو کر چھوڑے بیٹھے ہو۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کہ بہت سے منہ یعنی ایماندار نیکوں کے منہ جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں رات دن مصروف رہتے ہیں تازہ اور روشن ہوں گے فرحت اور سرور کی وجہ سے یا اس تجلیِ خاص سے کہ جس کا اثر بدنِ انسانی پر بھی نمایاں ہوگا اور دنیا میں بھی خدا پرست چہروں پر ایک خاص نورانیت ہوتی ہے اور وہی اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی دیدارِ الٰہی کی دولت سے سرفراز ہوں گے اور اسی کی خوشی میں ان کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ دیدارِ الٰہی کی بحث: اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اور بعدہٗ بہشت میں بھی ایمانداروں، نیک بختوں کو دیدارِ الٰہی ہوگا۔ بخاری و مسلم و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ترمذی و ابن جریر وغیرہ محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کو دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں جبکہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ ابن کثیر کہتے ہیں بحمد اللہ

یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ تھا اور تابعین اور ان کے بعد آئمۂ اسلام میں بھی سب کا اس پر اتفاق ہے۔

شیعہ اور معتزلہ کہتے ہیں عیاناً دیکھنا جسمانی چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ جسمانیت سے پاک ہے اس لیے عیاناً دیکھنا محال ہے۔ آیت کے معنی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کس لیے کہ نظر اور چیز ہے جو آیت میں آئی ہے اور رؤیت دیکھنا اور چیز ہے نظر دیکھنے کا آلہ ہے جیسا کہ کان سننے کا یہ ممکن ہے کہ نظر کریں اور وہ چیز دکھائی نہ دے اور سننا چاہیں اور سنائی نہ دے۔ خصوصاً نظر کے بعد الیٰ کا لفظ کلامِ عرب میں انتظار اور توقع کے معنی دیتا ہے۔ آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اپنے رب کی توقع کرتے ہوں گے۔ کس لیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ صاف آ گیا ہے۔ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ لطیف و خبیر ہے ممکنات میں سے لطیف چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ ملائکہ و جن و ہوا پھر وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے ان آنکھوں سے کیونکر دکھائی دے سکتا ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں نظر رؤیت کے معنی میں بہت مستعمل ہے۔ اشعارِ عرب اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں اور الیٰ کے ساتھ بھی دیکھنے کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت لاتدرکہ الابصار میں ان جسمانی آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے جو عالمِ ناسوتی میں مکدرات کے دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں نہ عالمِ آخرت میں جہاں اور آنکھیں عطا ہوں گی اور نیز نفی ادراک کی ہے جو ہر طرف سے گھیر لینے کو کہتے ہیں نہ دیکھنے کی۔

طرفین کے دلائل علمِ کلام کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں جس کو اس پر زیادہ واقف ہونا ہو وہ شرحِ مواقف و شرحِ مقاصد وغیرہما کتابیں دیکھے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ اور بہت منہ اس روز ترش اور بگڑے ہوئے یا سیاہ ہوں گے۔ قیامت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور بجائے کسی نیک توقع اور دیدارِ الٰہی کے تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ یہ یقین ہوگا کہ ابھی ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے کس لیے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی، فرشتے طوق و زنجیر لیے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لیے پولس کے سیاہ پوش گارد کی طرح تیار کھڑے ہوں گے اس وقت ادھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی چھڑانے والا پیدا ہو كَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامتِ صغریٰ کا حال بیان فرماتا ہے جو انسان کے ہر وقت دروازہ پر کھڑی ہے یعنی موت جس کا ذائقہ چکھے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اس صورت میں کلا کو آئندہ کلام میں شامل کیا جائے اور اس کے معنی ضرور کے لیے جائیں تو ممکن ہے فقال كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ضرور ضرور جب جان گلے تک پہنچ جائے گی۔ یہ نزع کے وقت کا ذکر ہے جبکہ جان نکلنے کو ہوتی ہے گویا کہ حلق تک آ گئی۔ یہ اس حالتِ بے کسی کی تصویر کھینچی جاتی ہے وَقِيْلَ مَنْ رَّاقٍ اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑنے یا علاج کرنے والا ہے؟ جاہل عرب ٹوٹکوں، شعبدوں، تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کے بڑے قائل تھے اس لیے انہیں کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا۔ اس وقت وارث جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ کوئی جھاڑے منتر سے اس کو ہوش میں لائے۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ مگر وہ بیمار قریب الموت علاماتِ موت اور ملائکہ کو دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا اور یہ املاک و جائیداد اور مال خزانے ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست جو ہر وقت شریکِ جلسہ رہا کرتے تھے اور یہ مادرِ مہربان جس نے گود میں پالا تھا اور یہ شفیق باپ کہ جو جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا اور یہ ساتھ کھیلے ہوئے بھائی بہنیں جو باہم مل کر ایک گھر میں پرورش پائی اور مل کر ہنستے بولتے تھے، ہائے آج مجھ سے چھوٹتے ہیں الفراق الفراق الوداع الوداع!

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل — اے دو چشمم وداع سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو — ہمہ تودیع یکدگر بکنید
برمن افتادہ دشمن کام — آخر اے دوستاں گزر بکنید
روزگارم بشد بنادانی — من نہ کردم شما حذر بکنید

آخر روح پرواز کر گئی۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی سے پنڈلی مل گئی۔ مردے کے پاؤں اور ٹانگیں ملا دیتے ہیں اور سیدھا اور چت لٹا دیتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ساق سے مراد سختی اور شدت ہے عرب ساق بول کر شدت اس وجہ سے مراد لیا کرتے ہیں کہ تیاری کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اٹھا لیا اور دامن چڑھا لیا جاتا ہے ایسے وقت کافر پر دو شدت پیش آتی ہیں ایک لذاتِ دنیا اور اقارب و اموال کا بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا دوسرے وہاں کی باز پرس اور گوناگوں عذاب میں مبتلا ہونا ایک شدت سے دوسری شدت اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت مل گئی۔

اسی طرح من راق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ جان نکلنے کے بعد کا حال ہے فرشتے باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو کون اوپر چڑھا کر لے جاتا ہے کس لیے کہ ایماندار کی روح کو اوپر لے جانے کے لیے خوش رو و خوش خلق ملائکہ متعین ہیں اور کافر کی روح کے لیے ہیبت ناک بدخلق متعین ہیں۔

امام احمد و نسائی نے ابو ہریرہ و براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں مرنے کے بعد کی کیفیت مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو رحمت کے فرشتے آتے ہیں نہایت خوش رو گویا ان کے منہ آفتاب ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو بھی ہوتی ہے تو وہ جہاں تک میت کی نظر جاتی ہے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت آ کر نہایت نرمی کے ساتھ جان قبض کر کے ان کو دے دیتا ہے وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کو جاتے ہیں اور اس کی روح سے خوشبو آتی ہے اثناءِ راہ میں ملائکہ پوچھتے ہیں یہ کون ہے تو اس کا تعظیم سے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں پر حق سبحانہٗ کے حضور میں پیش ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے کہ اس کو علیین میں لے جاؤ جہاں اور مومنین کی ارواح رہتی ہیں۔ یہ وہاں آتا ہے وہاں کے لوگ اس سے اپنے دنیا کے قرابت داروں کا حال پوچھتے ہیں اگر سنتے ہیں کہ فلاں مر گیا اور یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ جہنم میں گیا۔ اور کافر کے پاس سیاہ رنگ بری شکل کے ملائکہ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت شدت سے جان قبض کر کے ان کے حوالے کرتا ہے وہ اس ناپاک اور بدبودار روح کو اوپر لے جاتے ہیں اول آسمان تک جا کر اوپر جانے کی پروانگی مانگتے ہیں اس کے لیے اوپر جانے کا حکم نہیں ہوتا۔ (لاتفتح لهم ابواب السماء ولايدخلون الجنة) پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو عالمِ سفلی کے گڑھے میں ڈال دو پھر وہ اس کو پھینک دیتے ہیں کہ جہنم میں آ گرتا ہے۔ انتہی ملخصا۔ مسلم نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

جب سامانِ موت سب مہیا ہو چکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ آج تیرے رب کے پاس جانا ہے چلیے وہاں سامنے ہونا ہے اب تجھ کو وہاں کی حاضری سے کوئی نہیں روک سکتا۔ مومن کو بعزت و احترام سماوات پر حضوری ہوتی ہے کافر کی آسمانِ اول سے نیچے ہی پیشی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جنت میں جو عالمِ قدس ہے اور کافر جہنم میں رہتا ہے۔

عالمِ آخرت کے حالات جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام نے مکاشفۂ صادقہ اور الہام سے بیان فرمائے ہیں سب صحیح ہیں سرِ مو تفاوت نہیں ان کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ
فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ
يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ
مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۱۸

پھر نہ اس نے خیرات ہی دی نہ نماز ہی پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ بھی پھیر لیا پھر اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا اے انسان! تجھ پر افسوس پر افسوس تجھ پر! افسوس اور افسوس کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ نپکتی منی کی ایک بوند نہ تھا پھر لوتھڑا بنا پھر خدا نے اس کو بنا کر ٹھیک کیا پھر اس سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا پھر کیا وہ خدا مردہ زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے۔

ترکیب : فلاصدق ای لم یصدق لابمعنی لم والعرب تقول لاذهب ای لم یذهب وهذا کثیر فی کلام العرب قاله الکسائی والاخفش وقیل لابمعنی ماوهو معطوف علیٰ قوله یسئل ایان الخ والضمیر الفاعل فی لاصدق ولاصلی للانسان المذکور فی قوله ایحسب الانسان الخ یتمطیٰ حال من فاعل ذهب یتمطی فیه قولان (الاول) ان اصله یتمطط ای یتمدد ولان المتبختر یمد خطاه فقلبت الطاء فیه یاء کما قیل فی تقضی اصله تقضض (والثانی) من الط وهوالظهر لانه یلویه فعلی الاول الالف مبدلة من طاء وعلی الثانی من واو اولیٰ لک فیه قولان الاول انه اسم فعل مبنی علی السکون و معناه ولیک ماتکرهه والفاعل ضمیر مستتر یعود علی ما یفهم من السیاق وهوالدعاء علیه بالمکروه واللام زائدة کما فی قوله ردف لکم والثانی انه علی وزن افعل من الویل والقلب کادنیٰ من دنو وقیل وزنه فعلیٰ لمن آل یؤل والالف للالحاق لاللتانیث وعلی التقدیر من هواعلم فالام ینون فعلی هذا اولی مبتداء لک خبره۔ سدًی حال والالف مبدلة من واو معناه المهمل ومنه اهمل سدیٰ ای ترعی بلاراعٍ الهدیٰ الخ مستانفة واروة بطلان الحسبان المذکور یمنیٰ بالیاء والضمیر یرجع الی المعنی فیکون فی موضع جر صفة للمعنی وبالتاء والضمیر للنطفة وهیَ الماء القلیل یقال نطف الماء اذا قطر وجمعها نطاف ونطف فیکون فی موضع نصب الذکر والانثیٰ بدل من الزوجین۔

تفسیر : اب اس روح کی حالت بیان فرماتا ہے کہ خدا کے پاس جانے کے بعد اس سے کیا معاملہ پیش آئے گا اور اس کو کیا کہا جائے گا۔ مومن کا حال چھوڑ دیا گیا کس لیے کہ بالفعل ان سرکش کافروں کا انجام کار بیان کرنا اہم مقاصد تھا اس لیے کفار و بت پرست اور گنہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى کہ جب وہ دربار میں حاضر ہوگا تو کہا جائے گا تو نے دنیا میں نہ مالی عبادت کی یعنی خیرات نہ دی، نہ فقیروں محتاجوں کو کچھ دیا جوڑ جوڑ کر رکھتا رہا، خلقِ خدا پر رحم نہ کھایا اور نہ جانی عبادت کی نہ نماز پڑھی نہ خدا کے سامنے رکوع و سجود کیا، نہ عاجزی اور دعا کی۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى بلکہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا خدا کی طرف کے داعی سے منہ موڑ لیا۔ یا یوں کہو تصدیق نہ کی اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ایمان نہ لایا، نہ اعمال اچھے کیے۔ نماز سے بے خبر رہا۔ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اس کے بعد غصہ سے اس کو کہا جائے گا کمبختی ہو تیری پھر کمبختی ہو تیری یعنی تیری زندگی پر پھٹکار اور مرنے پر پھٹکار اور یہاں زردرُو خالی ہاتھ آنے پر پھٹکار پھر تیرے جہنم میں جانے پر پھٹکار۔ یہ کلمہ زبان عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے چار بار بولا گیا۔ چار موقعوں کے لحاظ سے اس کے بعد اس کو اس اندوہناک اور تاریک قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ کی لپٹیں اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اس قیامتِ صغریٰ (موت) کے واقعہ کا بیان فرما کر حشر برپا ہونے پر ایک دلیل قائم کرتا ہے۔ اس انداز میں کہ اس کو ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔

دلیلِ اول قیامت پر: فقال اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بیکار اور آزاد اور نکما چھوڑا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اور چند آیات میں جو حشر برپا ہونے کی دلیل ہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ انسان کو قدرت و اسباب و عقل عطا کیے گئے ہیں اور ان چیزوں کا عطا کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے اور یہ بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امور منہی عنہا پر عذاب اور مامور بہا پر ثواب ہے جس کا محل دارِ آخرت ہے۔ کیا آدمی کا اس جہان میں آنا عقل و حواس پانا اور پھر چند روز رہ کر دارِ دنیا سے غائب ہو جانا اس حکیم و کریم کا کوئی عبث فعل یا کوئی کھیل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا یہ ساری باتیں ایک نئی زندگانی کے لیے سامان و اسباب فراہم کرنے کے لیے نہیں؟ ضرور ہیں۔ پھر انسان نکما اور بیکار اور شتر بے مہار کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو چاہے سو کرے، دنیا کے جائز اور ناجائز مزے اڑایا کرے، جانوروں کی طرح سوئے، جماع کرنے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو۔ ضرور ضرور وہ کسی

کام کے لیے یہاں آیا ہے اس کی فطری بناوٹ اور اس کے عقل وحواس اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اثباتِ نبوت کی بھی یہ دلیل ہوسکتی ہے کس لیے کہ جب انسان شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا تو ضرور اس کے لیے کوئی روحانی معلم ہونا چاہیے جس پر اس جہان کے اسرار منکشف کئے گئے ہوں اور وہ اس کو وہاں کے مناسب باتیں تعلیم کرے اور ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ پھر اس کا اتباع بھی ضرور ہے۔

دوسری دلیل : دوسری دلیل حشر برپا ہونے پر یہ ہے اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی کہ وہ انسان کیا ایک منی کا قطرہ نہیں تھا؟ ضرور اس کی ابتدا یہی ہے اس کو کافر ومومن سب جانتے ہیں۔ پھر کیا وہ قطرہ خود بخود انسان بن گیا۔ اس میں یہ تناسب اعضا پیدا ہوگیا یا کسی مادۂ بے خبر اور طبیعتِ بے شعور نے یہ عقل وحواس عطا کردیے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسی نے اس کو بترتیب بنایا کس لیے کہ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی قطرۂ منی سے خون کا لوتھڑا بنا پھر بتدریج اس کے اعضاء بنے پھر اعضاء بھی ایسے بنائے کہ جن کی تشریح وتناسب میں عقل حیران ہے ہر ایک عضو اس کی کمال صنعت وقدرت کی بآوازِ بلند گواہی دے رہا ہے۔ پھر خود انسان کا تو یہ کام نہیں کہ از خود بن جائے از خود ہوتا تو یکبارگی ہوتا بلکہ کسی نے بنایا ہے۔ پھر کیا یہ اس کے ماں باپ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر پیٹ میں کیا ہو رہا ہے پھر کیا یہ مادہ اور طبیعت کا کام ہے؟ جیسا دہری اور طبعی کہتے ہیں یہ بھی نہیں کس لیے کہ فَخَلَقَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی اس نے ایک قطرۂ منی سے مرد بھی پیدا کئے اور عورت بھی۔ مادۂ منویہ برابر تھا طبیعت کا مقتضی یکساں تھا، پیٹ بھی وہی پیٹ ہے اور نطفہ بھی اس شخص کا نطفہ ہے پھر یہ مرد عورت کا تفاوت کیونکر ہوگیا؟ اور لطف یہ کہ ایک ہی حمل میں ایک لڑکی دوسرا لڑکا کبھی دونوں لڑکے کبھی دونوں لڑکیاں یہ تفاوت کیوں ہوا اور کس نے کیا؟ بے شک اس حکیمِ مطلق نے اور یہ بھی اس کی کمال قدرت وصنعت اور انسان پر مرحمت کی دلیل ہے کس لیے کہ اگر سب عورتیں ہی ہوتیں یا سب مرد ہی ہوتے تو انسانی توالد وتناسب اور اس کے عیش اور زندگانی کے لطف کا خاتمہ ہو جاتا ایک نطفہ اور اسی سے یہ اعضاء مختلف الآثار کس مرجح کا کام ہے۔ پھر جس نے یہ سب کچھ کردیا تو اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی کیا وہ مردے کو حشر میں زندہ کردینے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں۔

عبد بن حمید وابن الانباری وابوداؤد وترمذی وبیہقی وابن المنذر وحاکم وغیرہ محدثین نے باسنادِ مختلفہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد یہ فرماتے تھے بلیٰ کہ کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔ اور اسی طرح سورۂ والتین کے بعد بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین اور سورہ مرسلات کے بعد آمنا باللہ کہتے اور حکم دیتے تھے کہ کہو کس لیے کہ یہ آدابِ سماعت میں سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں نماز کے باہر ان مواقع میں یہ الفاظ کہے نماز میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں نماز میں بھی مضائقہ نہیں کس لیے کہ ان الفاظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن اول قول احوط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰی عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ② اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَیْنًا یَّشْرَبُ

بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ⑥

ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا ہم نے انسان کو منی کے ایک لجھے سے بنایا کہ اس کو آزمائیں سو اس کو سنتا دیکھتا کردیا۔ ہم نے اس کو رستہ دکھادیا پھر کچھ شکر گزار اور کچھ کافر ہو رہے (مگر) ہم نے بھی کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک نیک لوگ ایسا پیالہ پئیں گے کہ جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہوگی (ایک خاص) چشمہ سے اللہ کے نیک بندے پئیں گے (اور خوب) لونڈھائیں بہائیں گے۔

ترکیب : هل هنا عنا القراء والکسائی وسیبویہ وابوعبیدہ بمعنی قد کما فی قولہ هل اتاک حدیث الغاشیة وکقولہ علیہ السلام هل یلغت۔ وقال مکی بمعنی الاستفہام التقریری والاول اقوی من الدهر بیان لحین اوصفة لم یکن الخ محلہ النصب علی الحال من الانسان وقیل محلہ الرفع علی انہ صفة لحین امشاج بدل اوصفة من نطفة قیل هی جمع مشج او مشیج کعدل وشریف جمعها اعدال واشراف۔ والمشج فی اللغة الخلط یقال مشج یمشج مشجا اذا خلط انما وقع الجمع صفة لمفرد لانہ فی معنی الجمع لان النطفة ماخوذة من اشیاء مختلفة اوجعل کل جزء من النطفة نطفة والمراد نطفة الرجل ونطفة المراة۔ وقال صاحب الکشاف الامشاج لفظ مفرد ولیس بجمع بدلیل انہ وقع صفة للمفرد ونظیرہ مرتبة اشعاری قطع مکرة وثوب اخلاق۔ نبتلیہ فی موضع الحال ای خلقناہ مبتلین لہ یعنی مریدین ابتلائہ۔ فاما شاکراً وراما کفورا فی انتصابهما اقوال الاول شاکرا وکفورا حالان من الهاء فی هدیناہ السبیل ای هدیناہ السبیل حالتے کونہ شاکرا وکفورا (والثانی) انتصابها باضمار کان و التقدیر سواء کان شاکرا او کان کفورا (الثالث) معناہ انا هدیناہ السبیل لیکون اما شاکرا واما کفورا واما علی هذا القول کقول القائل قد نصحت لک ان شئت فاقبل وان شئت فاترک (والقول الرابع) هو المطابق لمذہب اهل السنة ان تکون اما فی هذہ الآیة کما فی قولہ اما یعذبهم واما یتوب علیهم۔ والتقدیر انا هدیناہ السبیل ثم جعلناہ تارة شاکرا وتارة کافرا۔ اما عند الجمهور بکسر الهمزہ فهی عند الکوفیین کما حکاہ مکی ان شرطیة زیدت بعدها ما للتاکید ای بینالہ الطریق ان شکروان کفر۔ واختارہ الفراء ولا یجوز عند البصریین لان ان الشرطیة لا تدخل علی الاسماء الا ان یقدر بعدها فعل ولا یصح ههنا اضمار الفعل لانہ لا یلزم رفع شاکرا وکفورا۔ فتامل وقرأ ابوالسماک وابوالعجاج بالفتح فعلی هذا فهی اما عاطفة فی نیة بعض العرب اوهی التفصیلیة۔ جوابها مقدر سلاسل عند البعض منصرف لان مثل هذہ الجموع تشبیہ الاحاد لانهم قالوا صواحبات یوسف فلما جمعوہ جمع الاحاد المنصرفة جعلوها فی حکمها فصرفوها عند البعض غیر منصرف لکونہ صیغة منتهی الجموع والسلاسل جمع سلسلة والاغلال جمع غل واما الحاق الالف فی الوقف فهو کالحاقها فی قولہ الظنونا والرسولا اولا لا فی الصحاح جمع البرالابرار وجمع البار البررة کان مزاجها کافورا الجملة فی محل جر صفة لکاس عینا ان قلت الکافور اسم النهر فی الجنة کان عینا بدلا منہ وان شئت قلت نصبہ علی الاختصاص والتقدیر واعنی عینا وان قلت الکافور علی معنا واستعمل فیہ فکان عیناً بدلاً من محل کاس علی حذف مضاف کانہ قیل یشربون خمر اخمر عین ثم حذف المضاف واقیم المضاف الیہ مقامہ وقیل نصب عینا باضمار فعل یفسرہ مابعدہ ای یشربون عینا یشرب بها الجملة صفة لعینا وقیل الباء زائدة وقیل یشرب بمعنی یتلذ ذیفجرونها صفة اخری لعینا۔

تفسیر : اس سورۃ کا نام اسی کے الفاظ کی وجہ سے سورۂ دہر اور سورۂ انسان اور سورۂ هل اتی اور سورۂ امشاج بھی ہے۔ اس کے نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم ومقاتل وکلبی رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اور اسی طرف بیضاوی ومحشری گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا سے آخر تک تو قطعی مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں اور آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو بعض اہلِ بیتِ کرام کی مدح میں بیان کی گئی ہے اس بات کا قرینہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

مناسبت : مناسبت اس کی پہلی سورۂ قیامہ سے یہ ہے کہ اس میں دو فریق کا معاملہ ذکر تھا جو قیامت میں پیش آئے گا ایک وہ کہ جن کے منہ روشن ہوں گے اور دوسرے وہ کہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے۔ تتمہ کے طور پر اس سورہ میں فریقِ اول کے اور بھی حالات بیان کئے گئے اور یہ بھی ہے کہ سورۂ قیامہ میں صرف قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم سے ابتداءِ کلام تھی یہاں قیامت پر انسان کے حادث ہونے سے استدلال ہے اور یہ بھی ہے کہ ان سورتوں میں اکثر یہی مسائل زیرِ بحث ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت۔ (۲) قیامت کا برپا ہونا اور وہاں کے حالات۔ (۳) انسان کی ابتداء وانتہا اور اس کے اس جہان میں آنے کی وجہ۔ (۴) انسان کے اسبابِ سعادت وشقاوت کہ یہ چیزیں ہیں کہ جن سے اس کو سعادت یعنی وہاں کی حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ ابدی نصیب ہوگی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے سبب یہ شقی ہو کر جہنم کے عمیق گڑھے میں زنجیروں میں باندھ کر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے ڈالا جائے گا۔ پھر ان مسائل کو عجب انداز میں بیان کیا ہے اور عجب دلکش طرز سے بلالحاظِ تقدیم وتاخیر یکے بعد دیگر پراثر الفاظ اور روح کو جنبش دینے والے فقرات میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بحث پر دوسرے مسئلہ کا لحاظ رہا ہے یعنی اگر اس بیان اور کلام کے ایک پہلو میں ایک مسئلہ کا ثبوت ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے کا۔ اگر خدا پاک کسی مفسر کی روح پر وہی فیضانِ مصطفوی ڈالے تو وہ ان مطالب کی تفسیر کر سکتا ہے اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا جاتا ہے اور اس کا ظہر بطن اور ہر حد کا مطلع بیان کیا گیا ہے۔

مطالب : سورۂ قیامہ میں بھی انہیں مسائل پر انہیں طرزوں میں بحث تھی۔ اس سورہ میں بھی اور اس کے بعد کی سورہ میں بھی علی ہذا القیاس اور اسی لیے باہم لفظی بھی بہت کچھ مناسبتیں پیدا ہیں۔ جو شخص اس رمز پر واقف ہوگا اس کو ہر قسم کی روایات سے ایک خاص شانِ نزول تلاش کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔ کس لیے کہ ان مسائل کی ضرورت ہی سببِ نزول ہے۔ اور آیات میں انسانی نیک وبد فطرت کا فوٹو کھینچا جایا کرتا ہے۔ عام لوگ اس کو کھینچ تان کر کے رطب ویابس روایات کے ذریعہ سے ایک شخص کا قصہ یا واقعہ بنا دیتے ہیں جس کا جس کی طرف رجحان ہوا اور جو ان کے برائی کے لیے جھنڈے پر چڑھ گیا۔

انسان کی ابتدا : فقال هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کہ بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر گیا ہے کہ اس کا کوئی ذکر بھی نہیں تھا۔ شیئاً سے وجود فی الخارج کی نفی کر دی گئی کس لیے کہ متبادر معنی شے کہ جبکہ اس کو وجودِ ذہنی اور لفظی کی قیود سے مبرا رکھا جائے تو موجود فی الخارج کے ہیں اور مذکورا وجودِ لفظی اور ذہنی کی نفی کرتا ہے کہ انسان کا وجود نہ کسی کے ذہن میں تھا نہ کسی کی زبان پر تھا۔ اور جب اس قید کو بھی ملحوظ کر کے نفی کر دی گئی تو وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی کی نفی دلالتِ مطابقی سے اور خارجی وجود کی نفی دلالتِ تضمنی سے سمجھی جائے گی مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ علمِ الٰہی میں بھی انسان کا وجود نہ تھا کس لیے کہ علمِ الٰہی کا مرتبہ بالاتر ہے۔ حاصل یہ کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اس وقت نہ یہ دنیا میں موجود تھا نہ اہلِ دنیا میں اس کا تذکرہ تھا کوئی حضرت کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

دہریوں کا اعتقاد اور اس کا ابطال : اس کا ثبوت کہ نسلِ انسان ایک وقت نہ تھی اور اس کی پیدائش کی ایک ابتداء ہے اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ ان کے ہاں آفرینشِ انسان کا زمانہ اب تک تخمیناً سات ہزار برس کا ہے اور اس بات کا نصف دنیا سے زائد کو یقین ہے۔ اہلِ ہند واہلِ پارس اگرچہ لاکھوں برس کی تعداد بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک ابتداء معلوم ہوتی ہے البتہ حکماءِ یونان اور دیگر فلاسفہ ہر نوع کو قدیمِ زمانی کہتے ہیں علی سبیل البدلیۃ اس کے افراد کو قدیمِ زمانی مانتے ہیں خصوصاً دہریہ۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ تجددات وانقلابات جہان میں ہو رہے ہیں سب گردشِ زمان اور اوضاعِ فلکیہ وتاثیراتِ سیارات سے ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں بعض ان اوضاع میں سے رات دن میں بعض مہینے میں بعض فصل میں بعض ایک برس میں بعض قرانات میں متبدل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت دراز زمانہ میں اکوار وادوار کہتے ہیں اس سے انقلاباتِ عظیمہ اور انواعِ مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔ آبادیاں جنگل اور جنگل آبادی خشکی دریا اور دریا

خشک جنگل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بنی آدم اور دیگر انواعِ حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور جو پیدا تھے مٹ جاتے ہیں اور ایک نوع بدل کر دوسری نوع بن جاتی ہے۔ انسانوں سے بندر اور بندروں سے انسان ترقی کر کے ہو جاتے ہیں۔

ان کے عقول کی حق سبحانہٗ کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔ ان کے مذہب کا ابطال صرف ایک اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نسلِ انسانی کا ایک زمانہ میں بالکل نہ پایا جانا حال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے۔ حال کے محققوں نے کوہِ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر پتھروں میں سیپیاں اور گھونگھے دیکھے ہیں جس سے علم جوالجی کے واقف کاروں کو کامل یقین ہے کہ کسی زمانہ میں تمام ہندوستان سمندر کا سطح تھا اور سمندر کا پانی ان چوٹیوں کے اوپر تک تھا پھر گھٹتے گھٹتے یہ زمین کھل گئی۔ پھر جب کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کے پانی میں غرق تھیں تو پھر مساحت اور ارتفاع کے لحاظ سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جو پانی سے ڈھکا ہوا نہ ہو پھر جب ایسا ہوگا تو نسلِ انسانی کا زمین پر قطعاً وجود نہ ہوگا اور اسی طرح سیاحوں کو اور ملکوں کے پہاڑوں پر بھی سمندر کے نشان معلوم ہوئے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نسلِ انسانی ایک زمانہ میں دنیا پر نہ تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا دہر اور اس کے کسی وضع کا مقتضی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ہے[1]۔ اگر یوں کہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسل انسانی تھی اور مدتوں رہ کر نیست ہو گئی پھر بار دیگر پھیلی اور اسی طرح پھر نیست ہوگی اور پھر زمین پر آباد ہوگی اور یہی تسلسل رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے نسلِ انسانی کا وجود ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا؟ کیا اس سے پہلے کے کچھ آثارِ باقیہ پائے گئے یا قواعدِ زیچ وتقویم سے معلوم ہوا یا کسی دیکھنے والے مخبر صادق نے خبر دی؟ پھر جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو محض عقلی ڈھکوسلا اور وسوسہ شیطانی ہے۔ شیئاً مذکورا کا لفظ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع نہیں بلکہ ہر ایک انسان تب مطلب صاف ہے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ثبوت دہریوں کا رد ہے اور نیز توحید کا بھی ثبوت ہے کس لیے کہ جمیع افرادِ انسانیہ حادث ہیں ان کو کارخانہ قدرت اور قضاء وقدر میں کچھ دخل نہیں اور نیز دوسرے پہلو میں قیامت کا بھی ثبوت ہے کہ ہم بارِ دیگر پھر نیست کرنے پر قادر ہیں اور حشر میں پھر زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: دھر زمانۂ دراز حین اس کا ایک ٹکڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم مجھے گالیاں دیا کرتا ہے، جب وہ دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں ہوں دہر میرے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں رات دن کو پلٹتا ہوں۔ متفق علیہ۔ یعنی دہر کی طرف اس کا حوادث کو منسوب کرنا بے عقلی ہے۔ وہ دہر کیا کرتا ہے جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں۔ انجام کار دہریہ بھی جب اس سے دہر کی حقیقت دریافت کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ کی طرف آ رہتا ہے۔ صرف لفظوں کا فرق رہ جاتا ہے یہی اس کی گمراہی ہے کہ پھر بھی وہ حق سبحانہٗ کا انکار کرتا ہے اور مادی وطبعی لوگوں کا بھی اسی کے قریب قریب مذہب ہے۔ وہ دہر کی جگہ مادہ کو پیٹا کرتے ہیں۔ نئے فلسفہ نے آج کل یورپ میں دہریت اور الحاد اور مادیت کا دریا بہا رکھا ہے ان کے کہربائی تجربات ان کی آنکھوں پر حجاب ہو رہے ہیں۔ اس اندھیری رات میں ادھر اُدھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد نسل انسانی پھیلنے کا طریقہ بتلاتا ہے جو خاص اسی کے قبضہ وتصرف کی بات ہے۔ فقال انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج کہ اور کسی نے نہیں بلکہ خود ہم نے انسان کو منی کے لچھے سے پیدا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پیچھے کی سورتوں میں بیان ہو چکی کہ ان کو مٹی سے بنایا اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ مقصود نسلِ انسانی کا پھیلانا بتانا ہے گرچہ مبداء ان کا آدم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل قطرۂ منی سے شروع ہوتی ہے۔ منی کو امشاج چیپ اور لچھ کہتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بیان کرتا ہے کہ آپ جو زمین وآسمان کے قلابے

[1] کیونکہ ان کے نزدیک قدم مقتضائے دہر ہے اور وہ باطل ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ملاتے ہیں اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتے ہیں آپ کو علم وشعور ہی کیا ہے۔ آپ پہلے اپنی اصل کو تو بیان کر دیجئے کہ وہ منی جس میں چیپ تھا اور وہ نر و مادہ کی منی رحم میں مل کر لچھ سا ہو گیا تھا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنی تھی اور رحم میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے آپ کیا تھے آپ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ پھر جب آپ کو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ کس اعتماد پر دہر اور مادہ کو خالق کہتے ہیں؟ اور اگر کوئی بھی خالق نہیں تو پھر آپ خود بخود کیونکر بتدریج بن گئے۔ فعل بغیر فاعل کے اور حادث بغیر محدث کے کیونکر ہو گیا؟ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہی نطفہ کا لچھ تو ہے جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء ودیعت ہیں۔ بھلا اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کون سے جز میں سے کون سی قوت اور کون سا عضو ودیعت رکھا گیا ہے؟ اور یہ بھی کہ آپ ایسی حقیر اور ناپاک چیز سے بنے ہیں جو کپڑے پر لگے تو دھوئی جائے پھر یہ غرور یہ باتیں؟ اب انسان کے دنیا میں پھیلانے اور پیدا کرنے کا راز بھی بتلاتا ہے۔ نبتلیہ کہ ہم اس کو آزمائیں کہ دنیا کی اندھیری میں کیا کرتا ہے اور ہماری طرف بھی متوجہ ہوتا ہے یا لذات وشہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور اسی لیے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس کو ہم نے سننے دیکھنے والا بھی کر دیا۔ کان دیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے، اگلے مشرکوں کے حالات اور ان کی آفات سن کر عبرت کرے، ان بیہودہ کاموں سے بچے۔ آنکھ دی ہیں کہ آیاتِ قدرت دیکھ کر ایمان لائے، برے بھلے کو دیکھے اور امتیاز کرے لوگوں کے غلط افسانوں ہی پر اڑا نہ رہے۔ دنیا کی رواروی اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر اپنے چلنے کی بھی فکر کرے۔

فائدہ: انسان کمبخت بڑی مصیبت میں ہے لذات وشہواتِ دنیا اس کے کانوں کو پھر آنکھوں کو اندھا کر کے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں عقلِ سلیم دارِ آخرت کی طرف کھینچ رہی ہے ملہمِ غیبی پڑا پکار رہا ہے کہ او نادان! اُدھر نہ جا آگے جہنم کا عمیق گڑھا ہے۔ اِدھر بیماری، فکرِ معاش، موتِ احباب واقارب، رنج والم اور بھی کھائے جاتے ہیں اور مہلت تھوڑی ؎

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں — اس اتنی سی زیست پر کوئی کیا کیا کرے

اسی لیے بعض حضرات اکابر نے یہ کہہ دیا کہ کاش ہم اسی حالت میں رہتے کہ شیئاً مذکورا نہ ہوتے۔

اس آزمائش کی پھر تشریح کرتا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ کہ ہم نے انسان کو کان آنکھ دے کر بری بھلی سب راہیں دکھا دیں اور بتا دیں کہ یہ برا رستہ ہے وہ دیکھ سیدھا جہنم کو جاتا ہے اور یہ رستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور تجھے دونوں پر چلنے کا قضاء وقدر نے اختیار دیا ہے۔ فَاِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا پھر کچھ شاکر ہو گئے، جنت کی راہ پر چلے گئے اور کچھ کافر ناشکر ہو گئے جہنم کی راہ پر چلے۔ یا یوں کہو کہ اب تو خواہ شاکر ہو یا کافر پر یہ بھی یاد رہے اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا کہ ہم نے کافروں، ناشکروں کے لیے زنجیریں اور طوق کان اور آنکھ کی ناشکری اور ان کو اچھے کاموں میں استعمال نہ کرنے پر اور دہکتی آگ، دل اور عقل کو راہِ راست پر کام نہ لانے پر تیار کر رکھی ہے۔ ذرا مرنے کی دیر ہے اور جو شاکر ہیں وہی ابرار ہیں کس لیے کہ شکر منعم کے احسان کا بدلہ ہاتھ سے، پاؤں سے، دل سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور اسی کا نام نیکی ہے۔ اس میں مخلوقِ خدا کے ساتھ بھلائی، خیرات، صدقات، ہمدردی بھی آ گئی کیونکہ نعمتوں کے بدلہ کی اس کو کیا حاجت ہے؟ اس کی مخلوق کی حاجت براری اس کے قائم مقام ہے اور اسی لیے آیا ہے کہ جو کوئی فقیر مسکین حاجت مند کو دیتا ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو گویا ہماری عیادت کرتا ہے اور ہم کو دیتا ہے اور نماز وعبادت وذکر بھی آ گیا کس لیے کہ جان وتن کو اسی کی طرف جھکانا اس نعمت کا بدلہ ہے اور بری باتوں سے پرہیز بھی آ گیا کس لیے کہ جو کام کرتا ہے درحقیقت وہ ان اعضاء اور دل کی قدردانی نہیں کرتا پھر ان نیکیوں کے لیے آخرت میں کیا ہے؟ فرماتا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا کہ نیکوں کو جنت میں شرابِ طہور کا وہ پیالہ پینے کو ملے گا جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہو گی یا اس کا مزاج کافوری ہو گا۔ کوئی گرمی اور سوزش نہ ہو گی تاکہ حشر کی گرمی سب دور ہو جائے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں منکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں محبتِ زر کی زنجیر ہے، کسی کے

زن وفرزند کی، کوئی باغ اور کھیتی اور تعمیرِ مکانات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، کوئی ملک گیری کی زنجیر میں پابند ہے۔ الغرض[1] علائقِ دنیا کی زنجیریں ان کے لیے تیار ہیں تا زیست ان سے چھٹکارا نہیں کہ ذرا بھی معرفت وعبادت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ اور ان کے گلوں میں طوق بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کے گلے میں نوکری کا طوق ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کی خدمت اور حاضر باشی سے دم بھر کی مہلت نہیں۔ کسی کے گلے میں شراب اور فاحشہ عورتوں کی محبت کا طوق پڑا ہوا ہے۔ کسی کے گلے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ ومال کا طوق ہے جو ایک دم بھی اس کو خدا کی طرف پھرنے اور متوجہ ہونے نہیں دیتا اور ان کے لیے دہکتی آگ بھی تیار ہے وہ کیا؟ عداوت وحسد کی آگ ناکامی کی آگ حرص وشہوت کی آگ یا فوائدِ متوہمہ کے فوت ہو جانے کی آگ۔ یہ آگ ہر وقت دل میں جلتی رہتی ہے۔ محبتِ الٰہی اور رغبتِ دارِ آخرت کو وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد بھی یہی زنجیر اور یہی طوق اور یہی آگ جہنم میں توے کی بڑی زنجیر اور گراں بار طوق اور دہکتی آگ ہو جائے گی۔ جس طرح یہاں چھٹکارا نہ تھا وہاں بھی ان سے رستگاری نہ ہو گی۔ برخلاف ابرار واہلِ ایمان کے کہ ان کو شرابِ محبتِ الٰہی کا پیالہ پلایا جاتا ہے جس میں کافور کا اثر ہے جس سے وہ باوجود علائقِ دنیا وبیہ کے سب سے آزاد رہتے ہیں ان کے دلوں سے یہ آگ سرد کر دی جاتی ہے۔ یہی پیالہ جنت میں شرابِ طہور کی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آئے گا اور اس پیالہ ہی پر بس نہیں بلکہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ وہ اللہ کے نیک بندے ایک چشمہ کو پئیں گے یعنی ان کے لیے چشمہ تیار ہے جو جاری ہے کبھی بند نہیں ہوتا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے نہ ہو گی اور نہ صرف پئیں گے بلکہ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا کہ اس کو بہائیں گے جس طرح سے چاہیں گے کام میں لائیں گے۔ دنیا میں جو نہ صرف ایک ہی جام پیتے ہیں بلکہ چشمۂ محبتِ الٰہی سے پیتے اور اس کو بہاتے اور ان کے ہر کام میں اور ہر بات میں اور ہر شان میں محبتِ الٰہی کا نشہ ہے وہ وہاں چشمہ کافور[2] کا بھی اسی طرح دل کھول کر استعمال کریں گے اور وہ کافور یہ دنیا کا کافور نہیں بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کو اس کافور سے کسی خاص خاصیت میں مناسبت ہے۔ سردی اور سپیدی تقویت دل ودماغ ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ
عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰
فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝۱۱ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا
جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝۱۲ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا
وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝۱۴

[1] ان آیات میں انسان کا انجام اور آخرت کا بیان ہے۔

[2] سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کیا ہی کافوری شراب کا پیالہ بلکہ چشمہ پلایا گیا کہ اس کے نشہ میں دنیا سرد تھی اور پھر اس کو کیسا بہایا جس کی نالیاں ہند اور چین اور ترکستان ادھر بربر کے خشک میدانوں تک گئیں اور وہاں بھی لاکھوں کو مست وبے خود کر دیا۔ پھر انہوں نے ساقی بن کر ایسا پلایا کہ جس کا نشہ اب تک نہیں اترا ان کے مزاراتِ مقدسہ سے اب تک وہی مستی کی بو آتی ہے اور کفار کا زنجیروں اور طوق اور دہکتی آگ میں گرفتار ہونا ہر ایک کو دکھائی دے رہا ہے۔ ۱۲ منہ

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا اور وہ اس کی محبت پر فقیر اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں تو خاص اللہ کے لیے نہ ہم کو تم سے بدلہ پانا مقصود ہے نہ شکر گزاری۔ ہم تو اپنے رب سے ایک اداس (اور) ہولناک دن سے ڈرتے ہیں پھر ان کو اللہ اس روز کے شر سے بھی محفوظ رکھے گا اور ان کے سامنے تازگی اور خوشی لائے گا اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت اور ریشمی پوشاکیں دے گا وہاں چھپر کھٹوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی اور ان کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے بہت ہی پاس لٹک رہے ہوں گے۔

ترکیب : یوفون جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار النذر فی اللغۃ الایجاب والمراد ھنا ما اوجب اللہ علی العباد او ما اوجب العبد علی نفسہ من فعل الخیرات وترک المنکرات والوفاء الاتیان بما اوجب۔ المستطیر اسم الفاعل من باب الاستفعال ماخوذ من الطیر ان العرب تقول استطار الحریق اذا انتشر **ویطعمون** الجملۃ معطوفۃ علی سابقتہ انما نطعمکم الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال بتقدیر القول ای قائلین انما الخ عبوساً تعبس وتکلح فیہ وجوہ الناس من شدتہ وھولہ فالمعنی انہ ذو عبوس القمطریر اشد ما یکون فی الایام واطولہ فی البلاء قال مجاہد ان العبوس بالشفتین والقمطریر بالجبہۃ والحاجبین۔ متکئین حال من ھم فی جزاھم والعامل جزیٰ الارائک جمع اریکۃ وھی بیت یزین بالثیاب والاسرۃ والستور لایرون الجملۃ فی محل نصب علی الحال من مفعول جزاھم اومن الضمیر فی متکئین فعلی الاول حال متراوفۃ وعلی الثانی متداخلۃ۔ اوصفۃ اخریٰ الجنۃ۔ ودانیۃ من الدنو بمعنی القرب قرء الجمہور بالنصب عطف علی ما قبلھا حال مثلھا اوصفۃ لمحذوف معطوف علی جنۃ۔ وقریٔ بالرفع علی انہ خبر والمبتدء ظلالھا والجملۃ فی حیز الحال والمعنی لایرون فیھا شمسا ولازمھریرا والحال ان ظلالھا دانیۃ۔ وعلی تقدیر النصب ظلالھا مبتدء علیھم الخبر وذللت الجملۃ حال من دانیۃ اومعطوفۃ علی دانیۃ وعلی تقدیر رفع دانیۃ علی جملۃ اسمیۃ والقطوف جمع قطف بالکسر وھو العنقود۔ خوشہ۔

تفسیر : یہاں سے ان ابرار کے اوصاف وحالات بیان فرماتا ہے جن کے سبب وہ ابرار کئے گئے۔ (۱) یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کہ وہ نذر پوری کیا کرتے ہیں۔ نذر پیمان (ومنہ نذرت للہ کذا النذر بالضم والکسر) (صراح)) وفا پورا کرنا۔ قتادہ ومجاہد کہتے ہیں اس کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں لغوی اور شرعی معنی کے لحاظ سے اس میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ (اول) نذر شرعی کہ بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر واجب کر لے کہ میں اللہ کے لیے یوں کروں گا یا یہ کام نہ کروں گا۔ اب عام ہے کہ یہ نذر کسی آنے والی مراد کے حاصل ہونے یا بلا کے دفاع ہونے پر کی ہو جیسا کہ عام دستور ہے یا نہیں مگر اس قسم کی نذر کی بابت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ لاتنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل۔ (متفق علیہ)۔ کہ نذر نہ مانا کرو کس لیے کہ تقدیر الٰہی کو نذر ماننا کچھ ٹال نہیں سکتا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا، ہزار نذر مانا کرو بلکہ اس حیلہ سے بخیل کا مال خدا پاک باہر نکلوا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بغیر نذر مانے کچھ بھی للہ نہ دیتا ہو اور وہ نذر کو تقدیر الٰہی کے پلٹنے کا وسیلہ بنائے۔ یہ اس بخیل کے مال صرف ہونے کا سبب ہے۔ نذر ممنوع کاموں میں بھی جو اس کی قدرت نہ ہوں نہ ماننی چاہیے۔ کیونکہ مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ معصیت میں اور جن کاموں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی نذر کو پورا نہ کرے مگر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ ابوداؤد وترمذی نے روایت کی ہے کہ لانذر فی معصیۃ اللہ وکفارتہ کفارۃ الیمین اور اسی طرح ابن ماجہ وابوداؤد نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے، من نذر نذرا لا یطیقہ فکفارتہ یمین[1]۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ نذر دراصل نذر نہیں کفارہ واجب نہیں نہ اس کو پورا کرے۔

---

[1] یمین خدا کے نام یا صفات کی قسم کھانا کہ ایسا کروں گا یا نہ کروں گا اور نذر بغیر قسم کے کوئی کام واجب کر لینا کہ تین روزے اللہ کے لیے رکھوں گا یا صدقہ اس قدر کروں گا وغیرہ۔ اگر برے کاموں کی بابت یا غیر مقدور کی بابت نہیں تو وفا کرنا لازم ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ اور ترک میں کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دینا یا بردہ آزاد کرنا ورنہ تین روزے رکھنا۔ ۱۲ منہ

باقی اور سب نذروں کا پورا کرنا واجب ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ ابرار کی شان میں فرماتا ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے۔ ولیوفوا نذورھم کہ اپنی نذریں پوری کرو۔ پھر جو اپنی مانی نذر کے پورا کرنے میں آمادہ ہے وہ خدا پاک کے واجب کردہ احکام و عبادت پر بدرجۂ اولیٰ سرگرم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نذر سے مراد واجبات ہیں۔ عام ہے کہ از خود بندہ نے اپنے اوپر واجب کر لیے ہوں یا خدا تعالیٰ نے واجب کئے۔ تیسرا قول کلبی کا ہے کہ نذر سے مراد عہد ہے عہد وفا کرنے کی قرآن میں تاکید ہے عام ہے کہ باہمی جائز عہد ہو یا خدا تعالیٰ کا عہد جو نبیوں کی معرفت بندھا ہے شریعت واحکام کی بجا آوری کا۔ (۲) یَخَافُوْنَ یَوْماً کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا کہ وہ اس دن کے شر سے بھی ڈرا کرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا۔ گرمی اور سردی کا جس طرح دنیا میں ایک عام اثر ہوتا ہے اسی طرح قیامت کا شر اور اس کا ہول اور دنیا کے زیروزبر ہونے کا حادثہ اور پھر نفخ صور اور اس کے بعد قبروں سے نکلنے کا حادثہ ایک عام وحشت انگیز حادثہ ہوگا۔ وہ ابرار اس دن کے حادثۂ عظیمہ سے ڈرا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دن کی تیاری میں نذریں پوری کرتے ہیں اور اپنے جان و مال کو انہوں نے دنیا میں نذر اللہ کر دیا ہے اس لیے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ کھانا کھلاتے ہیں۔ عَلٰی حُبِّہٖ محض اللہ ہی کی محبت سے نہ ریاکاری اور شہرت کے لیے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجود یکہ اس کھانے کی ان کو رغبت ومحبت ہوتی اور حاجت دامن گیر ہوتی ہے اس پر بھی وہ کھلا دیتے ہیں کس کو؟ مسکینا فقیر کو ویتیما یتیم کو واسیرا قیدی کو۔ اگلے زمانہ میں قیدیوں کو شاہی خزانہ سے کھانا نہیں ملتا تھا وہ اپنی محنت مزدوری کر کے کھاتے ہیں۔ اس میں ان پر سختی گزرتی تھی، فاقہ کشی پر فاقہ کشی ہوتی تھی اس لیے ان کا کھلانا بھی اس حالتِ بے کسی میں بڑا عمدہ کام تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں اسیر سے مراد وہ بے بس لوگ ہیں جو خود کوئی کام نہیں کر سکتے یا وہ لڑکے اور عورتیں اور غلام ہیں جو ظالموں کے پنجے میں گرفتار ہیں اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ بیچارے اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس میں بے زبان جانور بھی داخل ہیں جو ایسے موذیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور دانہ پانی نہیں ملتا اور ان پر اپنا کچھ احسان بھی نہیں جتلاتے بلکہ یہ کہتے ہیں اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا کہ ہم تو خالص اللہ کے لیے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں کہ وہ خوش ہو جائے اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے نہ ہم کو تم سے اس کا بدلہ مقصود ہے نہ یہ کہ تم شکر گزاری کرو ہماری تعریف ومدح کرتے پھرو اور یہ بھی کہتے ہیں اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْماً عَبُوْساً قَمْطَرِیْرًا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا اس روز کے لیے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اللہ کے نیک بندے یہ باتیں ہر مسکین ویتیم واسیر کے سامنے زبان سے کہتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ زبانِ حال سے کہتے ہوں اور ان کے دل میں یہ مضمون ہو اور ان کی اس نیت اور حسنِ اخلاص کو خدا پاک ان کے قول سے تعبیر کرتا ہو اور ایسا ہوتا ہے اور یہی قول ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ سے لے کر یہاں تک کی آیات کے بارہ میں ابن مردویہ نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسنین رضی اللہ عنہما کی بیماری میں نذر مانی تھی کہ تین روزے رکھوں گا۔ جب صاحبزادوں کو شفا ہوئی اور روزے رکھنے شروع کئے اور کھانے کے لیے بہزار دقت شمعون خیبری یہودی غلہ فروش سے کچھ لا کر روٹیاں پکائیں، شام کو افطار کر کے جب کھانے بیٹھے اور آپ کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لونڈی فضہ بھی روزہ دار تھیں تو ایک مسکین نے سوال کیا۔ پانچوں روٹی اس کو اٹھا دیں۔ اس پر یہ آیات ان کی مدح میں نازل ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کس لیے کہ حضرات اہل بیت کرام ایسے ہی تھے مگر اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے دوم اول سے آخر تک سلسلہ وار عموماً ہر انسان کی بابت کلام چلا آ رہا ہے، تخصیص کسی کی نہیں۔ ہاں اس عموم میں حضراتِ اہل بیت کرام بدرجۂ اولیٰ شریک ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔

اس کے بعد ان ابرار کی جزائے خیر کا ذکر کرتا ہے۔ فقال فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس روز کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی۔ اور نہ صرف یہی بات کہ ان کو شر سے بچا کر نعمتوں سے سرفراز کرے گا بلکہ وَلَقّٰىهُمْ

نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ان کوفرحت اورخوشی عطا کرے گا اور دیدارِ الٰہی کی فرحت سے شادمان ہوں گے۔ یہ جنتِ روحانی تھی اس کے بعد جنت جسمانی کا ذکر کرتا ہے۔ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا کہ ان کے صبر کے بدلے میں جونذر کے وفا کرنے اور اسیروں اور یتیموں اور فقیروں کے کھلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے جنت دے گا اور اس میں ریشمی لباس پہننے کو ملے گا۔ اور نہ یہی کہ صرف ایسے کپڑے اور خوشی ملے گی بلکہ ان کے رہنے کے لیے اور بیٹھنے اور سونے کے لیے مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ ملیں گے جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے کس لیے کہ وہاں عرش کا سایہ ہوگا۔ آفتاب کی روشنی کی وہاں حاجت نہ ہوگی اور نہ وہاں سردی ہوگی ایک معتدل موسم ہوگا جو بہت ہی پر بہار موسم ہوگا۔ نہ خزاں کا ڈر نہ برسات کی کیچڑ نہ مچھر نہ پسو، نہ گرمی نہ سردی۔ دنیا میں جو نہایت پر بہار موسم باغوں میں ہوا کرتا ہے اور جو عمدہ ملکوں میں ہوتا ہے یہ وہاں کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اور جنت کے سائے ان پر جھکے ہوں گے گرچہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور نہ اس کی دھوپ مگر اور اجرامِ نورانیہ بھی پرتو افگن ہوتے ہیں کبھی طبیعتِ انسانی ہمیشہ یکساں حالت سے گھبرا جاتی ہے اس لیے کبھی اس کے تبدل وتغیر میں سرور پاتا ہے اس واسطے ان کے لیے بڑے دراز سائے ہوں گے جن کے نیچے تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا کے تذکرے بھی آئیں گے اور بے ثمر درختوں کے سائے نہ ہوں گے بلکہ وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ان کے پھل ان کے بس میں ہوں گے۔ سایوں کے ساتھ پھل بھی جھکے ہوئے ہوں گے جن کے لینے اور توڑنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک صفت نیک ان کے لیے ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت وخوشی ان کے دل غمناک اور اندوہگیں کے خوف وخطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھر دی جائے گی اور ان کے صبر کی تپش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درخت میوہ دار ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمالِ صالحہ ومعارفِ الٰہیہ اور اس کے شوق ومواعید ہیں۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝١٥
قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝١٦ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝١٧ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝١٨ وَيَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝١٩
وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝٢٠ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝٢١
اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝٢٢

ع ۲۲ ۔ قرءحمزۃ والکسائی بوصل الہمزۃ وضم الھاء من علیھم الباقون بقطع الہمزۃ وکسر الھاء

اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا شیشے بھی چاندی کے شیشے جو ایک خاص انداز پر ڈھالے گئے ہوں گے اور وہاں ان کو پیالہ پلایا

جائے گا کہ جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی وہاں اس چشمہ میں سے بھی پئیں گے کہ جس کا نام سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے۔ جب (اے مخاطب!) تو ان لوگوں کو دیکھے گا ان کو خیال کرے گا بکھرے ہوئے موتی ہیں (صفائی اور خوبصورتی میں) اور جب تو (وہاں کی نعمتیں) دیکھے گا تو تجھ کو وہاں بڑی نعمت اور شاہی ساز وسامان نظر آئے گا۔ ان (جنتیوں) پر سبز ریشمی باریک اور دبیز کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا (کہا جائے گا) یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور کوششیں مقبول ہوئیں۔

ترکیب : انية جمع انا ككساء واكسية وغطاً واغطية والاصل آءنية بهمزتين الاولى مزيدة للجمع والثانية فاء والكلمة فقلبت الثانية الخاء من فضة بيان لانية واكواب جمع كوب وهوالكوز الكبير (کوزۂ بے دستہ۔ سراح) عطف على آنية كانت قوارير الجملة صفة لاكواب والقوارير جمع قارورة (شیشہ) قراء نافع والكسائي قواريراً بالتنوين في الموضعين مع الوصل ومع الوقف بالالف كسلاسلا وقرء حمزة بعدم التنوين فيهما وعدم الوقف بالالف بصيغة منتهى الجموع والثانى بدل من الاول۔ وقرئ برفع الثانى على تقدير هى قوارير قدروها صفة لقوارير عينا منصوب على انها بدل من كأس واذارايت ثم ثم فى موضع النصب على الظرف يعنى فى الجنة وفى مفعول رايت اختلاف قيل مقدر وقيل لاعالیهم قرء نافع وحمزه بسكون الياء وكسر الهاء على انه خبر مقدم وثياب مبتداء موخر وقرء الباقون بفتح الياء وضم الهاء تحرك ماقبلها على انه ظرف كانه قيل فوقهم ثياب فنصبه على الظرفية۔ وقيل نصب عليهم على الحال امامن هم فى قوله يطوف عليهم اومن الولدان اى اذارايتهم حسبتهم لؤلؤاً منثورا فى حال علو الثياب ابدانهم والجملة صفة اخرىٰ لولدان وقرئ عليهم خضرٌ بالرفع لغت لثياب وبالجر لعت لسندس لكونه اسم جنت واستبرق بالرفع عطفاً على ثياب وحلوا عطف علىٰ يطوف عليهم۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا کہ جنت میں جنتیوں کے لیے کھانے پینے کا بھی شاہانہ سامان ہوگا صرف میووں ہی پر بس نہ ہوگی برتن اور آبخورے اور لوٹے وغیرہ ظروف چاندی کے ہوں گے مگر چاندی جیسی چمک اور صفائی آئینہ جیسی ہوگی۔ شیشہ دنیا میں مٹی کے مادہ سے ہوتا ہے وہاں کے شیشے کا مادہ چاندی ہوگا۔ ایسی چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں کہ مادہ تو چاندی ہو اور صفائی میں شیشہ ہو اور پھر وہ برتن بے ڈول نہ ہوں گے بلکہ قدروھا تقدیر ایک عجیب صنعت اور انداز سے بنائے اور ڈھالے جائیں گے اور ہر ایک برتن میں وقتِ حاجت کی رعایت ہو گی جس قدر پانی اور کھانا مطلوب ہو اور جس موقع کے لیے ہو اتنا ہی اس میں آئے۔ اور سونے کے بھی برتن ہوں گے جیسا کہ سورۂ زخرف میں آیا ہے يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ہر موقع اور محل کے مناسب کہیں طلائی کہیں نقرئی برتن ہوں گے اور یطاف میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات انہیں برتنوں کی آمد ورفت رہے گی، خادمان پریرولائیں گے لے جائیں گے، عیش ونشاط کا ایک تار بندھا رہے گا۔ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاتے تھے اور فقیرانہ گزر کرتے تھے اور ایسے لذیذ کھانوں کے بعد یا ساتھ کھانا جلد ہضم ہونے کے لیے وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ان کو ایک ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا کہ جس کا مزاج اور کیفیت یا آمیزش سونٹھ کی ہوگی تاکہ حرارتِ نمریزی جوش میں آئے اور عیش ونشاط کا لطف تازہ ہو۔ اور شوقِ دیدارِ الٰہی بڑھے تاکہ شوق کے بعد جو چیز ملے اس کی قدر اور لذت زیادہ ہو۔ اول مرتبہ کا فوری شراب کا پیالہ پلایا جانا فرمایا تھا کہ حشر کی گرمی اور ہموم وغموم کی تپش بالکل جاتی رہے بعد شراب زنجبیل کا پلایا جانا فرمایا کہ ایک دوسری گرمی پیدا ہو جو لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کس لیے کہ جب انسان کی اصل گرمی کم ہو جاتی ہے تو پھر نہ ہضم جید ہوتا ہے نہ کسی مہ جبین کے وصال کا شوق باقی رہتا ہے نہ دل میں چونچلے اور اچھل کود کی امنگ رہتی ہے۔ ایک مٹی کا بے حس ڈھیر رہ جاتا ہے جیسا کہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ مگر وہ زنجبیل دنیا کی زنجبیل نہیں کہ جس میں سوزش اور کسی قدر مضرت ہو بلکہ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا وہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ سل سبیل کے معنی ہیں پوچھ رستہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پی کر شوق بڑھے گا اور ساقی سے محبوب کا رستہ پوچھے گا۔ یہ دنیا میں شرابِ شوقِ الٰہی اور اس کی گرمی کا اثر ہے جو

خاصانِ خدا کو نصیب تھا۔ اور اس شراب کو اور ان لذیذ نعمتوں کو کون لائیں لے جائیں گے؟ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ لڑکے جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا، جوان بوڑھے نہ ہوں گے، ہمیشہ اسی حالت پر رہیں گے۔ لڑکوں میں ایک شوخی شرارت تر تت پھرت اور بھولا پن ہوتا ہے۔ ایسی نشاط کی مجلسوں میں ان کا کھانے پلانے میں کام کرنا عجب لطف دیتا ہے اور نیز وہ ان کے خلوت خانوں میں ان کی محبوب بیبیوں کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونے میں آجا سکتے ہیں ناگوار نہیں معلوم ہوتے نہ وہ عورت ہوتے ہیں اس لیے نہ مرد کو ان کا آنا برا معلوم ہوتا ہے۔ نہ عورت کو برخلاف جوان مرد عورت کے إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا وہ ایسے حسین اور پرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں اِدھر اُدھر آتے جاتے' کھڑے بیٹھے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا لڑی کے موتی بکھر گئے ہوں۔ موتی تو اس لیے کہ وہ ایسے خوبصورت ہوں گے اور بکھرے ہوئے اس لیے کہ وہ کاروبار میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہوں گے ان کے حسن اور ہرنے پھرنے کی بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں بیان کیں طلائی برتن وغیرہ کچھ انہیں پر موقوف نہیں بلکہ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا کہ جب تو دیکھنے والے جنت میں نظر کرے گا تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت اور شاہانہ تکلفات وتجملات دیکھے گا۔ جو دنیا میں عمدہ باغات اور سنگ مرمر کے طلائی اور جواہرات کے کام کئے ہوئے مکانات اور بڑے بڑے عیش ونشاط کے سامان اور بہاریں بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل ہیں وہ لاکھواں حصہ بھی وہاں کی نعمتوں کا نہیں جو ایک ادنیٰ سے شخص کو جنت میں ملیں گی۔

اب ان کی پوشاکوں کا حال بیان فرماتا ہے عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ کہ ان کے اوپر خلعت کے طور پر چمکنے والے اور صاف ریشم کے مہین کپڑے خضر سبز رنگ کے ہوں گے کہ ان کی سرسبزی کی دلیل ہو۔ واستبرق اور ریشم کے دبیز کپڑے بھی ہوں گے۔ کاشانی مخمل وغیرہ جس طرح دنیا میں ہے یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ شاہانہ لباس ہوگا۔ یہ ان کے صفاتِ حمیدہ ہیں جو اس روز لباس بن کر ظہور کریں گے۔ لفظ عالیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کنگن پہنائے جانے کی وجہ: وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۂ کہف میں ہے یحلون فیھا من اساور من ذھب کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ممکن ہے کہ کسی کو سونے کے' کسی کو چاندی کے ہر ایک کی رغبت یا مرتبے کے لحاظ سے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے دوسرے وقت سونے کے پہنائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ چاندی کے خادمانِ جنت کے کنگن ہوں گے اور حلوا کی ضمیر انہیں کی طرف ہے اور اہلِ جنت کے سونے کے۔

سوال: زیور عورت کی زینت ہے مرد کے لیے عیب ہے پھر جنت میں پہنائے جانے کی کیا وجہ؟ **جواب:** اس کے جواب میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور وہاں کے خادموں اور عورتوں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لیے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے گویا ان کو پہنایا گیا۔

(۲) یہ کہ مشرقی ملکوں میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ مہذب ملکوں میں تمغہ۔ پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری کا تمغہ ہوگا نہ زینت کے لیے زیور۔ (۳) یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوارِ برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کئے تھے۔ یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔

شرابِ طہور: وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔ طہور کہ جس میں نہ نشہ ہے نہ سرور اور نہ خمار۔ لافیھا غول و لاھم عنھا ینزفون وہ ان سب قباحتوں سے پاک ہوگی۔ اہلِ دل کہتے ہیں شرابِ طہور کنایہ ہے شرابِ وصال سے کہ ان کو وہاں اس معشوق ومحبوبِ حقیقی کا بے کیف وصال نصیب ہوگا جس کے نشہ میں وہ ابدالآباد مسرور رہیں گے۔ نعماءِ جسمانیہ کے بعد نعماءِ روحانیہ

کا ذکر کیا کہ اس کے آگے وہ سب ہیچ ہیں۔ اور سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ میں سقا کو ربہم کی طرف منسوب کرنے میں جو کچھ لطف ہے وہ اہلِ دل پر مخفی نہیں کہ وہ خود اپنے دستِ مبارک سے یہ جامِ مئے بھر بھر کر پلائیں گے پھر اس کے آگے اور کیا نعمت ہوگی؟

اہلِ ظواہر کہتے ہیں خادم پلائیں گے مگر وہ اسی کے حکم سے پلائیں گے اس لیے ان کا پلانا گویا خود اسی کا پلانا ہے۔

اہلِ جنت سے کہا جائے گا إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً کہ یہ تھی تمہاری جزا اور تمہاری دنیاوی کوششوں ایمان اور عملِ صالح اور محبتِ الٰہی کا بدلہ جو تمہارے لیے تیار تھا اس میں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری رائیگاں نہ جائے گی جیسا کہ منکر کہتے ہیں بلکہ اس کا بدلہ تیار ہے تمہارے مرکر وہاں جانے کی دیر ہے وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی اس کی قدردانی کی گئی اکارت نہیں گئی برخلاف بت پرستوں اور مخلوق پرستوں کی بیکار کوشش کے کہ وہ ان کا آگ کے آگے سر جھکانا' ٹھنڈے پانیوں میں نہانا' بتوں کے لیے نذر ونیاز کرنا' آگ میں جل مرنا' گوشت اور نعماءِ الٰہیہ کو چھوڑنا' نکاح نہ کر کے تجرد میں گدائی کر کے گزر کرنا سب رائیگاں جائے گا بلکہ اس بت پرستی اور مخالفتِ رسول پر اور الٹا عذاب ہوگا، محنت برباد گناہ لازم کیونکہ وہ محنت تعلیمِ شیطانی خدا سے روکنے والی تھی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

(اے نبی!) ہم نے ہی آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار اور ناشکر کا کہا نہ مانا کریں اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کیا کریں اور کچھ رات سے اس کے لیے نماز بھی پڑھا کریں اور بڑی رات سے اس کی تسبیح کیا کرو۔

ترکیب: انا نحن نزلنا مبتداء وخبر۔ وقال الزجاج اوھٰھنا اولہ من الواولانھا بدل علی ان کل واحد اھل ان لایطاع بخلاف الواولانھا تدل علی ان لایطاع کلاھما وجازان یطاع احدھما وقال الفراء اوبمعنی لاکانہ قال ولا کفورا بکرۃ من اول النھار الی الزوال والاصیل من الزوال الی الغروب وھما منصوبان علی انھما ظرفان لاذکرو من اللیل من للتبعیض والفاء دالۃ علی معنی الشرطیۃ والتقدیر مھما یکن من شیء فصل من اللیل ای فی اللیل لیلًا منصوب علی انہ ظرف لسبحہ۔

تفسیر: اس سورۃ کی ابتداء میں یہ بتلایا گیا تھا کہ آدمی معدوم تھا۔ عدم سے وجود میں لایا گیا ایک قطرۂ منی سے بنایا گیا جس میں اس کی تمام قوتیں اور کل ظاہر ہونے والے اوصاف وحالات ودیعت رکھے گئے تھے جس کی طرف لفظ امشاج میں اشارہ تھا اور یہ بیکار اور عبث نہیں عالمِ ہستی میں لایا گیا بلکہ امتحان اور آزمائش کے لیے لنبتلیہ اور اس امتحان میں پورا نکلنے کے اسباب (کان، آنکھ، عقل) بھی اس کو عطا ہوئے اور عقل زیادہ کارآمد تھی اس لیے اس کو جداگانہ ذکر کیا۔ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ پھر اس امتحان میں کچھ کامل (شاکر) کچھ ناقص (ناشکر) نکلے۔ پھر ناقصوں کی سزا مختصر سے الفاظ میں بیان کر کے کاملوں کی جزاء حیاتِ جاودانی اور وہاں کے عیش ونشاط بڑی تفصیل سے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو کہ رحمت کا پلہ جھکا ہوا ہے۔

اس کے بعد کاملوں کو چند باتوں سے جو مضر ہیں منع کرنا چاہتا ہے اور چند نافع چیزوں کے عمل میں لانے کی وہ ناصح مشفق تاکید فرماتا ہے مگر اس مشقتِ عمل کی آسانی کے لیے اول تو جزاء وسزا دارِ آخرت کی بیان فرما دی تھی۔ دوم اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاکباز جماعت کو اطمینان دلاتا ہے تاکہ بڑے فراخ حوصلہ اور اطمینانِ قلب سے عمل کریں۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا کہ

لوگوں کی آسانی کے لیے خود ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔ یہ محمد ﷺ نے از خود نہیں بنالیا ہے نہ یہ جن کا قول ہے نہ کسی کاہن کا۔ وہ ناقص جو اس میں شبہ کرتے ہیں اور اس کے بیانِ دارِ آخرت پر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کس نے دیکھا ہے کیا ان کا یہ وسوسہ شیطانی جو راہِ سعادت کا روڑا ہے ٹھیک ہے یا ہمارا فرمانا جو ہم رب العالمین' علام الغیوب ہو کر اس میں تاکید سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے بے کھٹکے تم پر اس پر عمل کرو۔ اس کے وعدوں کے موافق ضرور حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور مخالفت سے جہنم کے تاریک گڑھے میں جاؤ گے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس اے محمد (ﷺ) اور اس کی جماعت اپنے رب کے حکم کی پابندی کر۔ یا اس حکمِ ربی کا انتظار کر جو تمہارے غلبہ کے لیے چلا آتا ہے اس کی راہ دیکھو آپ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس نے بھیجا ہے؟ اس کے بعد دو باتوں سے منع فرماتا ہے اور دونوں کو ایک ہی جملہ میں جمع کرتا ہے۔ فقال وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کہ تو ان میں سے کسی گنہگار بدکار کا کہنا نہ مان نہ کسی ناشکر کا۔ آثم گنہگار ہر گناہ کے مرتکب کو آثم کہتے ہیں خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ خواہ شرک خواہ کفر اور کفور ان میں سے خالص گنہگار کو کہتے ہیں جو ناشکر ہو ہر کفور آثم ہے مگر ہر آثم کفور نہیں۔ پھر بعض علماء کہتے ہیں اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کوئی ہو بعض کہتے ہیں آثم سے ولید کی طرف اور کفور سے عتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مصداق ایک شخص مراد ہے یعنی ابوجہل۔ ان لوگوں کی اطاعت دینی باتوں میں ممنوع ہے کس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ دنیا کے طالب ہیں۔ فائدہ: یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین کی فرمانبرداری و جان نثاری اسلامی احکام کے مقابلے میں سخت ممنوع ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ فقال واذکر اسم ربك بكرة واصيلا کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو۔ (۲) وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور رات میں اس کو سجدہ کیا کرو۔ (۳) وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور بڑی رات سے اس کی تسبیح اور تقدیس کیا کر۔ ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں: اول یہ کہ ان آیات میں نماز پڑھنا مراد ہے۔ بُكْرَة سے صبح کی نماز اور اصیلا سے ظہر و عصر کی نماز اور من اللیل فاسجدله سے مغرب و عشاء مراد ہے اور سبحه لیلا طویلا سے تہجد۔ دوم یہ کہ اس وقت نماز پنجگانہ فرض نہ ہوئی تھی۔ تہجد کی نماز اور رات میں عبادت کرنا تھا۔ ان آیات میں مقصود ہر حال میں عبادت کی ترغیب ہے جیسا کہ اس آیت میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذكروا الله ذكرا كثيرا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور تسبیح و تہلیل' دعا و استغفار و سجود ہی اس وقت کی نماز تھی۔

اوقاتِ مخصوصہ میں عام مفسرین کے نزدیک مراد نمازِ پنجگانہ اور تہجد ہے۔ تہجد گو امت کے لیے فرض نہ ہو مگر مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بلفظِ امر تعبیر کیا گیا۔ لیلا طویلا میں اشارہ ہے کہ تمام رات سونے اور عیش و نشاط ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا بڑا حصہ یادِ الٰہی کے لیے بھی ہونا چاہیے اور کچھ نہ ہو تو پچھلی تہائی رات کو تو اٹھ کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو نہ کہ دن چڑھے تک مدبروں کی طرح بستر پر کروٹیں لیا کرے۔

فائدہ: یہاں خدا تعالیٰ نام یاد کرنا بتلاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقولِ بشریہ کو اس کی صفات تک رسائی ہے مگر اس کی حقیقتِ ذات تک رسائی نہیں۔ انہیں اسماء و صفات سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو کبھی اذکر ربك سے تعبیر کیا اور کبھی وَاذْكُرِ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ سے اور کبھی واذکر اسم ربك سے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ

هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲

بے شک یہ لوگ جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پسِ پشت پھینک رہے ہیں ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے آسکتے ہیں یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا رستہ اختیار کر لے اور تم جب ہی چاہو گے جبکہ اللہ چاہے گا کیونکہ وہ سب کچھ جاننا (اور بڑا) حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے تو اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب: يذرون معطوف علیٰ يحبون وكلاهما خبر ان يوما مفعول يذرون وراء هم ظرف له اذا شئنا شرط ومفعول شئنا محذوف يدل عليه الجواب وهو بدلنا الا ان يشاء الله اى الا وقت مشية الله والا فى حال مشية الله والظالمين منصوب بفعل محذوف يفسره مابعده اى اعد۔

تفسیر: اوقات مخصوصہ میں خدا پاک کی عبادت کرنا' تسبیح و تہلیل میں مصروف ہونا' دعا مانگنا' گریہ وزاری کرنا وغیرہ جن کا حکم دیا گیا تھا بقولہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا الخ انہیں لوگوں کا کام ہے جو دارِ آخرت کے قائل ہیں اس لیے وہاں کے لیے یہ توشہ ساتھ لیتے ہیں اور دارِ آخرت کا یقین ہی ہے جو انسان کو اس طرف ابھارتا ہے برخلاف کفار و مشرکین کے کہ وہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے نہ ان کو اس عبادت و شب بیداری میں کچھ حلاوت ملتی ہے کس لیے کہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا یہ تو دنیا اور اس کی لذات و شہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب و روز مال و زر' زن و فرزند اسبابِ دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں انہیں باتوں میں ان کو مزہ اور حلاوت معلوم ہوتی ہے، انہیں کاموں کو کام سمجھتے ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کو خوش نصیبی اور فوزِ عظیم جانتے ہیں اور دارِ آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اول تو اس کا یقین ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے لیے تدابیر نہیں نہ کوشش ہے نہ دل میں رغبت ہے نہ طبیعت میں میلان اور ان دونوں حالتوں میں دارِ آخرت کو (جو بڑا بھاری اور مصیبت ناک دن ہے مصائب کی وجہ سے) چھوڑنا اور پیچھے پھینک دینا ہے۔

اور ان کا یہ عذر (کہ ہم میں دارِ آخرت کی قدرت نہیں کاروبارِ دنیا سے مہلت نہیں، نماز پنجگانہ خصوصاً صبح اور عشاء اور تہجد بھلا ہم سے کیونکر ادا ہو سکتی ہے وہ سونے کا وقت ہے) محض غلط ہے کس لیے کہ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے بنیاد جسم کو مضبوط کیا ہے۔ ہٹے کٹے ہیں، نیک و بد نفع و نقصان کی سمجھ بوجھ ہے۔ بدبخت اکثر اپنی کمزوری اور ناچاری کا عذر کیا کرتے ہیں اور وہ دراصل ان کی سستی اور کاہلی سے ہوتی ہے ان کے جواب میں یہ آیت ہے۔

مگر بعض بدنصیب ازلی ہوتے ہیں، نیک کام کیسا ہی آسان ہو ان کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور برا کام کیسا ہی مشکل ہو ان پر آسان ہوتا ہے۔ ناچ تماشے میں رات بھر جاگیں، آنکھ نہ جھپکیں، عبادتِ الٰہی میں دو گھڑی بھی بیٹھ نہ سکیں۔ یہ آیت ان کے سرشت کا بھی حال بیان کرتی ہے کہ یہ بدبخت عاجلہ دنیا اور اس کے عیش و نشاط' لذات و شہوات کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں کس لیے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ان کی سرشتِ بد سے ہم خوب واقف ہیں وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ان کی قوتِ شہوانیہ کو قوی کر دیتا ہے کتوں اور خنزیروں جیسی قوتِ بہیمیہ ان میں بہت رکھی گئی ہے۔ رات دن چرنے اور جفتی کرنے کے سوا انجام کار کے سوچنے اور فکر کرنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں اور جو کچھ ہے تو مہلت نہیں اولئك كالانعام بل هم اضل۔ فذرهم ياكلوا ويتمتعوا كما تاكل الانعام والنار مثوى لهم ایسے ناپاک اور زمین کو اپنے گھناؤنے کاموں سے گندہ کرنے والے اپنے قیام و دوام کا دعویٰ نہ کریں اور نہ اس مہلتِ چند روزہ پر نازاں ہوں کس لیے کہ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ہم جب چاہیں ان کو مٹا کر ویسے ہی (شکل و صورت و قوت میں) اور لوگ پیدا کر سکتے ہیں اور ایسا

ہی کرتے بھی ہیں قومِ نوح برباد ہو کر اور قومیں پیدا ہوئیں۔ ہر صدی پر بلکہ پچاس برس کے بعد دوسرا ہی نقشہ جم جاتا ہے۔ پہلوں میں سے صدی دو صدی کے بعد انسان تو کیا ان کے استعمال کے جانور بلکہ اکثر مکانات بھی نہیں رہتے۔ اس قرن کی کشتی بھری ہوئی عدم کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بستے ہوتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے بدلے اے پیغمبر! اور لوگ ہم تیرے لیے پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ عتبہ کے بدلے اس کے بیٹے حذیفہ کو اور ولید کے بدلے اس کے بیٹے خالد کو معینِ دین بنا دیا۔ امثالھم کے بعض مفسرین نے اشکالھم کے معنی بھی لیے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم جب چاہیں ان کی صورت بدل دیں، مسخ کر دیں یا فراغدستی اور اقبال سے خواری اور ذلت کی حالت میں کر دیں جس سے ان کی وہ صورت بدل جائے، ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہ قریش اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اقارب اور اہلِ وطن ہیں جب ہم نے اس کو قبول نہ کیا تو اور کوئی کیا قبول کرے گا کس لیے کہ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ یہ آیاتِ پند و نصیحت ہیں کوئی برادری کا حصہ بخرا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ تمہارے سمجھانے کے لیے مجبور ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ پھر جو کوئی ہو عرب یا عجم، قریب یا بعید جو چاہے ان آیات سے اپنے رب تک پہنچنے اور اس کی مہمان سرا جنت میں حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا رستہ اختیار کر لے۔ خدا تعالیٰ تمام جہاں اور تمام قوموں کا خدا ہے اس کا دین بھی سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے اس کی رحمت کی راہیں کشادہ ہیں۔ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی کوئی خصوصیت نہیں۔

مگر یہ جاننا بھی درحقیقت اے بندگانِ خدا! تمہارے بس میں نہیں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تم جب ہی چاہ سکتے ہو کہ جب اللہ بھی چاہے اور فائدۂ توفیق تمہیں ادھر کھینچ کر لے چلے۔ ہر چند قوت و قدرت ہر ایک میں رکھی ہے تا کہ دارِ امتحان کا معاملہ معطل نہ ہو لیکن محرک اسی کی توفیق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے جس میں صلاحیت اور نورِ ازلی دیکھتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی راہِ راست پر لاتا ہے، دینِ حق سمجھاتا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے عاقل، ہوشیار، پُر فن، پُر گو مالدار خوبصورت یوں ہی وادیِ ضلالت میں ٹکرا ٹکرا کر مر گئے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا پڑے اور غریب کم مایہ کو کھینچ لیا۔ اس میں قریش پر تعریض ہے کہ تم نے کیا دینِ حق کو قبول نہیں کیا دینِ حق نے تم کو ردی جان کر پھینک دیا اور تمہاری سرکشی اور بدکاری کی ناپاکی نے بارگاہِ قدس میں آنے کے قابل نہ رکھا۔ اس پر بھی بس نہیں یہ تو دنیا میں تمہارے نامعقول اور مردود ہونے کی وجہ سے ہے مگر آخرت میں وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ظالموں کے لیے اس نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے مرنے کی دیر ہے۔

سورہ کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جس میں نیست و نابود تھا پھر اس کو اس قادرِ مطلق نے منی کے قطرے سے پیدا کیا اور عقل و حواس دیے۔ پھر جس نے ان عقل و حواس سے کام لیا اپنی ابتداء و انتہا کو سوچا راہِ راست اختیار کی، وہ سعادت کی کرسی پر بیٹھا، دارِ آخرت میں حیاتِ جاودانی اور سلطنت کا مالک بنا اور جس نے ان سے کام نہ لیا لہو و لعب، لذات و شہوات میں غرق ہوا اور انبیاء علیہم السلام کا مقابل ہوا اس کے لیے عذابِ الیم تیار رکھا ہے۔

ابتداءِ کلام کو انتہاءِ کلام سے کمال ارتباط ہے اور یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اگر یہی سُورۂ مبارکہ بغور تامل دیکھی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دارِ آخرت کی ترغیب روح کو اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل تشویق اور بدکاروں، سرکشوں، منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر تخویف دلائی گئی ہے اور اصولِ حسنات نماز و خیرات بھی تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام مقاصد کا جب کوئی خدا ترس طبیعت دل پر نقشہ جمائے تو فوراً ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ مطالبِ عالیہ کس کس دلکش عبارت میں بیان کئے گئے نہ کوئی شاعرانہ مبالغہ ہے نہ شہوات برانگیختہ کرنے والے شاعرانہ خیالات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷

قسم ہے ان (ہواؤں کی) جو خوشگوار چلتی ہیں پھر وہ تیز (وتند) چلنے لگتی ہیں اور وہ بادلوں کو پھاڑ دیتی ہیں پھر وہ ان کو پھاڑ کر بالکل الگ کر دیتی ہیں پھر ان کی جو (دلوں میں) نصیحت ڈالتی ہیں (دفع) عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

ترکیب : والمرسلت الواو للقسم عرفا مصدر فی موضع الحال ای متتابعۃ او مفعول لہ ای ارسلت للاحسان والمعروف فالعاصفات الفاء للعطف وکذا ما بعدھا معطوف علی المرسلات عصفا مصدر مؤکد یقال عصف بالشیء اذا اباوہ واھلکہ یقال ناقۃ عصوف وعصفت العرب بالقوم ای ذھبت بھم ذکرا مفعول بہ نشرا۔ وفرقا مصدران عذرا او نذرا قیل مصدران لیکن وسطھما او یضم وقیل جمع عذیر و نذیر فعلی الاول ینتصبان علی المفعول لہ او علی البدل من ذکرا و بذکر او علی الثانی حالان من الضمیر فی الملقیات ای معذرین و منذرین انما اصلہ ان ما ما بمعنی الذی والخبر لواقع والجملۃ جواب القسم ولذا صدرت بان للتاکید۔

تفسیر : یہ سورہ حسن و عکرمہ و عطاء و جابر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور جمہور کا اسی طرف رجحان ہے۔ قتادہ کہتے ہیں مگر یہ آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ مدینہ میں نازل ہوئی اور بخاری و مسلم کی وہ روایت جو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے اسی کی مؤید ہے وہ یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ سورۂ مرسلات نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے لے رہا تھا اور ہنوز آپ کا دہن مبارک تر ہی تھا کہ ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ نے فرمایا اس کو مارو ہم مارنے دوڑے لیکن وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو حق سبحانہٗ نے تم سے بچا لیا جس طرح تم کو اس سے بچا لیا۔

اور شیخین وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں اس سورہ کو پڑھ رہا تھا ام الفضل نے سن کر کہا اے فرزند! تیرے اس پڑھنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ اخیر جو کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا وہ یہی سورۃ تھی کہ آپ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھ رہے تھے۔

ربط اس سورہ کو سورۂ دہر سے یہ ہے کہ ابتداء میں کافروں کے لیے عذابِ شدید کی نذر تھی۔ بقولہ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا اور اس کے اخیر میں ظالموں کے لیے عذابِ الیم تیار کرنا فرمایا ہے۔ کفار کو اس عذاب میں شک تھا کس لیے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تھا آخرت کے منکر تھے اس سورہ میں چند چیزوں کی جو اس کے کمالِ قدرت کے نمونہ اور تغیراتِ عالم کے اسباب ہیں قسم کھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس عذاب کا گھر اور موقع دارِ آخرت ہے نہ دارِ دنیا۔ الحاصل اس سورہ میں مسئلۂ معاد پر کلام تمام کیا تھا۔ اس سورہ کی ابتداء میں مسئلہ معاد کو ایک نئے اسلوب سے ثابت کیا اور نئے نئے اسلوب سے ایک مدعا کو بار بار دلکش عبارت میں بیان فرما نا دلوں پر نہایت اثر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون کو متعدد سورتوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔ والمرسلات عرفاً الخ اس سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے دارِ آخرت میں منکروں کے لیے ان کے اعمالِ بد پر عذاب اور نیکوں کے لیے اعمالِ صالحہ پر ثواب یہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں۔ یہ مسئلہ کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد ایک

خاص پیکر میں باقی رہتی ہے اور اس کو جسمانی وقت کی باتیں یاد رہتی ہیں اور اس کے دنیاوی اعمال واعتقادات اس کے سامنے عذاب وثواب، رنج وراحت بن کر پیش آتے ہیں جمیع اہلِ ادیان کے نزدیک ثابت ہے البتہ دہری اور کچھ جہلاء اور ناتربیت یافتہ دماغ اس کے منکر ہیں اور تھے جیسا کہ عرب کے جاہل اور قریشِ مکہ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہلاء کے نزدیک جو دروغگوئی کو عیب سمجھتے تھے اس شخص سے جس کی نسبت ان کو راست بازی کا پورا یقین تھا اور کوئی صورت یقین دلانے کی نہیں۔

ان پانچ چیزوں میں قدماء مفسرین کے کہ جن میں جلیل القدر صحابہ وتابعین بھی ہیں مختلف اقوال ہیں ملائکہ مراد ہیں۔ اول قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں۔ مرسلات عرفاً وہ فرشتے جو وحی کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام پر لگاتار بھیجے گئے۔ (عرفاً ای ارسالاً متتابعاً یتبع بعضہا بعضا کعرف الفرس[1]) یا عرفا کے معنی میں نیکی اور بھلائی کے لیے (ضد النکر وانتصابہ علی ھذا الوجہ علی انہ مفعول لاجلہ) یعنی انتظامِ دنیا اور مصالحِ دینی کے لیے ملائکہ جو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تدابیر وابستہ ہیں ہم ان کی قسم کھاتے ہیں فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا پھر ان ملائکہ کی قسم جو ہلاک کرتے اور عالم میں تغیرِ عظیم پیدا کرتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں۔ وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلاتے ہیں کھول کر۔ دنیا میں جو امور آیندہ مخفی ہوتے ہیں ان کے اظہار اور نشر کے لیے ملائکہ کی ایک جماعت ہے اقبال وبداقبال قحط و ارزانی تمام امورِ مخفیہ جو ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ قضاء وقدر نے ان کے لیے ملائکہ معین کر رکھے ہیں ان میں ادیانِ حقہ اور وحی کا پھیلانا بھی آ گیا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پھر ان فرشتوں کی جو ہر ایک معاملہ میں فرق وامتیاز کر دیتے ہیں مذاہبِ حق وباطلہ میں، فاتح و مفتوح قوموں میں، سعادت مندوں اور نحسوں میں، فریبیوں اور خدا پرستوں میں فرق کرنے والے اور اسی طرح عہدِ جوانی، بڑھاپے اور لڑکپن اور حیات وممات اور ایک قرن سے دوسرے قرن میں فرق کرنا ظلمات کو نور سے الگ کرنا اشیاءِ عنصریہ میں قوتِ نامیہ کے ہر ایک کام میں اور اسی طرح اجزاءِ متشابہ انسان وحیوانات ونباتات میں فرق کر کے پتے اور پھول اور شاخ وثمر کو جدا کر دینا اور ہر ایک کو اس کے خواص و کمال میں دوسرے سے امتیاز دینا اسی طرح انسانی نطفہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا پھر اسی میں سے سر اور پاؤں ناک اور آنکھ وغیرہ اجزاء جدا جدا نمودار کرنا سب اسی جماعت کے متعلق ہے ان کی بھی قسم کھاتا ہے فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا پھر ان فرشتوں کی قسم جو مخلوق کی تکمیل کے بعد ان میں ذکر ڈال دیتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی اور اپنے خالق کے وجود وقدرتِ کاملہ پر گواہی دینا بھی ذکر ہے پھر یہ ذکر دو قسم پر ہے غیر اختیاری جس کو تسبیحِ قہری کہتے ہیں۔ یہ ذکر ان ملائکہ نے ہر مخلوق کی سرشت میں ڈال دیا ہے۔ نباتات، حیوانات، پرند وچرند، وحوش وطیور سب اسی کے ذکر میں مصروف ہیں ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند درے معنی کہ گوش است

دوسری قسم ذکرِ اختیاری ذوی العقول کا جیسا کہ اہلِ ایمان انسان وجن وملائکہ وان باخدا مسلمانوں کے دل میں اس کا ذکر القاء بھی ملائکہ کی طرف سے ہے۔ ان کے حق میں باز پرسِ آخرت سے یہ ذکر عذر ہوگا اور نجات پائیں گے اور یہی ذکر اس سے غافل رہنے والوں کے لیے عذابِ آخرت کا ایک خوفناک پیغام یا تنبیہ ہے۔ یا یہ کہ ذکر سے مراد قرآن ووحی ہو اور ذکر کا اطلاق قرآن ووحی پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ان آیات میں ص والقرآن ذی الذکر وانہ لذکر لک ولقومک۔ وہذا ذکر مبارک تب یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن لاتے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور قرآن ماننے والوں کے لیے عذر ہے یعنی اس کے سبب وہ جمیع

[1] عرف الفرس گھوڑے کی ایال یعنی اس کے گردن کے بال اور اسی طرح عرف الدیک مرغ کا تاج۔ گھوڑے کی ایال میں بال مجمع ہوتے ہیں اور ایک قطار سے یکے بعد دیگر ہوتے ہیں گویا یہ لفظ اس محاورہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲ منہ

معاملات سے معذور اور مغفور ہوں گے اور نہ ماننے والوں کے لیے نذر وخوف واتمامِ حجت ہے۔

ان پانچ اقسام کے فرشتوں کی قسم کھانے میں عالم کی آفرینش اور ہر چیز کے وجود کی ابتدائی حالت اور پھر اس کی قوت وکمال تک پہنچ جانے کی نہایت اور پھر ممکنات کے اکتسابِ خیر وشر اور اس کے بعد تک کی حالت اور پھر بقاءِ عالم کے اسباب اور ہر چیز کی نشوونما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور میں ایک چیز کیا کیا صورتیں پیدا کرتی ہے اور اس پر کیا کیا انقلابات ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ دارِ آخرت کی تیاری (جو ہوشیار کے لیے عذر اور اس سے غافل کے لیے نذر ہے) کس عمدہ اسلوب میں بتائی گئی ہے۔ ان سے ہوائیں مراد ہیں۔ دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوا ہے۔ ہر چند فرشتے مخلوق میں عمدہ اور بہتر ہیں مگر ہوا کو بھی اس عالم کی بقاء اور فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے۔ سننا، دیکھنا، چکھنا، ٹٹولنا، سونگھنا ہوا ہی پر موقوف ہے کس لیے کہ آواز جب متکیف ہوتی ہے تو ہوا کے ذریعہ سے کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے اور دیکھنے میں شعاع آنکھوں سے نکلتے ہیں اور ہوا چونکہ عنصرِ لطیف ہے ان کا حائل نہیں اس لیے چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور سونگھنے میں ہوا ہی متکیف ہو کر ناک کے رستہ سے وہ کیفیت پہنچاتی ہے اور چھونے میں بھی ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ حرارت وبردوت رطوبت ویبوست اشیاء کو مسام میں سے گھستی ہے اور نیز اندرونی کیفیت ہوا ہی کے ذریعہ سے جلد تک پہنچتی ہے اور تیز ہوا ہی پر جانداروں کی زندگی کا مدار ہے۔ سانس بند ہوا اور مرا اور نباتات کی بالیدگی وغیرہ بھی ہوا ہی کے ذریعہ سے ہے۔ دریا میں کشتیوں کو ہوا ہی لیے پھرتی ہے اور ہوا میں لطافت بھی ہے اس وجہ سے اس کو فرشتوں سے کمال مناسبت ہے۔

پس وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا سے وہ ہوائیں نرم نرم مراد ہیں جن کے چلنے سے دل خوش ہوتا ہے اور انہیں سے روئیدگی ہوتی ہے اور ابر اٹھتا ہے اور عَاصِفٰتِ عَصْفًا سے مراد آندھیاں اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاباتِ عظیم پیدا ہوتے ہیں۔ دریا میں طوفان ہوتا ہے، صحرا میں درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، درخت پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ لفظ فاگویا اس طرف اشارہ ہے کہ نرم نرم چلنا اور سخت چلنا یکے بعد دیگر ایک ہی چیز کا کام ہے اور دونوں ایک ہی چیز کے ہر دو وصف ہیں۔ نرم نرم چلنے کے بعد وہی ہوا تند اور تیز ہوتی ہے اور اس کی یہ حالت بتلاتی ہے کہ دنیا میں انقلاب ہے اور نیز جو راحت کا سامان ہے وہی آفت بن جاتی ہے۔ مال اولاد وعورت وغیرہا تمام اسبابِ عیش وفرحت میں یہی بات ملحوظ ہے۔ وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا قسم ہے ان ہواؤں کی کہ جو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔ بادلوں کو بھی ہوا ہی پھیلاتی ہے اگر نہ پھیلیں اور لگاتار ایک ہی جابر سے جائیں تو طوفان برپا ہو جائے اور نیز ہر چیز کے اجزاءِ لطیفہ کو ایک جاء سے دوسری جاء لے جاتی ہے۔ کارخانہ جمع وتالیف، نقل وتحویل، کیفیاتِ اجزاءِ لطیفہ اشیاء کا جس پر ایجاد واحداثِ اشیاءِ عجیبہ مربوط ہے، ہوا ہی پر منحصر ہے۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پس قسم ہے ان ہواؤں کی جو بالکل جدا کرتی ہیں۔ یہ بھی ہوا کا کام ہے کہ دانہ کا گھاس سے جدا کرنا اور پانی کا کدورت سے صاف کرنا اس کے سبب سے ہے اور اجزاءِ نباتیہ وحیوانیہ کا باہم جدا ہونا ہوا ہی کے نشوونما سے ہے۔ سبز وترشی کے اجزاء بھی ہوا ہی جدا کرتی ہے۔ متکبروں اور پرغرور اجسام کے اجزا مرنے کے بعد ہوا ہی اڑاتی ہے، سرِ پُرغرور کے اجزاء کہیں پڑے ہوتے ہیں اور نازنین ہاتھوں کے کہیں۔ اس میں بھی انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح جمع وتالیف ہواؤں کے وسیلے سے تھا تفریق وانتشار بھی آخر انہیں کے سبب سے دیکھ لیا یہاں بھی فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناشرات اور فارقات ایک ہی چیز کے دو وصف یکے بعد دیگر ہیں۔ وہی ناشرات بعد میں فارقات ہو جاتی ہیں جس ہوا کی تازگی سے سرور وان اور دلکش صورت لیے پھرتے ہیں آج اسی نے اس کے ریزے اِدھر اُدھر بکھیر دیے ع

صباء نے اس کے کوچے سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

غبار کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ذرے کس کس جسم کے ہیں ان پر حیات میں کیا کیا بہاریں تھیں؟ فالملقیات ذکرا پھر قسم

ہے ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔ ذکر سے مراد کلام اللہ کا وجودِ لفظی ہے کہ جس کو قرآنِ متلو کہتے ہیں۔ اس ذکر کے پہنچانے میں ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعہ سے کان میں پہنچتی ہے۔ پس یہ ہوا لوگوں کے کانوں میں قرآن پہنچانے کے لیے ایک خادم ہے اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کا ایک شعبہ ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر مؤکل ہیں۔ اس ذکر کے کانوں میں پہنچنے سے ایک تغیر اور انقلابِ عظیم پیدا ہوتا ہے پھر یا سعادت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر روح نے اس کو قبول کر لیا اور یا شقاوت کی طرف مائل ہو گیا اگر قبول نہ کیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے عذراً یعنی کلامِ الٰہی کا پہنچانا یا اس لیے ہے کہ وقت بازپرس کے وہ کہے کہ یہ کام میں نے خدا کے فرمودہ کے موافق کیا اور یہ کام اس کے فرمانے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ بہرحال اس کے عذر اور سند اور دست آویز ہے۔ یہ عذر ہونا خاص اس کلامِ الٰہی کی بابت ہے جو متضمن اوامر و نواہی یا اعتقادیات ہو جیسا کہ ذات وصفات کے متعلق اور تمام کی نسبت بھی ہو سکتا ہے۔ کس لیے کہ قصص و حکایات میں تصدیق کے سوا عبرت و نتائج حاصل کرنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور نذراً اور شقی ازلی ہے تو اس کو کلامِ الٰہی محض ڈرانے کے لیے سنایا جاتا ہے۔

اور ان پانچوں قسم کی ہواؤں میں ملائکہ منتظمانِ عالم کی ہر ایک صفت کی رعایت بھی ملحوظ ہے کس لیے کہ صفت اول مرسلات عرفاً میں حقیقتِ میکائیلی ملحوظ ہے کیونکہ پرورشِ عالم انہیں کے متعلق ہے اور منجملہ اسبابِ پرورش کے ہواؤں کا نرم نرم چلنا بھی ہے جن سے نشوونمائے ابدان ہوتا ہے اور صفتِ دوم عاصفات میں حقیقتِ عزرائیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ عالم کا درہم و برہم کرنا یا انقلابِ عظیم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس انقلاب کے اسباب میں سخت ہواؤں کا چلنا بھی ہے جو بڑے بڑے نشانوں کو مٹاتی ہے اور صفتِ سوم و چہارم ناشرات و فارقات میں صفتِ اسرافیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ نفخِ ارواح کے ابدان میں اور نیز حق و باطل میں امتیاز اور نیز دنیا میں ارواح کو ابدان سے متعلق کرنا انہیں کے سپرد ہے۔ یہ ہوائیں بھی انہیں کے کام میں کارآمد ہیں صفتِ پنجم فالملقیات ذکراً حقیقتِ جبرئیلی کا شعبہ ہے چونکہ یہ صفت بلند مرتبہ ہے اس لیے فاءِ تعقیب اس پر لائے۔ گویا یوں فرمایا کہ صفاتِ سابقہ کے بعد اس صفت کی قسم کھاتے ہیں بخلاف فاءِ تعقیب فالعاصفات فالفارقات کے کس لیے کہ وہ تعقیب ایک فعل کی دوسرے فعل کے لیے ہے نہ تعقیبِ قسم کے لیے گویا تین چیزوں کی قسم ہے اول نرم نرم چلنے اور سخت چلنے والی ہواؤں کی دوم پھیلانے اور فرق کرنے والی ہواؤں کی سوم ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔

تیسرا قول : تیسرا قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے ایک قسم کی چیزیں مراد نہیں بلکہ متعدد پھر اس میں کئی قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ پہلی چاروں چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور پانچویں سے ملائکہ جو ذکر یعنی کلامِ الٰہی دنیا میں لاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اول دونوں صفات سے مراد ہوائیں اور اخیر تینوں سے ملائکہ۔ اور ملائکہ و ہوا میں کمال مناسبت ہے لطافت کی وجہ سے۔ قراء کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد آیاتِ قرآنیہ ہیں کہ اہلِ ایمان کے دل کو نرم کرتی ہیں پے در پے نازل ہوئی ہیں۔ کفار و مشرکین پر آندھی کا اثر رکھتی ہیں اور آثارِ ہدایت و انوارِ سعادت کو جہان میں منتشر کرتی ہیں۔ پھر اہلِ حق و باطل میں فرق ظاہر کر دیتی ہیں پھر ایمانداروں کے دل میں یادِ خدا پیدا کرتی ہیں اگر عمل کیا تو حجت ہیں ورنہ خوف کا پیغام۔ بعض سب سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مرسلات عرفاً سے مراد دواعی والہاماتِ ربانیہ ہیں کہ سالک کے نفع کے لیے پے در پے اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور عاصفات سے مراد جذب و کششِ الٰہی کے جھونکے ہیں کہ اس کے دل کو جب ماسوائے اللہ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور ناشرات سے مراد اشغال و اذکار ہیں کہ تمام جوارح میں انوار پھیلا دیتی ہیں اور فارقات سے مراد وارداتِ الٰہیہ ہیں کہ وجودِ ناسوتی کو فنا کر کے وجودِ حقیقی اور مجازی میں فرق کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکراً سے علوم و معارف ہیں جو بقا حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں محبت کے طریق سے جو عذر ہے یا خوف کے طریق سے جو نذر ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۱۰
وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۱۱ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۱۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۱۴ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ۱۶
ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ۱۸ وَیْلٌ
یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۱۹

پھر (وہ کب ہوگا) جب ستارے ماند ہو جائیں گے اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جبکہ رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے کس دن کے لیے دیر کی گئی فیصلہ کے دن کے لیے اور تو کیا جانے کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے پہلوں کو غارت نہیں کر دیا پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لاتے ہیں ہم گنہگاروں سے ایسا ہی کیا کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

ترکیب : فاذا ھذہ و مابعدھا کلھا شرط و جوابھا محذوف تقدیرہ بان الامر او فصل طمست یقال طمس الشیء اذا درس و ذھب اثرہ نسفت یقال نسف الشیء والنسفۃ اذا اخذتہ بسرعۃ و قیل جعلت کالحب الذی ینسف بالمنسف[1] قال المبرد نسفت قلعت من مواضعھا اقتت الھمزۃ بدل من الواو المضمومۃ وکل واو مضمومۃ بضمۃ لازمہ یجوز ابدالھا بالھمزۃ وقد قرئ بالواو ولا مّی یوم اجلت الامور او الرسل الجملۃ استفھامیۃ والاستفھام للتعظیم والتعجب مقولۃ یقول مقدرا می یقال۔ قبل ھو جواب لاذا للمکذبین خبرہ وکررت ھذہ الآیۃ فی ھذہ السورۃ عشر مرات علی تعداد مستحق الویل ثم نتبعھم الجمھور علی الرفع ای ثم نحن نتبعھم ولیس بمعطوف لان العطف یوجب ان یکون المعنی اھلکنا الآخرین بعد الاولین ولیس کذلک۔

تفسیر..... اول علامتِ قیامت : یوم جزا کے واقع ہونے کی خبر دے کر اس کے علامات و اسباب بیان فرماتا ہے۔ فقال فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ جبکہ ستارے بے نور ہو جائیں یا اکھڑ جائیں اسی بات کو ایک جگہ یوم فرمایا ہے اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ کہ جب ستارے دھندلے ہو جائیں ان کی روشنی جاتی رہے اور ایسا ہی ہوگا۔ بھی اول بے نور ہو جائیں گے جس طرح مرنے سے پہلے انسان کی تازگی جاتی رہتی ہے اس کے بعد گر پڑیں گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جبکہ ستارے جھڑ جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا کہ جب ان کا مدبر یا روح یا نفس یا فرشتہ موکل ان سے الگ ہو جائے گا جو ان کو حرکت دے رہا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بدنِ انسانی کے لیے روح یا نفسِ ناطقہ اس کا علیحدہ ہونا ہے کہ ان کا مردہ اور بے نور ہو کر گر پڑنا ہے۔ **دوسری علامت**: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں۔ فلسفۂ قدیم کے نزدیک آسمان اور ستاروں کا گرنا اور پھٹنا محال ہے جن دلائل کے بھروسے پر حکماء نے یہ کہا ہے ان کا نقص علمائے کلام نے ثابت کر دیا ہے۔ فلسفۂ حال کے نزدیک آسمان کوئی چیز نہیں ایک فضائے وسیع ہے جس میں ستارے اور ماہتاب لاکھوں کوسوں کے فاصلے پر ایک خاص مدار پر حرکت کرتے ہیں اور مشتری ایسا جلد رفتار ہے کہ ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اور یہ اجرامِ علویہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور زمین بھی ان کے رہنے والوں کو ایک چھوٹا سا تارہ حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ فلاسفۂ حال و قدیم کا رد مگر ان کے نزدیک ان سب باتوں کا موجد و محرک مادہ ہے جس کو وہ قدیم کہتے ہیں جو نہ دکھائی دے سکتا ہے نہ کسی حس سے محسوس ہو سکتا ہے مگر جب الہامی عقل کی دوربینِ صافی سے صحیح النظر ذرا بھی دیکھے گا تو فوراً ایمان لے آئے گا کہ یہ مادہ کا کام نہیں کس لیے اگر مادہ ہی سب

[1] چھاج پھٹکنے والا۔ ۱۲ منہ

باتوں کی علتِ فاعلیہ ہے تو مادہ سب کا یکساں ہے پھر اس نے سب جا یکساں کام کیوں نہیں کیا۔ اور سب کو ایک صورت کیوں نہیں دی اور پھر صورت اور مادہ دونوں غیر عقل وغیر مدرک ہیں ان میں اس نظام قائم کرنے کی کیا عقل کہ ہزاروں برسوں سے یہ کارخانہ چلا آتا ہے۔ کوئی ستارہ دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتا اور غیر محسوس چیز کے تم قائل نہیں۔ پھر قائل ہوئے تو کیوں نہیں دو چار قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھتے کہ وہ غیر محسوس سب کا موجد مادہ کا تقسیم کرنے والا نئی نئی صورتیں پہنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور جس فضاءِ وسیع کو تم مانتے ہو وہی آسمان ہے اور یہ بات کہ لطافت کی وجہ سے اس کا جسم کما ینبغی تم کو کسی دوربین سے محسوس نہیں ہوتا نہ ہوگا پھر کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ خالق ان ستاروں کو باہم ایک وقت ٹکرا کر چورا چورا کر دے اور آسمان پھٹ جائے؟ بے شک ممکن ہے۔

تیسری علامت: واذا الجبال نسفت کہ جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور زمین سے اکھڑ جائیں۔ قیامت کے دن جو پہاڑوں پر واقع گزرے گا اس کا قرآن مجید میں متعدد الفاظ میں بیان ہوا ہے ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلۂ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ پھر اس چورا ہونے کے بعد اس زبر زیر ہونے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا وکانت الجبال کثیبا مھیلا اور فرمایا فکانت ہباءً منبثاً پھر ہوا کی شدت اور تموج سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا جیسا کہ فرمایا وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی جیسا کہ فرمایا وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ یہ تینوں علامت نفخِ صور کے بعد ہوں گی یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کر دے گا اور بنی آدم زندہ ہوں گے اور حساب کے لیے دربار قائم ہوگا۔ اب اس وقت کے حالات بیان فرماتا ہے فقال وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جبکہ رسولوں کے لیے میدانِ حشر میں وقت مقرر کیا جائے تاکہ باری باری ہر ایک رسول اپنے وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی امت کی کوشش کرے (ان سب شرطوں کا جواب جو لفظ اذا سے مذکور تھیں محذوف ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے) وہ یہ کہ جب یہ باتیں ہوں گی تب وہ عہد پورا ہو جائے گا جو تم سے رسول حساب وکتاب کی بابت کرتے ہیں اور تم اپنی غفلت یا حُبِ دنیا اور لذات و شہوات کی کوری سے انکار کرتے ہو۔

اس بیان کو سن کر بھی منکرینِ قیامت یہ کہتے تھے کہ پھر کس دن کے لیے دیر کی گئی ہے لای یوم اجلت کہ کس دن کے لیے ان باتوں کے آنے میں دیر کی گئی ہے کیوں ابھی نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِيَوْمِ الْفَصْلِ کہ فیصلہ کے دن آنے کے لیے دیر کی گئی ہے جب وہ دن آئے گا تو یہ سب چیزیں واقع ہوں گی اور اس دن کی تاخیر کا راز ایسا نہیں کہ تمہاری ناقص سمجھ میں آ جائے۔ اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ کہ اے مخاطب! تو اس فیصلہ کے دن کی حقیقت کیا جانے اور کیا کیا اسرار اس کی تاخیر میں ہیں؟ اور یوں بھی اس عالم کی تخریب اور بارِ دیگر بناء تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ دن مصیبت کا ضرور آنے والا ہے۔ جس میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ہو سکے تو کچھ اس کا بندوبست کرو۔

اعادۂ ویل کی وجہ : واضح ہو کہ یہ جملہ اس سورہ میں دس جگہ ارشاد ہوا ہے اس کی وجہ چند ہیں۔ اول یہ کہ فصحاءِ عرب اپنے کلام میں چند جملوں کے بعد ایک خاص جملہ بولتے تھے پھر چند جملوں کے بعد اسی کا اعادہ کرتے تھے اور یہ جملے گویا اس کے ادلۂ متعددہ ہوتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر ہر بار اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مخمس ومسدس میں ہر بار اخیر میں وہی مصرعہ یا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ان منکرینِ قیامت کو دس وجہ سے اس روز مصیبت پیش آئے گی۔ ہر ایک وجہ کے لیے اس کلام کا اعادہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ انسان میں مبدءِ فیاض نے تین قوتیں رکھی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فساد سے شقاوتِ دارین نصیب ہوتی ہے۔ اول قوتِ نظریہ جس پر اعتقادات و

ادراکِ صحیح کا مدار ہے کفار نے اس کو بگاڑ رکھا تھا کئی وجہ سے اول خدا کی ذاتِ پاک دائم اس کی صفات میں بیہودہ خیالات پیدا کر رکھے تھے۔ دوم ملائکہ کرام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مستقل مالک ہیں۔ سوم مر کر بارِ دیگر جینے اور اعمال پر حساب ہو کر حشر میں جزا و سزا کے منکر تھے۔ چہارم مخلوقات کو قضاء وقدرت میں شریک جانتے تھے۔ پنجم حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کا انکار اور ان کے اوامرِ عبادت وصلہ رحمی سے سرتابی تھے۔ دوسری قوتِ شہویہ ہے اس میں افراط اس درجہ تھی کہ بہائم کی حد تک پہنچ گئے تھے اور تفریط بھی تھی کہ حلال اشیاء کو حرام جانتے تھے یہ دو وجہ ہوئیں۔ تیسری قوتِ غضبیہ ہے۔ اس میں بھی افراط یہاں تک تھی کہ ظلم وتعدی میں درندوں میں بڑھ کر تھے اور تفریط بھی یہاں تک تھی کہ محارمِ الٰہیہ اور اس کی گستاخی میں دست درازی کرنے والے پر غصہ تو کیا جوں بھی کان پر نہیں چلتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ ہوئیں۔ پس یہ دس سبب ان میں ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کی وجہ سے ویل کے مستحق تھے اور اسی لیے قیامت میں ہر ایک سبب کے بدلے ایک قسم کا عذاب ہوگا اس لیے دس بار یہ جملہ آیا یا یوں کہو کہ اس طرح سے ویل ہوگا خواہ اس کا سبب ایک ہو یا متعدد۔

واضح ہو کہ ان کے دس عذابِ مذکورۂ بالا میں سے بعض کا یہاں ذکر ضمنی کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ قیامت کی بابت ان کو سخت انکار تھا اور کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ ایک حادثہ ایک مکان یا شہر یا خاندان پر آیا اور وہ برباد ہوا مگر یہ نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان وزمین سب ایک بار برباد ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر دیا ہے؟ اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کو خیال کرو اور ان کے اسبابِ معاش اور مکانوں کو بھی غور کرو۔ اس تمامی دنیا میں سے اب کوئی ایک بھی باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں اور اسی طرح تمہارے بعد آنے والے اور تم فنا ہو جاؤ گے ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ان کے پیچھے لگاتے ہیں ہم فنا ہونے میں پچھلوں کو کہ پچھلے قرون بھی یوں ہی ہلاک ہوں گے كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ یہاں تک کہ پچھلے قرنوں میں قریب قیامت کے کوئی نیک بندہ باقی نہیں رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو سب بدکار اور گنہگار ہی رہ جائیں گے جس طرح کہ پہلے اور بعد کے قرنوں کو ہم نے فنا کر دیا یکبارگی ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ صور پھونکنے سے۔ بس یہی سلسلہ قیامت کا ہے جس کا ایک سرا اب بھی موجود ہے اور پہلے سے چلا آتا ہے پھر اس میں شک وشبہ کی کیا بات ہے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے کفارِ قریش! تم اپنے زور وزر پر غرور کر کے کیوں حکمِ آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت وشوکت میں تھے عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں ہم نے پچھلوں کو ہلاک کیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے قومِ ثمود کو ہلاک کیا اور قریاتِ لوط علیہ السلام کو الٹ دیا۔ ہماری عادت ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں پھر تم کیا چیز ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ میں ہمارے سامنے ٹھہرو گے؟ اس میں ان کفارِ قریش کو اور ان جیسے اور بدکار لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے ایک اعلانِ ہلاکت ہے جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہیے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی رہی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔

اس دن سے پہلے ہر عاقل کو درست ہو جانا چاہیے کس لیے کہ اگر وہ روز آ گیا تو پھر وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز اس دن کے جھٹلانے اور اس سے غافل رہنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کیا؟ عذابِ الٰہی جس میں نئی قسم کا دُکھ ہوگا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ
شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی کی بوند سے نہیں بنایا پھر اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم) میں رکھا ایک اندازہ معلوم تک رکھا ہم قادر ہیں پھر ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں بلند پہاڑ کھڑے کئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

ترکیب : الیٰ قدر الجار متعلق بجعلنا بمعنی اثبناہ فقدرنا قرء نافع وعبداللہ بن عامر بالتشدید والباقون بالتخفیف علی الاول من التقدیر (اندازہ کردن) وعلی الثانی من القدرۃ کفاتا قیل ھو جمع کافت کالصائم والصیام وقیل مصدر مثل کتاب وحساب والتقدیر ذات کفت ای جمع۔ ومعنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع یقال کفت الشیء ای ضممتہ ویقال جراب کفیت وکفت اذا کان لا یضیع شیئا مما یجعل فیہ وقال صاحب الکشاف ھو اسم ما یکفت کقولھم الصمام والجماع لما یضم ویجمع احیاءً واموا تاً منصوبات اما علی انھما مفعول کفاتٍ ای الم نجعل الارض کفات احیاء واموات فاذا نون نصب ما بعدہ واما علی انھما المفعول الثانی لنجعلنا ای جعلنا بعض الارض احیاء بالبنات وکفاتا علی ھذا حال واما علی انھما حالان من الارض اومن الضمیر بتقدیر نلفتکم احیاء واموا تا شامخات الرواسی الثوابت والشامخات الطوال وکل عالٍ فھو شامخ۔

تفسیر : منکرینِ حشر ونشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ اخیر وہ مر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس کے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں پھر ان کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور اس کی زندگی چند روزہ کے حالات، افعال واقوال یاد کرانا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً قرآن کہتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کو جس کا منشا غلط فہمی تھی انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرماتا ہے اور اس ابتدائی حالت پر ان کو یقین تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو یقین ہے۔

انسانی توالد وتناسل کا حیرتناک حال: فقال اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کہ کیا ہم نے تم کو اے بنی آدم ذلیل اور بے قدر اور بدبودار پانی سے نہیں بنایا یعنی منی سے؟ اس کو سب مانتے ہیں اور مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی آفرینش منی سے ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ منی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور کس طرح سے اس حکیم مطلق نے انسان کے تمام ہضموں اور متعدد استحالوں کے بعد یہ قطرہ بنا کر اس کے محل میں تیار رکھا ہے۔ پھر دوسری بات قابلِ عبرت یہ ہے کہ اس قطرہ میں تمام وہ قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں جو اس سے بننے والے شخص میں ہوں گی اور تمام اجزاءِ انسانیہ کا بھی مادہ اسی ایک چیز مساوی الحقیقت والصورۃ میں رکھا ہوا ہے کوئی حکیم ودانشمند تمیز نہیں کر سکتا کہ اس قطرہ کے کون سے حصے سے سر بنے گا کس سے دل کس سے جگر۔

تیسری بات حیرت ناک یہ ہے فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ کہ ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس نطفہ کو ہوائے خارجی اور مفسداتِ داخلی سے بچا کر مرد کے آلہ تناسب کے محفوظ نل سے اس کے ٹھہرنے کی جگہ عورت کے رحم یا بچہ دان میں پہنچایا اور وہاں کس حکمتِ بالغہ سے رکھا کہ جس سے بڑے بڑے حکیم حیرت میں ہیں۔ رحم کی تشریح اور اس کے اثنین کی حالت اور اس کے نلیوں کی کیفیت اور ان میں نطفہ کا جا کر نئی صورتیں پیدا کرنا اور پھر اس میں اعضاء اور دیگر چیزیں نمودار ہونا اور ان میں قویٰ کا رکھا جانا جو کتبِ طب قدیم وجدید میں مذکور ہے اس کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ چوتھی بات حیرت ناک یہ ہے اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اس کو اس رحم میں ایک وقتِ معین تک رکھا جس سے مراد مدتِ حمل ہے جو کمتر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس اور بعض کے نزدیک چار برس اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں۔ چونکہ یہ مدت مختلف ہے اس لیے ایک عام وشامل لفظ میں بیان فرما دیا ایک خاص مدت کا نام نہیں لیا۔ پھر اس مدت میں ہم نے اس کے اعضاء بنائے اور اس کی

تکمیل کے تمام اسباب جمع کئے اور ان سب باتوں کے کرنے پر ہم قادر ہوئے۔ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ پھر دیکھو ہم کیسے قادر ہیں۔ جب وہ کامل ہو چکا تو اپنی قدرتِ کاملہ کے زور سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ وتاریک مکان سے باہر لائے۔ پھر جب یہ ثابت ہوا کہ ہم بڑے قادر ہیں اور ہماری بے انتہا قدرت کا تم نمونہ دیکھ چکے تو کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بارِ دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ اے کوتاہ بینو! ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لیے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو اس تنگ وتاریک مکان سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت ایسا ہی تنگ وتاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی نسبت۔ جس طرح حمل کی حالت کا تصور حمل میں نہیں معلوم ہوتا بلکہ باہر آنے کے بعد۔ اسی طرح تم اس دنیا کے پیٹ میں حمل کی حالت میں ہو یہاں کا تصور بھی یہاں نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس حمل سے باہر ہونے کے بعد معلوم ہوگا یعنی دوسرے جہان میں صرف اتنا فرق ہے کہ حملِ مادری میں تم کو اپنی تکمیل کی قدرت نہ تھی اس حملِ دنیاوی میں تم کو قدرت دی ہے پھر جس میں اعمال واقوالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کے قصور رہیں گے اس جہان میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس فیصلہ کے دن ان ناقصوں کی خرابی ہوگی جو اس دن کو جھٹلاتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے لفظ قدرنا کو تشدید سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حالتِ حمل میں اندازہ کیا یعنی اس کے اعضاءِ ظاہریہ اور قوائے باطنیہ کو ایک خاص انداز پر بنایا نہ دنیا کے کاریگروں کی طرح کہ کچھ مصالحہ اندازہ سے بچ رہا ہو یا اس مصنوع میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ رحم میں ٹھہرنے اور تکمیل کر کے باہر آنے کا زمانہ جو ہم نے اندازہ کر لیا تھا اس میں وہ تکمیل ہو گئی جیسی شکل جیسا قد بنانا تھا بنا دیا اور پردہ سے باہر لے آئے۔

یہ تو حملِ مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان ہی کی آفرینش سے متعلق تھا جس میں غور کرنا اپنی ہی ذات سے خدا کا پہچاننا ہے جیسا کہ عرفا کہتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ میں کیا تھا اور کیونکر بنا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا کس لیے کہ مصنوع سے صانع کا علم آنا لازمی بات ہے اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔ دوسری دلیل حشر پر: اس کے بعد حملِ دنیاوی میں جو کچھ انسان اس کی قدرت کے نمونے دیکھتا ہے اور نہ صرف وہ اس کی قدرتِ بے انتہا کے نمونہ ہی ہیں بلکہ ان سے حملِ دنیاوی میں انسان کی پرورش بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے رحمت ہیں ان کو ذکر کرتا ہے اور ان دلائل کو دلائلِ آفاق کہتے ہیں۔ فقال اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے سمیٹنے والی اور جگہ دینے والی نہیں بنایا؟ زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی یعنی زمین میں وہ صلاحیت رکھی کہ جس سے تمہاری معاش اور بود وباش کا زندگی میں کام چلتا ہے اور مرنے کے بعد اس میں دفن ہوتے ہیں یا یوں کہو زمین تمہارے اسبابِ معاش اور بود وباش کے لیے ہم نے بنا دی۔ سرسبزی کی حالت میں بھی اور اس کی خشکی کی حالت میں بھی۔ زمینِ سرسبز کو زندہ سے اور خشک کو مردہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ قرآن میں اَحْيَاءُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ اور اس زمین میں ٹھہرنے والے بلند پہاڑ بنائے جن کے منافع بے شمار ہیں۔ از انجملہ یہ ہے واسقینا کم ماءً فراتاً کہ پہاڑوں سے شیریں پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور ندیاں بن کر بہتے ہیں جن کا پانی پی کر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور یوں بھی بارش اور کنوؤں کے ذریعے سے شیریں پانی پلاتا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک چیز کی قدرت بناوٹ اور ان کے منافع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس قادرِ حکیم کا کام ہے جو بارِ دیگر دنیا کو فنا کر کے قائم کر سکتا ہے پھر ان ناشکروں کے لیے ویل یومئذ للمکذبین خرابی ہے وہ اس کی قدرت اور نعمت کو جھٹلاتے ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ
كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ
لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

ع ۲

(کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو اس سایہ کی طرف چلو کہ جس کی تین شاخیں ہیں جو نہ سرد سایہ ہے اور نہ لپٹ سے بچاتا ہے وہ (آگ) بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہے جیسا کہ زرد اونٹ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ وہ دن ہے کہ جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ان کو عذر کرنے کی اجازت ہوگی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس میں تم کو اور تم سے پہلوں کو اکٹھا کر لیا پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلاؤ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب : ذی ثلث شعب نعت لظل وکذا لاظلیل نعت لہ۔ بشرر۔ قرء الجمہور بفتح السین وقرء ابن عباس وابن مقسم شرار بکسر ہا مع الف بین الرائین قال الواحدی شررۃ وشرر وشرارۃ وھو مانظائر من النار تبدو فی کل جہۃ واصلہ من شررت الثوب اذا اظھرتہ وبسطتہ للشمس والشرار ینبسط مبتداء کالقصر فیہ قولان الاول ان المراد منہ البناء المسمّٰی بالقصر والثانی انھا جمع قصرۃ ساکنۃ الصاد کتمرۃ وتمر وجمرۃ وجمر قال المبرد یقال للواحد من الحطب الجزل الغلیظ قصرۃ والجمع قصر عن ابن عباس قال ھو خشب کنا ندخرہ للشتاء نقطعہ وکنا نسمیہ والقصر وھذا قول سعید بن جبیر ومقاتل والضحاک۔ قرء الجمہور بإسکان الصاد وقرئ بفتحھا وھو جمع قصرۃ وھی اصل النخلۃ والشجرۃ۔ جمالات قرء حمزۃ والکسائی وحفص جمالۃ جمع جمل وقرء الجمہور جمالات بکسر الجیم وھی جمع جمال وھی الابل او جمع جمالۃ وقرء ابن عباس جمالات بضم الجیم وھو قرۃ یعقوب ولہ وجوہ منھا انھا من الشیء المجمل یقال اجملت الحساب وجاء القوم جملۃ ای مجتمعین والمعنی ان الشررۃ ترتفع کانھا شیء مجموع غلیظ اصفر وھذا قول الفراء ھذا مبتداء یوم لاینطقون خبرہ وقرئ بفتح المیم فھو منصوب علی الظرفیۃ ولایؤذن لھم معطوف علی الخبر فیعتذرون فی رفعہ وجہان احدھما انہ نفی کالذی قبلہ والثانی انہ مستانف وقیل اصلہ فیعتذروا ولکن زیدت النون لتوافق رؤس الآیات فان کان لکم شرط فکیدون بحذف الیائی الجملۃ جواب۔

تفسیر : دلائل انفس وآفاق سے قیامت کا برپا ہونا ثابت کر کے اس کے بعد قیامت میں جو کچھ منکرین کی حالت ہوگی جس کو کئی بار بلفظ ویل تعبیر کیا تھا اس کو بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ کہ منکرین کو قبروں سے اٹھانے کے بعد جبکہ آفتاب کی تپش کے مارے دماغ ابلتے ہوں گے اور ایمانداروں کے لیے عرش کا سایہ ہوگا اور ان کے لیے نہ ہوگا اور یہ حیرت وشدت میں ہوں گے فرشتے یوں کہیں گے چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے وہ کیا؟ حساب اور اعمال بد پر عذاب وثواب چلو اس کو دیکھ لو۔ یہ سن کر نہایت گریہ وزاری سے کہیں گے کہ سر دست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس بلا سے نجات پائیں۔ فرشتے کہیں گے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا وہاں آئیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے وہ کیا؟ لَا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ نہ دراصل وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور نہ بیرونی تپش اور لو کے دفع کرنے میں کارآمد ہے۔ پھر وہ کیا

ہے؟ جہنم کا دھواں ہے اور جب دھواں گرم اور بہت ہوتا ہے اور اس کا بقد اٹھتا ہے تو اوپر سے اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں کچھ ادھر کچھ اُدھر۔ اسی سایہ کو سورۂ واقعہ میں یوں بیان فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ کہ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ اس میں کوئی آرام ہے۔

علماء فرماتے ہیں اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کے دائیں ایک بائیں ایک سر پر محیط ہوگی یعنی ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور سر اس کا عرفاء نے یوں ارشاد کیا ہے کہ عالم مثالی میں ان کے اعمالِ فاسدہ وعقائد باطلہ جس کی تاریکی میں ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ انسان کے اندر تین لطیفے غیبی ہیں ان کی اصلاح جماعتِ ملائکہ میں ملا دیتی ہے اور فساد سے شیاطین کے زمرہ میں مل جاتا ہے۔ اول دل جو بائیں طرف ہے منجملہ اس کے فساد کے ایک یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جائے اور ظلم وتعدی پر کمر باندھ لے اس لیے ایک دھواں اس جانب سے نکل کر محیط ہوگا۔ دوم جگر جو دائیں جانب ہے اس کے فساد میں سے ایک یہ ہے کہ قوتِ شہوانیہ بڑھ جائے اور فسق وفجور میں ڈوب جائے اس لیے ایک دھواں اس طرف سے نکل کر محیط ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام قوائے شہوانیہ کا خزانہ اور جڑ جگر ہے کس لیے کہ خون یہیں بنتا ہے اور اس سے تمام جگہ پھیلتا ہے اور انسان کی قوتِ اکل وشرب، جماع کا دارومدار اسی خون پر ہے۔ بدن میں خون ہے تو سب کچھ سوجھتی ہے۔ سوم دماغ جو قوتِ ادراکیہ کا چشمہ ہے اگر یہ خراب ہو گیا اور اوہامِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ میں مبتلا ہوا تو تیسری شاخ دھوئیں کی انہیں سے نکل کر محیط ہوگی۔ یا یوں کہو کہ حس وخیال ووہم ہی روح کو انوارِ قدس سے منور ہونے میں مانع ہیں اور ہر ایک کی ان تینوں میں سے ایک ایک ظلمت ہے اس لیے ہر ایک ظلمت دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ صوفیہ کرام کے نزدیک قوتِ غضبیہ وشہویہ دونوں کا منشی دل ہے مگر غضب اس کی دائیں جانب سے اور شہوت بائیں سے تعلق رکھتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ قوتِ غضبیہ کا دھواں دائیں جانب سے اور شہوانیہ کا بائیں سے احاطہ کرے گا۔

یہ دھواں حساب سے فارغ ہونے تک محیط رہے گا اس کے بعد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور جہنم کے کنارے پر کھڑے کر کے ان سے حساب لیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ کیفیت جہنم میں پیش آئے گی۔ اس کے بعد جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے جہاں سے یہ دھواں اٹھتا ہے۔ فقال اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ کہ جہنم سے محل جیسے چنگاریاں اڑیں گی۔ قصر کے معنی میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں: اول تو یہی کہ قصر سے مراد محل ہے یعنی بڑا مکان جس کی جمع قصور ہے۔ دوم کہ یہ قصرہ کی جمع ہے اور قصرہ لکڑیوں کے انبار کو کہتے ہیں جو جلانے اور تاپنے کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے جو کسی نے معنی پوچھے تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے کم یا زیادہ لکڑیوں کو جمع کرتے اور اس کو قصر کہا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری) اس کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ اس قدر بڑی چنگاریاں باہر پھینکیں گی جیسا کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قصر درخت کے تنا کو کہتے ہیں اور سعید بن جبیر وضحاک کہتے ہیں بڑے درخت کے تنا کو قصر کہتے ہیں۔ ایسی ایسی چنگاریاں اڑیں گی جیسے کہ بڑے درخت کا تنا کہ جس پر وہ قائم ہوتا ہے۔ زرد اونٹوں سے چنگاریوں کی تشبیہ دینے کی وجہ: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ وہ شرارہ یعنی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں کہ قطار میں ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ چنگاریوں کو زرد اونٹوں سے کئی باتوں میں تشبیہ دی بڑائی میں، رنگت میں، پے در پے جلد جلد ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں۔ چنگاریاں جو جہنم سے اڑیں گی آگ ہوں گی اور آگ روشن زرد ہوتی ہے اور ایک کے بعد دوسری آئے گی لگاتار جیسا کہ قطار میں ایک اونٹ کے بعد دوسرا متصلاً آتا ہے اور بڑے بھی ایسے ہی ہوں گے کہ جیسا اونٹ اور یہ بھی ہے کہ اس قدر جسامت کی چنگاریاں گول نہیں ہوتیں بلکہ لمبی اور آگے سے پتلی اس حالت میں ان کی نوک کو اونٹ کی گردن سے اور باقی کو جسم سے پوری تشبیہ ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ جمالات سے مراد جمال السفن کشتی کے رسے ہیں۔ تجمع حتی تکون کاوساط الرحال جو باہم ملائے جانے سے اونٹ کی درمیانی

کاٹھی کے برابر ہو جائیں۔ اور بھی اس کے معنی علماء نے بیان کئے ہیں اول تقدیر پر جمالۃ جمل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ اورت تاکید کے لیے زیادہ کر کے جملۃ بھی کہتے ہیں۔

چنگاریوں کو اونٹ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہی لطیفہ ہے کہ کفارِ مکہ کو دنیا میں بڑی حسرت دنیا اور اس کے تجملات کی تھی اور آرزو کرتے تھے کہ سفر میں بھی ہمارے خیمے اور سامانِ عیش اونٹوں پر لد کر ساتھ چلا کریں ان کی یہ حسرت اس روز ان چنگاریوں کی شکل میں ظاہر ہوگی جو زرد اونٹوں کی قطار سے مشابہ ہوگی۔ اور زرد اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مرغوب ہے۔ گویا یہ دکھایا جائے کہ لو تمہارے سایہ کرنے کے سامان لے کر یہ زرد اونٹ جہنم سے قطار باندھے نکل رہے ہیں لو اس دھوئیں میں تمہارے لیے سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ ہے۔ پھر جب ان کو اونٹوں کی قطار کا دھیان آئے گا تو کیسی حسرت ہوگی اور روح کو دوگنا عذاب ہوگا نعوذ باللہ منہا۔ اس لیے فرماتا ہے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کہ اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ ایک تو سایہ کی جگہ جہنم کے گرم دھوئیں کا سایہ جس میں جی بھی گھٹے اور ٹھنڈک بھی نہ ہو دوسرے یہ کہ چنگاریوں کی بوچھاڑ کہ جن سے مفر نہیں اڑ اڑ کر اوپر گر رہی ہیں۔ تیسرے ان چنگاریوں کی قطار سے زرد اونٹوں کی قطار کا دھیان آنا یہ کیا کم خرابی ہے نعوذ باللہ منہا۔

ایسی مصیبت جان گداز کے وقت خلاصی کی یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ چرب زبانی سے انکار کرے یا عذر و معذرت کرے۔ سو یہ دونوں باتیں بھی وہاں ان کو میسر نہ آئیں گی کس لیے کہ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ یہ وہ دن ہوگا کہ جس میں اس وقت بات نہ کر سکیں گے۔ حیرت و دہشت میں بدحواسی ہوگی۔ چرب زبانی اور انکار بھی منہ سے نہ نکلے گا سن ہو جائیں گے۔ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ اور نہ ان کو عذر و معذرت کی بھی اجازت ہوگی۔ یہ ایک اور خرابی ہوگی اس لیے فرماتا ہے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کہ اس دن جھٹلانے والوں کی یہ ایک اور خرابی ہوگی۔ اشکال: قرآن مجید میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے۔ مگر دوسری آیات میں اس کے خلاف آیا ہے کہ کفار کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ کہ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور ایک جگہ یوں آیا ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ تم قیامت میں اپنے رب کے پاس جھگڑو گے اور بہت آیات ہیں جن میں کفار کا کلام کرنا بروزِ قیامت ثابت ہے۔ جواب: اس کا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں دیا ہے کہ قیامت کا دن ایک بڑا دن ہزاروں برس کے برابر ہوگا۔ کلام نہ کرنا کسی خاص وقت اور خاص جگہ میں ہوگا اور کرنا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ میں اس لیے کچھ منافات نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کلام کرنے سے مراد اور عذر کرنے سے مراد معقول کلام اور معقول عذر کرنا ہے سو وہ میسر نہ ہوگا۔ رہی بکواس سو وہ دراصل کلام اور عذر نہیں اس لیے منافات نہیں۔ اب ایک اور مصیبت ہے کہ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ یہ دن فیصلہ کا ہے اور فیصلہ کے وقت مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی کہ چند مدت کو یہ بلا ٹل جاتی۔ دوم فصل کے معنی فرق کے بھی ہیں کہ نیک بدوں میں جدائی کر دی جائے گی وہ ان سے جدا یہ ان سے جدا اب یہ بھی نوقع جاتی رہی کہ ان بزرگواروں سے شفاعت کروائیں اور ان کی عرض معروض پر رستگاری ہو جائے۔ تیسری مصیبت جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ کہ ہم نے تمہیں اور پہلوں سب کو جمع کر لیا اب یہ روسیاہی اور ذلت تمام خلائق اولین و آخرین کے سامنے ہوگی۔ اور نیز معاصروں سے قرابت و محبت کے رشتے منقطع ہوں گے۔ اسی طرح اگلے بھی جن سے رشتہ قرابت و عقیدت تھا جدا ہو جائیں گے۔ اب یہ بھی امید نہیں کہ حضرت آدم و حضرت نوح و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہم السلام کچھ عرض کریں کس لیے کہ ان میں اور ان میں بھی جدائی ہو جائے گی۔ مصیبت کے وقت ایک یہ بھی ارمان ہوا کرتا ہے کہ گزشتہ ناموروں کو جن کی جناب میں عقیدت ہوتی ہے یاد کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر وہ ہوتے تو مشکل کشائی ہو جاتی۔ ہم فلاں بزرگ کو پوجتے تھے اگر وہ ہوتے تو یوں کرتے اور اس لیے اب بھی بوقتِ مصیبت ہر قوم کے مشرک اپنے اپنے معتقد علیہم کو پکارتے ہیں۔ ہنود کہتے ہیں یا ہنومان مدد بھیروں کی دہائی، علیٰ ہذا القیاس۔ یہودی اور

پارسی اور نصاریٰ خصوصاً رومن کیتھولک بھی پکارا کرتے تھے اور عرب کا تو تمام دستور تھا سینکڑوں معبود تھے بوقتِ مصیبت انہیں کو پکارتے تھے اور جہلائے اہلِ اسلام بھی بزرگانِ دین کو ہی پکارا کرتے ہیں۔ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے یہی ورد رہتا ہے اللہ جل شانہٗ سے جانے کیا بدگمانی ہے اس کی دہائی اور اس متبرک نام کو کم پکارتے ہیں۔ فرماتا ہے اس روز وہ بھی سب جمع ہوں گے فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ اگر ان کی[1] مدد سے کچھ داؤں کر سکتے ہو یعنی ہمارے عذاب کو ٹال سکتے ہو تو ٹالو اور مجھ سے داؤں کرو اور کوئی حیلہ باقی نہ چھوڑو مگر کیا کر سکیں گے وتقطعت بهم الاسباب ان کے سب وسائل منقطع ہو جائیں گے پھر اس وقت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی ضرور خرابی ہوگی۔

اس خرابی سے کیا بڑھ کر ہوگی کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ دنیا میں عمر بھر جن کو پکارتے اور ان کی کوشش کرتے تھے آج ان کی طرف منہ بھی نہیں کرتے اور ان کی بات بھی نہیں سنتے پھر کبھی حسرت ہے اور کبھی غصہ ہے کہ ناحق حق جل علا کو چھوڑ کر ہم نے ان کی پرستش کی آج تو سوائے اس کے اور کسی کی بھی سلطنت اور حکومت دکھائی نہیں دیتی اور اس سے دنیا میں کچھ بھی واسطہ نہ رکھا نہ اس کو کامل قاضی الحاجات سمجھا نہ قادرِ مطلق جانا۔ اس کی طرف سے غافل رہنے کی جو کچھ حسرت ہوگی وہ بھی ایک روحانی عذاب ہوگا جس کو لفظ ویل حاوی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ممکن ہے کہ دنیا میں رسول کی طرف سے ہو۔ کفار کے لیے کہ یہ بات ہونے والی ہے۔ اب میں نے تم کو مطلع کر دیا اگر تم ناخوش ہو تو جو تم سے میرے لیے مکر و فریب ہو سکے کر لو مگر پہلے معنی چسپاں زیادہ ہیں کس لیے کہ قیامت میں جب حقوق العباد کی بابت کفار سے مطالبہ ہوگا تو ان سے کہا جائے گا جو کچھ دنیا میں تم حیلہ بازی اور مکر سے حق تلفی کیا کرتے تھے تو اب کر لو۔ یہاں کوئی حیلہ بازی نہ چلے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا
اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک پرہیزگار ٹھنڈی چھاؤں اور چشموں اور دل پسند میووں میں رہیں گے (کہا جائے گا) لو مزہ سے کھاؤ پیو یہ جزا ہے تمہارے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (اے کفار!) کھاؤ اور برت لو تھوڑے دنوں آخر تم مجرم ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب: ان اسم المتقین فی ظلال خبرھا وعیون وکذا فوا کہ عطف علی الخبر ومما یشتھون من بیانیۃ ما موصولۃ یشتھون صلۃ والعائد محذوف ای یشتھونہ والجملۃ مجرور بمن ای متعلقۃ بمحذوف نعت لفواکھ۔ کلوا واشربوا فی محل الحال من ضمیر المتقین فی الخبر بتقدیر القول ای مقولا لھم کلوا واشربوا۔ ھنیئا منصوب علی انہ صفۃ مصدر محذوف ای اکلا ھنیئا وشربا ھنیئا (ھن) گوارا شدنِ طعام وشراب۔ یقال ھنت الطعام ای تھنات بہ ومنہ قولہ تعالیٰ فکلوہ ھنیئا مریئا من باب فتح یفتح وکرم یکرم (من الصراح) بما الباء للسببیۃ کلوا وتمتعوا قلیلا ای زمانا قلیلا

[1] یہ کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے مگر ایمانداروں کے لیے بندگانِ دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے اس سے باطل نہیں ہوتی وہ ضرور ہوگی اور وہ دوسری بات ہے۔ ۱۲ منہ

الجملۃ حال من المکذبین ای الویل ثابت لھم فی حال مایقال لھم کلوا وتمتعوا ایذانا بانھم فی الدنیا کانوا اُحقاء بان یقال لھم ذلک وعلل ذلک بکونھم مجرمین دلالۃ علی ان کل مجرم مالہ الاکل والتمتع الا ایاما قلائل ثم الخلود فی العذاب ابدا۔ ویجوز ان یکون کلاما مستانفا خطابا للمکذبین فی الدنیا۔ من الکشاف۔

تفسیر : اب ایک اور مصیبت کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ اَلْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ پرہیز گار یا ایماندار اس روز ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے برخلاف اس کے کفار گرم دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور وہ آتشِ دوزخ کی چنگاریوں میں جلتے ہوں گے مگر ایماندار اس کے بدلے چشموں میں نہاتے' پانی پیتے عیش کرتے ہوں گے۔ کفار کو زقوم اور پیپ اور لہو کھانے کو ملے گا یا غصہ اور غم مگر ایمانداروں کے لیے میوے ہوں گے اور میوے بھی وہ جن کو دل چاہے گا وہی حاضر ہوں گے اور کفار کو لعنت ملامت ہوگی برخلاف ان کے ایمانداروں کو یہ کہا جائے گا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ خوب کھاؤ پیو مزے کرو اپنے ان نیک عملوں کے بدلے جن کو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ کلمہ ایسا ہے جیسا کسی معظم ومکرم مہمان کو کہا جاتا ہے کہ کھایئے ہر چند تمہارے اعمالِ نیک چند روزہ تھے اور ان کا بدلہ اور اجرت اس قدر نہیں مگر ہم کریم ہیں اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ایک نیکی کے بدلے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ اور فانی کے بدلے باقی عطا کرتے ہیں۔ یہ کیفیت عرصات کی ہے کفار کے جہنم میں فیصلہ ہو کر جانے سے پہلے پھر جب کفار ایمانداروں کے لیے عرصات میں یہ انعام واکرام دیکھیں گے اور اپنے لیے یہ خرابی اور ذلت اور عذاب دیکھیں گے تو اپنے مقابلے میں اپنے دشمنوں کی عزت واکرام دیکھ کر کس قدر رنج اور غم ہوگا اور نیز اس بات سے بھی کہ ہم نے ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی جو آج ایسے صلے دے رہا ہے۔ یہ اور بھی رنج ہوگا کما قال وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کہ خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کی۔

آیت میں اہلِ سعادت کا انجام بھی بیان کر دیا تا کہ بیان پورا ہو جاوے۔ ظلال یعنی سائے فرمایا جو جمع کا لفظ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ایمانداروں کے لیے متعدد سائے ہوں گے اول عرصات میں عرشِ رب العالمین کا سایہ ہوگا پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمالِ صالحہ اور صدقات کا پھر جب بہشت میں جائیں گے تو طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل ومکاناتِ سکونت میں آئیں گے تو جنت کے عمدہ محلوں اور وہاں کے چھپر کھٹوں اور نمگیروں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ایک سایہ ہزار سایوں سے بہتر ہوگا اور اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے۔ عین ایک چشمہ عیون بہت سے۔ وہاں چشمے اور نہریں جاری بھی ان کے لیے متعدد ہوں گی جو ان کے معارف اور اعمالِ صالحہ کا مظہر ہوگا اقسام اقسام کے اعمال ومعارف تھے ویسے ہی چشمے بھی اقسام اقسام کے ہوں گے کسی میں کافور کی آمیزش کسی میں زنجبیل کی کسی میں شہد کی شیرینی کسی میں دودھ کی خاصیت۔ یہ دنیا میں ان کے روزہ کی تشنگی برداشت کرنے کا اور دین میں کوشش کرنے کا ثمرہ ہوگا اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے فاکھہ کی جمع جس کے معنی ہیں میوہ سو وہاں ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کوشش ایک ایک دل پسند میوے کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک عملوں کا بدلہ ہے۔

ایک اور مصیبت ان پر پیش آئے گی وہ یہ کہ تمسخر کے طور پر ان کفار سے کہا جائے گا كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ کہ چند روز کھا لو پی لو، آخر تو تم مجرم ہو۔ یہ ان کی دنیاوی حالت کو یاد دلا کر ان پر تعریض کی جائے گی کیونکہ منکرینِ قیامت دنیا ہی کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے اجی قیامت قیامت سنا کرتے ہیں وہاں کے ادھار کے لیے کیوں آج نقد عیش وعشرت کو چھوڑے۔ کھاؤ حرام وحلال جو ملے اور ہر طرح کا مزہ کرو' شراب وزنا وغیرہ لذتوں سے کون محروم رہے۔ یہ خشک دماغ جو قیامت کے بھروسا پر بیٹھے ہیں ناحق ان مزوں سے محروم رہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی ہے۔ دن بھر روزے میں بھوکا پیاسا مرنا کس عقل مند کا کام ہے پھر کیا بارِ دگر دنیا میں آنا ہے

یہ مزے کیوں چھوڑیں۔ بعض شعراء نے جو انہیں لوگوں کی ذریت میں سے ہیں ان باتوں کو اشعار میں بھی نظم کیا ہے۔ تب وہاں ان سے فرشتے انہیں کی اس بات کو انہیں کے دنیاوی خیالات یاد دلانے کے لیے اس میں نمک مرچ لگا کر یوں کہیں گے کہ کھاؤ مزے کر لو چند روز آخر تم مجرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام دنیا میں کفار کی طرف بالفعل ہے کہ اے کفار! تم جو قیامت کے منکر ہو دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تھوڑے دنوں کھا لو عیش کر لو آخر تم مجرم ہو حبسِ دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اس لیے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔ اور اس خرابی سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت آمیز آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روز عیش ونشاط کے سبب جواب خواب وخیال ہو گئے ہمیشہ کا عذابِ دردناک اور دُکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مر کر اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ یہ نویں قسم کی خرابی تھی جس کو عذاب کہنا چاہیے خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی ایک دوسری سے بڑھ کر ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں وہ ایسی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو جھکو تو نہیں جھکتے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

ترکیب : واذا شرط لایرکعون ای ھم لایرکعون الجملۃ جوابہ فبای الباء تتعلق بیؤمنون بعدہ ظرف لیؤمنون والجملۃ استفھامیہ والاستفھام استقراری۔

تفسیر : فقال وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ یعنی وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں کہا جاتا ہے (رسول یا اس کے نائب کہتے ہیں) خدا کی طرف جھکو کہ اس کے احکام مانو' نواہی سے بچو تو نہیں جھکتے۔ مومن وکافر میں ایک یہ بھی بڑا امتیاز ہے کہ مومن مصیبت کے وقت' راحت کے وقت' بیماری میں تندرستی میں' افلاس' میں تو انہی میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکتا ہے۔ اس کا مرکزِ اصل وہی ہے جب کسی مانع نے روک بھی لیا تو جب مانع اٹھ گیا ادھر ہی چلا آیا اس کی طرف اس کو قرار آتا ہے برخلاف کافر کے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ رکوع سے مراد نماز میں جھکنا ہے جو خاص علامت فرمانبرداری کی ہے کہ ہم نے آپ کے آگے سر جھکا دیا، پیٹھ ٹیڑھی کر دی آپ جو چاہیے ہم پر احکام کا بوجھ دھر دیجئے ہم بجالانے کو مستعد ہیں اور اسی لیے دنیا میں بادشاہوں کے سامنے خم ہونا اور سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی علامت ہے اور یہ رکوع نماز میں اسلامیوں کے شعار میں داخل ہو گیا گویا جب ان کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تا کہ زمرۂ اسلام میں داخل ہوں تو نہیں مانتے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت قومِ ثقیف کے معاملہ میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہارِ اسلام کیا۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور نماز تعلیم فرمائی۔ انہوں نے کہا ہم رکوع نہ کریں گے کیونکہ اس میں عار ہے کیونکہ آدمی زاد سیدھا پیدا کیا گیا اور جب وہ پیٹھ گائے بیل کی طرح کرے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود کہ اس دین میں کچھ خیر نہیں کہ جس میں نہ رکوع ہے نہ سجود۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ کفار سے اس وقت کہا جائے گا جبکہ تجلیِ الٰہی ہو کر کشفِ ساق ہوگا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا پھر جو دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے وہاں بھی نہ کر سکیں گے۔ تختے کی طرح پیٹھ اور گردن اکڑ جائے گی رکوع وسجود میں خم نہ ہو سکیں گے۔ حاصل کلام